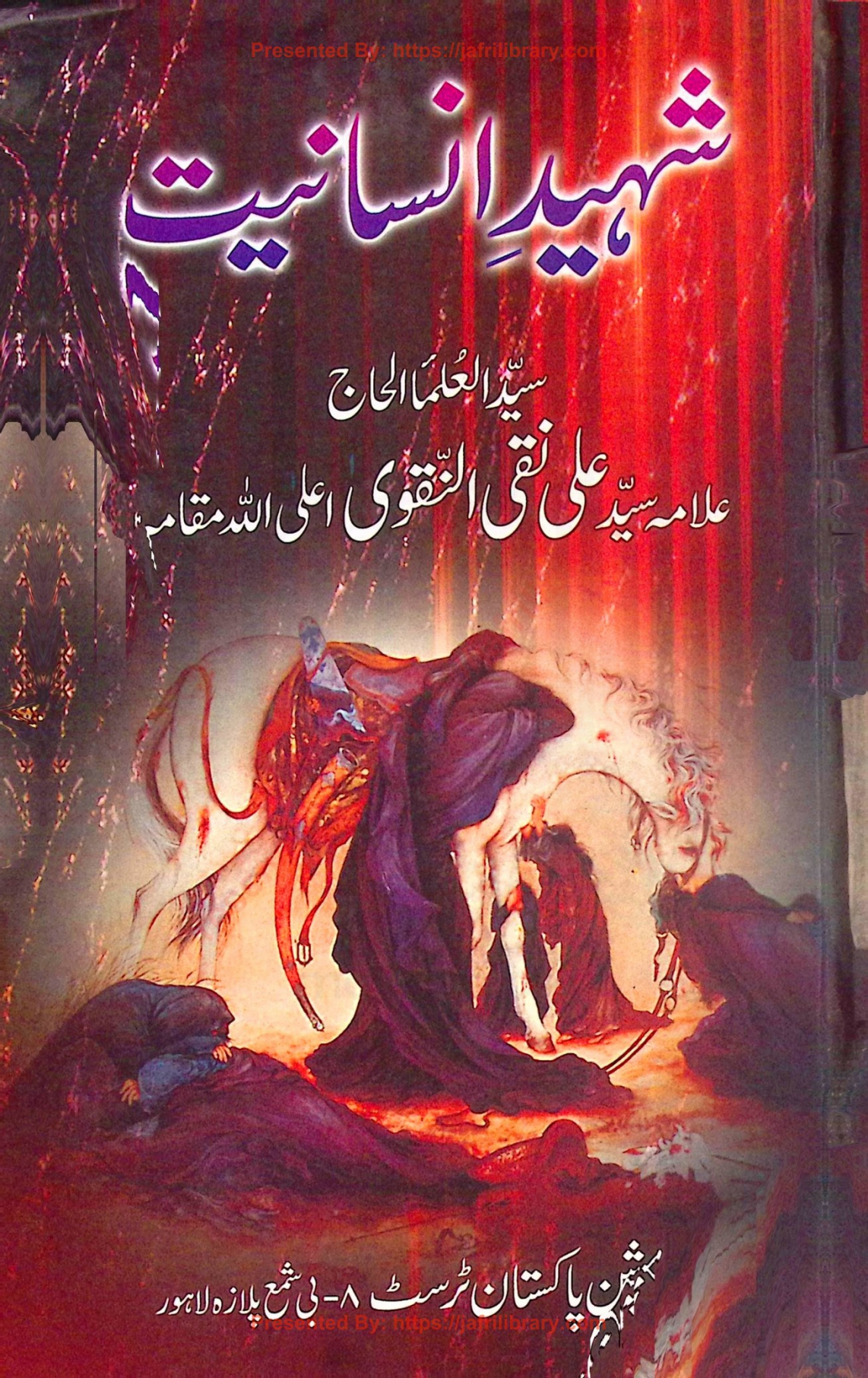
Presented By: https://jafrilibrary.com

شہیدِ انسانیت

سیّد العُلما الحاج

علامہ سیّد علی نقی النّقوی اعلی اللہ مقامہ



مشن پاکستان ٹرسٹ ۸- بی شمع پلازہ لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com



وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں سے روزی پاتے ہیں

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

(جوشؔ)

شہیدِ انسانیت

از فادات

مفکرِ اسلام مجتہد العصر نابغۂ روزگار سیّد العلماء الحاج علامہ سید علی نقی النقوی مرحوم و مغفور

سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی علی گڑھ یونیورسٹی

ناشر

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ

۸۔ بی شمع پلازہ، لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ محفوظ ہیں

بار _____ یازدہم

اشاعت _____ ۲۰۱۴ء

تعداد _____ ایک ہزار

ناشر _____ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ، لاہور

مطبع _____ نثار آرٹ پریس، لاہور

قیمت _____ [redacted]

مینجنگ ٹرسٹی فضیلت حسین نقوی

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ

۸-بی شمع پلازہ، ۲۷ فیروز پور روڈ، لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عرض ناشر

انسان کو پروردگار عالم نے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی خالقت کی غرض معرفت خالق قرار دی۔ فکری رہنمائی کا اہتمام خود خالق کی طرف سے اس طرح کیا گیا کہ اتمام حجت ہو جائے اور عدم معرفت کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق ہادیان برحق مبعوث ہوتے رہے، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ رب اپنے دین کے اکمال اور اپنی نعمتوں کے اتمام کا اعلان کر دے۔ جناب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب ہدایت کے ساتھ اپنے اسوۂ حسنہ کا نمونہ پیش کیا۔ اس معلم آخری نے متعلمین کو نہ صرف پورے نصاب ہدایت سے روشناس کرا دیا بلکہ یہ اہتمام بھی کر دیا کہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ ان کی عترت و اہل بیت کو ترکہ رسول سمجھو اور دونوں سے وابستہ رہ کر رشد و ہدایت حاصل کرتے رہو۔ اس طرح گمراہی سے بچنے کی راہ دکھا دی۔ یوں تو ہر نگران کار نے رسولؐ کے پیغام کو اصلی خدوخال میں پہنچانے اور اس طرح اپنے بعد گمراہی سے بچانے کا فریضہ نگہبانی باحسن وجوہ انجام دیا لیکن فخر انسانیت کے نواسہ شہید انسانیت امام حسینؑ نے اس سرمایہ علم و عمل کی حفاظت کا فرض کچھ اس طرح ادا کیا کہ جس کی نظیر کائنات عالم میں نہیں مل سکتی۔

از ہیچ پیمبرے نیامد ایں کار واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

مدعیان معرفت خدا پر ان کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے وہ محسن شناسی کا اظہار اس طرح کر سکتے ہیں کہ حسینیت کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیں۔ اسی مقصد عظیم کے پیش نظر امام حسینؑ کی تیرہ سو سالہ یادگار کے سلسلہ میں جناب سید العلمائے علامہ نقی النقوی مرحوم نے ایک جامع پروگرام قوم کے سامنے پیش کیا جس کے تحت شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی یادگار حسینی کے اجلاس منعقد ہوئے۔ اس پروگرام میں ایک ایسی کتاب کی تدوین بھی شامل تھی جو بین الاقوامی نقطہ نظر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے امام حسینؑ کے سوانح حیات اور واقعہ ہائلہ کربلا کی مستند تفصیلات پر مشتمل ہو چنانچہ اس کی تدوین میں ہر فرقہ و مسلک کے مشاہیر کو شامل کیا گیا کیونکہ حسینؑ کسی فرقہ خاص کے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کو حق و باطل میں تمیز کرنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ بقول جوش ع ''ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ''

حال ہی میں سید العلماء مرحوم نے اپنی اس مبسوط کتاب ''شہید انسانیت'' کے متن پر نظر ثانی فرما کر اسے از سر نو مرتب فرمایا ہے اور اس عظیم کتاب کی اشاعت کے حقوق امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور کو عطا فرمائے ہیں۔ امام حسینؑ کی سیرت و سوانح کے موضوع پر اردو زبان میں کوئی ایسی جامع اور مستند کتاب موجود نہیں تھی تمام علم دوست افراد سرکار ممدوح کے سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے اس کمی کو پورا کیا۔ فخر المتکلمین جناب مولانا سید محمد جعفر زیدی مرحوم خطیب جامع شیعہ لاہور نے اس کتاب کا تعارف لکھا ہے جو شامل اشاعت ہے۔ اپنی اہمیت کے اعتبار سے شہید انسانیت، اس صدی کی عہد آفرین کتاب ہے جس طرح نابغہ روزگار صدیوں میں پیدا ہوتا ہے اس طرح عظیم کتابیں بھی روز روز منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوتیں۔ ہم اس کتاب کو بڑے عجز کے ساتھ ابنائے قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ اسے ہر لائبریری ہر اسکول اور ہر کالج نیز ہر مسلک کے سربراہ حضرات تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔

فضیلت حسین نقوی

مینجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مندرجات

۱-	تعارف	۸
۲-	تمہید	۲۰
۳- پہلا باب	نسبی خصوصیات، خاندان اور اس کے شاندار روایات	۳۱
۴- دوسرا باب	بنی ہاشم اور بنی امیہ	۳۳
۵- تیسرا باب	اسلام اور اس کا پیغام	۴۶
۶- چوتھا باب	اسلام کا مزاحم طاقتوں سے تصادم	۵۶
۷- پانچواں باب	حسینؑ بن علیؑ کی ولادت اور ابتدائی زندگی	۶۷
۸- چھٹا باب	امام حسینؑ کی زندگی کا دوسرا دور، ناناؐ کی وفات کے بعد سے باپ کی شہادت تک۔ ۱۱ھ - ۴۰ھ	۷۱
۹- ساتواں باب	بنی امیہ کا اقتدار اور ان کی سیاسی روش	۹۳
۱۰- آٹھواں باب	پیغمبرؐ خدا کے بعد اسلامی مفاد کے محافظین، ان میں اور مخالف قوتوں میں تصادم اور اس کے نتائج۔	۱۰۱
۱۱- نواں باب	حسن مجتبیٰؑ کی صلح اور اس کے نتائج ۴۰ھ - ۶۰ھ	۱۰۵
۱۲- دسواں باب	یزید کی ولیعہدی	۱۳۹
۱۳- گیارھواں باب	معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی	۱۵۰
۱۴- بارھواں باب	یزید، تاریخ کی روشنی میں	۱۵۳
۱۵- تیرھواں باب	امام حسینؑ کے بلند اخلاق و کمالات اور گراں قدر مقولات	۱۵۹
۱۶- چودھواں باب	یزید کا بیعت پر اصرار اور حسینؑ کا انکار	۱۸۰
۱۷- پندرھواں باب	حسنؑ کی خاموشی اور حسینؑ کے اقدام	۱۸۹
۱۸- سولھواں باب	حسینی موقف کی تشریح	۱۹۵
۱۹- سترھواں باب	حرم رسولؐ سے سفر اور حرم خدا میں پناہ	۲۰۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۰- اٹھارواں باب	دعوت اہل کوفہ اور سفارت مسلم بن عقیل	۲۱۲
۲۱- انیسواں باب	مکے سے کربلا تک سفر امام حسینؑ، منازل سفر اور کربلا میں ورود	۲۴۹
۲۲- بیسواں باب	یزیدی حکومت کی سرگرمیاں اور کربلا میں فوجوں کی آمد	۲۸۴
۲۳- اکیسواں باب	انصار امام حسینؑ، ان کی قلت تعداد اور اس کے اسباب	۲۹۰
۲۴- بائیسواں باب	صلح کی باتیں	۲۹۴
۲۵- تیئسواں باب	بندش آب اور غلبہ تشنگی	۲۹۸
۲۶- چوبیسواں باب	صلح کی آخری کوشش اور اس کا انجام	۳۰۳
۲۷- پچیسواں باب	شب عاشور یعنی محرم کی دسویں رات	۳۰۹
۲۸- چھبیسواں باب	دسویں محرم ۶۱ھ، اتمام حجت اور آغاز حرب	۳۱۴
۲۹- ستائیسواں باب	انصار امامؑ کے حالات اور حیرت انگیز قربانیاں	۳۳۵
۳۰- اٹھائیسواں باب	اقربائے امام، یعنی بنی ہاشم کی قربانیاں	۴۰۹
۳۱- انتیسواں باب	جہاد آخر اور شہادت	۴۲۹
۳۲- تیسواں باب	شہادت کے بعد	۴۳۵
۳۳-اکتیسواں باب	اسیری اہل حرم کے واقعات پر ایک جامع تبصرہ	۴۵۵
۳۴- بتیسواں باب	اُسرائے اہل بیت کے مختصر حالات	۴۶۱
۳۵- تینتیسواں باب	گزشتہ واقعات کی روشنی میں حسینی شخصیت اور کارنامہ حسینی پر تبصرہ	۴۷۶
۳۶- چونتیسواں باب	فتح کس کی ہوئی؟	۴۸۳
۳۷- پینتیسواں باب	مجرموں کی پشیمانی	۴۸۸
۳۸- چھتیسواں باب	عالم اسلامی کے تاثرات	۴۹۶
۳۹- سینتیسواں باب	آثار انقلاب، واقعہ حرہ، خلافت ابن زبیر، اضطراب عراق و ایران اور دیگر جزئی واقعات	۵۰۰
۴۰- اڑتیسواں باب	جماعت توابین	۵۱۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۴۱- انتالیسواں باب خون ناحق کا انتقام ۵۲۰
۴۲- چالیسواں باب اموی حکومت کا انجام ۵۳۱
۴۳- اکتالیسواں باب بنی عباس کی سلطنت ۵۳۳
۴۴- بیالیسواں باب تبدیل ذہنیت ۵۳۹
۴۵- تینتالیسواں باب اخلاقی نتائج
۴۶- خاتمہ کتاب:
عالم انسانی کو اصلاح عمل اور اتباع اسوۂ حسینی کی دعوت ۵۸۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تعارف

تعارف کرایا جاتا ہے اس شے کا جو خود تو ہو غیر معروف اور تعارف کرانے والا ہو اپنی جگہ معروف و مشہور، لیکن یہاں صورت حال ہے برعکس۔ دنیائے شیعیت میں کون ایسا شخص ہوگا جو جناب سید العلماء السید علی نقی النقوی دامت مکارمہ، اور ان کے کمال علم و فضل سے یا ان کے مصنفات کی جلالت قدر سے ناآشنا ہو لیکن چونکہ عالم اسباب میں عظیم تر ہستیوں کی پشت پر بھی تصدیق و تائید کرنے والے مناسب حضرات رکھے گئے ہیں جیسے جناب موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لئے ہارون علیہ السلام اور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و تائید کے لئے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام، اسی طرح میں بھی کتاب ''شہید انسانیت'' کے تعارف کے لئے قلم اٹھا رہا ہوں۔

میں ہمیشہ سے یہ سمجھتا رہا ہوں کہ جناب سید العلماء دام مجدہ علم و فضل کے بلند ترین مقام پر ہیں اور تقریباً ہر علمی شعبہ میں خداداد کمال اور ذوق بے مثال رکھتے ہیں اس اعتبار سے وہ مجتہد العصر ہی نہیں بلکہ وحید عصر اور نادرۂ روزگار اور حقیقتاً سید العلماء ہیں۔ چونکہ ہر کلام اپنے متکلم کے صفات و کمالات کا آئینہ دار ہوتا ہے لہٰذا سید العلماء کا ہر کلام سید الکلام اور ان کی ہر کتاب کتابوں کی سید و سردار ہے۔ کتاب شہید انسانیت بھی جناب موصوف کی نگارش قلم ہے۔ ابتداءً مسودۂ کتاب میں کچھ نامانوس اور غیر مشہور چیزیں آگئی تھیں لیکن موجودہ طباعت میں جناب موصوف نے نظر ثانی فرما کر ہر امر کا لحاظ فرماتے ہوئے ہر مضمون کو مطبوع اور مانوس حیثیت میں پیش کیا ہے۔ میں نے کتاب پیش نظر کو اول سے آخر تک دیکھا ہے۔ صرف کتابت کے اغلاط کو درست کیا گیا ہے۔ یہ کتاب یقیناً ہر قوم و ملت کے لئے مفید ہے کیونکہ جناب موصوف نے یہ کتاب ایسی نرم اور ہموار سطح پر تحریر فرمائی ہے جو ہر مذہب و ملت کے لئے لائق قبول ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام کی آخری جنگ والا حصہ کسی اور صاحب قلم کا ہو کیونکہ آپ کا وہ شاہکار شجاعت جو کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے پورے طور پر نمایاں نہیں ہوا۔

مسئلہ بیعت جو واقعہ کربلا کی اصل بنیاد ہے اگرچہ جناب موصوف نے اس کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

انتہائی لطافت سے پیش کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کتاب کو ہموار اور معتدل رکھنے کے سبب سے پوری توضیح نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے اس مسئلہ کی مختصراً توضیح کی جاتی ہے۔

یہ تو دنیا جانتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اقرباء و انصار نہ کسی قتل کے قصاص میں قتل کئے گئے نہ کسی اور جرم کی پاداش میں۔ وہ قتل کئے گئے صرف اس بناء پر کہ انہوں نے بیعت یزید نہیں کی۔ لیکن یہ کہ امامؑ نے بیعت یزید کیوں نہ کی، انکار بیعت کا سبب کیا تھا اور وہ کیا چیز تھی کہ بیعت یزید کے مقابلہ میں امامؑ کو اپنا بھرا گھر لٹا دینا اور ہرا بھرا باغ کٹوا دینا آسان نظر آیا۔ کیا امامؑ کو یہ توقع تھی کہ اس عظیم قربانی کے بعد خلافت اپنے صحیح اصول پر آجائے گی، یزید اور یزیدیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حق مانا جائے گا اور باطل مٹ جائے گا، ظلم و جور کی حکمرانی نیست و نابود ہو جائے گی۔ امت مسلمین حق سے وابستہ اور باطل سے کنارہ کش ہو جائے گی اور ان کی سوئی ہوئی دنیا جاگ جائے گی۔ آل محمدؐ اور ان کے متبعین پر جو ظلم و ستم ہو رہا ہے اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور میرے بعد میرا خاندان اپنے متبعین کے ساتھ آرام اور عافیت کی زندگی بسر کرے گا۔ بدعتیں ختم ہو جائیں گی اور شریعت حقہ کا ہر طرف سے خیر مقدم ہوگا۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ہوگئی ہوتی تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو سکتے تھے کہ امامؑ نے ان اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر بیعت نہ کی اور اس عظیم قربانی کو قبول کیا۔ زور شاعری اور زور تقریر چاہے کسی سے یہ نتائج بیان کرا دے اور نمائشی طور پر اس شہادت کے نتیجہ میں یہ سبز باغ دکھا دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی خلافت کا رنگ رہا، وہی ظلم و جور رہا۔ وہی باطل پسندی اور حق سے دوری رہی، وہی خاندان رسالت اور ان کے متبعین پر ظلم و تشدد رہا۔ مسلمانوں کی دنیا میں کونسی برائی تھی جو مٹ گئی ہو اور کونسی بھلائی تھی جو پلٹ آئی ہو۔ یزید کے بعد مروان اور مروان صفت خلیفہ ہوتے رہے۔ کیا وہ یزید سے کچھ کم تھے؟ ائمہ ء اہل بیتؑ کی انتہائی خاموش اور صابرانہ زندگی کے باوجود ان پر کیا کیا ظلم و ستم نہ ہوئے۔ سادات اور ان کے متوسلین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تہ تیغ کیا جاتا رہا۔ زندہ، دیواروں میں چنا جاتا رہا۔ ان کے خون سے گارے بنائے گئے۔ مرقد حسینؑ کو بے نشان کرنے کے لئے پانی چھوڑا گیا۔ ہل چلائے گئے روضہ حسینی میں کتنی بار آگ لگائی گئی اور اس کو تباہ کیا گیا۔ علی مرتضیٰؑ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پر کب تک سب وشتم ہوتا رہا اور گانے والیوں سے ان کی ہجو گوائی گئی۔ کیا دنیا کے ظلم و جور، قہر و استبداد کا رنگ کچھ بدلا؟ نہیں۔ دنیا جوں کی توں رہی بلکہ بد سے بدتر ہوگئی۔ پھر یہ کیسے کہا جائے کہ ان مقاصد کے لئے امام نے بیعت کرنا نامنظور اور شہادت کو منظور کیا۔ انکار بیعت کا سبب تو کچھ اور ہی تھا۔

یہ لفظ بھی زباں زد خاص و عام ہے کہ امامؑ نے بیعت یزید سے اس لئے انکار کیا کہ وہ شراب خوار تھا، زانی تھا، ظالم تھا، فاسق و فاجر تھا۔ یہ نظر یہ بظاہر خوش آئند ہے۔ جو اٹھتا ہے اسی پر اپنے خیالات کی عمارت بناتا چلا جاتا ہے لیکن حقیقت سے کوسوں دور ہے یہ نظریہ۔ ابتداء میں کچھ سوچ سمجھ کر پھیلایا گیا ہوگا جس کی اب ہر شخص بغیر سوچے سمجھے رٹ لگا رہا ہے۔ اس طریقہ سے اصل میں یہ تاثر بہم پہنچانا تھا کہ یزید وہ پہلا دعویدار خلافت تھا جو فاسق و فاجر تھا۔ اس سے پہلے فضا ٹھیک تھی اس لئے امام حسینؑ اور ان کے خاندان کی طرف سے یہ انکار بیعت کا پہلا واقعہ ہے۔

ایسا کہنے والوں سے اگر یہ پوچھا جائے کہ اچھا اگر یزید شراب خوار، زانی اور فاسق نہ ہوتا تو کیا امام اس کی بیعت کر لیتے؟ بے خبر دنیا تو شاید کہہ دے کہ کر لیتے لیکن باخبر فوراً چونک کر بولے گا کہ ہرگز نہیں۔ پھر ہرگز نہیں تو انکار بیعت کا سبب یہ فسق و فجور کہاں رہا؟ یہ بات تو بالکل ختم ہی ہوگئی اور امامؑ کا انکار بیعت تو کسی اور ہی سبب سے ہوا جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ یزید کی مبینہ بدکرداری اس کے باپ کی زندگی ہی میں تھی یا بعد میں رونما ہوئی؟ یاد رکھئے کہ امام نے حضرت معاویہ کی زندگی ہی میں خلافت یزید کی قرارداد سے انکار کیا تھا۔ اس کے بعد مدینہ میں حضرت معاویہ کی خبر وفات اور امامؑ سے بیعت یزید کی طلب یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ پہنچی تھیں لہٰذا امامؑ اور دوسروں کی نظر میں یزید کی وہی زندگی تھی جو اس کے باپ کے سامنے تھی۔ وہ جیسا بھی تھا اپنے باپ کی زندگی ہی میں تھا پھر ایسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لئے نامزد کرنا اس کا الزام نامزد کرنے والے پر آئے گا یا نامزد ہونے والے پر؟ یزید خود سے تو خلیفہ نہیں بنا، اس کو تو خلیفہ بنایا گیا۔ اب فسق و فجور کے توازن میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ وہ کون سے ایسے سنگین گناہ تھے جن

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے لئے یزید کو منفرد اور پہلا شخص کہا جاسکے اور یہ سمجھا جاسکے کہ ایسے سنگین گناہ یزید سے پہلے نہ تھے۔ بیشک شرابخواری اور زنا کاری سنگین اور گناہ کبیرہ ہیں لیکن ان گناہوں کا تعلق گنہگار کی ذات سے ہے۔ ان گناہوں کے مقابلہ میں مومنین کا دیدہ و دانستہ قتل ناحق وہ سنگین ترین گناہ ہے جس پر قرآن کریم کے کھلے الفاظ میں وعید جہنم ہے۔ مومن کے قتل عمد کے سامنے شراب نوشی اور زناء کیا چیز ہے؟ اور یہ قتل مومن کی جزاء کا جہنم ہونا اس وقت ہی ہے جبکہ یہ مقتول مومن عام مومنین میں سے ہو اور یہ قتل صرف ایک مومن کا ہو تب اس جرم کی سزا جہنم سے کم نہیں اور اگر وہ مقتول صرف مومن ہی نہ ہو بلکہ متقی، متہجد، فقیہہ، عارف اور صحابی رسولؐ بھی ہو تو اس جرم کی سنگینی کتنی بڑھ جائے گی اور ایسا مقتول اگر محض ایک ہی نہ ہو بلکہ بہت سے ہوں تو یہ جرم کہاں سے کہاں پہنچے گا؟ اور ایسے متواتر جرم کے مقابلہ میں شراب نوشی اور عیاشی کیا چیز رہ جائے گی۔ میں یہاں جنگ صفین کا کوئی ذکر نہیں کر رہا ہوں بلکہ امام حسن علیہ السلام اور مالک اشتر ایسے حضرات کو زہر دلانے کا بھی ذکر مقصود نہیں ہے کیونکہ اس پر کچھ نہ کچھ پردہ ضرور ہے۔ یہ خدا ہی جانتا ہے کہ معاویہ نے کتنے بے خطا اور ایماندار حضرات کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تمام واقعات مذکورہ تاریخ سے قطع نظر کر کے اگر صرف حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل ناحق پر ہی نظر کی جائے جو مرج عذراء میں تہ تیغ کئے گئے اور ان چھ حضرات کو ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ساتویں شخص عبدالرحمٰن بن حسان نامی کو حضرت معاویہ کی ہدایت کے مطابق زیاد نے زندہ زمین میں دفن کرا دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے قتل سے ام المومنین حضرت عائشہ اور امام حسین علیہ السلام نہایت دردناک، ملول اور شاکی ہوئے۔ حضرت ام المومنین عائشہ نے ان لوگوں کو علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے اعتبار سے عرب کا سر اور دماغ فرمایا۔ جن کے قتل سے باز رکھنے کے لئے حضرت عائشہ نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ معاویہ تم حجر اور ان کے اصحاب کے بارہ میں خدا سے ڈرنا لیکن ام المومنین کے قاصد مذکور کے وہاں پہنچنے سے پہلے یہ کامل الایمان حضرات قتل کئے جا چکے تھے۔ ان بے خطا لوگوں کے قتل کی خبر سن کر حضرت عبداللہ بن عمر چیخیں مار مار کر رونے لگے اور ربیع بن زیاد حارثی حاکم خراسان نے دردمند ہو کر جمعہ کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دن اس امر کی دعا کی کہ خداوندا اب جلد ربیع کی یعنی میری روح کو بھی قبض کر لے اور مجمع سے خواہش کی کہ وہ آمین کہے۔ چنانچہ وہ مسجد سے نکلتے ہی گر کر مر گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ صحابی رسول عمر بن حمق الخزاعی جن کو پیغمبرؐ نے سلام کہلایا تھا اور جو بقول امام حسینؑ ایسے صالح اور عبادت گزار تھے کہ کثرت عبادت سے ان کا جسم گھل گیا تھا، بدن ڈھل گیا تھا، چہرہ پر زردی چھا گئی تھی، ان کی گرفتاری کا حکم ہوا اور حضرت معاویہ کی خصوصی ہدایت کے مطابق ان پر نیزہ کے نو وار کئے گئے حالانکہ وہ پہلے یا دوسرے ہی زخم میں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے یعنی ان کی شہادت کے بعد بھی کم از کم سات مرتبہ نیزہ مارا گیا۔

یہ اقدام بھی حضرت معاویہ کا کس قدر خلاف شریعت اور مخالف ارشاد نبویؐ تھا کہ انہوں نے محض اس بناء پر کہ ان کے باپ ابوسفیان نے مادر زیاد سے زناء کیا تھا زیاد کو اپنا بھائی اور ابن ابی سفیان قرار دے دیا۔

امیر شام کے یہاں گانے والوں کی قدر و منزلت ہوتی تھی اور وہ سرور و نشاط میں بھر کر تھرکنے لگتے تھے۔

مقدام بن معدی کرب نے خود حضرت معاویہ سے کہا کہ میں تمہارے یہاں سونے کا پہننا، درندہ جانوروں کی کھال پر بیٹھنا، پائخانوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا یہ سب دیکھ رہا ہوں جو حرام اور خلافِ شریعت ہے۔ امیر شام مذکور نے عرفہ کے روز حج میں تلبیہ (لبیک کہنا) ممنوع قرار دے دیا۔ مدینہ میں نماز عشا پڑھائی تو نہ بسم اللہ پڑھی نہ بعض تکبیریں کہیں اور اہل مدینہ کے ٹوکنے پر بھی کوئی اعتناء نہ کی۔ یہ تمام چیزیں اسی کتاب ''شہید انسانیت'' کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۳۵ میں پڑھ لیں۔ ان تمام چیزوں سے زیادہ یزید کا اس کی تخت نشینی کے وقت وہ کون سا فسق و فجور تھا جس کی وجہ سے فسق و فجور میں اس کو منفرد اور بے مثال کہا جا سکے۔ امامؑ سے طلب بیعت کے وقت نہ اس کے دامن پر قتلِ اہل بیتؑ کا دھبہ تھا نہ کعبہ کی بے حرمتی کا، نہ اہل مدینہ کی غارت گری کا۔ بیعت یزید سے امامؑ اور ان کے خاندان کا انکار کوئی پہلی اور نئی بات نہ تھی۔ کیا امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے حضرت معاویہ کو حقدار خلافت تسلیم کر لیا تھا؟ کیا امام حسنؑ نے ان کو صحیح حقدار خلافت مان کر حکومت ان کے سپرد کی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اس صلح میں یہ قرارداد بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلافت کے لئے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ بعض جگہ تو یہ بھی مذکور ہے کہ خلافت بعد معاویہ پھر حسنؑ کی طرف منتقل ہوگی اور یہ امر اس بات سے بالکل ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ نے امام حسینؑ کے وجود کو نہیں بلکہ امام حسنؑ کے وجود کو یزید کی ولیعہدی کے لئے سنگ راہ سمجھا اور جب تک امام حسن علیہ السلام کو زہر دلا کر شہید نہ کر دیا اس وقت تک یزید کی ولیعہدی کو زبان سے نہ نکالا۔ عزت و وقار کے اعتبار سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں بھائی ایک جیسے تھے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ جب تک امام حسنؑ زندہ رہے یزید کی ولیعہدی کا اظہار نہ کیا گیا اور شہادت حسنؑ کے بعد حسینؑ کی موجودگی میں یزید کی ولیعہدی کا چھپا ہوا منہ بہ کھل کر سامنے آ گیا۔ اگر محض امام حسنؑ کا وقار مانع تھا تو وہی وقار امام حسینؑ کا تھا۔ صرف امام حسنؑ کو زہر دلانا اور اس کے بعد دس برس تک امام حسینؑ کو چھوڑے رکھنا اور ان کے خلاف ایسا کوئی حربہ نہ استعمال کرنا جس سے ان کی شمع حیات گل ہو جائے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے اور وجہ یہی ہے کہ صلح نامہ میں امام حسنؑ کے نام کی تخصیص سے یہ بات آ چکی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت پھر امام حسنؑ کی طرف منتقل ہوگی۔ اس شرط نے یہ مسئلہ صاف کر دیا کہ امام حسنؑ نے صرف عارضی طور پر نظام حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ مستقل خلیفہ قرار نہیں دیئے گئے کیونکہ سنی، شیعہ دونوں نقطہ نظر اس پر متفق ہیں کہ ہر خلیفہ کو حق ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے خلیفہ معین کرے اور خلیفہ مابعد کی تصریح کرے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو معین کیا اور حضرت عمر نے خلافت کو چھ نامزد افراد میں منحصر کیا۔ نامزدگی دونوں حضرات نے کی اور وہ عموماً تسلیم کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے بعد کے لئے امام حسنؑ کو نامزد فرمایا اور ہر امام آخر تک اسی طرح اپنے بعد کے لئے نامزد کرتا رہا۔ جبکہ دونوں مذہب میں ہر خلیفہ کا حق استخلاف موجود ہے مگر غیر خلیفہ کو نہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ خلیفہ ہے تو اس کو حق استخلاف بھی ہے اور جس کو حق استخلاف نہیں تو وہ خلیفہ بھی نہیں، لہٰذا یہ شرط کہ معاویہ کو حق استخلاف نہ ہوگا رکھی ہی اس لئے گئی تھی کہ دنیا ان کو خلیفہ نہ سمجھ بیٹھے۔ اگر ان کو خلیفہ مان کر حکومت دی گئی ہوتی تو ان کو استخلاف کے لئے بے بس کیوں کیا جاتا؟ جبکہ سنی شیعہ کسی کے یہاں بھی کوئی خلیفہ حق استخلاف سے محروم نہیں۔ مجھے تعجب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے کہ عموماً اہل نظر نے بھی اس شرط اور اس معاہدہ کی افادیت پر نظر نہیں کی۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور ان کے خاندان اور متبعین نے خلافت حضرت معاویہ ہی کو تسلیم نہیں کیا جیسا کہ اروی بنت عبدالمطلب کی اس گفتگو سے ثابت ہے جو حضرت معاویہ سے ہوئی اور کتاب حاضر میں کسی جگہ مذکور بھی ہے تو انکار بیعت یزید اس گھرانے کی طرف سے کوئی پہلی مثال ہرگز نہ تھی۔ حق تو یہ ہے کہ علی مرتضیٰ سے لے کر گیارھویں امام تک ہر امام کا مستقل یہ شعار رہا کہ اپنے اپنے عہد کے حکمران کی حکمرانی کو ضرور برداشت کرتے رہے اور کسی امام نے بھی اپنے حق حکومت کو حاصل کرنے کے لئے اگرچہ قتال و جدال نہیں کیا لیکن ان میں سے ایک امام نے بھی کسی کا استحقاقاً خلیفہ ہونا تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تیسری خلافت کے انعقاد کے وقت علی مرتضیٰؑ نے کسی بھی حکمران کے اتباع کی شرط کو مان کر اپنا خلیفہ ہونا پسند نہ کیا اور یہی وجہ ہے کہ علی مرتضیٰؑ سے لے کر گیارھویں امام تک ایک امام بھی کسی عہد حکومت میں کسی عہدۂ حکومت پر نہ آیا اور نہ لایا جاسکا۔ نہ کسی جہاد اور مہم میں شریک ہو سکا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ یا تو امام حسنؑ اپنے باپ کے بعد تھے امیر المومنین اور خلیفہ راشد یا صلح کے بعد اپنی دس سالہ زندگی میں صرف مدینہ کے بھی حاکم نہ رہے۔ بلکہ امام حسینؑ عہد حکومت معاویہ میں بیس برس مدینہ میں رہے مگر ایک دن کے لئے بھی صرف مدینہ کے بھی حاکم نہ رہے بلکہ امامین کی موجودگی میں دوسرے ہی لوگ مدینہ کے حاکم ہوتے رہے جن کو حسنؑ و حسینؑ سے کسی طرح کوئی نسبت ہی نہیں۔ آخر ہر امام کا حکومت اور حکومت کی ہر مہم سے دور رہنا، ہر حکومت کی ان پر کڑی نگاہیں، کسی کے لئے قتل اور کسی کے لئے قید و بند، یہ کیوں ہوتا؟ اگر وہ اپنے اپنے عہد کی حکومتوں کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوتے اور حکومتیں یہ سمجھتیں کہ یہ لوگ ہم کو خلیفہ بحق تسلیم کرتے ہیں۔ انکار بیعت خلیفہ حسینؑ کے گھرانے میں شروع سے آخر تک رہا اس لئے حسینؑ وہ پہلے شخص نہیں جس نے انکار بیعت کیا ہو خود اسی کتاب میں کسی جگہ اس کا ذکر آیا ہے کہ ابن زیاد کی تحریر پر ابن سعد نے یہ کہا کہ حسینؑ ہرگز بیعت نہ کریں گے۔ ان کے سینہ میں ان کے باپ (علیؑ) کا دل ہے۔ ابن سعد کا یہ جملہ صاف ترجمانی کر رہا ہے کہ کسی تشدد سے متاثر ہو کر علیؑ نے بیعت نہ کی تو حسینؑ ان ہی کے بیٹے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں اور ان کے سینہ میں علیؑ ہی کا دل ہے۔ خلافت کے ابتدائی مرحلہ میں علیؑ سے بیعت لینے کے لئے ضرور ایک بار تشدد کو آزمایا گیا تھا لیکن متعلق حضرات نے محسوس کرلیا کہ یہ تشدد کارگر نہیں ہوسکتا بلکہ خطرناک اور مضر ہوگا، خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد یزید سے پہلے تک ہر خلیفہ اس ہی نظریہ پر رہا کہ افراد اہل بیتؑ جب ہماری خلافت کی بناء پر ہم سے جنگ آزما نہیں تو ہم ان کے ترک بیعت پر ان سے کیوں جنگ کریں۔ یزید پر جوانی اور حکومت کا نشہ سوار تھا۔ اس کو آل محمدؐ کی قوت ارادی کا صحیح اندازہ نہ تھا اس نے تشدد کی انتہا کر دی مگر امام تو امام اس گھر کا کوئی بچہ، بڑا، غلام، کنیز، فدائی، شیدائی کسی کو بھی اس کے مقام عزم سے نہ ہلایا جاسکا لہٰذا حسینؑ کا طرز عمل کوئی نیا طرز عمل نہ تھا البتہ جو طرز عمل حسینؑ کے ساتھ اختیار کیا گیا وہ ضرور نیا تھا۔

اب ہم انکار بیعت کے سبب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ تمام کائنات عالم کا خالق صرف ایک ہے جس کا کوئی دوسرا نہیں ع ''جو تیرے سوا ہے وہ ترا بندہ ہے''۔ جب تمام مخلوق کا خالق صرف ایک ہے تو اس مخلوق پر اطاعت بھی صرف اس ایک ہی ذات کی ہے دوسرے کی نہیں۔ چاہے وہ دوسرا شان و شوکت، عزت و طاقت کے اعتبار سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو کیونکہ وہ بھی مخلوق ہونے میں اس ہی مخلوق کی مثل ہے۔ الا لہ الخلق و الامر. خالق بھی صرف وہی ہے اور آمر و حاکم بھی صرف وہی البتہ اگر وہ خالق ہی کسی کی اطاعت کا حکم دے دے تو یہ اطاعت کسی کی وجاہت کی بناء پر نہ ہوگی بلکہ حکم خدا کی اطاعت اور صرف خدا کی اطاعت ہوگی اور اگر اس کے حکم کے باوجود اطاعت نہ ہوگی تو یہ اس کی نافرمانی نہ ہوگی جس کی اطاعت کا حکم خدا نے دیا تھا بلکہ حکم خدا کی مخالفت اور خدا کی نافرمانی ہوگی۔ اللہ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کریں۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم. بعض حضرات کم علمی کی وجہ سے لفظ منکم کو لفظ اولی الامر سے متصل دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ منکم صرف اولی الامر کے لئے کہا گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ لفظ منکم رسول اور اولی الامر دونوں کے لئے کہا گیا ہے۔ بلکہ اگر پہلا جملہ اطیعوا اللہ الگ نہ کر دیا گیا ہوتا اور ایک ہی جملہ قرار دے کر یہ کہا جاتا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اطیعوا اللہ و الرسول و اولی الامر منکم تو لفظ منکم اللہ، رسول، اولی الامر سب کے لئے ہو جاتا اور ترجمہ یہ ہوتا کہ ایمان والو، تمہاری ہی جنس سے جو اللہ، رسول، اولی الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ ہماری جنس سے نہیں اس لئے جملہ اطیعوا اللہ کو الگ رکھا تا کہ لفظ منکم اللہ کے بارہ میں نہ رہے۔ رسول اور اولی الامر چونکہ ہماری جنس سے ہیں اس لئے ان کو منکم کہا اور کہا اس لئے کہ رسل اور اولی الامر ملائکہ میں سے بھی ہیں جیسے کہ فرمایا گیا انہ لقول رسول کریم یا جیسے فرشتہ نے حضرت مریمؑ سے کہا انا رسول ربک یا جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کی طرف آنے والے فرشتوں کے لئے کہا گیا جاء ت رسلنا پھر ملائکہ ہی کے بارہ میں فرمایا تنزل الملائکۃ و الروح فیھا باذن ربھم من کل امر فالمدبرات امرا (قرآن کریم) یہ رسل اور اولی الامر جو ملائکہ ہیں ہماری جنس سے نہیں۔ نہ ہم پر ان کی اطاعت ہے۔ لہٰذا آیہ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں منکم قید احترازی ہے کہ تم پر اطاعت ان رسل اور اولی الامر کی نہیں جو تمہاری جنس سے نہیں ہیں بلکہ اس رسول اور ان اولی الامر کی ہے جو تمہاری جنس سے ہیں۔ رسول اور اولی الامر دونوں کی اطاعت کا حکم ایک جملہ میں ایک ہی شان سے دیا گیا ہے۔ حکم اطاعت میں نہ کسی حکم کی قید نہ کسی حکم کا استثناء۔ ہر حکم کی اطاعت ہر مومن پر فرض کی گئی جس سے ثابت ہے کہ رسول اور اولی الامر کا ہر حکم مطابق مشیت الٰہی ہے۔ کوئی حکم منشاء الٰہی کے مخالف نہیں ہوسکتا۔ پس وہ سب معصوم عن الخطاء ہوئے جس طرح رسول نہ کوئی خود سے ہوسکتا ہے نہ غیر خدا کے بنائے بن سکتا ہے اسی طرح اولی الامر کا تعین بھی منجانب اللہ ہے۔ اسی لئے ان کی اطاعت بھی ہر امر میں بامر اللہ ہے۔ بلکہ لفظ منکم کی قید احترازی نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ جو رسل اور اولی الامر تمہاری جنس سے نہیں ہیں اگر چہ وہ سب اللہ ہی کے منتخب کئے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود تم پر ان کی اطاعت نہیں، تو پھر جس رسول اور جن اولی الامر کو تم نے معین کیا ہو ان کی اطاعت تم پر کیسے فرض ہوسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ انسان پر صرف اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت فرض ہے جو مطلق اور بغیر کسی قید کے ہے مگر اس اطاعت کے لئے جبر و اکراہ نہیں ہے جس کا دل چاہے اطاعت کرے نہ چاہے نہ کرے مگر دنیا میں جہاں اطاعت کی بہترین مثالیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں وہاں ترک اطاعت کی آخری مثالیں بھی ہیں۔ حد ہے کہ خدائے حقیقی کے مقابلہ میں خدا بن گئے یا بنا لئے گئے۔ رسول کے مقابلہ میں رسول اور اولی الامر کے مقابلہ میں اولی الامر ہوئے۔ خدائے حقیقی نے تو اپنی، اپنے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کے لئے کوئی جبر و اکراہ روا نہ رکھا تھا لیکن مقابلہ والوں نے جبر و تشدد سے مطیع بنانا چاہا۔ یہیں سے حق و باطل کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ حق اپنے منوانے کے لئے کبھی تشدد نہیں کرتا کیونکہ حق اپنے نہ مانے جانے پر بھی حق ہی رہے گا مگر باطل اگر تشدد سے کام نہ لے تو وہ مانا کیسے جائے؟ اور نہ مانا جائے تو رہے کیا؟ یہی وجہ ہے کہ خدا، رسول اور اولی الامر اپنے منوانے کے لئے کبھی نبرد آزما نہیں ہوئے۔ خدائی کا دعویٰ ہو یا نبوت و امامت کا، اگر محض دعویٰ کی حد میں رہے تو ان میں سے کسی کو بھی حرب و قتال کی ضرورت نہیں۔ اپنی جگہ جس کا جو دل چاہے کہتا رہے یہ سب برداشت کیا جاسکتا ہے اور برداشت کیا گیا ہے لیکن اگر خدائی کا مدعی چاہے کہ خود خدا بھی اس کو خدا مان لے، رسالت کا مدعی اگر چاہے کہ رسول برحق بھی اپنی رسالت کو خیرباد کہہ کر اس کو رسول مان لے، ولایت و امارت کے مدعی اگر یہ چاہیں کہ اولی الامر بھی ان کو اولی الامر تسلیم کرلیں تو یہ ہر ایک کے لئے ناقابل برداشت، ناممکن اور محال ہے۔ اگر خدا نے غیر خدا کو خدا مان لیا تو یہ بات تو بعد کی ہے کہ وہ مانا ہوا خدا حقیقتاً خدا ہوگیا یا نہ ہوا لیکن خدا تو خدا نہ رہا۔ رسول نے اگر غیر رسول کو رسول مان لیا تو رسول، رسول نہ رہا۔ اگر حقیقی ولی امر نے کسی غیر کو ولی امر مان لیا تو ولی الامر تو ولی الامر نہ رہا۔ اب رسول کے رسول نہ رہنے سے اور ولی الامر کے ولی الامر نہ رہنے سے صرف ان ہی کے منصب کو زوال نہ ہوگا بلکہ جس خدا نے ان کو اپنے کمال علم اور انتہائے اعتماد سے منتخب کیا تھا وہ جاہل اور بے بس ثابت ہوا۔ پھر اس کا خدا ہونا کیسا؟ جس خدا کا نمائندہ اپنے خدا سے ٹوٹ کر باطل سے مل گیا اور جس خدا کو اپنے علم اور انتخاب پر ناز تھا وہ منہ دیکھتا رہ گیا تو اب کیسا خدا، کیسا رسول، کیسے اولی الامر، کہاں کی کتاب، کہاں کا دین؟ یہ سب ملیا میٹ ہوگیا۔ خدا کے مقابلہ میں کوئی خدا بن جائے تو خدا کی شان میں کوئی نقص نہیں آتا۔ رسول اور اولی الامر کے مقابلہ میں اگر دوسرے مدعی آجائیں تو رسالت اور امامت کے دامن پر اس سے کوئی دھبہ نہیں آتا۔ دھبہ اس وقت آئے گا جب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کوئی بھی ان میں سے غیر خدا کو خدا یا غیر رسول کو رسول یا غیر اولی الامر کو اولی الامر مان لے اور یہ دھبہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے صرف مان لینے والے پر ہی نہ آئے گا بلکہ اس زنجیر کی ہر کڑی اور اس رشتہ کا ہر دانہ ایک دم ٹوٹ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر امام نے اپنے مقابلہ کی ہر صورت حال کو برداشت کیا اور اپنی امامت کو منوانے کے لئے اظہار حق سے آگے قدم نہ اٹھایا اور خود سے کوئی تشدد کی راہ اختیار نہ کی۔ کیونکہ بندوں کو ان کی اطاعت کا حکم تھا۔ خود ان حضرات کو یہ حکم نہ تھا کہ بندوں کو اپنا مطیع بناؤ۔ ان کا فرض یہی تھا کہ وہ اپنا اولی الامر ہونا اور مقابل کا نہ ہونا ظاہر اور ثابت کرتے رہیں۔ اس کے بعد اطاعت کرنا، نہ کرنا یہ دوسروں کا کام تھا۔ لیکن رسول اور اولی الامر یہ ان کے لئے ناممکن اور محال تھا کہ وہ کسی بھی تشدد سے متاثر ہو کر اپنے خدا اور رسول کو جھٹلا کر اپنے منصب کے منکر اور غیر کے منصب دار ہونے کے مقر ہو جائیں جس کے نتیجہ میں نہ خدا خدا رہے نہ رسول رسول رہیں اور خاتمہ ہو جائے دین، ایمان، کتاب ہر شے کا۔

بیعت تو بڑی چیز ہے، صاحب الامر تو غیر کی اقتداء میں نماز بھی نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس غیر پر اس نماز کے وقت بھی منجانب اللہ صاحب الامر کی اطاعت واجب ہے۔ تو اب صاحب الامر اس کے اتباع کی نیت ہی کیسے کر سکتا ہے جس پر خود اس کا اتباع لازم ہو۔ اس کے خلاف ایک ہی وقت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ صاحب الامر کر رہا ہو امام جماعت کا اتباع اور امام جماعت کر رہا ہو صاحب الامر کا اتباع۔

فرض کیجئے کہ اگر عہد رسول میں کوئی شخص مدعی رسالت ہو کر چاہتا کہ رسول اپنے دعوائے رسالت سے دست بردار ہو کر اس مدعی کی رسالت کو تسلیم کر لیں اور آپ طاقت کے بل بوتہ پر انتہائی تشدد سے کام لیتا جبکہ رسول کے انصار کم سے کم اور مدعی باطل کے مددگار زیادہ سے زیادہ ہوتے تو کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہوتا کہ رسول برحق اپنی رسالت کو خیر باد کہہ کر اس کی رسالت کو تسلیم کر لیں؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً اگر رسول کو یہ صورت پیش آتی تو آپ مدعی باطل کی کسی صورت میں بھی بیعت نہ کرتے چاہے وہ تشدد کتنا ہی سخت تر کیوں نہ ہوتا۔ نبی برحق کبھی اس کی بیعت نہیں کر سکتا تھا چاہے وہ کوئی فاسق و فاجر ہوتا یا ظاہراً نیک اور پارسا ہوتا۔ اگر نبی پر انتہائی تشدد کیا جاتا تو پہلے آپ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اظہار حق فرما کر اتمام حجت کرتے اور کم از کم یہ چاہتے کہ مخالف اپنی جگہ جو چاہے کہے اور کرے مگر اس پر بضد نہ ہو کہ میں اس کے دعوے کو تسلیم کر لوں۔ اگر وہ یہ بھی نہ مانتا تو آپ یہ کوشش کرتے کہ مقابل اس پر ہی راضی ہو جائے کہ میں اپنے وطن، شہر اور ملک کو چھوڑ کر دور و دراز کسی جگہ چلا جاؤں۔ اگر یہ صورت بھی قبول نہ کی جاتی اور دشمن صف آراء ہو کر قتال شروع کر دیتا تو آپ بھی اپنے انصار کو لے کر میدان قتال میں آتے اور دشمن کی بھرپور طاقت اور اپنے انصار کی کمی کی پروا نہ کر کے قتال کے جواب میں قتال کرتے اور اپنا سب کچھ خدا کا بول بالا رکھنے کے لئے قربان کر دیتے۔ حسینؑ رسولؐ کے وارث بھی تھے اور خدا کے قرار دیئے ہوئے صاحب الامر بھی تھے۔ یعنی اس جماعت اولی الامر میں سے ایک تھے جن کی اطاعت اللہ نے کافۂ مومنین پر فرض قرار دی تھی۔ جو ایسی حالت میں رسولؐ کرتے وہی حسینؑ نے کیا۔ اپنی عزیز ترین جانوں کو دے کر اپنی اور ہر امام کی امامت پر، رسولؐ کی رسالت پر، خدا کی خدائی پر آنچ نہ آنے دی۔ حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ صلی اللہ علیٰ محمد وال محمد۔

السید محمد جعفر عفی عنہ

خطیب جامع شیعہ کرشن نگر (اسلام پورہ) لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین والہ الطاہرین

دنیا میں کوئی تعلیم یافتہ ایسا نہ ہوگا جس نے عرب کا نام نہ سنا ہو۔ عرب ایک ریگستانی ملک ہے جو ایشیا کی مغربی سرحد پر واقع ہے اور جس کے ساحل پر بحر احمر لہریں مار رہا ہے۔ اسی ملک سے ساتویں صدی عیسوی شروع ہونے کے بعد ایک انقلاب کی لہر اٹھی جس کا نام ہے ''اسلام''۔ اس انقلاب کے بانی حضرت محمدؐ بن عبداللہ تھے جنہوں نے اپنی پیغمبری کا اعلان کرتے ہوئے دنیا کو کامل توحید کا پیغام پہنچایا اور بت پرستی، اقتدار پرستی، سرمایہ پرستی غرض کہ غیر اللہ کی ہر طرح کی پرستش کی مخالفت کی۔ اس سے ان لوگوں کو مخاصمت پیدا ہوگئی جن کے اقتدار کو اس تعلیم سے نقصان پہنچتا تھا۔ انہوں نے اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کی اور ان کے ہاتھوں پیغمبر کو بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔

اس مخالفت میں بنی امیہ پیش پیش تھے۔ اس لئے کہ اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کی تعلیم براہ راست کسی خاندان کی بلندی اور کسی خاندان کی پستی کی حمایت نہیں کرتی تھی مگر آپ کی تعلیم میں بلندی اور عزت کا جو معیار قرار دیا گیا تھا وہ صرف کردار کی خوبی، فرائض انسانی کی بجا آوری تھی۔ اس معیار پر بنی امیہ کے اکثر افراد پورے نہ اترتے تھے۔ چنانچہ امیہ کے پوتے ابوسفیان بن حرب نے اسلام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ عرب کے ہٹ دھرم اور جاہل بت پرست اس علم کے نیچے جمع ہو گئے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ستانے اور تبلیغ اسلام میں روڑے اٹکانے لگے اور آپ برابر مصیبتیں اور سختیاں جھیلتے رہے اور دائرہ آپ کے پیغام کی مقبولیت کا وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حجاز کے دوسرے اہم شہر مدینہ کے رہنے والوں نے اس تعلیم کو قبول کر لیا اور آپ سے نصرت کا وعدہ کر کے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو وہاں آنے کی دعوت دے دی۔ چنانچہ آپ کے ساتھ والے وہاں رفتہ رفتہ جانے بھی لگے اور زیادہ تر چلے گئے۔ جب مکہ والے آپ کے مخالفین نے یہ دیکھا تو اب انہوں نے ایکا کر کے آپ کی جان لینے کا فیصلہ کر لیا اور رات کے وقت آپ کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مکان کو آ کر گھیر لیا مگر آپ اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر خود ان کے حلقہ سے نکل گئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ کو ''ہجرت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اسی سے مسلمانوں کے ہجری سن کی ابتداء ہوتی ہے۔

دشمنوں نے ہجرت کے بعد بھی آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور کئی مرتبہ چڑھائی کر کے آپ کو قتل کرنے آئے۔ مجبوراً آپ کو کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں بدر، احد اور احزاب بہت مشہور ہیں۔ مگر ان تمام لڑائیوں میں ابوسفیان کو ہر مرتبہ شکست ہوئی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامیوں کی تعداد اور ان کی طاقت برابر بڑھتی رہی۔ آخر بنی امیہ کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے انہوں نے بھی قبول اسلام کی نقاب ڈال لی۔ مگر موقع کے منتظر رہے کہ اسلام کی طاقت کچھ بھی کمزور ہو تو انہیں اپنے گئے ہوئے اقتدار کو واپس لانے کا موقع ملے۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ کی زندگی میں ان کی اس آرزو کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا مگر اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرتؐ کی وفات ہوگئی اور مسلمانوں کے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی۔ سلطنت وقت کے دنیوی مصالح نے بنی امیہ کو شام میں اپنی حکومت قائم کر لینے کا موقع دے دیا جو شروع میں صرف ایک صوبہ دار یا گورنر کی حیثیت سے تھی مگر رفتہ رفتہ اس کے اقتدار اور قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر میں اس نے خودمختار سلطنت کی حیثیت حاصل کر لی۔

ان لوگوں نے شام کے ملک میں اپنا قبضہ جماتے ہی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے رائج کئے ہوئے طریقوں اور اسلام کی پھیلائی ہوئی مساوات کو مٹانا شروع کر دیا اور آخر میں تو یہ حالت ہوئی کہ قرآنی احکام کی اعلانیہ مخالفت ہونے لگی۔

حضرت رسولؐ کے حقیقی جانشین جو اسلامی تمدن و تہذیب کے محافظ تھے اس کو کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جب علیؑ ابن ابی طالبؑ جو رسولؐ کے چچا زاد بھائی، ان کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اور شروع سے آخر تک اسلام کی اشاعت میں ان کے دست و بازو تھے مسلمانوں کے تخت حکومت پر آئے تو انہیں حکومت شام سے مقابلہ کرنا پڑا اور صفین کی خونریز لڑائی ہوئی مگر ابھی حضرت علیؑ کا ارادہ اور کام مکمل نہیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوا تھا کہ مسجد کوفہ میں عین حالت سجدہ میں حضرتؑ کے سر پر تلوار لگائی گئی جس سے آپ نے شہادت پائی۔ حضرت علیؑ کے بعد آپ کے بڑے فرزند امام حسنؑ نے کچھ شرائط کا پابند کرنے کے بعد حکومت شام سے صلح کر لی مگر حکومت شام نے ان شرائط کی پابندی نہیں کی اور خفیہ طور پر زہر دلوا کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اب پیغمبرؐ کے خاندان میں اصول اسلام کے تحفظ کی پوری ذمہ داری حسینؑ پر تھی جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے دوسرے نواسے اور حضرت علیؑ کے چھوٹے بیٹے تھے۔

حکومت شام کے تخت پر ابوسفیان کا پوتا یزید بن معاویہ بیٹھا جو بڑا ہی شراب خوار اور بدکردار تھا اور ایسے اخلاقی جرائم کا مرتکب ہوتا تھا جن کا تذکرہ بھی تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود اتنے دل کے مضبوط اموی اقتدار کی ہیبت سے عوام کو دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ حکومت کے ظلم و ستم سے اتنا ڈر گئے تھے کہ خوف خدا کا احساس باقی نہ رہا تھا۔ مگر یزید جانتا تھا کہ حجاز کے ملک میں شہر مدینہ کے محلہ بنی ہاشم کے اندر ایک انسان ہے جو مجھ سے نہیں ڈرتا، صرف خدا سے ڈرتا ہے اور وہ اصول اسلام کا حقیقی محافظ، رسولؐ کا نواسا ہے۔ وہ خاموش سہی مگر کیا معلوم کس دن دنیا کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹ جائیں اور وہ سچائی کی طرف کھنچ جائے۔ اس بناء پر یزید کو فکر لاحق ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح وہ حسینؑ سے بیعت حاصل کر لے۔ چنانچہ اس نے مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو حکم بھیجا کہ حسینؑ سے بیعت حاصل کرو اور اس معاملہ میں کسی مراعات سے کام نہ لو۔ حضرت امام حسینؑ نے اس پیغام کے معنی سمجھ لئے اور آپ اسے پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھے۔

اصولاً آپ کے لئے یزید کی بیعت کرنا غیر ممکن تھا۔ سر کا قلم ہونا بیشک آسان تھا مگر حفاظت خود اختیاری کے فرض کو انجام دینے کے بعد جو اسلامی شریعت کا ایک بنیادی حکم ہے۔

اس کے لئے حسینؑ نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے اپنے تمام متعلقین کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے اپنے ساتھ لیا اور مکہ میں جا کر پناہ لی۔ اس طرح آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کسی سے جنگ کرنا اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگی کو معرض

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خطر میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے بشرطیکہ آپ کو بیعت یزید پر مجبور نہ کیا جاتا۔

مکہ عرب کے بین الاقوامی قانون اور پھر اسلام کے رو سے ایک ایسا امن کا مقام تھا جہاں کسی متنفس کے لئے خطرہ نہ ہونا چاہئے۔ مگر فرزند رسول کو یہاں بھی اپنے قتل کا سامان دکھائی دیا۔ آخر ایام حج میں کہ جب تمام عالم اسلامی مکہ کی طرف کھنچا چلا آ رہا تھا حسینؑ کو مکہ سے رخصت ہونا پڑا اور آپ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں کے لوگ آپ کو اصرار کے ساتھ بلا رہے تھے اور آپ سے مذہبی رہنمائی کے طالب تھے اور آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے بھیج بھی چکے تھے مگر اس دوران میں کوفہ کی حالت دگرگوں ہوگئی وہاں سنگدل حاکم عبید اللہ بن زیاد کا اقتدار قائم ہوگیا اور مسلم بن عقیل شہید کر ڈالے گئے۔ اس کے بعد کوفہ جانے کا بظاہر کوئی موقع نہ تھا مگر مکہ اور مدینہ واپس جانے کا بھی امکان نہ تھا۔ ادھر کوفہ سے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے فوج بھیج دی گئی جس نے آپ کو آگے بڑھنے یا واپس جانے سے روکا۔ مجبوراً آپ کربلا کی سرزمین پر اتر پڑے۔ دوسرے ہی دن سے یزید کا ٹڈی دل لشکر کربلا کے میدان میں آنا شروع ہوگیا۔ تمام راستے بند کر دیئے گئے اور امام حسینؑ کو گھیر کر یزید کی بیعت پر اصرار کیا جانے لگا۔

حضرت امام حسینؑ کے ساتھ صرف آپ کے سترہ (۱۷) عزیز، چند غلام اور سو ڈیڑھ سو کے قریب وہ خاص دوست تھے جو کوفہ یا بعض دوسرے مقامات سے باوجود راستوں کے بند ہونے کے کسی نہ کسی طرح آپ تک پہنچ سکے تھے۔

ساتویں محرم سے آپ پر اور آپ کے تمام ساتھیوں یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر پانی بند کر دیا گیا مگر چونکہ امن پسندی حقیقی معنی میں آپ کا شعار زندگی تھا لہٰذا اتمام حجت کے طور پر آپ نے یزیدی فوج کے افسر عمر بن سعد کے سامنے ایسے شرائط پیش کئے جن سے معاملات روبہ اصلاح ہو جائیں اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ آپ کا طریقہ کار اتنا سلجھا ہوا تھا کہ عمر بن سعد کو بھی اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ حسینؑ صلح کے راستے پر گامزن ہیں چنانچہ اس نے کوفہ کے حاکم عبید اللہ بن زیاد کے پاس اسی مضمون پر مشتمل ایک خط بھیجا مگر ابن زیاد کو حکومت کا غرور اور سلطنت کا نشہ تھا۔ اس نے حسینؑ کو پہچانا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھی نہ تھا کہ وہ مشکلات کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس نے آپ کی صلح پسندی کو کمزوری اور عاجزی کا نتیجہ خیال کرتے ہوئے عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ حسینؑ غیر مشروط طریقہ پر اطاعت کر لیں جب ہی ان کی جان بچ سکتی ہے۔ غیرت دار اور فرض شناس امام حسینؑ کے لئے ایسا ممکن نہ تھا۔

نویں (۹) محرم کی شام کو اس بڑے لشکر نے آپ پر حملہ کر دیا مگر آپ نے ایک شب کے لئے التوائے جنگ کی خواہش فرمائی جو بہ مشکل منظور کی گئی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آخری مرتبہ یہ پوری رات عبادت خدا میں بسر کر لیں۔ اس کے علاوہ دوست اور دشمن دونوں کو جنگ کے قطعی طور پر طے ہو جانے کے بعد سوچنے کا موقع دے دیں۔ دشمنوں پر اتمام حجت ہو جائے اور ساتھیوں میں سے کوئی ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتا ہو تو چلا جائے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے صاف طور پر بتا دیا کہ کل ہماری زندگی کا فیصلہ ہے۔ میں تم سے اپنی بیعت کی ذمہ داری ہٹائے لیتا ہوں۔ تم اس رات کے پردے میں جدھر چاہو چلے جاؤ مگر ان جانبازوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہا اور یک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے۔ ان لوگوں نے جو کہا تھا وہی کر دکھایا۔

سامنے فوجوں کا سمندر لہریں مار رہا تھا۔ گرد و پیش ویرانی اور بربادی کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ عزیزوں، بھائیوں، بھتیجوں اور اولاد کے خوبصورت چہرے امام کے سامنے تھے اور آپ کے ساتھ پردہ دار عورتیں اور چھوٹے بچے بھی موجود تھے۔ دریا پر فوج کا پہرہ بیٹھا ہوا تھا اور حسینؑ ان کے ساتھیوں تک ایک قطرہ آب کے پہنچنے کی اجازت نہ تھی۔ بے زبان بچے پیاس کی شدت سے بے تاب نظر آ رہے تھے مگر طاقت کی تمام نمائشیں اور ایذا رسانی کی تمام صورتیں امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کو مجبور نہ کر سکیں کہ ایک فاسق و فاجر کو جائز حکمران تسلیم کریں۔

دسویں محرم کو صبح سے دوپہر کے بعد تک امام حسینؑ کے جانباز ساتھی جو آپ سے خاندانی تعلق نہ رکھتے برابر اپنی جانیں حسینؑ اور آپ کے اصول کی خاطر قربان کرتے رہے۔ جب ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو عزیزوں کی نوبت آئی۔ اس موقع پر آپ کے لئے آسان ہوتا کہ آپ خود آگے بڑھ کر راہ حق میں اپنے سر کا ہدیہ پیش کر دیتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مگر آپ کو اپنی قوت برداشت کا پورا امتحان دینا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کے عزیز آپ سے جدا ہونے لگے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے جوان بیٹے علی اکبر کو جو شبیہہ پیغمبرؐ بھی تھے مرنے کے لئے بھیجا۔ ماں خیمہ میں تھیں اور باپ خیمہ کے دروازے پر اور ان کا جانفوج مخالف کی گھٹا میں چھپا تھا۔ باپ نے دیکھا اور ماں نے سن لیا کہ علی اکبر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے مگر صبر وسکون میں فرق نہ آیا۔ اس کے بعد دوسرے عزیز بھی ایک ایک کر کے رخصت ہوئے اور راہ حق میں نثار ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ کے جانباز بھائی عباس ابن علیؑ آپ سے رخصت ہوئے۔ یہ حسینی جماعت کے علمدار تھے جن کے قتل سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی مگر ہمت شکستہ نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے پاس کوئی سرمایہ حق کی بارگاہ میں نذر دینے کے لئے نہ تھا۔ مگر سب سے آخر میں آپ نے ایک ایسا معصوم ہدیہ پیش کر دیا جس پر کسی شریعت اور قانون کی رو سے مجرم ہونے کا الزام نہ آسکتا تھا وہ شیر خوار بچہ جو اپنی ماں کی گود میں پیاس سے سسکیاں لے رہا تھا حسینؑ نے اس کی حالت دیکھی اور دشمن کی فوج کے سامنے اپنے ہاتھوں پر لیا، یہ تھا حسینؑ کا یہ آخری تحفہ بھی قبول ہوگیا۔ اب کیا تھا؟ بذات خود حضرت کو حق کی حمایت میں جہاد کا فرض انجام دینا تھا اور اپنی جان کی قربانی پیش کرنا تھی۔ چنانچہ آپ نے اس شکستگی اور بے کسی کے عالم میں تلوار نیام سے نکالی اور جتنا قانون اسلام کی رو سے آپ کو اپنا فریضہ محسوس ہوتا تھا اس حد تک انتہائی شدید مقابلہ کیا۔ وہ مقابلہ جو ایسے حالات میں عام انسانوں کی طاقت سے یقیناً بالاتر ہے۔ مگر کہاں ایک انسانی جسم اور کہاں فولادی تلواروں کا سیلاب! جسم زخموں سے چور ہوگیا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور وہ مرحلہ جو آپ کے لئے پہلے ہی آسان تھا اب زیادہ آسان ہوگیا۔ آپ کا سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ خاندان رسالت کی مقدس خواتین کے سروں سے چادریں اتاری گئیں۔ خیموں میں آگ لگائی گئی۔ مردوں میں ایک بیمار و ناتواں علی بن الحسینؑ باقی رہ گئے تھے جنہیں طوق و زنجیر پہنائے گئے اور عرب کے شریف ترین خاندان کی غیرت مند بیبیاں اسیر کر کے شہر شہر پھرائی گئیں۔

یہ ہے دنیائے تاریخ کا وہ بڑا حادثہ جو ''واقعہ کربلا'' کے نام سے یاد کیا جاتا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے۔

یوں تو عالم کا ہر واقعہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے کسی خاص جگہ، کسی خاص قوم اور کسی خاص طبقہ سے متعلق ہوتا ہے اور اس لحاظ سے واقعہ کربلا بھی عراق کی سرزمین، عرب کے ملک، ہاشم کی نسل اور مسلمانوں کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا مگر واقعات میں ہمہ گیری اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے ان خصوصیات اور نتائج کے لحاظ سے جو کل نوع انسانی سے وابستہ ہوں اور جن میں مذہب و ملت کی کوئی تفریق نہ ہو۔ اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے تو واقعہ کربلا متعدد وجوہ سے تمام نوع انسانی کے تعلق کا مرکز ہے۔

اول یہ کہ ظالم سے نفرت اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی فطرت بشری میں داخل ہے۔ مگر کوئی قصہ ہمارے سامنے پیش ہو جس میں ایک طرف ظلم کا مظاہرہ ہو اور دوسری طرف مظلومیت تو چاہے اس واقعہ سے متعلق شخصیتوں سے ہم بالکل واقف نہ ہوں تب بھی ظالم سے نفرت اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جائے گی اور اس میں کسی مذہب و خیال کا امتیاز نہ ہوگا۔ حضرت امام حسینؑ پر جو مظالم کربلا میں واقع ہوئے ان کی مثال تاریخ عالم میں ناپید ہے۔ یوں تو اکثر انبیاء و مقربین ابنائے زمانہ کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہوئے، بہت سے بے گناہ افراد قتل کئے گئے، بہتوں کا مال اسباب لوٹا گیا اور بہت سے لوگ قید ہوئے مگر بحیثیت مجموعی وہ تمام مصائب جن کا سامنا فرداً فرداً بہت سے اشخاص کو کرنا پڑا۔ حضرت امام حسینؑ کی ذات میں اکٹھا ہوگئے اور ان کے بوقت واحد جمع ہو جانے سے آپ کی ذات مظلومیت میں اپنی آپ مثال قرار پاگئی۔

لہٰذا جس قدر حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت کا درجہ بلند اور ظالم کے ظلم کا درجہ شدید ہے اسی قدر وہ ہمدردی بھی کہ جو امام حسینؑ کے ساتھ بحیثیت مظلوم ہونا چاہئے۔ ہر دوسرے مظلوم سے زیادہ ہے اور وہ نفرت بھی کہ جو آپ کے دشمنوں سے بحیثیت ظالم ہونا چاہئے تمام دنیا کے ستم گاروں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت بے بسی کی مظلومیت نہ تھی۔ جس طرح کسی شخص پر اکیلے جنگل میں ڈاکو حملہ کر دیں اور اس کے مال و اسباب کو لوٹ لیں یا اسے قتل کر ڈالیں۔ مظلوم یہ بھی ہے اور ہمدردی اس کے ساتھ بھی ہوگی مگر یہ مظلومیت غیر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اختیاری طور پر ہے۔ اس کے ساتھ کوئی عمل ایسا شریک نہیں ہے جو اخلاقی نقطہ نظر سے قابل مدح ہو۔ حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت اس نوع کی نہیں ہے۔ آپ نے ایک مسلک حق کی حمایت اور ایک صحیح اصول کی حفاظت کے لئے ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ اس کا نام قربانی ہے۔ یوں تو قربانی کے بہت سے اقسام ہوسکتے ہیں مگر سب میں بلند جان کی قربانی ہے اور اگر اس فرض کے عائد ہونے پر کوئی اس منزل میں ثابت قدم نظر آئے تو تمام افراد انسانی کے نزدیک زیادہ عزت و احترام کا مستحق ہوگا اور جس قدر مقصد عزت دار اور شریف ہوگا اتنی ہی قربانی اہم اور قابل عزت سمجھی جائے گی۔ کربلا کی سرزمین پر حضرت حسینؑ بن علیؑ نے جو قربانی پیش کی وہ انسانی تاریخ کا ایک بے مثال کارنامہ ہے۔ حق پرستی اور حق پروری کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں اور غلبہ و اقتدار انسانی آزادی کا سر کچل کر اپنی غلامی کا اقرار لے رہا تھا۔ اس نازک موقع پر حسینؑ نے اپنے کو اور اپنے عزیزوں بلکہ بچوں تک کو میدان جہاد میں لا کر جبر و استبداد کا پردہ چاک کر دیا اور ثبات و استقلال، ضبط و صبر، ایثار و قربانی، حق پروری اور راست کرداری کا بہت بلند نمونہ پیش کیا۔ اس لحاظ سے حضرت امام حسینؑ کسی قوم اور مذہب سے مخصوص نہیں سمجھے جاسکتے۔ حسینؑ کا تعلق تمام دنیائے انسانیت سے ہے۔ آپ نے وہ کام کیا جس نے انسانیت کے مٹتے ہوئے نقوش کو پھر سے ابھار دیا اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نئے سرے سے زندہ کر دیا۔ آپ نے دنیائے انسانیت کو وہ پیغام دیا جو زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ نے دنیا کو سچائی اور راست بازی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کرایا اور اس موت کے معنی سمجھائے جس میں دوامی زندگی کی حقیقت مضمر ہے۔ اس لئے تمام اقوام عالم جو قربانی کی عزت کرتی ہیں مجبور ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا مقصد اپنی قربانی سے کوئی ایسا امر نہ تھا جو مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے محل اختلاف ہو۔ انسانی اوصاف و اخلاق کی ایک منزل وہ ہے جہاں تمام مذاہب متفق ہو جاتے ہیں۔ تمام مذاہب کی اصل اساس جس پر ان کی عمارت بلند کی گئی ہے اخلاق انسانی کو نقطہ ارتقاء تک پہنچانا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے کچھ احکام میں عمداً تبدیلیاں کی گئی ہوں اور بعض مذاہب کے اصول میں بعد کی آنے والی نسلوں کی ناسمجھی سے کچھ زیادتی یا کمی ہوئی ہو مگر اصلی محور سب کا تہذیب اخلاق اور تکمیل بشریت ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا مقصد یہی نقطہ مشترک تھا۔ یقیناً اگر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حضرت امام حسینؑ کا مقابلہ کسی دوسرے دین و ملت کے افراد سے ہوا ہوتا یعنی کوئی غیر مسلم جماعت آپ کے سامنے ہوتی تو چاہے آپ کی قربانی کتنی ہی حقانیت پر مبنی ہوتی اور آپ کو کتنے ہی ظلم کے ساتھ شہید کیا گیا ہوتا مگر وہ مذہبی جماعت جس کے مقابلہ میں آپ تھے اور جس کے ہاتھوں آپ کو یہ مظالم برداشت کرنا پڑے تھے کسی حد تک آپ کے نام اور آپ کے کام سے بنائے مخاصمت ضرور محسوس کرتی اور واقعہ کربلا کے ساتھ ہمدردی میں عمومیت پیدا نہ ہوتی۔ لیکن حضرت امام حسینؑ کی قربانی رسمی طور پر کسی ایک مذہب کو مٹانے اور دوسرے مذہب کو قائم کرنے کے لئے نہیں تھی بلکہ ایک ہی دین کے ظاہری ماننے والوں میں برائیوں کو مٹانے اور اچھائیوں کے قائم کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھی اور چونکہ برائی اور اچھائی کے متعلق اصولی حیثیت سے مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یعنی ہر مذہب کے نزدیک برائیاں مٹانے کے قابل اور اچھائیاں قائم کرنے کی مستحق ہیں اس لئے ہر مذہب کے لوگوں کو حسینؑ کے مقصد سے اتفاق ہوگا اور وہ آپ کی قربانی کو عزت و احترام کا مستحق سمجھیں گے۔

چوتھے حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے واقعہ کربلا کے دوران مختلف اخلاق و اوصاف کاملہ کی جو مثالیں پیش کی ہیں وہ عامۂ خلائق کے لئے ایک دائمی درس عمل کی حیثیت رکھتی ہیں جس سے تمام افراد بشر یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان ہی تمام وجوہ کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا نے واقعہ کربلا کے ساتھ اپنے باہمی تفرقہ اور جذبات کی کشمکش کے باوجود یگانگی کا برتاؤ کیا اور اقوام عالم نے یکساں طور پر اس کی اہمیت کا اعتراف و اقرار کیا اور صدیاں گزرنے کے ساتھ ان کی دلچسپی اس اہم حادثہ سے نہ صرف قائم رہی بلکہ مختلف اوقات میں اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

اگر کوئی سیاح محرم کے زمانہ میں شرق و غرب عالم کی سیاحت کرے اور ہر مرتبہ محرم کے پہلے دس دن ایک نئے خطہ زمین پر گزارے تو وہ دیکھ لے گا کہ ہر جگہ اپنے اپنے معیار زندگی اور وطرز معاشرت کے اعتبار سے کسی نہ کسی طرح کربلا کے شہید کو یاد کیا جاتا ہے۔

یہ سالانہ یادگار جو عزاداری کے مختلف مراسم کی شکل میں منائی جاتی ہے کربلا کے واقعہ کے بعد پہلی ہی صدی میں مسلمانوں نے قائم کر لی تھی اور اس کے حلقہ اشاعت میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حالانکہ انسان فطرۃً خوشی کو پسند کرتا ہے اور رنج وغم سے بھاگتا ہے۔ اس لئے اگر حوادث زمانہ کے ماتحت غم کے اسباب پیدا بھی ہوتے ہیں تو ان کو بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم میں جتنے تہوار ہیں وہ سب خوشی کی یادگار ہیں۔ غم کی یادگاریں کبھی قائم نہیں کی گئیں۔ یہ صرف حسینؑ مظلوم کی شہادت ہے جس کی یادگار غم کی صورت میں صد ہا سال سے برابر قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرت انسانی کسی بار کو عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی۔ اس غم کی یادگار کا اس طرح برقرار رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ واقعہ کربلا کی یاد میں انسانی زندگی کے لئے نفع بخش عناصر مضمر ہیں۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمیشہ حال کا نقش ماضی کو فراموش بنا کر اس کے اثرات کو ختم کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف واقعہ کربلا کی یادگار کا اس شدت کے ساتھ قائم رہنا کہ حال کا کوئی واقعہ اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ یہ ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ تاریخ عالم اس کے بعد سے اس وقت تک کوئی نظیر اس کی پیش نہیں کر سکی۔

باوجودیکہ واقعہ کربلا کے بعد کتنے ہی انقلاب برپا ہوئے۔ تمدن نے کتنی ہی کروٹیں بدلیں۔ معیار اخلاق میں کتنے ہی تغیرات آئے مگر حسینی قربانی کی یاد مسلسل تیرہ سو برس سے یکساں عزت و احترام کے ساتھ قائم ہے۔ ماننا پڑے گا کہ وہ قربانی ایسے مشترک انسانی اصول کی حفاظت کے لئے کی گئی ہے کہ جب تک دنیا میں انسانیت قائم ہے اس اصول کی بھی قدر و منزلت ہے اور اس یادگار قربانی کی یاد بھی برقرار ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جتنا کوئی موضوع اہم ہوگا اور تاریخی حیثیت سے جس قدر کسی واقعہ میں ندرت اور اہمیت زیادہ ہوگی اسی قدر اہل فکر و قلم طبع آزمائی زیادہ کریں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کربلا کے واقعہ سے بڑھ کر کسی واقعہ سے متعلق نظم و نثر کا ذخیرہ فراہم نہیں ہوا۔

کربلا کی زمین پر ابھی خون شہیداں کی تری خشک نہ ہونے پائی تھی کہ شاعروں کی زبان سے اس واقع کے متعلق اشعار تراوش کرنے لگے اور نثر میں ان خطبوں سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اہل بیت حسینؑ کی زبان یا دوسرے مقررین کے دہن سے ہنگامی حالات کے ماتحت نکلے ہیں خصوصاً ان اقدامات کے ذیل میں جو امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے سلیمان بن صرد خزاعی اور پھر مختار کی جانب سے ہوئے تھے جن کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کو واقعہ کربلا کی اہمیت سے متاثر کیا جائے۔ مستقل طور سے اس واقعہ پر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تصانیف کی ابتداء پہلی صدی ہجری کے اواخر سے ہوئی اور اس کے بعد برابر مورخین واقعہ کربلا پر مقاتل لکھتے رہے اور تصانیف کا سلسلہ جاری ہو گیا اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے موضوع پر اتنا نہیں لکھا اور کہا گیا ہے جتنا واقعہ کربلا کے متعلق لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ پھر بھی موضوع تشنہ ہے اور بہت کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت باقی ہے۔ اس کے علاوہ اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا انداز بیان زیادہ تر مذہبی معتقدات [1] سے وابستگی رکھنے والے افراد کے مذاق کے مطابق ہے جس سے اکثر غیر مذاہب کے افراد اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ کوئی ناواقف اور اجنبی شخص اگر واقعہ کربلا اور امام حسینؑ کی شخصیت کو عالم اسباب کی تاریخی رفتار اور اس کے نتائج اور ان کے ضروری تفصیلات کے ساتھ جاننا چاہے تو اس کی تشنگی دور کرنے کے لئے کوئی ایک کتاب ایسی جامع نہیں ہے جس کا پتہ دیا جا سکے۔ زیر نظر کتاب اس ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی جا رہی ہے اور اس موقع پر جب کہ دنیائے انسانیت کے اس عظیم واقعہ کو پورے تیرہ سو برس ہو گئے ہیں اور ہر مذہب و ملت کے افراد نے متفق ہو کر حسینؑ بن علیؑ کی سیزدہ صد سالہ یادگار قائم کی ہے۔ یہ کتاب اس صدی کی یادگار کے طور پر، حق، انصاف اور سچائی کی بارگاہ میں حریت، مساوات اور ایثار کی بارگاہ میں، انسانی دل، دماغ اور ضمیر کی بارگاہ میں انسانی جذبات، احساسات اور شریفانہ خیالات کی بارگاہ میں، انسانی وقار، عزت اور افتخار کی بارگاہ میں، انسانی فکر، نظر اور کردار کی بارگاہ میں اور ان سب کے ذریعہ سے ان کے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کی جاتی ہے۔

حسینؑ بن علیؑ کے کارنامہ جاوید کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو الفاظ کی محدود دنیا کے بس سے باہر ہے لیکن اگر اس پوری کتاب میں ایک جملہ بھی اس ایثار و قربانی کی تصویر کا کوئی رخ آنکھوں کے سامنے لا سکے تو یہی اس خدمت کا پورا ماحصل ہوگا۔

علی نقی النقوی

---

[1] امام کی شان کیا ہوتی ہے؟ اس بارے میں جو شخص مذہب شیعہ کے معتقدات معلوم کرنا چاہے اسے عربی میں اصول کافی اور اس کے شروح، فارسی میں حق الیقین علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) اور حدیقہ سلطانیہ مصنفہ جناب سید العلماء سید حسین (متوفی ۱۲۷۳ھ) اور اردو میں مذکورہ کتابوں کے تراجم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ مختصر طور پر اصول مذہب شیعہ کے سمجھنے کے لئے خود میرے وہ تصانیف دیکھنا مناسب ہوں گے جو امامیہ مشن سے شائع ہوئے ہیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پہلا باب

نسبی خصوصیات، خاندان اور اس کے شاندار روایات

نظام اخلاق کی تشکیل میں آباؤ اجداد کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ''توارث صفات'' اور خاندانی احساسات کے لحاظ سے بھی اور اس لئے بھی کہ بچپن سے کان میں پڑے ہوئے ماضی کے تذکروں سے قوائے ادراک وشعور کی اسی طرح پرورش ہوتی ہے جس طرح دودھ سے بچہ کی جسمانی پرورش اور جس طرح دودھ خون کی شکل میں تبدیل ہو کر رگوں میں دوڑتا ہے یوں ہی بچپن کے سنے ہوئے تذکرے بجلی کی رو کے ساتھ انسان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اترتے اور نفس کے تحت الشعوری طبقوں میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مذہبی معتقدات سے قطع نظر کرتے ہوئے انسانی حیثیت سے حسینؑ کو سمجھنے کے لئے ان کے آباؤ اجداد کے کارناموں پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی ذات بڑی حد تک بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب ان کو مانتے ہیں اور وہ مذہبی طور پر مسلمانوں کے مورث اعلیٰ کہے جاسکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اپنے کو ملت ابراہیم کا رہبر بتایا اور حضرت ابراہیمؑ نے ہی اس جماعت کا جو راہ حق میں ان کے پیچھے آئی سب سے پہلے نام ''مسلم'' رکھا اور ابراہیمؑ کی زبانی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یہ دعا بھی مذکور ہے کہ خدا وندا ہم کو ''مسلم'' قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ''امت مسلمہ'' قرار دے۔ اس طرح مسلمانوں کی قومی زندگی اور پیغمبر اسلامؐ کی بعثت گویا دعائے ابراہیمؑ کا نتیجہ تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے روایات زندگی ابنائے اسلام کے لئے ایک موروثی ترکہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور فرزندان اسلام کے عناصر اخلاق کی تشکیل میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے۔ اسحاقؑ اور اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ سلسلہ بنی اسرائیل کے اور حضرت اسماعیلؑ پیغمبر اسلامؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے مورث اعلیٰ ہیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بعض مصالح کی بناء پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند اسماعیلؑ کو شیر خوارگی کے عالم میں آپ کی والدہ گرامی ہاجرہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین پر پہنچا دیا جس پر خانہ کعبہ واقع ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام انہیں باپ بیٹے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے انجام دیا جو مذہبی طور پر تمام خلق خدا کا محل اجتماع قرار پایا اور یہ آل ابراہیمؑ کی مرکزیت کا احساس عامہ خلائق کے دل میں پیدا ہونے کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔

ان دونوں بزرگواروں کی نسبت اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ من جانب اللہ مامور ہوئے کہ اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں اور آپ نے بڑی ثابت قدمی اور پرجگری کے ساتھ حکم ربانی کی تکمیل کو عمل کے آخری درجہ تک پہنچا دیا۔ اگرچہ وقت پر پروردگار عالم کی طرف سے بجائے انسان کے جانور کی قربانی کے عمل میں آنے کا انتظام ہوگیا مگر اس اعلان کے ساتھ کہ آئندہ اس کا معاوضہ راہ خدا میں ایک بڑی قربانی کے ساتھ ہونا ضروری ہے (و فدیناہ بذبح عظیم)[1] اس واقعہ کو اسلام نے بڑی اہمیت دی اور عید قربان کی شکل میں اس کی مستقل یادگار قائم کر دی۔

اسماعیلؑ کے بارہ فرزند تھے۔ ان میں سے نابت اور قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور ہیں اور پیغمبر اسلامؐ انہیں کی اولاد میں سے تھے۔[2]

حضرت کا نسب نامہ آپ کی ذات سے لے کر عدنان تک متفقہ طور سے تواریخ و سیر میں موجود ہے۔ اس طرح:۔ عدنان، معد، نزار، مضر، الیاس، مدرکہ، خزیمہ، کنانہ، نضر، مالک، فہر، غالب، لوی، کعب، مرہ، کلاب، قصیٰ، عبد مناف، ہاشم، عبدالمطلب، عبداللہ جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے والد بزرگوار تھے۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ سے عدنان تک اکیس پشتیں ہیں اور اگر ہر نسل کا اوسط تیس سال قرار دیا جائے تو کل پشتوں کی مدت ۶۳۰ برس ہوئی۔ قریش کا لقب ان اکیس آدمیوں میں سے کس کو ملا۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے نضر بن کنانہ کو ملا۔ بعض کے نزدیک

[1] قرآن مجید سورۂ صافات آیت ۱۰۷ [2] الاعلام والملوک للطبری ج ۲ ص ۱۹۱۔۱۹۲۔
[3] سیرت ابن ہشام ج ۱، ط مصر ص ۲۔ طبقات ابن سعد، طبع لیدن ج ۱ ص ۲۷۔۲۸۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

فہر کو اور بعض کے نزدیک قصیٰ بن کلاب کو۔ وجہ تسمیہ میں بھی کئی قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تَقَرُّش سے ماخوذ ہے، تجارت اور کسب معاش کے معنی میں۔ چونکہ یہ لوگ اپنی محنت و مشقت اور قوت بازو کی کمائی کو معیار عزت سمجھتے تھے اور عملی طور پر اس کے پابند تھے اس لئے قریش کہلائے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تَقَرُّش بمعنی اجتماع سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے متفرق ہونے کے بعد اجتماعی شکل اختیار کی اس لئے قریش کہے جانے لگے۔[1]

چونکہ قصیٰ کے وقت تک نسل عدنان کے لوگ مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں میں منتشر تھے، قصیٰ نے ان سب کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس مکانوں میں آباد کیا۔ اسی لئے خود قصیٰ کو مجمع کے لقب سے یاد کیا جانے لگا جیسا کہ عرب کے شاعر نے کہا ہے:۔

ابو کم قصی کان یدعٰی مجمعاً　　به جمع الله القبائل من فهر

(یعنی) تمہارے مورث اعلیٰ قصی وہ ہیں کہ جو ''مجمع'' کہلاتے تھے۔ انہی کے ذریعہ سے اللہ نے قبیلہ فہر کی مختلف شاخوں کو ایک جگہ جمع کیا۔[2]

نابت بن اسماعیلؑ کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت جرہمی خاندان کی طرف جو ان کے ننھیال والے تھے منتقل ہوگئی تھی اور اس طرح یہ لوگ دنیوی اور مذہبی اقتدار دونوں کے مالک بنے ہوئے تھے۔ عرصہ تک قابض رہنے کے بعد انہوں نے کعبہ کے اموال میں تغلب و تصرف اور حج کو آنے والے پردیسیوں پر ظلم و ستم اور حرم مکہ کی حرمتوں کو برباد کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں بنی خزاعہ نے یمن سے نکل کر ان پر حملہ کر دیا اور انہیں مکہ سے نکال کر خود قابض ہوگئے۔ یہ خاندان تقریباً دو سو برس تک کعبہ کا مالک بنا رہا۔ قصی نے انہیں میں شادی کی اور جب ان کا اثر و رسوخ حجاز میں بڑھ گیا تو انہوں نے نضر بن کنانہ کی تمام اولاد کو جمع کر کے انہیں خانہ کعبہ کی حمایت و تولیت کی ذمہ داری یاد دلائی اور آخر متفقہ طاقت کے ساتھ خزاعیوں کو شکست دے کر مکہ پر خود قابض ہوئے۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے مکانات کی ازسرنو تعمیر کی اور دارالندوہ (محل مشاورت) کے نام سے ایک عمارت تیار کرائی جس میں جمہور کے کام انجام دیئے جاتے تھے۔ ان کے لئے معاشرت

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۰۔۶۱ [2] طبری ج ۲ ص ۱۸۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے قوانین منضبط کئے اور خراج کی وصولیابی اور حاجیوں کے خورد ونوش کا بھی انتظام کرایا۔[1]

انہوں نے شرابخوری کی مذمت اور اس کی مضرتوں کا اعلان بھی کیا۔[2]

قصی کے فرزندوں میں عبد مناف اوصاف وکمالات میں اپنے بزرگوں کے حقیقی جانشین تھے اس لئے اپنے باپ کی زندگی ہی میں انہوں نے ملک عرب میں شہرت و امتیاز کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔[3]

عبد مناف کے فرزندوں میں ہاشم جن کا اصلی نام عمرو تھا نہایت بااثر اور ممتاز تھے۔ کعبہ کی معزز خدمتیں حاجیوں کی سیرابی اور ضیافت ان کو سپرد کی گئیں جو انہوں نے بہت قابلیت سے انجام دیں۔ انہوں نے سلطنت روم سے خط و کتابت کر کے کچھ خاص حقوق عرب تجار کے واسطے حاصل کئے تھے۔[4]

''ہاشم'' ان کا لقب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے اہل مکہ کو روٹیوں کے ٹکڑے شوربے میں بھگو کر کھلائے۔[5]

(عربی میں ہشم، چورا کرنے کو کہتے ہیں)

ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی مطلب جانشین ہوئے۔ اس لئے کہ ہاشم کے فرزند شیبہ اس وقت نہایت کمسن تھے۔ جب مطلب کی وفات ہوئی تو ان کی جگہ ان کے بھتیجے شیبہ نے حاصل کی جو عبدالمطب کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ شرف، عظمت اور شہرت میں اپنے بزرگوں پر بھی فوقیت لے گئے۔[6]

اور ''سید البطحا'' کے خطاب سے مشہور ہوئے جو ان کی اولاد میں باقی رہ گیا۔ چنانچہ وہ آج تک ''سادات'' کہے جاتے ہیں۔ عبدالمطلب کو توکل اور اعتماد خدا پر اس وقت پورے طور پر ظاہر ہوا جب ابرہہ نے یمن سے بڑھ کر کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے مکہ پر چڑھائی کی۔ مکہ والوں کے پاس کوئی ایسی فوجی طاقت نہ تھی جس سے وہ غنیم کا مقابلہ کرتے مگر عبدالمطلب خداوندی امداد پر بھروسا رکھتے تھے۔ آخر غیبی طاقت ہی نے اصحاب فیل کو تباہ و برباد کر دیا۔[7]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۷۱۔۷۹۔ [2] الامالی للصدوق ص ۴۔ [3] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۸۱۔ [4] طبری ج ۲ ص ۱۸۰۔ [5] ابن ہشام ج ۱ ص ۸۵۔ [6] ابن ہشام ج ۱ ص ۸۶

[7] اصول کافی طبع لکھنؤ ص ۲۸۳، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۲۔۳۴، طبری ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۴۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے دو بیٹے عبداللہ اور ابو طالب تھے۔

عبداللہ بن عبدالمطلب کی قربانی کا واقعہ بھی کتب تواریخ میں مذکور ہے اور مشہور ہے کہ عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کی قربانی پر تیار تھے مگر ان کے ننھیال والوں کے اصرار پر قرعہ ڈالا گیا اور سو اونٹوں کی قربانی کے بدلے میں عبداللہ کی جان بچی۔ [1]

چونکہ عبداللہ کا انتقال باپ کے سامنے ہوگیا۔ اس لئے عبدالمطلب کے تمام امتیازات و اختیارات ابو طالب کو حاصل ہوئے۔ ''شیخ البطحاء'' اور ''سید القریش'' کے خطابوں سے مشہور ہوئے اور ان امانتوں کے ساتھ ساتھ جو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی متروکہ تھیں ایک سب سے بڑی امانت جو ان کی حفاظت میں آئی وہ عبداللہ کے یتیم فرزند محمدؐ کی ذات تھی۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عمر نو جوانی کی منزل میں تھی کہ آپ کی راست بازی اور امانت داری کو تمام عرب نے تسلیم کرتے ہوئے آپ کو ''امین'' کا لقب دے دیا۔ [2]

اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوانا شروع کر دیں۔ اہم معاملات میں آپ کے تصفیہ کو قابل قبول سمجھنے لگے۔ جب آپ کی عمر بیس سال کی تھی تو قریش میں ''حلف الفضول'' کا عہدنامہ [3] ہوا جو بے نظیر شریفانہ اصول پر مبنی تھا اور اس کی تحریک کا سہرا بنی ہاشم ہی کے سر رہا، اس لئے کہ زبیر بن عبدالمطلب اس کے داعی تھے۔

واقعہ یہ تھا کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد عرب میں مطلق العنانی اور بے آئینی کا دور دورہ ہوگیا۔ رشتہ داریوں کے لحاظ سے آپس میں کشت وخون تو نہیں ہونے پایا مگر اجنبی لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا تھا چنانچہ قبیلہ زبی کے ایک یمنی شخص نے جس سے کہ عاص بن وائل سہمی نے کوئی بیش قیمت چیز خرید کر قیمت ادا نہیں کی تھی تمام آل فہر کو مخاطب کر کے موثر انداز میں اس ظلم وستم کا شکوہ بھی کیا۔

انہی واقعات سے متاثر ہو کر بنی ہاشم، زہرہ اور اسد بن عبدالعزیٰ کے قبیلے عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے اور متفقہ طور پر عہد کیا کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک اس کا حق ادا نہ ہو جائے۔ اس

---

[1] ابن ہشام ج ۱ ص ۹۴۔۹۷۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۶۔ [3] ابن سعد ج ۱ ص ۸۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا جس میں فضل، فضال، مفضل اور فضیل شامل تھے اور اس لئے اس کا نام فضول قرار پا گیا تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ اس معاہدہ میں شریک تھے اور ہمیشہ اس پر آپ نازاں رہے بلکہ بعثت کے بعد جبکہ عرب کے تمام قدیم معاہدات اور مخاصمات کالعدم قرار دے دیئے گئے تھے آپ اپنے کو اس معاہدہ کا پابند سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی مجھے اس معاہدہ کی بناء پر آواز دے تو میں اس کی صدا پر لبیک کہوں گا۔[1]

اگر آپ نے عرب کی تاریخ پڑھی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ معاہدہ اس قوم کی عام ذہنیت کے بالکل خلاف تھا۔ وہاں تو یہ تھا کہ ہم کو اپنے قبیلہ والے کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس قبائلی تعصب کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک شخص کی ذاتی جنگ قبائلی جنگ بن جاتی تھی جو چالیس چالیس برس جاری رہتی تھی۔ اس غلط ذہنیت کی سب سے پہلے مخالفت کرنے والے بنی ہاشم تھے جو دنیا کو حق و انصاف کی قدر و قیمت کا اندازہ کرا رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اس کے مقابلہ میں قومیت یا برادری کوئی چیز نہیں ہے۔

جب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عمر تیس برس کی تھی ابو طالب کے یہاں علیؑ کی ولادت ہوئی۔[2] اور ابھی علیؑ بن ابی طالب چند ہی سال کے تھے کہ مکہ میں قحط پڑا اور ابو طالب اقتصادی تکالیف میں مبتلا ہوگئے۔ آپ کے بار کو کم کرنے کے لئے محمد مصطفیٰؐ نے علیؑ کی پرورش خود سے متعلق کر لی۔ اس طرح علیؑ، محمدؐ کے آغوش تربیت میں آگئے۔[3]

یہاں ایک مرتبہ اس پر نظر ڈال لیجئے کہ اس خاندان کی زمین شرف کس آسمان تک پہنچ چکی تھی اور اس کے قدیم روایات کس درجہ شاندار ہیں۔

۱۔ کعبہ جو تمام عرب کے مذہبی اجتماع کا مرکز ہے وہ تعمیر کیا ہوا ہے ان کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کا۔

۲۔ ان کے دادا حضرت اسماعیلؑ اللہ کی بارگاہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ''ذبیح خدا'' کہلائے۔ پھر عبدالمطلب اور ان کے فرزند عبداللہ نے اسی سبق کو

---

[1] ابن ہشام ج ۱ ص ۸۴۔ ابن سعد ج ۱ ص ۸۲۔ [2] آپ مکہ معظمہ کے اندر ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو (کعبہ پر ہاتھیوں کے حملہ سے تیس برس بعد) پیدا ہوئے (مروج الذہب مسعودی، مستدرک حاکم، ارشاد شیخ مفید) [3] ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۶۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دہرا کر ثابت کر دیا کہ یہ قربانی کا جذبہ اس خاندان کا ورثہ ہے جو دنیا کو برابر یاد رہا چنانچہ ان دونوں طے شدہ قربانیوں کی بناء پر حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ''ابن الذبیحین'' کے لقب سے یاد کیا گیا۔[1]

۳۔ تمام قبائل مضر کی شیرازہ بندی کا فخر ان ہی کو حاصل ہے۔

۴۔ خانہ کعبہ کے محافظ اور موسم حج کے منتظم ہونے کی حیثیت سے انہیں تمام عرب کی مرکزیت حاصل ہے۔

۵۔ تمام اندرونی اور بیرونی معاملات میں عرب قوم کی قیادت اور نمائندگی ان کا حصہ ہے۔

۶۔ وہ غریبوں کے دستگیر اور قحط سالی وغیرہ کے سخت اوقات میں مسکینوں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔

۷۔ وہ اسم اور مسمیٰ دونوں حیثیتوں سے سید (سردار) مانے جاتے ہیں۔

۸۔ وہ ایک ہی وقت میں میدان جنگ کے شہسوار اور عالم روحانی کے رازدار ہیں جس کا گواہ اصحاب فیل کے مقابلہ میں عبدالمطلب کا طریقہ پیکار ہے۔

۹۔ انہوں نے مظلوموں کی حمایت اور حق کی طرف داری کا بیڑا اٹھایا اور اس بارے میں تمام قریش کی رہنمائی کی تھی۔

یہ ہیں وہ نمایاں خصوصیات جو تاریخی اسناد کے ساتھ اس خاندان کے لئے ابھی تک ثابت تھے مگر اب اسی مشرق سے وہ آفتاب چمکتا ہے جس کی شعاعیں دنیائے انسانیت کو صبح قیامت تک روشن رکھیں گی۔

ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہونے پر جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گزر رہی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب سے یہ آفتاب طالع ہوا جس کی ابتدائی کرنیں اگرچہ حجاز کی سرزمین مکہ سے ظاہر ہوئی تھیں مگر رفتہ رفتہ اس کی روشنی شرق وغرب میں پھیل گئی اور دنیا

---

[1] طبری ج ۱ ص ۱۳۵، ع شریعت اسلامیہ میں یہ طریقہ قربانی کہ اپنے ہاتھ سے اللہ کی رضا کے لئے اپنایا کسی اپنے سے متعلق انسان کا خون بہایا جائے منسوخ کر دیا گیا مگر راہ خدا میں جب ضرورت ہو تو دشمنوں سے جہاد کر کے اپنی جان قربان کرنے کا اصول قائم رہا اور آل رسولؐ نے عملی طور پر اسی کی مثالیں پیش کیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو روشن کر دیا۔ یہ عالمگیر مذہب اسلام تھا اور اس خداوندی پیغام کے پہنچانے کے لئے محمد مصطفیٰؐ منتخب ہوئے جن کے ذریعہ سے کائنات کو ایک خدائے توانا کے سامنے سر جھکانے کی تعلیم دی گئی اور غیر اللہ کی پرستش کو مٹانے کا اعلان کیا گیا۔ خواہ وہ سونے چاندی پتھر کے بت ہوں یا گوشت پوست سے بنا ہوا انسان جو الوہی اقتدار کے سامنے اپنی سطوت و ہیبت کا سکہ جمانا چاہتا ہو اور خلق خدا کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کرے۔

اس وقت حضرت علیؑ بن ابی طالب کی عمر دس برس کی تھی اور چونکہ علیؑ پہلے رسولؐ کی آغوش تربیت میں تھے۔ [1]

اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ علیؑ اور اسلام میں وہی وابستگی پیدا ہوئی جو ایک آغوش میں رہنے والے دو بچوں کی آپس میں ہونا چاہئے۔

چند سال تک راز داری کے ساتھ فرض تبلیغ کو ادا کیا گیا۔ [2]

اس کے بعد حکم آ گیا وانذر عشیرتک الاقربین (یعنی) اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کیجئے۔ [3]

حضرت نے اس حکم کی تعمیل میں دعوت کا انتظام کر دیا اور تمام اولاد عبدالمطلب کو جمع کر کے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور توحیدی الٰہی کا پیغام پہنچایا۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس دین کی اشاعت میں میرا دست و بازو بننے کے لئے تیار ہے؟ اس وعدہ پر کہ وہی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین قرار پائے گا۔ مجمع تمام خاموش تھا۔ حضرت علیؑ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے مگر آپ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں آپ کا اس مہم میں ہر طرح سے مددگار ہوں گا آپ نے حضرت علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بس یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے۔ تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ [4]

اب اعلانیہ بت پرستی کی مذمت ہونے لگی جس سے قریش آپ کی مخالفت پر کمر بستہ اور ایذا رسانی پر آمادہ ہو گئے مگر آپ کے چچا جناب ابو طالب کی شخصیت آپ کے سامنے سینہ سپر تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کو کچھ بن نہ پڑتا تھا۔ آخر اکابر قریش کا ایک وفد ابو طالب کے پاس آیا۔ اس میں عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابو جہل،

---

[1] طبری ج ۲ ص ۳۱۲۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۲۔ طبری ج ۲ ص ۲۱۶۔ ۲۱۸۔ ارشاد ص ۱۶۔ [3] قرآن سورۂ شعراء آیت ۲۱۴۔ [4] طبری ج ۲ ص ۲۱۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا تھا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اس لئے یا تو تم اسے ان باتوں سے روک دو یا اسے ہمارے سپرد کر دو۔ پہلی بار ابو طالب نے نرمی سے ان کو ٹال دیا مگر کچھ عرصہ کے بعد جب یہ وفد پھر آیا تو اس نے نہایت سختی سے کہا کہ اب ہم اس صورتحال کو برداشت نہیں کر سکتے یا تو تم انہیں روکو یا ہمارے تمہارے درمیان جنگ ہو کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابو طالب نے مناسب سمجھا کہ اب رسول اللہؐ سے اس کا تذکرہ کریں۔ حضرتؐ نے پورا واقعہ سنا تو فرمایا۔ ''خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا'' اور یہ کہتے کہتے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھنا تھا کہ ابو طالب کا دل، ہل گیا۔ انہوں نے کہا کہ ''اچھا تم اپنے فرض کو انجام دیتے رہو۔ میں آخر دم تک تمہارا ساتھ دوں گا''۔[1]

چنانچہ ابو طالب نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جب تک زندہ رہے رسولؐ کے لئے سینہ سپر رہے۔

مگر حضرت ابو طالب اور خدیجہ کبریٰ کی وفات کے بعد اہل مکہ کی ایذا رسانی حضرت رسولؐ کے خلاف بہت بڑھ گئی اور آپ نے ان کے راہ راست پر آنے سے بظاہر اسباب ناامید ہو جانے کی وجہ سے یہ طے کر لیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو آپ کا آبائی وطن تھا ترک فرما دیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اپنے متبعین کو مدینہ کی طرف جہاں کے کچھ لوگوں نے آپ کی پیروی قبول کر لی تھی روانہ فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر مکہ والے سب آپ کی جان لینے کے درپے ہو گئے اور ایکا ہوا کہ رات کے وقت آپ کے گھر کو گھیر کر آپ کو قتل کر ڈالیں۔ آپ اپنے چچا زاد بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ ہدایت فرما کر کہ وہ آپ کے بستر پر آپ کی چادر اوڑھ کر سو رہیں خود مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے دشمنوں کی کھینچی

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۲۔۱۶۴۔ طبری جب ۲ ص ۲۱۹۔۲۲۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوئی تلواروں کے اندر رسولؐ کے بستر پر آپ کی چادر اوڑھ کر آرام کیا۔[1]

پھر مدینہ پہنچنے کے بعد جب مخالفین اسلام نے فوجی طاقتوں کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھائی کی اور بدر واحد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ہوئیں تو ان لڑائیوں میں حق و صداقت کی روحانی طاقت کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰؑ کی تلوار ہر موقع پر اسلام کی فتح مندی کا سبب بنتی رہی۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ایک بیٹی تھیں فاطمہ زہراؑ جن کی ان کے بلند اوصاف کی بناء پر آپ اتنی عزت کرتے تھے کہ جب وہ آپ کے پاس آتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔[2]

اور بکثرت حدیثیں آپ نے ان کی فضیلت کے بارے میں ارشاد کیں جن میں ایک یہ تھی کہ وہ سردار زنان جنت اور سردار زنان اہل ایمان ہیں۔[3]

اور فرمایا کہ فاطمة بضعة منی (یعنی) فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے۔[4]

ظاہر ہے کہ ایسی بیٹی کے لئے رسولؐ ایسے ہی صاحب اوصاف موزوں ترین کفو کو منتخب فرما سکتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے پیغام اور نسبتیں آئیں مگر سب مسترد کر دی گئیں اور صرف علیؑ ہی کی ایک ذات جس کے لئے رسولؐ کا قول تھا کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔[5]

اس رشتہ کے لئے موزوں سمجھی گئی اور رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہ میرا ہی نہیں بلکہ اللہ کا انتخاب ہے۔[6]

انہی دونوں مقدس اور بزرگ مرتبہ ماں باپ سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ ایک حسنؑ اور دوسرے حسینؑ۔

اب کیا حسینؑ بھلا سکتے تھے اپنے خاندانی خصوصیات اور قدیم روایات کو؟ بقول مولانا ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری۔ ''حسینؑ جس نسل کی یادگار تھے وہ صدیوں

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۳۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ طبری ج ۱ ص ۲۴۴۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۲۵۲۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۹۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰۔ [4] بخاری ج ۲ ص ۱۸۵ و ۱۸۹۔ [5] فردوس الاخبار دیلمی و تذکرہ سبط ابن جوزی وغیرہ۔ [6] صواعق محرقہ ص ۸۴ و ۹۷۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے قربانی و فداکاری کی ایک مسلسل تاریخ تیار کر رہی تھی"۔ حسینؑ نے دیکھا نہیں مگر کانوں سے سنتے تو رہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ ابراہیمؑ خدا کی رضا کے لئے بیٹے کے ذبح پر تیار ہو گئے۔ ہمارے پردادا عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو قربانگاہ عبودیت میں پیش کیا۔ ہمارے جد بزرگوار ہاشم نے اپنے مال و دولت اور اثر کو ہمیشہ خلق خدا کی خدمت میں صرف کیا۔ ہمارے خاندان نے مظلوموں کی امداد اور ظالموں سے مقابلہ کا حلف اٹھایا ہے اس لئے اگر خلق خدا کسی ظالم کے ہاتھ سے پریشان ہو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوموں کی دستگیری کے لئے آگے بڑھ جائیں۔[1]

حسینؑ کو معلوم ہوا کہ سچائی کی خاطر پتھر کھائے اور مصیبتیں اٹھائیں میرے نانا رسول اللہؐ نے اور پیغمبر اسلامؐ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہے میرے دادا ابو طالبؑ اور جب اسلام کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا تو سب سے پہلے عہد وفا داری کرنے والے اور پھر تلواروں کے حصار میں بستر رسولؐ پر لیٹنے والے اور پھر ہر سخت موقع پر سچائی کے لئے جہاد کرنے والے میرے باپ علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ بچے جب اپنے بزرگوں کے حالات سنتے ہیں تو ان میں بچپن ہی سے ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں بھی کوئی موقع ایسے کارنامے پیش کرنے کا مل جائے۔ اس لئے عام فطرت کے تقاضوں اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امام حسینؑ کے لئے علاوہ منصبی ذمہ داری کے خاندانی روایات اور بلند فطرت کا تقاضا یہی تھا کہ بچپن سے منتظر اور مشتاق رہیں کہ سچائی کی خدمت، غریبوں کی دستگیری اور مظلوموں سے ہمدردی کا کوئی موقع پیش آئے اور آپ بھی حق کی حمایت میں اپنے فریضہ کو انجام دے کر اپنی خاندانی روایات کو زندہ اور برقرار رکھیں۔

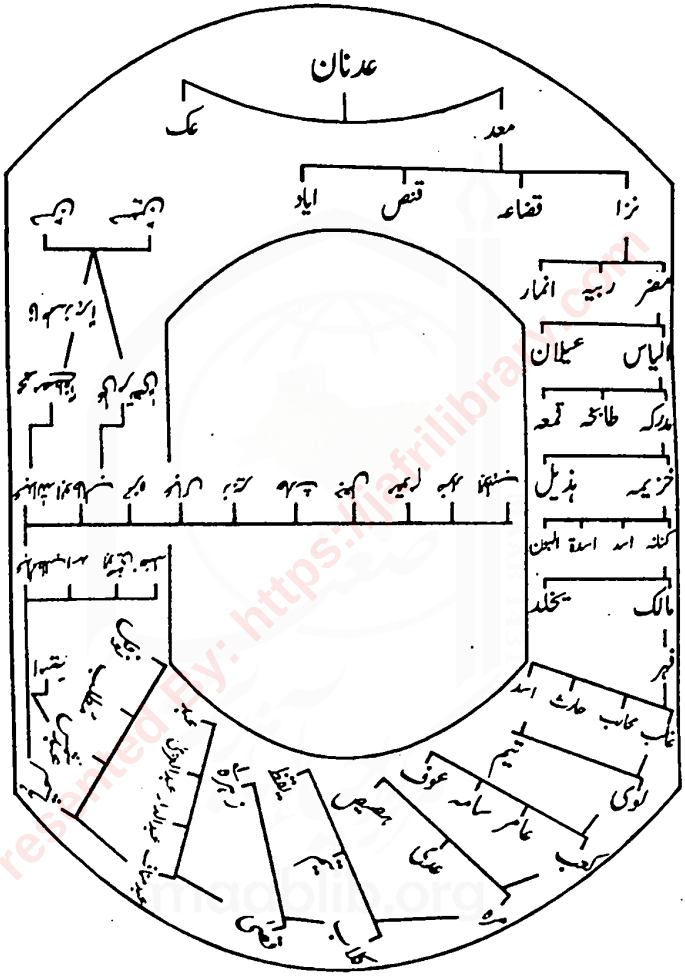
---

[1] حلف الفضول کو امام حسینؑ اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک موقع پر جب ولید بن عتبہ حاکم مدینہ نے آپ کے ساتھ ظلم و تعدی سے کام لیا تو آپ نے حلف الفضول کا حوالہ دیا تھا اور اس کی پابندی کی طرف سب کو توجہ دلائی تھی جس کے نتیجہ میں عبداللہ بن زبیر، مسور بن مخرمہ بن نوفل زہری اور عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبید اللہ تیمی متعدد اشخاص نے یہ اعلان کیا کہ اگر حسینؑ بن علیؑ اس معاہدہ کی بناء پر اپنے حق کو طلب کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو ہم ساتھ ہوں گے۔ آخر ولید نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرتؑ کے مطالبہ کو منظور کیا۔ (سیرا ابن ہشام ج ۱ ص ۸۴)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شجرہ نسب آل عدنان



ع ماخوذ از سیرۃ النبی لشیخ ابی محمد عبدالملک بن ہشام ج ۱، ط مصر۔ ا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں (طبقات ابن سعد، ط لیدن ج ۱ ص ۳۱۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹۔ اصول کافی ط لکھنؤ ص ۲۷۸۔

۲ حضرت علی مرتضیٰؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ اسی لئے آپ کے خصوصیات میں سے ہے "اول ہاشمی ولدہ ہاشم مرتین"۔ پہلے وہ شخص ہیں جو ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے ہاشمی النسل تھے (اصول کافی ط لکھنؤ ص ۲۸۷۔ الارشاد للمفید، ط ایران ص ۳)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوسرا باب

بنی ہاشم اور بنی امیہ

بنی ہاشم کے بالمقابل تاریخ میں جو نام نظر آتا ہے وہ ''بنی امیہ'' ہے۔ اس قبیلہ کی بنی ہاشم سے رقابت اور مخالفت کے لئے یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ امیہ کا باپ عبدالشمس اور بنی ہاشم کے مورث اعلیٰ حضرت ہاشم یہ دونوں ماں کے پیٹ سے جڑواں پیدا ہوئے تھے اس طرح کہ انگلی ایک کی دوسرے کی پیشانی سے چسپاں تھی۔ مجبوراً ان کو کاٹ کر الگ الگ کیا گیا جس سے خون بہنے لگا۔ اس وقت لوگوں نے اسے بدشگونی مان کر کہا کہ ان میں آپس میں خونریزیاں ہوتی رہیں گی۔[1]

یہ حکایت درست ہو یا نہ ہو لیکن اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں کی جنگ نے کتنی جڑ پکڑ لی تھی کہ لوگ اس کو ایک ناگزیر اور قدرتی چیز سمجھنے لگے تھے مگر ہم جہاں تک تاریخ کے واقعات کی چھان بین کرتے ہیں ہمیں خود عبدالشمس اور ہاشم میں جنگ یا منازعت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بے شک عبدالشمس کے بعد امیہ کی طرف سے مخاصمت کی ابتداء نظر آتی ہے جبکہ وہ حضرت ہاشم سے مقابلہ کی کوشش میں ناکام ہوا اور اس وقت سے اس نے ایک شکست خوردہ فریق کی طرح انتقامی تصادم کا سلسلہ جاری رکھا۔ واقعہ یہ تھا کہ مکہ میں قحط پڑا جس میں قریش بہت تباہ حال ہوگئے۔ حضرت ہاشم شام کی جانب گئے اور وہاں انہوں نے بہت زیادہ مقدار میں آٹا فراہم کر کے اس کی روٹیاں پکوائیں اور انہیں اونٹوں پر بار کر کے مکہ لائے۔ ان روٹیوں کو انہوں نے چورا کرایا اور ان اونٹوں کو نحر کر کے شوربا تیار کرایا اور بڑی بڑی دیگوں میں انڈلوا کر وہ تمام روٹیوں چورا ان دیگوں میں ڈلوا دیا۔ اس کھانے کو عرب میں ''ثرید'' کہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے تمام مکہ کے لوگوں کو کھانے سے سیر کیا۔ اتفاق سے اس کے بعد ابر آیا، پانی برسا اور قحط سالی دور ہوگئی۔ ہر شخص کہنے لگا کہ اب کی پہلا باران رحمت کا چھینٹا وہ تھا جو ہاشم کے

[1] طبری، ج ۲ ص ۱۸۰۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ذریعہ سے برسا۔ ''ہاشم'' کے معنی ہیں روٹیوں کا چورا کرنے والا۔ شاعروں نے اس واقعہ کو خاص الفاظ میں نظم کیا۔ ایک شاعر نے کہا۔

عمر والذی هشم الثرید د لقومه قوم بمکة مسنتین عجاف

''عمرو (یہ ہاشم کا اصلی نام ہے) جنہوں نے اپنی قوم کے لئے روٹی کے ٹکڑے کر کے انہیں کھانا کھلایا، وہ قوم جو مکہ میں قحط سے بھوکی اور تباہ حال ہو رہی تھی''۔[1]

امیہ دولت مند آدمی تھا۔ اس نے جو دیکھا کہ حضرت ہاشم نے یہ کیا تو اسے حسد دامنگیر ہوا اور خواہ مخواہ بغرض مقابلہ اس نے بھی ہاشم کی نقل اتارنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہوا اور یہ امر قریش میں اس کی رسوائی اور بدنامی کا باعث بن گیا۔ اس بارے میں ہاشم کا کوئی قصور نہیں تھا مگر لوگوں کے طعنوں تشنیعوں سے کھسیانے ہو کر وہ ہاشم کو برا بھلا کہنے لگا اور اس نے ہاشم کو ''منافرت'' کی دعوت دی۔ یہ ایک طرح کا مقابلہ عربوں میں رائج تھا کہ دو شخص اپنے اپنے کارناموں کو پیش کر کے کسی ثالث کو حکم بناتے تھے کہ وہ فیصلہ کر دے کہ کون ان میں زیادہ صاحب فخر و لائق عظمت ہے۔ اس ثالثی کے لئے زیادہ تر کاہن منتخب کئے جاتے تھے جو علم قیافہ اور نجوم میں بڑے ماہر ہوتے تھے۔ حضرت ہاشم نے اپنی عمر کی بزرگی اور اپنے رتبہ کی بلندی کے لحاظ سے امیہ کے ساتھ مقابلہ سے انکار کیا مگر قریش کے عام افراد نے حضرت ہاشم کو مجبور کیا۔ آخر آپ بھی آمادہ ہو گئے اور کہا کہ میں اس شرط پر مقابلہ کرتا ہوں کہ شکست خوردہ فریق اپنے مقابل کو ۵۰ اونٹ سیاہ آنکھوں والے سپرد کرے جو سرزمین مکہ میں نحر کئے جائیں اور دس برس کے لئے وہ مکہ سے جلا وطن ہو جائے۔ امیہ اس شرط پر رضامند ہو گیا چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے کاہن کو حکم مقرر کیا گیا۔ اس نے فیصلہ ہاشم کے حق میں اور امیہ کے خلاف دیا۔ حضرت ہاشم نے قرارداد کے مطابق ۵۰ اونٹ حاصل کئے اور انہیں نحر کرا کے پھر تمام اہل مکہ کی دعوت کر دی اور امیہ کو دس برس کے لئے مکہ سے جلا وطن ہونا پڑا اور وہ اس مدت تک شام میں قیام پذیر

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۸۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رہا۔ یہ پہلی عداوت تھی جو[1]

امیہ کی اولاد میں بنی ہاشم کے مقابلہ میں نسل در نسل برقرار رہی۔ اس کے بعد ہاشم کے فرزند جناب عبدالمطلب کے جوار میں ایک یہودی کا قیام تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ اسے تجارت میں بہت ترقی ہوئی جس سے وہ بہت دولت مند ہوگیا تو حرب بن امیہ کو اس سے پرخاش ہوگئی۔ اس نے کچھ لوگوں کو آمادہ کر کے اسے قتل کرا دیا اور اس کا سامان لٹوا دیا۔ جناب عبدالمطلب کو تحقیق سے قاتلوں کا پتہ چل گیا مگر یہ معلوم ہوا کہ حرب نے انہیں کہیں چھپا دیا ہے تو انہوں نے حرب کو سمجھایا کہ قاتلوں کو حوالہ کر دو لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوا بلکہ جناب عبدالمطلب سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اس کے نتیجہ میں پھر نفیل کاہن کو ثالث بنایا گیا جس کے فیصلہ پر حرب کو یہ جرمانہ ادا کرنا پڑا کہ وہ سو اونٹنیاں جناب عبدالمطب کے حوالے کرے جنہیں وہ اس مقتول یہودی کے وارث کو خون بہا کے طور پر دے دیں اور اس یہودی کا جو مال لوٹا گیا تھا وہ سب بھی واپس دلوایا گیا چند چیزیں دستیاب نہیں ہوئیں تو ان کا تاوان حضرت عبدالمطلب نے اپنے مال سے ادا کیا۔[2]

پے در پے شکست کھانے کے لازمی نتیجہ کے طور پر بنی امیہ عربی خون کی بہت سی لطافتیں کھوتے گئے اور ان میں حقارت، فریب، احساس کمتری اور دوسرے اسی طرح کے اوصاف پیدا ہوتے گئے جو مسلسل شکست کو کھانے والوں کی خاصیت ہوا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان عام افراد عرب کی نگاہوں میں اتنا تفرقہ پیدا ہوتا گیا کہ یہ چیز قابل غور بن گئی کہ یہ دونوں ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں بھی یا نہیں۔

عرب قوم کے یہ تاثرات دیکھ کر بنی امیہ، بنی ہاشم کے خلاف ضربیں لگاتے تھے مگر ہر مرتبہ انہیں ناکامی ہی ہوتی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ بھی اٹھے تو بنی ہاشم ہی کے یہاں سے۔ یہ آخری بڑی شکست تھی جسے بنی امیہ آسانی سے سہہ نہ سکے تھے۔ شبلی نعمانی سیر النبی جلد اول میں ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ ''آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی''۔

---

[1] طبقات ابن سعد مطبوعہ لیدن (ہالینڈ) ج ۱ قسم ۱ ص ۴۳ و ۴۴۔ طبری ج ۲ ص ۱۸۰۔ [2] کامل ابن اثیر مصر، ج ۲ ص ۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تیسرا باب

اسلام اور اس کا پیغام

ظہور اسلام سے قبل کا زمانہ ''ایام جاہلیت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال درست نہیں ہے کہ عرب اس میں وحشت اور بربریت کے دور سے گزر رہے تھے اور تمدن و تہذیب سے واقف نہیں ہوئے تھے بلکہ جس طرح ڈاکٹر وحید مرزا صاحب نے لکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ جنوبی عرب اسلام سے صدیوں قبل ایک بڑی تہذیب کا گہوارہ اور کاروبار تجارت کا ایک خوشحال مرکز تھا۔ حمیری بادشاہوں کے آثار قدیمہ، سد مارب، باغ شداد اور تخت بلقیس ملکہ سبا وغیرہ کے تذکروں میں اس کا مکمل ثبوت موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایام جاہلیت کی شاعری جو کہ ادب کا بہترین نمونہ ہے اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ مثلاً بہادری، سخاوت، مہمان نوازی، وفاداری، شوہری محبت اور برادری انس وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ شاعری ان کے اخلاقیات کا دفتر ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شرافت کا کافی عنصر رکھتے تھے۔ ان کی شاعری بالخصوص ان میں سے چند کی اس بات کو بھی ظاہر کر دے گی کہ اگرچہ وہ اس زمانے کے الہامی مذہب کو نہ ماننے کے باعث مشرک تھے اور بت پرستی بھی کیا کرتے تھے تاہم وہ مذہب کے خاص خاص عقائد سے بالکل ناواقف و بیگانہ نہ تھے۔ وہ اپنی بت پرستی کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ان بتوں کے ذریعہ سے ہم خدائے واحد (اللہ) کی بارگاہ میں قرب حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ عربوں کی ایک بڑی تعداد جناب اسماعیلؑ کی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی تعلیمات سے قطعاً بیگانہ ہوگئے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمدنی حیثیت سے اسلام سے قبل کے زمانہ میں عرب کی جماعت ترقی کے بعد تنزل کی طرف جا رہی تھی۔ اب اس میں کچھ عمدہ قدیم خوبیوں کا شائبہ تو موجود تھا لیکن زیادہ تر اس میں بری عادتیں داخل ہوگئی تھیں۔ وہ ہر سال مکہ میں بغرض حج جمع ہوتے تھے لیکن اس مقدس فرض کی اہمیت ان کے دلوں سے محو ہو چکی تھی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان کے کاروان حجاز، عراق اور شام میں اب بھی اسباب سے لدے ہوئے جاتے تھے لیکن اب ان میں صنعت وتجارت کا جوش سرد ہو چکا تھا اور انتہائی غربت نے انہیں حریص بنا دیا تھا۔ ان میں اللہ کا ایک دھندلا اور مدھم تصور موجود تھا لیکن ان کے بت ان کے نزدیک زیادہ مقدس تھے۔ وہ صلح پسند اور مطمئن زندگی کے فوائد سے واقف تھے اور جنگ سے متنفر رہنا چاہتے تھے جسے وہ ''شعلہ در آگ'' یا اس منحوس جانور سے جس کے یہاں کثرت سے توام بچے پیدا ہوتے ہیں تشبیہہ دیا کرتے تھے لیکن ان کی خودغرضی اور غربت ان کو آمادہ کرتی تھی کہ وہ اپنے ہمسایہ کے مال پر دست تطاول دراز کریں۔ وہ اپنے مردوں کا خوب ماتم کرتے تھے لیکن انتقام کشی سے اپنے کو باز نہ رکھ سکتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نسلاً بعد نسل برابر خونریز جنگیں جاری رہتی تھیں۔ وہ اپنے بچوں سے محبت کرتے تھے اس لئے کہ وہ ان کے جگر کے ٹکڑے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں لیکن ان ہی میں سے بعض کو اپنی عزت کا اتنا پاس رہتا تھا کہ وہ اس خیال کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی لڑکیاں کسی ظالم بھائی یا چچا کی کنیزی میں چلی جائیں یا ان کے رحم وکرم پر پڑ جائیں اور اس لئے وہ ان کی ہلاکت کو اپنی عزت کے برقرار رکھنے کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔

یہی حالت وہ ہوتی ہے جس کی اصلاح نہایت دشوار ہے کیونکہ دور بربریت و وحشت سے گزرتی ہوئی قومیں سادہ لوح ہوتی ہیں۔ ان کے دلوں پر جیسا نقش بٹھلایا جائے وہ آسانی سے اتر آتا ہے اس لئے کہ اس کے خلاف کوئی نقش جما ہوا نہیں ہے مگر عربوں کی تمدنی خرابیاں وہ تھیں جو خالص مادی ساخت کے تمدن اور ہوس اقتدار کی پیداوار ہوتی ہیں۔ انہوں نے عربوں کی افتادطبع کے ساتھ مل کر سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔

احساس برتری قومیت سے منتقل ہو کر جب انفرادیت کی طرف آتا ہے تو اس کا نتیجہ ہوتا ہے باہمی رقابت اور آپس کی خانہ جنگی۔ یہ بات عربوں میں انتہاء درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ پھر اسی کا نتیجہ تھا کہ مساوات انسانی کوئی چیز نہ رہی تھی اور غلبہ، طاقت اور اقتدار سب کچھ تھا۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ایک بڑے آدمی کے قتل ہو جانے پر صرف اس کے قاتل کو قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کے قبیلہ کے سینکڑوں بے گناہ آدمیوں کو مار ڈالا جاتا۔ تب کہیں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے خون کا بدلہ ہوا۔ اس کے برخلاف اگر بڑے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آدمی کے ہاتھ سے کوئی چھوٹا آدمی قتل ہوتا تھا تو اس کا خون قصاص کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ بڑے اور چھوٹے کی تفریق ہزاروں تمدنی گناہوں کا سرچشمہ تھی اور انسانیت کے پرخچے اڑا رہی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے مادیت کو سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ ماوراء المادہ کا تخیل باقی نہ رہا تھا اس لئے مادی طاقت ہی کی بناء پر وہ امتیازات قائم کرتے تھے۔ یہی حالت کم و بیش عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں کی بھی تھی۔

مذہبی حیثیت سے عرب نہایت پستی میں تھے۔ ان میں کوئی ایک مذہب مشترک نہ تھا بلکہ وہاں متعدد مذاہب کے افراد رہتے تھے اور بڑی جماعت بت پرستی اور ستاروں کی پرستش کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھی چنانچہ کعبہ ہی میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جن میں سے ایک ایک کی پرستش سال کے ایک ایک دن کی جاتی تھی کیونکہ عربی سال ۳۶۰ ہی دنوں کا ہوتا ہے جو مذاہب رائج تھے جیسے یہود، مجوس اور نصاریٰ وہ بھی پستی کی طرف مائل نظر آرہے تھے۔ اعمال ناشائستہ، دوسری جماعتوں سے نفرت، رواداری کا مفقود ہونا، آپس کی خونریزی اور ایسی ہی بہت سی خرابیاں ان میں واضح طور پر موجود تھیں اور اس لئے فطرت انسانی کسی ایسی منتخب ہستی کی خواہاں تھی جو دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔

ایسے وقت میں محمدؐ بن عبداللہ اسلام کا زلزلہ افگن پیغامِ انقلاب لے کر دنیا کے سامنے آگئے اور مردہ انسانیت کو زندگی کا مژدہ سنایا جیسا کہ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب نے لکھا ہے ''حضرتؐ کا کام یقیناً دشوار تھا اس لئے کہ آپ محض وحشی لوگوں کو متمدن نہیں بنا رہے تھے بلکہ بگڑی ہوئی سماجی کیفیت کو سدھارنا چاہتے تھے۔ آپ کا کام ان تمام عقائد و توہمات، روایات و مراسم کا عربوں کے دلوں سے محو کرنا تھا جو ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکی تھی۔ رسولؐ ان لوگوں کو بردباری، خاکساری، پاک بازی اور عفو کا سبق پڑھانا چاہتے تھے جن کے نزدیک معاف کر دینا کمزوری کی دلیل اور انتقام نہ لینا ذلت اور بزدلی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ رسولؐ ان لوگوں کو مساوات اور اخوت کی تعلیم دینا چاہتے تھے جو کہ اپنے خاندانی شرف پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے پورے شجرہ کو نہایت سختی کے ساتھ محفوظ رکھا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ اسلام کو عربوں کے اور بہت سے دوسرے رجحانات سے برسرپیکار ہونا پڑا۔ مثلاً اس نے شراب کی ممانعت کر دی جس

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے وہ عادی ہو چکے تھے اور جس کا استعمال وہ سخاوت کی دلیل سمجھتے تھے۔ اس نے قمار بازی بند کر دی جو کہ عربوں کے نزدیک بذل و جود کی ایک قطعی علامت تھی اور بہت سی مخرب اخلاق عادتوں کو ممنوع قرار دیا۔ عرب اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ سب سے زیادہ مقدس انسان کیونکر خدا کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز ہو سکتا ہے یا اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی پست انسان کیونکر عرب کے شریف ترین خاندانوں کے اشخاص سے برتری کا دعویٰ کر سکتا ہے"۔

خواجہ غلام السیدین صاحب نے اسے بہت اچھے لفظوں میں لکھا ہے کہ "اسلام ایک ایسی دنیا کے لئے جو پجاریوں کے قبضہ اقتدار اور دولت مندوں کے زیر حکومت مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی، پیغام آزادی لے آیا۔ آزادی پجاریوں کی قید سے جو عبد و معبود کے درمیان واسطہ بننے کے دعویدار تھے آزادی گروہ امراء کی حکومت سے جو نہ کسی خدائی قانون کی پروا کرتے تھے اور نہ کسی انسانی قانون کی بلکہ بغیر روک ٹوک کے حریصانہ طریقوں پر دوسروں کی محنت و مشقت کے پھلوں سے خود لطف اندوز ہو رہے تھے آزادی غلاموں اور نیچ ذاتوں کے لئے ان کے مالکوں کے مظالم اور خلاف انسانیت بے رحمانہ سلوک سے، آزادی طبقہء نسواں کے لئے اس عملی غلامی سے جس میں وہ انسانی حقوق کے ابتدائی منازل سے بھی محروم کر دی گئی تھیں، آزادی عام انسانوں کے لئے ان قیود سے جن میں وہ ذات پات، رنگ اور قوم کی تنگ نظری کی بندشوں میں مبتلا تھے جس سے ان کی حمایت اجتماعی فنا ہو رہی تھی اور وہ متخاصمین کے گروہ میں منقسم ہو رہے تھے گروہ انسانی اس طرح اپنی خود ساختہ ظالمانہ قیدوں میں مقید ہو رہا تھا۔ ہندوستان کے مشہور شاعر اور فیلسوف اقبالؒ نے اس منظر کی تصویر کشی ذیل کے اشعار میں کی ہے۔

بود انساں در جہاں انساں پرست — ناکس و نابود ماندو زیردست
سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش — بندہا در دست و پاؤ گردنش
کاہن و سلطان و پاپاؤ امیر — بہر یک نخچیر سد نخچیر گیر
از غلامی فطرت او دوں شدہ — نغمہ ہا اندر نئے اوخوں شدہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسلام نے اسے ایک پیغام آزادی سنایا۔ حریت و مساوات اور انسانی برادری کی تلقین کی اور تواریخ انسانی میں پہلے پہل شہری اور انسانی حقوق پورے طور پر عام انسانوں کو بالعموم عطا کئے۔ جس سے وہ بہ سبب قومیت، رنگ یا جنس کے یا بہ سبب غربت و فلاکت کے محروم تھے۔ غرباء مظلوم اور عام انسانوں کے عام طبقہ کو جواب تک بڑی بے دردی سے پیسا جا رہا تھا نئی امیدوں اور اپنے کارآمد ہونے کا نیا احساس عطا کیا۔

تا امینے حق بہ حق داراں سپرد　　بندگاں را مسند خاقاں سپرد
اعتبار کار بنداں را فزود　　خواجگی از کار فرمایاں ربود
قوت او ہر کہن پیکر شکست　　نوع انسان راں حصارے تازہ بست
تازہ جاں اندر تن آدم و مید　　بندہ را باز از خداوندان خرید
حریت زاد از ضمیر پاک او　　ایں مئے نوشیں چکید از تاک او
ناشکیب امتیازات آمدہ　　در نہاد او مساوات آمدہ
عصرِ نو کیں صد چراغ آوردہ است　　چشم در آغوش او وا کردہ است

یہ قیمتی خیالات تھے جن کو اسلام عربوں کی زندگی میں داخل کرنا چاہتا تھا اور عربوں کی وساطت سے تمام انسانوں میں پہنچانا چاہتا تھا۔"

اسلام نے اس ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اصلی سبب کو دور کرتے ہوئے لوگوں کی نگاہ کو مادیت کے احاطہ سے نکال کر ایک غیبی طاقت کی جانب متوجہ کیا جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے سوا مساوات قائم کرنے کے لیے دولت کو برابر تقسیم کر دیا جائے لیکن بازوؤں کی طاقت، موروثی وجاہت، قوم و قبیلہ کی تقسیم کس طرح کی جاسکتی ہے؟ اسلام جانتا تھا کہ خارجی مساوات ممکن نہیں اس لئے اس نے ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس ذہنی تبدیلی کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان کو برابر سمجھے۔ اس نے صحیح طور پر سمجھا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

برادری اور برابری کی اصل کنجی کیا ہے؟ احساس اخوت و مساوات کی واحد بنیاد یہ ہے کہ جب کوئی کثرت کسی وحدت کی طرف مستند ہو جائے گی تو اس کے اجزاء میں برادری اور برابری کا احساس پیدا ہو جانا فطری ہے۔ دو بھائی کیوں ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا دعویٰ رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ ایک باپ کے بیٹے ہیں، ایک خاندان کے آدمی کیوں آپس میں برادری اور برابری کا تصور رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ ایک مورث اعلیٰ کی نسل سے ہیں۔ ایک ملک کے لوگ آپس میں کیوں رابطہ اخوت محسوس کرتے ہیں اور کیوں حقوق میں برابری کے طالب ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ ایک سرزمین کے باشندے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مشرق والے آپس میں یگانگی اور مغرب والے آپس میں یکجہتی کیوں محسوس کرتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ آفتاب کے لحاظ سے ایک سمت کے رہنے والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کثیر افراد میں اتحاد و مساوات کا احساس پیدا کرنے کا ذریعہ صرف وہ ایک وسیع نقطہ واحد ہے جس کی طرف زیادہ سے زیادہ افراد یکساں طور پر منسوب ہو سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کلیہ یہ ہوا کہ جب کوئی کثرت وحدت کی طرف منسوب ہو تو اس کے اندر برابری اور برادری کا احساس پیدا ہو جائے گا مگر یاد رکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا اتحادوں میں سے ہر اتحاد افتراق کا پیش خیمہ قرار پایا یعنی جب ایک باپ کے بیٹوں میں ایکا پیدا ہوا تو دوسرے باپ کے بیٹوں کے سامنے محاذ قائم ہوا اور جب ایک خاندان کے لوگوں میں ایکا قائم ہوا تو دوسرے خاندان والوں کے سامنے محاذ قائم ہوا جس کا نتیجہ ہوا کرتا ہے قوموں کی جنگ اور ممالک کا باہمی تصادم اور فتح و شکست کا غیر متناہی سلسلہ جس کے کرشمے آج بھی نظر آ رہے ہیں اور جب ایک سمت والوں میں اتحاد ہوا تو دوسری سمت والوں کے سامنے محاذ قائم ہوا۔ یہاں تک کہ یورپ والے ایک الگ قوم بن گئے اور ایشیا والے ایک الگ قوم اور جب اس کے ساتھ رنگ کے اتحاد نے اثر دکھایا تو گوروں اور کالوں کا ایسا افتراق پیدا ہوا کہ گوروں نے کالوں کو اپنے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے سے روکا بلکہ ایک عبادت گاہ میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عبادت کے لئے ایک ہی مذہب والوں کے لئے جمع ہونا تک ممنوع قرار دیا۔ یہ سب نتیجہ تھا اس کا کہ اتحاد کی دیواریں عالم انسانیت کے بیچ میں اٹھائی گئی تھیں اس لئے ہر دیوار جو اٹھی اس نے ادھر والوں کو تو متحد کیا اور ادھر والوں کو جدا کر دیا۔ اسلام نے اس اصل اصول کو لیتے ہوئے کہ اتحاد افراد کا راز اتحاد مرکزی میں مضمر ہے ضرورت سمجھی کہ ان تمام درمیانی دیواروں کو ڈھا دیا جائے اور بیچ کے ان تمام خطوط کو مٹا کر ان کی بجائے ایک وسیع احاطہ ایسا قائم کیا جائے جہاں نسل، رنگ، ملک اور قومیت کسی چیز کی تفریق نہ ہو۔ وہ احاطہ ایسا ہو جو تمام عالم انسانی کو اپنے گھیرے میں لے لے اور چونکہ اس احاطہ کے باہر پھر کچھ رہ نہیں جائے گا اس لئے افتراق و امتیاز کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے گا۔ اس کے لئے کوئی مادی چیز نقطہ مرکزی نہیں بن سکتی تھی کیونکہ جو مادی شے ہوگی وہ محدود ہوگی اور محدود ہونے کے ساتھ اس میں قرب و بعد نیز کمی اور زیادتی کے مدارج پیدا ہوں گے اس لئے ضرورت تھی کہ نگاہ کو تمام مادی چیزوں سے ہٹا کر اس غیر مادی بلند و بالاتر طاقت کی طرف موڑ دیا جائے جہاں حدود و اقدار قائم نہیں ہوتے۔ اس کا سب کے ساتھ یکساں تعلق ہے جو سب کا ہے اور سب اس کے ہیں۔ یہ خالق کی ذات ہے جسے اسلام نے معبود برحق اور خدائے کل ثابت کرتے ہوئے سب کا قبلہ مقصد قرار دے دیا ہے۔

اس احساس کے پیدا ہونے کے ساتھ کہ سب خدا کے بندے ہیں۔ افراد انسانی میں احساس اخوت و مساوات پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب ایک باپ کے بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک مورث اعلیٰ کی اولاد میں برادری قائم ہو جاتی ہے اور ایک سرزمین کے رہنے والے اپنی مادر وطن کے لحاظ سے آپس میں اخوت محسوس کرتے ہیں اور ایک سمت کے رہنے والے اپنے میں یکجہتی کا تصور کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک خالق کے بندے سب آپس میں بھائی بھائی نہ بن جائیں، یہ تھا وہ عملی سبق جو اسلام کی توحید میں مضمر تھا۔

بعض مذاہب نے خالق کے تخیل میں بھی مغائرت برتی تھی۔ انہوں نے خدا کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنا قرار دے لیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہم اس کے بیٹے ہیں۔ اسلام نے ان لوگوں کے خیال یا زعم کا ذکر کرتے ہوئے ایک طنزیہ انداز میں اس کی مخالفت کی اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو یہ تلقین نہیں کیا کہ تم ہی اللہ کے سپوت ہو اور بس، بلکہ مسلمانوں کو اقوام عالم کے مقابلہ میں یہ کہنے کی تعلیم دی کہ **ھو ربنا و ربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم** (یعنی) وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، اس طرح اسلام نے سب کو مساوات کا درجہ دیتے ہوئے ایک معیار امتیاز کا بھی قائم کر دیا اور وہ انسانی کردار ہے۔ اب سابق کے تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات مٹ کر ایک نیا معیار امتیاز کا قائم ہو گیا اور وہ یہ کہ جو شخص فرائض انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو وہ سب سے بہتر ہے۔ (**ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم**) اس اصول کے ماتحت غلبہ، طاقت، اقتدار، قوم وقبیلہ کی زیادتی اور تعداد کی اکثریت یہ تمام باتیں کچھ نہ رہیں بلکہ یہ اصول قائم ہو گیا کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر فقط احساس فرائض کی بناء پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ماتحت اخلاق پر بہت زور دیا گیا۔ یہاں تک کہ بانی اسلام نے اپنا مقصد رسالت ہی یہ قرار دیا اور اعلان کیا **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**۔ دوسری لفظوں میں **انما بعثت لاتمم حسن الاخلاق** یعنی ''میری بعثت محض انسان سدھار اور اچھے اخلاق کی تکمیل کی غرض سے ہے''۔[1] مسلمانوں سے صاف کہہ دیا گیا کہ یہ خیال نہ کرنا کہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا نہ ملے گی بلکہ وجیسے اعمال کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ مسلمان وہ ہے جو احکام خدا کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ سرکشی مسلم کی شان نہیں ہے۔ تم اللہ کے دوست جب ہی کہلائے جاسکتے ہو جب اس کے احکام کی تعمیل کرو ورنہ اس کی رحمت کے حقدار نہیں اور نہ امت مرحومہ میں شامل ہونے کے قابل۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۳۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاشرت کے باب میں اس بات پر زور دیا گیا کہ سب انسان ذات اور اصلیت کے لحاظ سے ایک ہی ہیں (خلقکم من نفس واحدۃ)[1] قبائل اور اقوام میں ان کی تقسیم صرف تعارف اور شناخت کے لئے ہے (وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفون)[2] مگر فضیلت و بلندی کا تعلق ذات اور قومیت سے بالکل نہیں ہے۔ لا فخر للقرشی علی غیر القرشی ولا للعربی علی غیر العربی۔[3] فضیلت و بزرگی صرف پرہیز گاری اور تقویٰ یعنی انسانی اعمال اور فرائض کی بجا آوری کے ساتھ وابستہ ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم)[4] اس کو پیغمبرؐ نے صرف قولاً نہیں بلکہ عملاً بھی دکھایا۔ آپ نے اپنا موذن بلال حبشی کو قرار دیا اور جب کسی نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی اور کہا "یہ کالے رنگ کا غلام بھی بھلا اس قابل ہے کہ اذان دے"! تو قرآن کی آیت اتری (یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی) یعنی سب آدمی یکساں ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔[5] جیسا کہ عبد الحامد صاحب بدایونی نے کہا ہے۔ "اسلام دراصل حکومت الٰہیہ کا قیام چاہتا ہے۔ اسلامی حکومت کا دارومدار عدل و انصاف قرار دیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا ہے۔ واذا حکمتم بین الناس ان تحکمو ابالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ (سورۂ نساء) ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی و اتقوا اللہ (مائدہ) یعنی اگر تو غیر مسلمین کے بارے میں فیصلہ کرے تو انصاف سے فیصلہ کر۔ بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اسلامی قانون میں شاہ و گدا یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضور انور صلی الہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لیس لاحد علی احد فضل الا بدین و تقویٰ (مشکوٰۃ) اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں سیاست "حصول اقتدار کے کامیاب ذرائع کے استعمال" کا نام نہیں ہے بلکہ سیاست ملک و ملت کے صحیح نظم و ضبط اور امور خلق کے بہترین طریقہ پر

---

[1] اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا۔ [2] ہم نے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے قرار دیا ہے کہ آپس میں شناسائی پیدا ہو۔ [3] قرشی کو غیر قرشی اور عرب کو غیر عرب پر کوئی فخر نہیں۔ [4] تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ [5] اتقاق سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۱۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چلانے کا نام ہے۔ اس لحاظ سے سیاسی حکومت مذہبی قیادت سے الگ نہیں ہوسکتی اور اس کی مثال خود حضرت پیغمبرؐ کی ذات گرامی ہے۔

مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اس مکمل اقتدار کے باوجود جس کے ماتحت اعلان کر دیا گیا کہ ''ان کو ہر شخص پر خود اس کی ذات سے زیادہ حق اور اختیار ہے'' کبھی اپنے کو بادشاہ کہا یا سمجھا جانا پسند نہیں کیا بلکہ اس سے انکار فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جوں ہی آپ کے سامنے کھڑا ہوا رعب سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا ''اپنے آپے میں آؤ۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک قرشی عورت کا بیٹا ہوں، جو شوربے میں روٹی بھگو کر (غریبانہ کھانا) کھاتی تھی''۔[1]

یہ اس لئے تھا کہ مسلمانوں میں شریعت الٰہیہ کی رہبری سے الگ حکمران کا تخیل پیدا نہ ہو اور سوا خداوندی اقتدار کے کسی اقتدار کے آگے مسلمانوں کی گردنیں نہ جھکیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۱ قسم ۱ ص ۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چوتھا باب

اسلام کا مزاحم طاقتوں سے تصادم

جہاں تک کہ آئین اور نظام کی تشکیل کا تعلق ہے پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں یہ مقصد حاصل ہو گیا اور لاکھوں آدمی اس کے تسلیم کرنے والے اور اس کو حق کہنے والے ہوگئے اور یہ ایک انقلاب کی کوئی کم کامیابی نہیں ہے۔ مگر اس انقلاب پیدا کرنے میں رسول کو کتنی دقتیں درپیش ہوئیں اور کن طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یوں تو کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو جذبات کے لحاظ سے ہر قدیم شے کے ساتھ الفت رکھتے ہیں اس لئے انہیں ہر انقلاب کے محرک سے ''بغض للہی'' ہوتا ہے۔ بغض للہی کا مطلب یہ ہے کہ چاہے اس انقلاب کا ان کی ذات سے کوئی تعلق نہ ہو اور انہیں اس سے کوئی نقصان بھی نہ پہنچتا ہو مگر وہ انقلاب سے صرف اس لئے دشمنی رکھتے ہیں کہ وہ انقلاب ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے خود غرضانہ مفاد قدیم رسم و رواج کے ساتھ وابستہ ہیں اور انہیں اس انقلاب سے اپنے منافع کا خون ہوتے ہوئے نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسلام جو انقلاب لے کر آیا تھا اور اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں جو تبدیلیاں کر دی تھیں ان سے بہت سی قسم کے لوگوں کو ذاتی نقصانات پہنچ رہے تھے۔ یہ نقصانات مالی بھی تھے اور وجاہت و اقتدار کے بھی۔ مثال کے طور پر اسلام کی معاشی تعلیم کہ سود خواری ممنوع ہے، اس سے کیا تمام عرب کے ان مہاجنوں کا دیوالہ نہیں نکل گیا جن کی زندگی ہر حاجت مند مخلوق کا خون چوس کر اپنی ہوس دولت مندی کے پورا کرنے پر تھی پھر اگر صرف یہ ہوتا کہ سود لو نہیں تو یہ ممکن تھا کہ یہ لوگ اسلام نہ قبول کر کے اپنے کو اس حکم کی پابندی سے محفوظ رکھتے مگر وہاں تو یہ تھا کہ نہ سود لو اور نہ سود دو۔ ظاہر ہے کہ سود دینا کام ہوتا ہے کم حیثیت ہی لوگوں کا جو مقناطیسی کشش کے ساتھ اسلام کے غریب پرور تعلیمات کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے اب اگر سرمایہ دار خود اسلام نہ بھی قبول کریں تو کیا فائدہ، جب ان کی زندگی کا دارومدار جن لوگوں کے روپیہ پر تھا۔ انہوں نے اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور وہ اب ایک

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پیسہ سود کے نام سے دینے پر تیار نہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کی یہ تعلیم کہ افراد انسانی میں امتیاز صرف اخلاق حسنہ و فرائض الٰہیہ کی بناء پر ہے۔ دوسری کسی حیثیت سے فضیلت و تفوق حاصل نہیں ہوسکتا ان لوگوں کے اقتدار پر کاری ضرب تھی جو اس کے پہلے نسلی تفوق یا مال و دولت یا قوم وقبیلہ کی کثرت کی بناء پر غلبہ و اقتدار کی جائیداد پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔ اسلام نے نظریہ تفوق و امتیاز بدل کر اس ملکیت میں داخل خارج کر دیا۔ اس طرح کے صاحبان اقتدار جتنے تھے وہ چونکہ اسلامی معیار عزت کے لحاظ سے صفر کا درجہ رکھتے تھے اس لئے وہ کچھ نہ رہے اور جو لوگ پردیسی یا محتاج یا ان لوگوں کی نظر میں نیچ ذات ہونے کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہ سمجھے جاتے تھے وہ بڑے صاحب عزت ہوگئے۔ اس لئے کہ وہ عمل کی کسوٹی پر پورے اترتے تھے اور پرہیز گاری اور تقویٰ میں درجہء کمال پر فائز تھے۔ یہ بات ان لوگوں کو ٹھنڈے دل سے کیونکر گوارا ہوسکتی تھی جو اب تک عزت کی مسندوں پر اطمینان کے ساتھ براج مان رہے تھے اور جو خلق خدا کو خدا کے بدلے خود اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔

بنی امیہ کے لئے ان تمام محرکات کے علاوہ ان کی دیرینہ مخاصمت بنی ہاشم کے ساتھ اور ذاتی رشک وحسد بھی تھا جس کے ماتحت ان کے سرگروہ ابوسفیان نے تقریباً تمام عرب کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔

آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں۔ جسم پر پتھر مارے گئے، سر پر کوڑا پھینکا گیا، نجاستیں ڈالی گئیں اور قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ یہاں تک کہ جب خطرہ بہت بڑھ گیا تو حضرت کے چچا ابو طالبؑ نے آپ کو اپنے ایک محفوظ مکان میں جو پہاڑ کی گھاٹی میں ایک قلعہ کی صورت پر تھا منتقل کر دیا۔ تمام قریش نے باہم ایک تحریری معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے نہ صرف شادی بیاہ ترک کر دیا جائے بلکہ ان کے ساتھ خرید وفروخت بھی نہ کی جائے گی۔ اس کے ماتحت محصورین تک ضروریات زندگی، پانی اور کھانا تک پہنچنا تقریباً غیر ممکن بنا دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال کا ہے جو چار برس تک قائم رہا چار برس کی طویل مدت کے بعد یہ ترک موالات ختم ہوا اور یہ لوگ قلعہ سے باہر نکلے اب کچھ دن تک مخالفتیں ٹھنڈی رہیں مگر پھر ایک ہی سال کے اندر ابو طالب اور خدیجہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دونوں کی وفات[1] کے بعد اس مخالفت نے انتہائی زور پکڑا، یہاں تک کہ اہل مدینہ تک اسلام کی روشنی پھیلی اور انہوں نے آپ کو مدینہ کی طرف تشریف لے جانے کی دعوت دی اور آپ نے بہت سے مسلمانوں کو وہاں بھیج دیا تو اب مشرکین نے آپ کو قتل کر دینے کا پورا منصوبہ تیار کرلیا جس کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

مدینہ میں آکر بھی مخالفین نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایک طرف تو ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان لائے تھے اور مجبوراً مکہ میں رہ گئے تھے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جاتیں۔ دوسری طرف آپ کے جائے پناہ مدینہ منورہ پر فوج کشی کے انتظامات ہونے لگے۔ آپ کو اپنی حفاظت اور اپنے سے زیادہ ان لوگوں کے گھر بار کی حفاظت کے لئے جنہوں نے آپ کو پناہ دی تھی میدان مقابلہ میں نکل آنا پڑا۔

سب سے پہلی جنگ جو مدینہ میں آکر ہوئی بدر کی لڑائی تھی۔ اس موقع پر مسلمان بالکل تیار نہ تھے۔ صرف تین سو تیرہ آدمی[2] جن کے پاس سوار ہونے کو صرف تین گھوڑے تھے[3] اور چند تلواریں مگر بنی ہاشم کی تلوار نے مقابل والوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حمزہ بن عبدالمطلب، عبیدہ بن حارث اور علیؑ بن ابی طالبؑ نے وہ کارہائے نمایاں دکھلائے کہ مخالفوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اگرچہ اسلام کو بالخصوص بنی ہاشم کو یہ بڑا نقصان پہنچا کہ عبیدہ اس جنگ میں شہید ہوگئے مگر مکہ والوں کو اور بالخصوص بنی امیہ کو بہت زیادہ نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں ابوسفیان کو علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہاتھ سے محض اپنے بیٹے حنظلہ کے قتل ہی پر ماتم کرنا نہیں پڑا[4] بلکہ آپ نے اس کے ایک دوسرے بیٹے عمرو کو قید بھی کیا۔[5] اس کے علاوہ اس کی بیوی ہند کو اپنے باپ عتبہ اور اپنے چچا شیبہ اور بھائی ولید کا ماتم کرنا[6] پڑا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے عہد کیا کہ وہ اس وقت تک نہائے گا نہیں جب تک کہ رسولؐ پر چڑھائی نہ کرے۔ مگر اب مشرکین میں عام طور پر مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ مجبوراً ابوسفیان نے صرف برائے نام اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے دو سو سوار قریش کے اکٹھا کئے اور ان کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ کے حدود

---

[1] طبری، ج ۱ ص ۲۲۹۔ [2] طبری، ج ۲ ص ۲۷۲۔ [3] ابن ہشام ج ۱ ص ۴۰۷۔ [4] ارشاد ص ۳۸۔ [5] ابن ہشام، ج ۱ ص ۳۹۷۔ [6] ابن ہشام ج ۲ ص ۳۷ے طبری ج ۲ ص ۲۷۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں پہنچ کر اس نے رسولؐ کے دو پیروؤں کو قتل کر ڈالا اور کھجور کے درختوں کو تباہ کر دیا۔ حضرتؐ مع اپنے پیروؤں کے جنگ کے لئے نکل آئے مگر ابوسفیان مع اپنے ساتھویں کے خوف کھا کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا اور سب بھاگنے کی جلدی میں اپنے سامان کے گٹھڑروں کو راستے میں پھینکتے گئے تھے۔ اس میں زیادہ تر ستو بندھے ہوئے تھے جو مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ اسی وجہ سے اس کو "جنگ سویق" کہتے ہیں کیونکہ عربی میں سویق کے معنی ستو کے ہیں۔ [1]

ہجرت کے تیسرے سال وہ نہایت اہم لڑائی پیش آئی جس کو احد کی جنگ کہتے ہیں[2]۔ عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان اور ہند کو اس وقت تک چین کہاں آسکتا تھا جب تک کہ وہ مدینہ والوں سے انتقام نہ لیتے۔ مکہ والوں نے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ ان کی فوج میں قریشیوں کے علاوہ خاندان کنانہ اور باشندگان تہامہ بھی شامل تھے۔[3] فوج میں تین ہزار مسلح سپاہی تھے۔[4] جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے بالمقابل رسول خداؐ کے ساتھ سات سو آدمی تھے جن میں صرف سو زرہ پوش تھے اور فوج میں فقط دو گھوڑے تھے۔[5]

عکرمہ اور خالد بن ولید دونوں فوج کے افسر تھے اور خاص بات یہ تھی کہ فوج کے عقب میں ابوسفیان کی بیوی ہند مکہ کی دوسری عورتوں کے ساتھ میدان جنگ میں ڈھول بجا بجا کر سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ ہند کے اشعار اس موقع کے جو وہ پڑھ رہی تھی کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔[6]

ہند کے انتقامی جذبات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ احد کی جنگ میں جب رسولؐ کے چچا حضرت حمزہ شہید ہوئے تو ہند جذبہ انتقام میں اپنی صنف بلکہ انسانیت کی حدود سے گزر گئی۔ اس نے اس بربریت کا ثبوت دیا کہ جناب حمزہ کا پہلو چاک کرا کے ان کا جگر نکلوایا اور اسے منہ میں رکھ کر چبانے کی کوشش کی اور کشتوں کے کان اور ناک

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۵۵ طبری ج ۲ ص ۲۹۹۔ [2] ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۔ [3] ابن ہشام ج ۲ ص ۶۸
[4] ابن ہشام ج ۲ ص ۶۹۔ [5] طبری ج ۳ ص ۱۲۔ [6] طبری ج ۳ ص ۱۵۔۱۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وغیرہ اعضائے جسم کا گلوبلند اور سینہ بند بنایا۔[1]

بلکہ بعض راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ اس نے حضرت حمزہ کے جگر کو بھون کر کھا لیا۔[2] اس سے اس عناد اور دشمنی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اس خاندان کے مردوں اور عورتوں کے دلوں میں بنی ہاشم، پیغمبر اسلامؐ اور اسلام کے خلاف پایا جاتا تھا۔

اس جنگ میں اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی جماعت میں بڑی ابتری پیدا ہوگئی تھی مگر آخر میں بنی ہاشم اور بالخصوص علیؑ بن ابی طالبؑ کی تلوار نے مخالف جماعت کو شکست دی اور وہ ہزیمت خوردہ صورت میں واپس گئی۔ اب ان کی انفرادی طاقت رسولؐ کے مقابلہ میں ناکافی ثابت ہو چکی تھی۔ اس لئے ۵ھ میں آخری کوشش انہوں نے یہ کی کہ جتنی جماعتیں ملک عرب میں اسلام کے خلاف ان کو مل سکتی تھیں سب کو متحد کیا یہاں تک کہ یہود کو ساز باز کر کے اپنے ساتھ ملایا اور اجتماعی طاقت سے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ وہ اس جنگ کے لئے آئے جس کو اسی جتھہ بندی کی وجہ سے ''جنگ احزاب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان تین ہزار تھے مگر فوج مخالف کو اس مرتبہ بھی شکست کا روز بد دیکھنا نصیب ہوا اور ان کا مایہ ناز سورما عمرو بن عبد ود ابن ابی قیس عامری، علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترا۔[3] ابوسفیان کو باحال خستہ و تباہ مکہ واپس جانا پڑا اور اب ہمت مقابلہ ولشکر کشی ختم ہوگئی مگر دل میں ان شکستوں سے جو گھاؤ پڑے تھے وہ کبھی بھی بھر نہ سکتے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ نے جب کچھ عرصہ تک یہ دیکھا کہ اب مشرکین قریش کی طرف سے کوئی جنگی کارروائی نہیں ہوتی تو آپ نے ۶ھ میں خانہ کعبہ کی زیارت (عمرہ) کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[5] آپ کے پاس بُدنے (قربانی کے اونٹ) تھے۔[6] جس سے ظاہر تھا کہ آپ لڑائی کے لئے نہیں جا رہے ہیں مگر جب قریش کو رسولؐ کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ خالد بن ولید کی قیادت میں ''کراع الغمیم'' مقام تک رسولؐ کا راستہ روکنے کے لئے نکل آئے۔

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴۔ طبری ج ۳ ص ۲۳۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۷۸۶ طبری ج ۳ ص ۴۳۔ [3] ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۵ [4] ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۲ طبری ج ۳ ص ۴۸۔ [6] طبری ج ۳ ص ۷۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ہمتیں اس کے قبل کی حاصل شدہ پے در پے فتوحات سے بڑھی ہوئی تھیں اور سامنے وہی شکست خوردہ جماعت تھی جو اس وقت جنگ کے لئے کوئی تیاری بھی نہ کرسکی تھی اس لئے یہ بہت آسان تھا کہ آپ مقابلہ کا حکم دے دیتے اور فاتحانہ صورت سے مکہ میں داخل ہوتے مگر پیغمبر اسلامؐ کو امن پسندی کا ثبوت دینا تھا جونہی گرد و غبار اٹھتا نظر آیا آپ نے فرمایا اس راستے کو چھوڑ دو کسی دوسرے راستے سے آگے نکل چلو چنانچہ دائیں جانب کا رخ کیا گیا اور آپ ''حمص'' کی پشت پر سے ''ثنیۃ المرار'' ہوتے ہوئے حدیبیہ کو جو راستہ جاتا ہے ادھر متوجہ ہوئے۔[1]

آپ کی اس امن پسندی کے مظاہرہ کا جماعت مخالف کو اس حد تک احساس ہوا کہ وہ بھی واپس چلی گئی اور اس نے اب نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ عروہ بن مسعود ثقفی نے آکر گفتگوئے صلح کا آغاز کیا اور حضرت رسول خداؐ کی صلح پسندانہ باتوں سے ایسی خوشگوار فضا قائم ہوئی کہ سہیل بن عمرو قریش کا نمائندہ بنا کر گفتگوئے صلح کے لئے حضرت کے پاس بھیجا گیا اور اس نے اپنی جماعت کے مطالبات پیش کر دیئے۔ یہ مطالبات سب مشرکین کے حق میں تھے اور ان کے ذریعہ سے بظاہر پیغمبر اسلام کو دبایا جا رہا تھا مگر آپ نے ان سب باتوں کو منظور فرما لیا اور صلح نامہ مرتب ہوگیا۔ اس صلح نامہ کے شرائط حسب ذیل تھے۔

۱۔ رسولؐ اس سال مع اپنے متبعین کے بغیر زیارت کئے ہوئے واپس جائیں۔

۲۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہو۔

۳۔ جو شخص قریش میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر رسول اللہؐ کے پاس چلا جائے اس کو آپ واپس کر دیں گے مگر جب آپ کے پاس سے کوئی نکل کر قریش کے پاس چلا جائے تو قریش واپس نہ کریں گے۔

۴۔ جو قبیلہ رسولؐ کا حلیف ہونا چاہے وہ آپ کے ساتھ معاہدہ دوستی کر لے اور جو قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدۂ دوستی کرنا چاہے وہ ان کے ساتھ ہو جائے۔

---

[1] طبری ج ۳ ص ۷۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۵۔ آئندہ سال مسلمان مکہ کی زیارت کے لئے آسکیں گے اس طرح کے باشندگان مکہ تین دن کے لئے مکہ کو خالی کر دیں گے مگر مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ تین دن کے اندر مکہ سے باہر نکل جائیں اور ایک آدمی بھی تین دن کے بعد مکہ میں رہنے نہ پائے۔

۶۔ مسلمان اپنے ساتھ اس طرح کے اسلحہ لاسکیں گے جیسے مسافر اپنے ساتھ رکھتے ہیں یعنی تلواریں نیام کے اندر رکھی ہوئی۔[1]

یہ ایسی غیر متوازن شرطیں تھیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے اکثر ساتھ والوں میں جو رسولؐ کے بلند مصالح کی تہ تک پہنچنے سے قاصر تھے شدید بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ تاریخ کے الفاظ یہاں تک ہیں کہ ''لوگوں کے دلوں میں امر عظیم پیدا ہوا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے عقائد میں ایسا تزلزل آ گیا کہ قریب تھا کہ وہ اسلام سے منحرف ہی ہو جائیں۔[2]

اسی کا نتیجہ تھا کہ جب پیغمبر خداؐ نے معاہدہ کی تکمیل کے بعد اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو قربانیاں کرو اور پھر سروں کے بال منڈوا کر واپس چلو تو عالم یہ تھا کہ رسولؐ حکم دے رہے تھے اور مجمع کی اکثریت خاموش تھی۔ کوئی تعمیل کے لئے اٹھتا نہ تھا یہاں تک کہ جب حضرت نے ان کی طرف سے بے اعتنائی اختیار کر کے خود جا کر قربانی کی اور بال منڈوائے تو مجبوراً دوسرے لوگ بھی کھڑے ہوئے اور سروں کے بال مونڈنا یا تراشنا شروع کئے مگر رنج اور صدمہ کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔[3]

لیکن رسولؐ نے اپنے ساتھیوں کے ان جذبات کا کوئی لحاظ نہ کیا اور کفار کے ان جابرانہ شرائط کو منظور کر کے واپسی اختیار فرمائی۔ اس خیال سے کہ اگر اس موقع پر جنگ کر کے مکہ کو فتح کیا جاتا تو کہنے کو ہو جاتا کہ رسول اسلامؐ چڑھائی کر کے آئے۔ اس طرح جارحانہ حملہ کا الزام آپ پر عائد کیا جاتا لہٰذا آپ نے اس کا موقع نہ دیا اور صلح کے شرائط کی پابندی اس حد تک فرمائی کہ ابھی یہ تحریر خشک نہ ہونے پائی تھی کہ خود سہیل بن عمرو (جو مشرکین کی طرف سے نمائندہ صلح تھا) کا لڑکا جو پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا اور اسے صرف

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۶۔ طبری ج ۳ ص ۷۹۔ [2] طبری ج ۲ ص ۷۹۔ [3] طبری ج ۳ ص ۸۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسلام لانے کی وجہ سے گھر والوں نے لوہے میں جکڑ دیا تھا۔ اس وقت موقع پا کر پابہ زنجیر ہونے ہی کی حالت میں وامحمداہ، وامحمداہ کہتا ہوا آیا اور اپنے کو رسولؐ کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل نے جو یہ دیکھا تو وہ کھڑا ہوگیا، اسے طمانچہ لگایا اور گریبان پکڑ کر کھینچتا ہوا لے چلا اس نے پکار کر آواز دی ''کیوں مسلمانو! کیا میں پھر مشرکین ہی کی طرف واپس کر دیا جاؤں گا کہ وہ مجھے دین سے منحرف کرنے کی کوشش کریں'' مگر حضرتؐ نے کوئی تعرض نہیں فرمایا اور کہا ''اے ابو جندل! صبر کر یہ چند دن کی تکلیف ہے۔ اللہ تیرے لئے اور تمام کمزور مسلمانوں کے لئے جو مشرکین کے پنجہ میں گرفتار ہیں کوئی کشائش کی صورت پیدا کرے گا۔ اس وقت تو ہم نے اس قوم کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا ہے اور اس معاہدہ کی مخالفت ہم نہیں کریں گے''۔[1]

غرض پیغمبر اسلامؐ نے ان غیر مساویانہ شرائط پر صلح کر کے مکہ سے واپسی اختیار کی اور دوسرے سال معاہدہ کے مطابق مکہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے مشرکین نے تین دن کے لئے شہر خالی کر دیا اور رسولؐ اپنے ساتھیوں سمیت مکہ میں داخل ہوئے۔ مراسم زیارت بجا لائے اور پھر حسب معاہدہ تین دن کے بعد مکہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ واپس چلے گئے۔[2] مگر مکہ والے اس کے بعد معاہدہ کے دوسرے دفعات عدم تعرض پر قائم نہیں رہے۔

معاہدہ میں قبائل کو جو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں شریک ہو جائیں۔ اس کے ماتحت قبیلہ خزاعہ پیغمبر اسلامؐ کا حلیف ہوا تھا اور بنی بکر نے مشرکین کے ساتھ حلیف ہونے کا اعلان کیا تھا چونکہ ان دونوں قبیلوں میں قدیم عداوت تھی اس لئے دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف تیار رہتے تھے مگر اب جوان میں ہر ایک ایک جانب معاہدہ کے رو سے منسلک ہوگیا اور یہ طے پا گیا کہ دس برس تک جانبین میں جنگ نہ ہوگی تو خزاعہ کے لوگ مطمئن ہوگئے۔ انہوں نے اسلحہ جسم سے اتار دیا اور جنگ کی تیاریاں ترک کر دیں۔ بنی بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بنی خزاعہ پر اس وقت جبکہ وہ ایک

---

[1] طبری ج ۳ ص ۷۹۔۸۰۔ [2] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۹۔۲۵۰۔ طبری ج ۳ ص ۱۰۰۔۱۰۱ بخاری ج ۳ ص ۳۶۔ مسلم ج ۲ ص ۱۰۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چشمہ کے کنارے مقیم تھے حملہ کر دیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔[1]

قریش کے آدمیوں نے بھی علانیہ نہیں تو خفیہ بنی بکر کو مدد پہنچائی اور وہ بھی خزاہ خزاعہ کی تباہی کے شریک ہوئے۔

مجبوراً قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی جس کا نام عمرو بن سالم تھا فریاد کرتا ہوا مدینہ گیا اور اس وقت جب پیغمبر خداؐ اصحاب کے درمیان مسجد میں تشریف رکھتے تھے اس نے انتہائی درد انگیز اشعار میں اپنے قبیلہ کی روداد غم سنائی جس کے آخر میں حسب ذیل مضمون نظم تھا۔

''اے خدا کے رسولؐ! آپ کو معلوم ہو کہ قریش نے آپ سے عہد شکنی کی۔ بنی بکر نے ہمارے قبیلہ پر چشمہ کے کنارے کمین گاہ سے حملہ کر دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی فریاد رس نہیں ہے۔ اگر ہم جنگ کے لئے تیار ہوتے تو ان کی کیا مجال تھی کہ وہ ہم سے مقابلہ کرتے۔ وہ تعداد میں بھی کم اور طاقت میں بھی ہمارے مقابلہ میں ہمیشہ سبک ثابت ہوئے مگر ہم تو نماز شب میں مصروف تھے۔انہوں نے رکوع وسجود کی حالت میں آکر ہم کو قتل کر دیا''۔

ان اشعار کے پڑھنے کے دوران میں آپ کی ہمدردی کے تاثرات اتنے شدید ہو گئے تھے کہ آپؐ نے جواب میں کوئی طویل کلام سننے کے انتظار کی زحمت بھی دینا نہ چاہی اور اشعار ختم ہوتے ہی آپؐ کی زبان سے جو جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ'' قد نصرت یا عمرو بن سالم''۔اس کے نتیجہ میں آپ اتمام حجت کے درمیان کچھ مراحل طے کرنے کے بعد مسلمانوں کو لے کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اب تیور بدلے ہوئے تھے۔ مشرکین میں طاقت مقابلہ تو اب تھی ہی نہیں۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دینے مناسب سمجھے اور اسی مجبوری کے عالم میں ابوسفیان نے بھی ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا جس کا واقعہ یہ ہے کہ عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان میں پرانے زمانے کی دوستی تھی۔ اس رات کو جب رسولؐ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور مشرکین پر ہراس چھایا ہوا تھا ابوسفیان معہ چند

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۰۔ طبری ج ۳ ص ۱۱۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آدمیوں کے رسول خداؐ کی نقل و حرکت کا حال معلوم کرنے کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ اسی وقت عباس اس فکر میں نکلے تھے کہ اگر قریش نے پیغمبر خداؐ کی مخالفت برقرار رکھی تو یہ سب آج مارے جائیں گے۔ ابوسفیان کو وہاں پا کر انہوں نے کہا، کچھ خبر ہے؟ رسولؐ دس ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ آئے ہیں تم ان کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ ابوسفیان نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے کہا آؤ میرے ساتھ اونٹ پر بیٹھ جاؤ اور رسولؐ کے پاس چل کر امان حاصل کر لو ورنہ اگر تم ان کے ہاتھ آ گئے تو بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ ابوسفیان کو یہ ذریعہ غنیمت معلوم ہوا وہ ناقہ پر پیچھے بیٹھ گیا اور عباس اسے لئے ہوئے پیغمبرؐ کے پاس حاضر آئے۔ رسول خداؐ سے اس کے لئے امان چاہی پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اچھا اس وقت امان ہے صبح کو انہیں پھر میرے پاس لائیے گا۔ حسب الحکم صبح کو عباس نے ابوسفیان کو حاضر کیا۔ حضرتؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ پس و پیش کرنے لگا عباس نے کہا اسلام قبول کرو نہیں تو جان کی خیر نہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔[1]

بخاری کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو سفیان اور اس کے ساتھی جب معلومات حاصل کرنے باہر نکلے تو اتفاق سے لشکر اسلام کے پہرہ داروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے اور رسولؐ کی خدمت میں حاضر کئے گئے اس وقت ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔[2]

پیغمبر خداؐ کی یہ وسعت قلبی تھی کہ آپ نے ابوسفیان کی نہ صرف جان بخشی فرمائی بلکہ اعلان کر دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امان میں ہے۔[3]

دوسری روایت میں مسجد الحرام میں داخلہ کے بجائے یہ ہے کہ جو ہتھیار ڈال

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۱۶۔ [2] بخاری ج ۳ ص ۲۹۔ [3] طبری ج ۳ ص ۱۱۶۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دے اسے امان ہے[1] اور مکہ میں داخل ہونے کے بعد تو آپ نے سب ہی کی جان بخشی کر دی۔ آپ نے مکہ کے آدمیوں سے جو آپ کے سامنے تھے پوچھا کیوں تمہارا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انہوں نے کہا ہمیں نیکی ہی کا گمان ہے۔ آپ ہمارے فیاض بھائی ہیں اور فیاض بھائی کے بیٹے ہیں فرمایا۔ اذھبوا فانتم الطلقاء ''جاؤ تم سب کو میں نے چھوڑ دیا''۔[2]

اس کے بعد ابو سفیان کی بیوی ہند نے بھی جس کے انتقامی جذبات کی تصویر جنگ احد میں سامنے آچکی ہے اسلام قبول کیا اور جتنے سخت اور متعصب اکابر قریش اس وقت باقی تھے سب ہی مسلمان ہوگئے۔[3] مگر مذکورہ واقعات سے ہر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ بے بس ہو جانے کے بعد آدمی سر جھکا سکتا ہے، ہاتھ روک سکتا ہے، ہتھیار ڈال سکتا ہے، زبان بند کر سکتا ہے لیکن اپنے دل میں تبدیلی نہیں پیدا کر سکتا۔ اپنے قلب میں یقین کی صفت پیدا نہیں کر سکتا اور اپنی نفرت کو محبت سے تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ نفرت و دشمنی جو ان حدود تک پہنچ چکی تھی جن کا مظاہرہ گزشتہ واقعات سے ہو چکا ہے کیا اس سب کے بعد محبت و عقیدت سے تبدیل ہو سکتی ہے؟ عام اصول فطرت اور واقعات کی رفتار کے مطابق یہ بات غیر ممکن معلوم ہوتی ہے عام فطرت کے مطابق صرف اتنا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ دشمن جو اب تک پھنکارے مارتے ہوئے اژدھے کی طرح سامنے موجود تھا اب مار آستین بن کر خفیہ ریشہ دوانیوں کے لئے آزاد ہوگیا اور کوئی شبہ نہیں کہ دشمن موجودہ صورت میں پہلی صورت سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ یہی خیال تھا ان کے بارے میں اسلام کے نقاد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا۔ آپ نے فرمایا ہے ما اسلموا ولکن استسلموا۔ ''یہ لوگ حقیقتاً اسلام نہیں لائے تھے بلکہ اسلام کے سامنے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور بس''۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۴۔ [2] طبری ج ۳ ص ۱۲۰۔ [3] طبری ج ۳ ص ۱۲۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پانچواں باب

حسینؑ بن علیؑ کی ولادت اور ابتدائی زندگی

۳ھ - ۱۱ھ

حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہوئے تیسرا برس تھا[1] کہ ۳/ شعبان کو حسینؑ بن علیؑ کی ولادت ہوئی۔[2]

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے پدر بزرگوار رسالت مآبؐ کی خدمت میں مولود کو لے کر حاضر ہوئیں۔ حضرت نے حسینؑ نام رکھا اور ایک مینڈھے کی قربانی کے ساتھ عقیقہ کیا۔[3]

اب پیغمبر اسلامؐ کی گود جو اسلام کی تربیت کا گہوارہ تھی ان دو بچوں کی پرورش کا مرکز بنی، ایک حسنؑ اور دوسرے حسینؑ۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف نانا کا اسوۂ حسنہ تھا جو بانی اسلام تھے، دوسری طرف باپ جو مجاہد و محافظ اسلام تھے اور تیسری طرف ماں جو طبقہ خواتین کے لئے تعلیمات پیغمبرؐ کی عملی ترجمان بننے کے لئے پیدا ہوئی تھیں۔ بقول اقبال ؎

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ　　مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

مسجد میں پانچوں وقت نماز جماعت پیغمبرؐ کے بصیرت آفریں مواعظ اور خطبے مسلمانوں کا ذوق و شوق اور جوش و خروش اور گھر میں رات دن عبادت و ذکر الٰہی کی آوازیں، تکبیر کی صدائیں، وحی کی آیتیں، غزوات کے تذکرے، اسلام کو ترقی دینے کے مشورے اور یا پھر غریبوں کی خبر گیری، کمزوروں کی دستگیری اور مظلوموں کی دادرسی بس ہر وقت یہی ذکر ہے یہی فکر۔ یہی قصے ہیں اور یہی کہانیاں۔ ایک طرف فطرت کے مخصوص عطیے، دوسری جانب یہ نورانی اور روحانی ماحول اور اس پر تربیت پیغمبرؐ ایسے بلند معلم کی جن کا مقصد رسالت ہی قرآن کے اعلان کے مطابق تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتاب

---

[1] کافی ج ۱ ص ۴۹۳۔ [2] مقاتل الطالبین ص ۵۴۔ ارشاد۔ [3] ارشاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وحکمت تھا۔[1]

اور آپ نے خود بھی اعلان کیا تھا کہ مکارم اخلاق کی تکمیل میرا اصلی نصب العین ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ رسولؐ اپنے اہل بیت کی تربیت میں اس فرض کو نظرانداز کر دیتے جو بحیثیت معلم اخلاق کے بحیثیت بزرگ خاندان کے اور بحیثیت ایک پیغمبر کے آپ پر عائد ہوتا تھا چنانچہ حضرت نے اس کمسنی ہی کے عالم میں ان بچوں کو اپنے اخلاق و اوصاف کا نمونہ بنا دیا اور ان آئینوں میں جو قدرت کی طرف سے کمال کا جوہر لے کر آئے تھے اپنی سیرت کا پورا عکس اتار دیا۔

انہی ذات و صفات کی مخصوص بلندیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ رسولؐ ان اپنے نواسوں کے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے تھے جس کے مظاہرات تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں یکساں طور پر درج ہیں۔ اس کے علاوہ آپ دوسروں کو بھی ان سے محبت کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ جس نے حسنؑ و حسینؑ سے محبت رکھی، اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان کو دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا۔[2] آپ اللہ کو گواہ کرتے تھے کہ میں ان سے انتہائی محبت کرتا ہوں۔[3] مگر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ حسینؑ اپنے نانا کی بلند سیرت، فرائض کے بارے میں اہتمام اور اسلام کے متعلق آپ کے انہماک کو دیکھتے ہوئے یہ مشاہدہ کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ ہم کو بہت چاہتے ہیں مگر ہم سے زیادہ آپ اپنے دین یعنی اسلام اور اس کے آئین و شریعت کو چاہتے ہیں اس لئے اگر اس دین اور شریعت پر کوئی وقت پڑے تو پیغمبرؐ تیار ہوں گے کہ ہم کو اس پر نثار کر دیں۔

۱۰ھ میں نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ ایک طرح کے روحانی مقابلہ کا موقع آیا جس کا نام ''مباہلہ'' ہے یعنی دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹے پر عذاب نازل ہو اس موقع پر رسولؐ تشریف لے گئے تو اس طرح کہ ہاتھ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہاتھ تھا۔ حسنؑ و حسینؑ آگے آگے تھے اور فاطمہ زہراؑ پیچھے آ رہی تھیں۔

---

[1] قرآن کریم سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹ و ۱۵۱۔ آل عمران آیت ۱۶۵۔ جمعہ آیت ۲۔ [2] سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۳۔ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نجران والے یہ نورانی منظر دیکھ کر مرعوب ہوئے اور خراج دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔[1] ظاہر ہے کہ پیغمبر خداؐ اس مہم کو تنہا سر کر سکتے تھے۔ پھر قرآن کی تصریح[2] کے مطابق رسول اللہؐ اپنے اہل بیت کو ساتھ لے جانے پر کیوں مامور ہوئے؟ اس کا مقصد ایک طرف حق کے کامل نمائندوں کا خلق سے تعارف تھا تو دوسری طرف تعلیم و تربیت کا انداز بھی تھا۔ گویا ابھی سے خاندان رسولؐ کی ان ہستیوں پر ذمہ داری کا بار ڈالا جا رہا تھا کہ ضرورت کے وقت حفاظت اسلام کی ان ہی سے امید ہے۔ رسولؐ ان میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج تو میں خود موجود ہوں۔ میں تم کو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں لیکن اگر کسی وقت میں موجود نہ ہوں تو تم اسی طرح حفاظت اسلام کے لئے نکل کھڑے ہونا جس طرح میں نکلا ہوں۔ آج کے اس عمل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام کی نصرت اور خدمت کے موقع پر مرد، عورت، جوان، بچہ کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور ضرورت پر ہر ایک کو اس مقصد میں صرف ہونا لازم ہے۔ سب سے کم سن اس جماعت میں حسینؑ تھے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے ان کا اس موقع پر ساتھ لانا قدرت کی طرف سے اس مستقبل کی تمہید ہے کہ انہی کو عملی طور پر دوبارہ اس مثال کے پیش کرنے کا موقع ملے گا جسے آج پیش کیا گیا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ سے بڑھ کر کوئی شخص جوہر شناس نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ آپ کے تعلیمات کی حفاظت کن کے ذریعہ سے ہوگی۔ اس لئے مختلف صورتوں سے اپنی امت کو ہدایت کی کہ میرے اہل بیت کی پیروی کرتے رہنا۔ کبھی فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں جب تک تم ان سے تمسک رکھو گے گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ ان میں سے ایک قرآن ہے اور دوسرے میرے اہلِ بیت[3] اور کبھی فرمایا کہ میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے، جو اس کشتی پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو روگرداں ہوا وہ دریائے ہلاکت میں غرق ہوا۔[4]

خصوصیت کے ساتھ اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں کبھی فرمایا۔ ''حسنؑ و

---

[1] ارشاد ص ۸۷۔ [2] سورۂ آل عمران آیت ۶۱۔ [3] مسند احمد حنبل۔ [4] معارف ابن قتیبہ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں[1]' اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا کردار اتنا بلند ہے اور رہے گا کہ ان کی سیرت زندگی کی عملی حیثیت سے تقلید ہی رضائے الٰہی کا سبب بن سکتی ہے اور کبھی فرمایا کہ ''یہ دونوں میرے فرزند امام (واجب الاطاعت) ہیں خواہ کھڑے ہوں اور خواہ بیٹھے''۔ [2]آئے گا ایک مستقبل جب ایک ان میں سے صلح کر کے بیٹھا ہوگا اور ایک جہاد میں کھڑا ہوگا۔ پیغمبر اسلامؐ کے ارشاد سے دونوں کے طرز عمل کے اپنی اپنی جگہ صحیح ہونے پر روشنی پڑے گی۔

اس کے ساتھ خاص امام حسینؑ کے بارے میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ [3]یعنی میرا کام اور میرا نام دنیا میں حسینؑ کی بدولت قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ بکثرت حدیثیں ہیں جو فضائل و مناقب کی کتابوں میں درج ہیں۔ افسوس کہ حسینؑ کے لئے اس لطف و محبت، بے پایاں سکون اور اطمینان کی عمر طولانی نہیں ہوسکی۔ ابھی آپ کا سن سات برس کا بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ۲۸ صفر ۱۱ھ میں[4]۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وفات ہوگئی اور حسینؑ رسول اللہؐ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔

---

[1] ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۹۔ [2] ارشاد ص ۲۰۴۔ [3] ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۳۔ [4] الکافی ج ۱ ص ۴۷۵، طبری ج ۳ ص ۲۰۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھٹا باب

امام حسینؑ کی زندگی کا دوسرا دور

نانا کی وفات کے بعد سے باپ کی شہادت تک

۱۱ھ - ۴۰ھ

حضرت رسولؐ کی وفات تمام خاندان کے لئے ایک بڑا روح فرسا حادثہ تھی۔ آپ کے اخلاق و اوصاف نے دوست اور دشمن کے دل کو مسخر کر لیا تھا اس لئے آپ کے دنیا سے اٹھ جانے کا احساس ہر فرد بشر کو موجود تھا اور اسلامی گروہ کا ہر فرد جتنا تعلق پیغمبرؐ سے رکھتا تھا اس اعتبار سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو رہا تھا۔

پھر خاص اہل بیتؑ کے غم و الم کا اندازہ کہاں کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً حسینؑ جن کے ساتھ پیغمبرؐ کی شفقت کا انداز ہی ایک نرالا تھا وہ نانا جو اپنی گود میں بٹھاتا تھا، سینہ پر لٹاتا تھا اور کاندھے پر چڑھاتا تھا جو ذرا سی بھی خاطر شکنی حسینؑ کی گوارا نہ کرتا تھا، آج حسینؑ آنکھیں پھرا پھرا کر چاروں طرف دیکھتے تھے اور وہ شفیق و مہربان نانا نظر نہ آتا تھا۔

یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ پیغمبرؐ کی حیات میں ان کی غیر معمولی محبتوں کو دیکھ کر نیز ان کے ان متواتر اعلانات کی وجہ سے کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے حسینؑ سے محبت کرنا چاہئے، عام مسلمان جو بھی رسولؐ کے ساتھ عقیدت اور محبت کا دم بھرتے تھے اور ان کے پسینے پر خون بہانے کا دعویٰ رکھتے تھے پیغمبرؐ کے سامنے ان کے ان فرزندوں کے ساتھ انتہائی لطیف ترین جذبات محبت و نیاز مندی کا اظہار کرتے تھے اور اگر ذرا سا بھی اس میں کمی کا شائبہ پیدا ہوتا تھا تو پیغمبرؐ کی تیوریوں پر بل دکھائی دینے لگتے تھے۔ ایک کھلا ہوا ثبوت اس کا اس واقعہ سے ملتا ہے جب رسولؐ حسن مجتبیٰؑ کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور ایک صحابی نے کہہ دیا کہ ''اے صاحب زادے کتنا اچھا مرکب ہے تمہارا''۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رسولؐ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا ''یہ سوار بھی تو کتنا اچھا ہے''[1] یہ باتیں ایسی نہ تھیں جن کے بعد مزاج نبوت میں کچھ بھی درخور رکھنے والے مسلمان یا آپ کے چشم و ابرو پر چلنے والے نیاز مندان صاحب زادوں کی خاطر داری اور ان کے ساتھ اظہار محبت میں ذرا بھی فروگزاشت کرتے۔ اس طرح یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے کہ اس دور میں حسینؑ ایک چراغ تھے جس کے گرد پروانے طواف کرتے تھے یا ایک آفتاب جس کے گرد ستارے چکر لگاتے تھے۔ عقیدت کی ایک دنیا ان کے قدموں پر نثار ہوتی تھی اور محبت کا ایک آسمان تھا جو ان کے سر پر سایہ فگن تھا مگر دنیا ایک حال پر نہیں رہتی۔ وہ انقلابات کا مجموعہ ہے۔ آج وہ مرکز جس کی مقناطیسی کشش دنیا کو جذب کئے ہوئے تھی قبر میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک کیا گیا کہ حسینؑ کی دنیا بالکل بدل گئی۔ وہ ماحول بھی بالکل تبدیل ہوگیا جو آپ کے سامنے رہا تھا۔ صبح ہوئی اور رسولؐ نے دروازہ پر آکر آواز دی۔ [2] الصلوٰۃ، الصلوٰۃ. انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا. (یعنی) اٹھو نماز کا وقت آ گیا اور پھر یہ قرآن کی آیت [3] پڑھتے تھے (جو آیت تطہیر کے نام سے مشہور ہے یعنی) ''اللہ کو منظور یہی ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے ہر طرح کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے''۔ سب فوراً اٹھ بیٹھے باپ اور بھائی کی طرح حسینؑ نے بھی فوراً وضو کیا۔ مسجد میں پہنچے۔ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ پیغمبرؐ نے نماز پڑھائی۔ پھر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ہر وقت یہی سماں۔ نمازوں کے بعد یا پہلے اور ضرورت کی صورت میں مختلف اوقات پر پیغمبرؐ کے خطبے۔ شریعت اسلام کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہجوم۔ قبائل عرب اور سلاطین دنیا کے وفود اور سفراء کا دور۔ مختلف جماعتوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ اور اس کے مدافعتی انتظامات، دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کا پیش ہونا، گواہوں کے بیانات، بحث اور جرح اور مقدمات کا فیصلہ۔ مجرموں کی سزائیں۔ زکوٰۃ و خمس اور اموال غنیمت کا آنا اور مقررہ اصول و قواعد کے مطابق تقسیم۔ غرض یہ کہ دین اور دنیا کے تمام

---

[1] صواعق محرقہ ص ۸۳۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۶۱۵۔ [3] سورۂ احزاب آیت ۳۳۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مسائل اس ایک نقطہ پر مجتمع نظر آتے تھے۔ حسینؑ اپنے نانا کے پاس تقریباً ہر وقت موجود رہتے تھے اور آنکھ کھول کر اسی عالم سے روشناس ہوئے تھے۔ اب پیغمبرؐ کی وفات کے بعد یہ تمام سماں آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ انقلاب اور عظیم الشان انقلاب۔

افسوس ہے کہ رسولؐ کی خلافت کا مسئلہ اتنا اختلافی بن گیا کہ آج تک اس کی بنیاد پر شیعہ اور سنی کا تفرقہ قائم ہے۔ اس کتاب میں جو واقعہ کربلا کو غیر نزاعی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے لکھی جا رہی ہے اس پر بحث کرنا منظور نہیں ہے نہ ان ناگوار واقعات کا کوئی مستقل تذکرہ مقصود ہے۔ بہرحال یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسولؐ کے بعد کچھ افراد امت نے متفق ہو کر سیاسی اقتدار خاندان رسولؐ سے ہٹا دیا۔ اس انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سرکار رسالت کے بعد ڈیوڑھی کی چہل پہل اور رونق سناٹے سے تبدیل ہوگئی اور وہ ماحول جس میں حسینؑ زندگی بسر کر رہے تھے ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آیا۔

حسینؑ ماں کے پاس جاتے تو یہ دیکھتے کہ سوائے اوقات نماز کے ہر وقت گریہ و زاری سے کام ہے کچھ دن تک تو گھر ہی پر رویا کرتی تھیں پھر اہل مدینہ کی اس شکایت پر کہ آپ کے نالہ وشیون نے ہم پر خواب و خور حرام کر دیا ہے آپ جنۃ البقیع میں چلی جاتی تھیں اور اس قبرستان میں گریہ کرتی رہتی تھیں۔[1] حسینؑ باپ کے پاس آئے تو یہ دیکھتے کہ انہوں نے اہل زمانہ کی بے رخی کو دیکھتے ہوئے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے۔ آپ ہر وقت ایک گوشہ میں بیٹھے قرآن مجید کے متفرق اجزا کو اصلی ترتیب اور شان نزول کے مطابق کتابی شکل میں مرتب کرتے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے عہد کیا ہے کہ عبادوش پر نہ ڈالوں گا جب تک کہ قرآن جمع نہ کرلوں۔[2] کیا اس صورت حال کو دیکھ کر حسینؑ کا دل نہ گھٹتا ہوگا۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ اے خدا یہ کیسا اندھیرا ہے جو ایک دم ہماری آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ بہرحال اپنے باپ کے طرز عمل میں یہ نصب العین نمایاں پایا کہ چاہے حالات کتنے ہی ناسازگار ہوں مگر ہمیں اسلام کی

---

[1] کشف الغمہ ص ۱۴۸۔ [2] صواعق محرقہ ص ۷۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خدمت سے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے اس لئے قرآن کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اس فرض کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

حسینؑ نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ میرے باپ کے پاس آتے ہیں اور وہ انہیں جوش دلانا چاہتے ہیں کہ آپ اسلامی حکومت کے حصول کے لئے کوشش کیجئے جو واقعی آپ کا حق ہے۔ اٹھئے اور ہم آپ کی امداد کے لئے تیار ہیں۔ ان میں سچے دوست بھی ہیں اور نمائشی بھی۔ ایک طرف رسولؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں تمہاری بیعت کرلوں اس کا مسلمانوں پر بڑا اثر پڑے گا اور وہ کہیں گے کہ پیغمبرؐ کے چچا نے ان کے ابن عم کی بیعت کرلی پھر کسی کو عذر نہ ہوگا اور دوسری طرف بنی امیہ کا سردار ابو سفیان بن حرب ہے اور وہ آکر کہتا ہے کہ کتنے غضب کی بات ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے عرب کے ایک رذیل ترین خاندان نے غلبہ حاصل کرلیا۔ خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی امداد کے لئے مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھردوں۔ مگر چونکہ آپ کی ذات جذبات سے بلند اور نفسانیت کے لوث سے پاک تھی اور آپ اسلام کا حقیقی درد اپنے سینہ میں رکھتے تھے اس لئے آپ اپنا حق سمجھتے ہوئے بھی ان لوگوں کے کہنے میں نہیں آئے اور آپ نے ابوسفیان کو اس طرح ڈانٹ کر جواب دیا کہ ''خدا کی قسم تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہو۔[1] یہ اس کا عملی اظہار تھا کہ چاہے ہمارے حقوق ہاتھ سے جائیں۔ ہمارے شخصی مفاد کو نقصان پہنچے مگر ہم کو ہمیشہ اجتماعی اور اسلامی مفاد پر نظر رکھنا چاہئے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہ نتیجہ بھی اس واقعہ سے ظاہر تھا کہ ابوسفیان اور اس کے خاندان کے لوگوں کا اسلام صرف نمائشی حیثیت رکھتا ہے اور ان سے اسلام کے متعلق ہمیشہ نقصان رسانی کا اندیشہ موجود ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ اسلام کو اس کے کھلے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا ان نمائشی دوستوں سے پہنچ سکتا ہے اس لئے اگر اسلام کا تحفظ کرنا ہے تو ہمیشہ اس جماعت کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا چاہئے اور کوئی موقع نہ آنے دینا چاہئے کہ یہ اپنے مقصد میں

[1] ارشاد ص ۱۰۰۔ استیعاب جلد ۲ ص ۷۱۰۔ صواعق محرقہ ص ۳۷۔ تاریخ الخلفاء ص ۴۵۔ طبری ج ۳ ص ۲۰۲۔۲۰۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کامیاب ہو جائے۔

افسوس ہے کہ رسولؐ کی وفات سے چند ہی مہینوں کے بعد گونا گوں مصائب و تکالیف اٹھانے کے ساتھ حسینؑ سے ان کی بزرگ مرتبہ ماں بھی جدا ہوگئیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات سے علیؑ بن ابی طالبؑ اور بھی دل شکستہ ہوگئے اور حسنؑ و حسینؑ کے لئے مہر و محبت کی دنیا بڑی حد تک ویران نظر آنے لگی۔ اب ان کے لئے گہوارہ شفقت و تربیت صرف ایک تھا اور وہ ان کے بزرگ مرتبہ باپ کی ذات۔ سات برس کی عمر سے لے کر چھتیس سال کی عمر تک انتیس سال برابر حسینؑ اپنے وہبی کمالات کے ماوراء حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ایسے حکیم الٰہی، عالم ربانی، معلم اخلاق انسانی اور مجموعہ فضائل نفسانی کے علمی اور عملی فیوض سے بہرہ ور ہوتے رہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عام نظام اسباب کی دنیا میں انسانیت کی حقیقی تعمیر ہوتی ہے۔ اس عمر کے آغاز سے بلوغ کی مدت تک اوصاف و کملات کی داغ بیلیں پڑتی ہیں۔ نوجوانی کے زمانہ میں ان پر دیواریں اٹھتی ہیں اور جوانی کے اختتام تک یہ عمارت مکمل ہو کر اس پر نقش و نگار بن جاتے ہیں اور وہ سازو سامان اور شیشہ آلات سے بھی آراستہ ہو جاتی ہے۔ حسینؑ کے لئے ان تمام منازل کی ظاہری تکمیل علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نگرانی میں ہو رہی تھی۔

حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے والد بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ باوجود یکہ زمانہ کی بے توجہی، حق فراموشی اور سرد مہری سے کبیدہ خاطر ضرور تھے لیکن جب کسی علمی مسئلہ میں کسی مہم کے متعلق مشورہ میں، کسی مقدمہ کے فیصلہ میں ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور ان سے امداد کی خواہش کی جاتی ہے تو وہ فوراً بلا عذر امداد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذباتی انسانوں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ وہ اگر کسی منصب کے حصول سے جس کے حقدار ہوں محروم کر دیئے جائیں تو وہ متعلقہ افراد سے خفا ہو کر الگ ہو جائیں گے اور اگر اس منصب سے تعلق رکھنے والے معاملات میں ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ اپنی دلی رنجش کی بناء پر تعاون سے انکار کر دیں گے۔ اسے اہل بیتؑ کے ہر فرد کے سامنے یہ نمونہ پیش ہو رہا تھا کہ ہم چاہے مسلمانوں کے معاملات سے کتنے ہی غیر متعلق کر دیئے جائیں مگر ہمیں کبھی اپنے کو غیر متعلق سمجھنا نہیں چاہئے ہمیں ہر ایسے موقع کا منتظر رہنا چاہئے کہ جس وقت ہمارے ذریعہ سے اسلامی مفاد کو حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہو تو اس موقع پر فوراً ہمیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنے فرض کو انجام دینا چاہئے اور اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھنا چاہئے۔

تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر ایسا وقت آیا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ تخت حکومت کو حاصل کر لیتے جبکہ خلیفہ دوم نے اپنے انتقال کے وقت چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا کر خلافت کو ان میں منحصر کر دیا اور ان میں سے ایک حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو بھی قرار دیا تھا۔ تمام دوسرے ارکان حضرت علیؑ کو خلافت کے منصب پر نامزد کرنے کے لئے تیار تھے بشرطیکہ آپ کتاب و سنت کے علاوہ شیخین (ابوبکر و عمر) کی سیرت پر عمل کا بھی عہد کریں۔[1] مگر حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے حقیقت پرور، بلند ہمت اور مستغنی طبیعت باپ نے اس موقع کو اپنے ہاتھ سے دے دیا۔ اس بناء پر کہ وہ کتاب اور سنت پر عمل کے علاوہ کسی دوسری شرط کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے جس کے نتیجہ میں وہ ظاہری خلافت کا ہما جو ان کے سر پر چکر لگا رہا تھا ایک طویل عرصہ تک کے لئے ان سے علیحدہ ہو گیا۔

حسینؑ نے اس میں ایک بڑے اہم سبق کا عملی نمونہ دیکھا جس پر ان کے آئندہ اقدامات کی بنیاد قائم تھی اور وہ یہ کہ شریعت اور مسلمان حکمرانوں کی سیرت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو حکومت وقت کا آئین اور اس کا عمل ہو اس کو شریعت کی رو سے بھی صحیح ماننا پڑے بلکہ شریعت کے مستقل اصول ہیں جنہیں مقتدا ہونا چاہئے اور حکومت کے عمل کو ان کا ماتحت ہونا چاہئے اور جب ایسا نہ ہو تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کو تسلیم کرے اور حکام کے عمل کو تسلیم نہ کرے اور اگر کسی وقت ایسا موقع پیش آئے کہ حکام کا عمل کھلم کھلا شریعت کے خلاف اور آئین مذہب میں بنیادی تبدیلی کا باعث ہو تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کی حمایت میں کمر بستہ ہو جائے اور اس کے لئے بشرط ضرورت کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ اسی دور میں ۳۱ھ میں یزدجرد بادشاہ ایران کا سراسیمگی اور کسمپرسی کے عالم میں ایک ایرانی ہی کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔[2] جس کے بعد شاہزادیاں بحیثیت قیدی کے مدینہ بھیجی گئیں اور اس موقع پر جبکہ غنیم ملک کی شاہزادیوں کو قید دیکھ کر بہت سے آدمی خوش ہو رہے ہوں گے حضرت علیؑ اور ان کے عالی دماغ شاہزادہ حسینؑ نے انہیں کنیزی کی ذلت سے بچا ہی نہیں لیا بلکہ انہیں خاندان رسول کے گھر کی

[1] طبری ج ۵ ص ۴۰۔ [2] طبری ج ۵ ص ۱۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ملکہ کا تاج پہنا دیا۔ چنانچہ وہ شہزادی جن کا نام شہربانو یا شاہ زمان مشہور ہے حسینؑ کے عقد میں آئیں اور اس طرح انہوں نے اسلام کی اس تعلیم کو زندہ رکھا جو ملکی تفریق کو مٹا دینے کی علمبردار ہے۔

تیسرے خلیفہ عثمان کے دور کا آخری حصہ بڑی بے اطمینانی اور کشمکش میں گزرا، مسلمانوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہوئیں اور آخر اقدامات کی حد تک پہنچیں مگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ان اقدامات کو تقویت پہنچانے کے بجائے پوری کوشش کے ساتھ ان کو روکنے کی سعی فرمائی۔ کئی مرتبہ بیچ میں پڑ کر صلح کرائی۔ مخالف جماعت کی شکایات دور کرائیں اور اسے سمجھا بجھا کر منتشر کیا۔[1] مگر مروان جو اس دور میں ''کاتب''[2] کے عہدہ پر تھا اس کی شرارتوں نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور آخر اس جماعت نے حاکم وقت کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔[3] اس وقت بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے یہ ہمدردی کی کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ محاصرہ کرنے والوں نے پانی بند کر دیا ہے تو آپ نے حسنؑ اور حسینؑ اپنے دونوں فرزندوں کو کچھ مشکوں کے ساتھ روانہ کیا اور ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر پانی قصر حکومت کے اندر پہنچا دیا۔ بہرحال نظم حکومت کا پیمانہ لبریز تھا اور پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا حملہ آور جماعت نے دارالحکومت کی سرزمین کو خلیفہ کے خون سے رنگین اور ان کے رشتہ حیات کو قطع کر دیا۔ حیرت کا امر ہے کہ اتنا بڑا مسلم اکثریت کا مسلم الثبوت فرمانروا خود اپنے دارالسلطنت میں ایک مہینہ انیس دن[4] محصور رہا اور آخر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس دارالسلطنت کے لوگوں میں جو پیغمبرؐ کا دارالہجرت اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جہاں کے اہل حل وعقد خلیفہ گری کے کام کا اپنے کو واحد ذمہ دار سمجھتے تھے کوئی جوش مقاومت پیدا نہ ہوا۔ اس سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ لاش۔ تین دن تک بے گوروکفن رہی[5] اور عامہ مسلمین دفن کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ آخر میں راتوں رات ''حش کوکب'' نام کے مقام پر جو

---

[1] طبری ج ۵ ص ۹۶ و ۹۷۔ ۱۱۰۔ ۱۱۷ و ۱۲۲۔ [2] کاتب کا درجہ اس دور میں ''وزیر'' کا سا ہوتا تھا۔ وہ حاکم کا راز دار، مشیر کار، اس کی مہر کا امانتدار اور اس کی طرف سے خط و کتابت کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ [3] الوراء والکتاب ص ۱۴۔ طبری ج ۵ ص ۱۱۱۔۱۱۲۔ [4] طبری ج ۵ ص ۱۲۲۔ [5] طبری ج ۵ ص ۱۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مسلمانوں کے قبرستان سے الگ تھا سپرد خاک کئے گئے۔[1]

اس عبرت خیز مرقع سے ایک حساس انسان کس قدر اہم نتائج اخذ کر سکتا تھا؟ سلطنت دنیا کی بے ثباتی، جمہور کی وفاداری پر عدم اعتماد نیز مروان اور دوسرے بنی امیہ کے ہاتھوں اسلام کے شیرازہ کی ابتری یہ سب کچھ حسینؑ نے دیکھا اور اپنی آئندہ زندگی کے سب سے اہم کارنامہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں ان میں سے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھا جس کے سننے اور سمجھنے کے لئے آپ کو مستقبل کا انتظار کرنا چاہئے۔

حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور ان حالات کے لحاظ سے جمہور کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اس ہنگامی انقلاب کے نتیجہ میں مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور ان کے انتخاب کی نگاہیں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے چہرہ پر جم گئیں۔ انہوں نے آپ کے پاس آکر خلافت اسلامی کی ذمہ داری کو سنبھالنے کی درخواست کی۔ یہ بات حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ حضرت علی باوجود یکہ اس کے پہلے ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت اور ان کے نظم ونسق کی اصلاح کے لئے بے چین اور خلافت رسولؐ کے لئے اپنے استحقاق کا اعلان فرماتے رہے تھے آج مسلمانوں کی اس متفقہ ملتجیانہ پیشکش کو مسترد فرما رہے تھے۔[2] اور اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے۔ حسینؑ خوب جانتے تھے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ حکومت اور عمال حکومت کے رویہ کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ اسلامی حکومت بڑی حد تک دنیوی اقتدار سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی تھی اور کسرویت و قیصریت کے آثار اس میں نمودار ہو گئے تھے۔ یہ چیز کسی طرح اس سادگی اور مساوات کے ساتھ سازگار نہ تھی جسے پیغمبر اسلامؐ نے دنیا میں پھیلایا تھا اور جس پر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نہایت سختی کے ساتھ عامل تھے اس لئے حضرت خوب جانتے تھے کہ اگر میں اس وقت حکومت کی باگ کو سنبھالوں تو یا تو مجھے زمانہ کے ساتھ ساز کر کے ہوا کے رخ پر چلنا پڑے گا اور اس کے لئے میرا ضمیر مجھ کو اجازت نہیں دے سکتا اور یا میں زمانہ کے ساتھ جنگ کروں گا۔ بے شک اگر میں ذمہ داری اپنے سر لے لوں تو مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مملکت میں خلفشار رہے گا

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۴۳ و ۱۴۴۔ [2] طبری ج ۵ ص ۱۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور بحیثیت ایک حاکم کے میرا دور ناکامیاب سمجھا جائے گا۔ آپ نے پورے طور پر انکار کیا مگر مسلمانوں کا اصرار اتمام حجت کی صورت اختیار کر گیا یعنی وہ علیؑ بن ابی طالبؑ پر یہ ذمہ داری عائد کرنے لگے کہ دنیا آپ سے ہدایت و اصلاح کی طالب ہے اور آپ اس سے گریز کرتے ہیں۔ ایک داعی حق کو یہ بھی زیبا نہیں ہے کہ وہ خلق خدا پر بے اعتمادی کی آڑ پکڑ کر ان کی درخواست کو ٹھکراتا رہے اور ان کی ہدایت کی ذمہ داری کو پورا کر کے ان پر حجت تمام نہ کرے۔ مجبوراً حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ ذمہ داری قبول فرمانا پڑی۔

بے شک آپ نے دنیا کو دھوکے میں مبتلا نہ رکھنے کے لئے صاف اعلان کر دیا کہ دیکھو جب تم ذمہ داری کو میرے سپرد کر رہے ہو تو میں جو ٹھیک راستہ سمجھوں گا اسی پر تمہیں چلاؤں گا اور کسی کے اعتراض اور نکتہ چینی کی پروا نہ کروں گا۔[1] لوگوں نے اس کا اقرار کر کے ذی الحجہ ۳۵ھ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کی بیعت کی آپ خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لئے گئے۔ اس سے ایک طرف یہ ثابت کیا گیا کہ دنیا کی فضا اب اہل بیتؑ کے حکومت و اقتدار کے لئے موزوں نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ کہ اگر اللہ کے بندے وفاداری کے عہد کے ساتھ رہنمائی کے طالب ہوں تو جب تک حجت ان پر پورے طور سے تمام نہ ہو جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم بظاہر ان کے عہد و پیمان کو باور کریں اور ان کی خواہش رہنمائی کی تکمیل کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔

خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد وہی ہوا جو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے کہ دنیا آپ کے تعلیمات کی پیروی کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ کچھ لوگوں نے تو بیعت سے پہلو تہی کی جیسے اسامہ بن زید، حسان بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ۔ حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی حالانکہ تمام مسلمانوں کے نقطہ نظر سے آپ کی بیعت مکمل ہو چکی تھی اور اس لئے ان کا بیعت سے انحراف ان سب کے نزدیک غلط تھا مگر جب تک وہ عملی طور سے کوئی مخالفت نہ کرتے اور اس نظام میں خلل نہ ڈالتے، ضرورت ہی کیا تھی کہ ان سے تعرض کیا جائے جبکہ اصول مذہب میں دستور یہ ہے کہ لا اکراہ فی الدین تو خلافت کے تسلیم کرانے میں اکراہ کے

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۵۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کیا معنی؟

لیکن بعض لوگوں کا یہ مشورہ کہ معاویہ اور جتنے عثمان کے زمانہ کے عامل ہیں ان سب کو آپ برقرار رکھیں اور جب وہ مطمئن ہو جائیں اور آپ کی گرفت میں آجائیں تو پھر چاہے سب کو معزول کر دیں۔ اسے آپ نے منظور نہیں فرمایا اور آپ نے کہا اور مذہبی ذمہ داری [1] کے لحاظ سے آپ اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے کہ سیاست دنیا کے لحاظ سے تو بیشک یہی بہتر ہے جو تم کہتے ہو مگر جب میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور نااہل ہیں تو انہیں اپنی طرف سے حکومت کا پروانہ بھیج کر میں ان کے مظالم میں شریک ہوں یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ [2]

یہ بڑا دور رس واقعہ ہے۔ اگر علیؑ بن ابی طالبؑ اپنی ماتحتی میں معاویہ ایسے شخص کی حکومت کو دینی فریضہ کے ماتحت برداشت نہیں کر سکتے تھے تو اس کے بعد کبھی حسینؑ بیعت کر کے معاویہ سے بڑھ کر یزید ایسے شخص کی حکومت کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں؟

پھر بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے معاویہ کے نام جو خط لکھا اس میں کوئی سختی و درشتی، لب و لہجہ کی تلخی اور جنگویانہ انداز نہ تھا بلکہ ایک برسراقتدار آنے والے حاکم اعلیٰ کو اپنے کسی عامل کو جس طرح کا خط لکھنا چاہئے ویسا ہی تھا۔ اس خط کا مضمون جو مشہور مورخ واقدی کی کتاب الجمل سے منقول ہے حسب ذیل ہے۔

''تم کو معلوم ہوگا کہ میں نے مسلمانوں کے معاملات میں اپنے دامن کو کس طرح صاف رکھا اور کس طرح تختِ خلافت سے بے اعتنائی اختیار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ہوا جو ٹل نہ سکتا تھا (قتل عثمان) اور اس کے بعد میرے لئے چارۂ کار باقی نہ رہا۔ یہ واقعات بہت طولانی ہیں۔ بہرحال جو ہونا تھا وہ ہوا اور اب جو حالات پیش ہیں وہ آنکھوں

---

[1] پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا ذمہ دار ہو پھر وہ اپنی جانب سے کسی شخص کو والی قرار دے درانحالیکہ اسکے سے بہتر شخص مسلمانوں کے مفاد کے لئے موجود ہو تو اس نے خدا و رسولؐ سے خیانت کی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی آدمی کو کوئی منصب عطا کرے کسی جماعت کے اندر حالانکہ اس جماعت میں اس آدمی سے زیادہ پسندیدہ شخص موجود ہے تو اس نے خدا اور اس کے رسولؐ اور تمام مومنین کی خیانت کی (السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی و الرعیتہ للشیخ ابن تیمیہ ص ۳)

[2] طبری جلد ۵ ص ۱۵۹۔۱۶۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے سامنے ہیں۔ اب تم وہاں کے لوگوں سے بیعت حاصل کرو اور اپنے یہاں کے آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ میرے پاس حاضر ہو"۔[1]

معاویہ اگر مخالفت پر پہلے ہی سے تلے ہوئے نہ ہوتے تو اس خط کے مضمون پر انہیں عمل کرنا چاہئے تھا مگر وہاں تو عناد و مخالفت کی چنگاریاں پہلے سے سلگ رہی تھیں۔ آخر آپ کے مقابلہ میں قتل عثمان کا غلط الزام تراشا گیا اور اس بہانہ سے آپ کی مخالفت کا جھنڈا اونچا کیا گیا۔

معاویہ نے شام والوں کو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے خلاف اس غلط تہمت کو ان کے ذہن نشین کر کے پورے طور پر مشتعل کر دیا۔ مسجد جامع دمشق میں ماتمی جلسے کئے گئے۔ مقتول خلیفہ کا خون بھرا کرتا منبر پر ڈال دیا گیا اور عالم یہ تھا کہ پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع اسے دیکھ دیکھ کر نالہ و زاری کرتا اور اس جوش رقت میں ان سے کہا جاتا تھا کہ اب تمہیں علیؑ سے اس خون کا بدلا لینا ہے۔[2] اب حضرت علیؑ شام کی مہم کے تدارک کا سامان کرنا چاہ رہے تھے جو یک بیک یہ خبر آئی کہ طلحہ اور زبیر نے زوجہ رسولؐ عائشہ بنت ابی بکر کو آمادہ کر کے آپ کے خلاف محاذ تیار کر لیا ہے۔[3]

وہ لوگ جو پچیس برس تک حضرت علیؑ کو میدان جنگ سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے خاموشی کی زندگی گزارتے دیکھ چکے تھے انہیں یقین ہوگا کہ حضرت علیؑ کسی نہ کسی طرح اس قضیہ کو رفع دفع کر دیں گے اور جنگ کی نوبت نہ آنے دیں گے مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ وہی علیؑ جو اپنی تلوار کو اتنے عرصہ تک نیام میں رکھ چکے تھے کہ جوانی گزر کے بڑھاپا آ گیا تھا، آج وہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد ہو جانے کے بعد آئین و اصول اور حق کی حفاظت کے لئے جنگ پر بالکل تیار ہیں۔ بے شک امام حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے پدر بزرگوار نے اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی فرمائی کہ جب تک فریق مخالف عملاً جنگ کی ابتدا نہ کر دے اس وقت تک تلوار نیام سے نہ نکالی جائے چنانچہ جمل[4] کے

---

[1] نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۴۰۔ [2] طبری ج ۵ ص ۱۶۳۔ [3] طبری ج ۵ ص ۱۶۴۔ [4] جمل عربی میں اونٹ کو کہتے ہیں چونکہ اس جنگ میں زوجہ حضرت رسولؐ عائشہ کو ایک اونٹ پر محمل میں سوار کر کے حضرت کے مقابلہ پر لایا گیا تھا اس لئے اس کا نام جنگ جمل ہوا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میدان میں یہی ہوا کہ جب صفوف لشکر مرتب ہو چکے تو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ایک قرآن ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کرنے کی دعوت دے مگر یہ بتائے دیتا ہوں کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر اہل کوفہ میں سے ایک جوان جس کا نام مسلم تھا کھڑا ہو گیا کہا میں جاؤں گا۔ حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر بلند آواز سے کہا کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کی دعوت دے مگر وہ قتل ہو جائے گا۔ پھر کھڑا ہوا تو وہی جوان۔ حضرت نے پھر سکوت کیا اور پھر وہی الفاظ بلند آواز سے کہے۔ جب پھر وہی جوان کھڑا ہوا تو آپ نے وہ قرآن اس کے سپرد کیا وہ اسے لے کر صفوف مخالف کے سامنے گیا۔ ظالموں نے اس کا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو اس نے قرآن کو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے تھام کر سینہ سے لگا لیا۔ اس حالت میں کہ خون کی اس کے کپڑوں پر بارش ہو رہی تھی۔ اس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا۔ علیؑ بن ابی طالبؑ پکارے کہ اب ان سے جنگ حلال ہوگئی۔[1] اب دنیا نے دیکھا کہ وہی تلوار جو بدر، احد، خندق اور خیبر میں کسی وقت چمک چکی تھی جمل کے میدان میں چمکنے لگتی ہے۔ وہی ہاتھ ہے اور ہاتھ کی صفائی، وہی دل ہے اور دل کی طاقت۔ یہاں تک کہ جمل کا معرکہ فریق مخالف کی شکست پر ختم ہوا اس وقت حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے فریق مخالف کی سرگروہ ام المومنین عائشہ کے ساتھ وہ شریفانہ اور باعزت برتاؤ کیا جیسا کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوح فریق کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔[2] یہ معرکہ روز پنج شنبہ ۱۰ جمادی الثانیہ ۳۶ھ کو پیش ہوا۔[3]

ظاہر ہے کہ عام اسباب کے لحاظ سے اب جناب امیر کا سن لڑائیوں کی امنگوں کا متقاضی نہیں تھا۔ انسٹھ برس کی عمر تھی مگر آپ کا پچیس برس کی خاموشی کے بعد اب میدان جنگ میں آجانا اعلان کر رہا تھا کہ حقیقتاً ہمارا حرکت وسکون سب فرض کے احساس کا نتیجہ ہونا چاہئے۔ فرض کی پکار پر ہمیں ہمیشہ جواب دینا چاہئے۔ اصول اور فرض کے حدود میں جذبات کا تقاضا اور سن کا اختلاف کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر فرض ہمارا خاموشی کا ہو تو چاہے جوانی کی تمام امنگیں قدم اٹھانے پر آمادہ کر رہی ہوں پھر بھی ہم کو اپنی زندگی

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۵۔۲۰۶۔ [2] تفصیل کے لئے دیکھو طبری ج ۵ ص ۲۰۳۔۲۰۵۔۲۱۸۔۲۱۹۔۲۲۵۔
[3] طبری ج ۵ ص ۲۱۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خاموشی کے ساتھ گزار دینا چاہئے اور جوانی سکون کے عالم میں بسر کرنا چاہئے اور اگر فرض ہمارا عملی اقدام کا ہو تو چاہے بڑھاپے کا اضمحلال جسمانی قوتوں کو متاثر بھی کئے ہو مگر ہمیں عزم و ارادہ کے قدموں پر کھڑا ہونا چاہئے اور وہ کرنا چاہئے جو جوانمردانہ ہمت کا تقاضا ہے۔

ادھر شام میں اشتعال انگیزی مسلسل جاری رہی۔ جناب عثمان کا خون بھرا کرتہ اور ان کی زوجہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منبر پر آویزاں اور اس کے سامنے گریہ و زاری، یہ سلسلہ ایک سال تک برابر جاری رہا بہت سے اہل شام نے قسم کھائی کہ وہ عورتوں کے قریب نہ جائیں گے سوا غسل واجب کے کسی دن نہائیں گے نہیں اور بچھونے پر سوئیں گے نہیں جب تک ان آدمیوں کو جو قتل عثمان میں شریک تھے قتل نہ کر لیں گے۔[1] اس طرح معاویہ نے پورے شام کو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے خلاف برانگیختہ کر دیا مگر آپ نے اپنی جانب سے اصلاح کی کوشش جاری رکھی۔ چنانچہ اسی کے لئے آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو دمشق بھیجا مگر اس کا کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کو صفین کی جنگ کے لئے فوجیں میدان میں آ گئیں۔ اب بھی آپ نے فہمائش اور نصیحت کا سلسلہ موقوف نہیں کیا۔ بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی ان تین آدمیوں کو معاویہ کے پاس روانہ فرمایا کہ وہ جا کر اتحاد و اتفاق اور اطاعت و اجتماع کی طرف دعوت دیں مگر اس امن پسندانہ پیش قدمی کا جواب یہ ملا کہ پلٹ جاؤ میرے پاس سے کیونکہ میرے تمہارے درمیان بس تلوار سے فیصلہ ہوگا۔[2] کہاں تو حاکم شام کے یہ جنگجویانہ انداز اور کہاں حضرت علیؑ کی وہ گفتگو جو آپ نے نمائندگان شام حبیب بن مسلم فہری، شرجیل بن سمط اور معن بن یزید بن اخنس کے سامنے فرمائی تھی جس میں آپ نے کہا تھا ''میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ باطل کو پامال کرنے اور حق کو زندہ کرنے کی جانب دعوت دیتا ہوں''۔[3] لیکن آپ کی یہ دعوت مسترد کر دی گئی اور بالآخر مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جانے لگا۔

اس جنگ کا آغاز اثناء اور انجام میں بہت سے جاذب توجہ امور پیش آتے رہے۔ پہلے یہ کہ اس جنگ میں بھی حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو ہدایت کر دی کہ جب تک دشمن ابتدا نہ کرے تم جنگ نہ کرنا۔[4] آپ نے ان تمام معرکوں میں جو نام نہاد مسلمانوں

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۳۵۔ [2] طبری ج ۵ ص ۲۴۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۴۔ [4] طبری ج ۵ ص ۲۳۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ساتھ پیش آئے ہیں برابر اپنی فوج کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس وقت تک جنگ نہ چھیڑنا جب تک کہ وہ ابتداء نہ کریں۔ اس لئے کہ تمہاری حجت بحمداللہ حقانیت کے لحاظ سے تو تمام ہے ہی اب یہ تمہارا جنگ میں ابتداء نہ کرنا اور ادھر سے ابتدا ہونا ان کے مقابلہ میں مزید اتمام حجت کا باعث ہو جائے گا اور جب لڑائی چھڑ جائے اور پھر دشمن کو شکست ہو تو کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا، کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا کسی عورت کی بے حرمتی نہ کرنا، کسی مقتول کے اعضاء قطع نہ کرنا، خیام میں بلا اجازت داخل نہ ہونا، ان کے مال و اسباب کو نہ لوٹنا اور دشمنوں کی عورتیں تمہیں اور تمہارے سرداروں کو گالیاں بھی دیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچانا۔[1]

اس کے علاوہ یہ بھی ایک واقعہ سامنے آیا کہ معاویہ کے مقدمتہ الجیش ابو الاعور سلمی نے نہر فرات پر قبضہ کر لیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ مجبوراً آپ نے پانی کے لئے جنگ کا حکم دیا۔ آپ کے لشکر نے ابو الاعور سلمی کی فوج سے گھاٹ چھین لیا اور یہ ارادہ کیا کہ اب دشمن کی فوج پر اسی طرح پانی بند کر دیا جائے جیسے اس نے ہم پر بند کیا تھا مگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے کہا کہ وہ ان کا فعل تھا مگر تم انہیں پانی سے نہ روکو۔ اطمینان کے ساتھ سیراب ہونے دو۔

اس سے یہ سبق دیا جا رہا تھا کہ ہماری مخالف جماعت انسانیت اور اخلاق میں کتنی ہی پست ہو جائے مگر ہم کو ہمیشہ بلند ظرفی سے کام لینا چاہئے اور اس کے کمینہ طرز عمل کا معاوضہ اس کے مثل سے نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں انسانیت کی بلندی کا تحفظ کرنا ضروری ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو مسلمانوں کی خونریزی سے بڑی تکلیف محسوس ہو رہی تھی چنانچہ آپ نے پکار کر امیر شام سے کہا کہ اس سے کیا حاصل ہے کہ عام مسلمانوں کا خون فیاضی کے ساتھ بہہ رہا ہے بس تم نکل آؤ میدان میں اور میں آجاؤں اور اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔[2] مگر معاویہ نے اس خطرہ کو اپنی ذات کے لئے مول نہ لیا۔ وہ دوسروں کے گلے کٹواتے رہے اور خود کبھی مقابلے کے لئے میدان میں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۶۔ [2] طبری ج ۶ ۲۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہیں آئے۔ برخلاف اس کے حضرت علیؑ جان کو جان نہ سمجھتے ہوئے برابر مجاہدین کی صفوں کے آگے آگے تھے اس لئے کہ ان کا ضمیر مطمئن تھا۔ وہ شہادت کے مشتاق تھے۔ ان کا تو قول تھا کہ میں موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ آغوش مادر سے مانوس ہوتا ہے۔ بے شک وہ اس موت کو ناپسند کرتے تھے جو بزدلی کے ساتھ بستر راحت پر ہو چنانچہ اصحاب سے فرماتے تھے کہ یاد رکھو اگر تم قتل نہ ہوئے تو اپنی موت مرو گے اور قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ہزار ضربتیں تلوار کی جو سر پر پڑیں آسان ہیں فرش خواب پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے۔[1] چنانچہ ان کا طرز عمل ہمیشہ اسی کا مظہر رہا تھا۔ ابتدائے شباب میں جب ہر انسان کو زندگی انتہائی عزیز ہوتی ہے، رسولؐ کا ارشاد کہ علیؑ میرے بستر پر سو رہو اور علیؑ کا بسر و چشم آمادہ ہو جانا اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی معلوم تھا کہ خون کے پیاسے دشمن کھنچی ہوئی تلواریں لئے قتل پر آمادہ ہیں مگر وہاں راہ حق میں موت تو خوشگوار سمجھی جاتی تھی۔

اسی جنگ صفین میں ایک موقع پر امام حسنؑ سے فرمایا۔

''تمہارے باپ کو کوئی پروا نہیں ہے کہ موت اس پر گر رہی ہے یا وہ خود موت کے اوپر گر رہا ہے''۔[2] پھر ایسے باپ کے جو بیٹے ہوں جن کے سامنے یہ سیرت ہو اور جن کے کانوں میں یہ باتیں پڑ رہی ہوں انہیں موت کا اندیشہ کیونکر رہ سکتا ہے چنانچہ حسینؑ اپنے بھائی حسنؑ اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس جنگ میں برابر سے حصہ لے رہے تھے اور سخت سے سخت موقعوں پر ثابت قدم کے جوہر دکھلا رہے تھے۔ تاریخ نے ایک ایسے موقع کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہ جب علیؑ بن ابی طالبؑ کے لشکر کا بڑا حصہ شکست کھا چکا تھا لکھا ہے کہ اس وقت نہیں رہ گئے تھے علیؑ کے پاس مگر بڑے فرض شناس اور پر جگر افراد اس وقت آپ نے اپنے گھوڑے کا رخ میسرہ کی جانب پھیرا کہ جدھر قبیلہ ربیعہ کے لوگ اب تک دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے راوی جس کا نام زید بن وہب جہنی ہے بیان کرتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا علیؑ کو کہ آپ ربیعہ کی فوج کی طرف جا رہے تھے اور آپ

---

[1] ارشاد ص ۱۲۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے فرزند حسنؑ، حسینؑ اور محمد حنفیہ آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور تیر علیؑ کے کان اور شانوں کے پاس سے گزر رہے تھے مگر آپ کے فرزند بڑھ بڑھ کر سپر بن جاتے تھے اور اپنے باپ کی حفاظت کرتے تھے۔[1] کیا یہ جذبہ فدا کاری اور قربانی کا معمولی مظاہرہ ہے جو علیؑ کی آنکھوں کے سامنے ان صاحب زادوں سے ظاہر ہو رہا تھا؟ کیا اس کے بعد کبھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ علیؑ کے یہ بہادر بیٹے موت کے ڈر سے کسی فرض میں کوتاہی کریں یا کسی باطل طاقت کے سامنے جان کے خوف سے سر جھکائیں؟

اسی صفین کے میدان میں ایک اور منظر کا بھی مشاہدہ ہوا۔ وہ یہ کہ عین جنگ کی حالت میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نگاہ آفتاب پر تھی۔ ابن عباس نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھتا ہوں نماز ظہر کا وقت آیا یا نہیں۔ ابن عباس نے عرض کیا، کیا یہ نماز کا موقع ہے؟ جنگ تو ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اور یہ ہماری جنگ کس بات کے لئے ہے؟ اسی نماز کے لئے تو جنگ کر رہے ہیں۔ یہ عبادت الٰہی کے فرض کی اہمیت کا ایک بے مثل عملی درس تھا کہ تیروں کی بارش ہو یا آگ برس رہی ہو جب نماز کا وقت آئے تو لازم ہے کہ اس فرض کے ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ جنگ کو بہت طول ہو چکا تھا۔ آخر ایک دن حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے طے کر لیا کہ اب مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد ہی جنگ کو موقوف کیا جائے گا۔ ایک دن اور رات مسلسل ہنگامہ دار و گیر برپا رہا جس کے نتیجہ میں فوج شام کے قدم اکھڑنے لگے اور معاویہ کو شکست کا یقین ہوگیا۔ مگر عمر بن العاص نے اس دن کے لئے ایک چال اٹھا رکھی تھی وہ یہ کہ فوراً قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے گئے اور ندا دی گئی کہ بھائیو یہ کتاب خدا ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی۔ شام والے سب ہلاک ہوگئے تو شام کے حدود کا کون نگہبان ہوگا۔[2] حالانکہ آغاز جنگ سے پہلے ہی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ قرآن کے فیصلہ کی دعوت دے چکے تھے مگر اس وقت کامیابی کے تخیلات کی بناء پر علیؑ کی دعوت کو مسترد کر دیا گیا۔ اب شکست کے آخری انجام سے بچنے کے لئے قرآن درمیان میں لایا جا رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنی فوج والوں کو اس مکاری اور چالبازی سے آگاہ کیا اور صاف

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۸۴۔ طبری ج ۶ ص ۱۰۔ [2] طبری ج ۶ ص ۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

فرمایا کہ یہ لوگ نہ اہل دین ہیں نہ اہل قرآن۔[1] مگر آپ کی فوج کے بہت سے لوگ آپ سے منحرف ہو کر اس بات پر مصر ہو گئے کہ اب تلوار روک لیجئے۔ نہیں تو ہمارے آپ کے درمیان تلوار چلے گی۔ یہ بڑی کشمکش کا موقع تھا دشمن سے مقابلہ کے ہنگام میں ایسی صورت پیدا ہو جانا کہ خود اپنی فوج میں تلوار چلنے لگے ایک انتہائی ہولناک صورت حال تھی جسے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ مجبوراً آپ نے جنگ کے التوا کا حکم دیا اور طے پایا کہ ایک حکم اہل شام کی طرف سے نامزد ہو اور ایک اہل کوفہ کی طرف سے مگر اہل شام کی طرف سے عمرو بن عاص ایسا امیر شام کا نفس ناطقہ مقرر کیا گیا اور جب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے چاہا کہ مالک اشتر یا عبداللہ بن عباس یا کسی دوسرے ایسے ہی اپنے مخلص اور خیر خواہ کو اپنی جانب سے مقرر کریں تو وہی اپنی فوج والے پھر بگڑ گئے کہ یہ لوگ تو بالکل اس جنگ کے ذمہ دار ہیں ہم ان کو کیونکر مقرر کریں۔[2] آخر سب نے ابو موسیٰ اشعری کو جو پہلے ہی حضرت علیؑ کی موافق سے گریز کر چکے تھے اپنی جانب سے مقرر کیا۔ مصلحت وقت یہی تھی کیونکہ اپنی جماعت میں خونریزی کا انسداد اسی پر موقوف تھا کہ حضرت بادل ناخواستہ اس کو برداشت کر لیں۔ یہاں تک کہ نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے تاہم آپ نے جو صلح نامہ لکھوایا اس کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

> ''علیؑ بن ابی طالبؑ ذمہ لیتے ہیں اہل کوفہ اور تمام ان مسلمانوں کا جو ان کے ساتھ ہیں اور معاویہ نے ذمہ داری لے لی ہے اہل شام اور تمام اپنے طرف داروں کی کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب کے فیصلہ پر دارومدار رکھتے ہیں اور سوا کتاب خدا کے کوئی شے ہم میں فیصلہ کن نہیں ہوگی اور کتاب خدا ہمارے سامنے رہے گی۔ شروع سے لے کر آخر تک ہم زندہ کریں گے اسی بات کو جسے خدا زندہ کرے اور مردہ کریں گے اس کو جسے کتاب خدا مردہ کرے۔ لہٰذا حکمین کو لازم ہوگا کہ وہ کتاب خدا پر نظر کریں اور جو کچھ اس میں ملے اس پر عمل کریں اور اگر کتاب خدا میں انہیں کوئی ہدایت نظر نہ آئے تو رسول خداؐ کی سنت پر جو اختلافی نہ ہو عمل کیا جائے گا''۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۷، ارشاد ص ۱۴۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس معاہدہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حکمین کو اپنی ذاتی رائے سے جو کسی سیاست دنیوی کا تقاضا ہو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود حکمین سے جو فیصلہ کے لئے مقرر ہوئے تھے فرمایا تھا کہ ''تم اس شرط پر حکم ہو کہ کتاب اللہ کے رو سے فیصلہ کرنا اور اگر تمہیں کتاب خدا کی رو سے فیصلہ نہ کرنا ہو تو تمہیں اپنے کو حکم نہیں سمجھنا چاہئے۔[1] دوسرے اشخاص کو بھی یہ بتا دیا گیا کہ حکمین پر یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بناء پر فیصلہ کریں اور اپنی ذاتی رائے کو کام میں نہ لائیں۔[2]

یہ اقرار نامہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو پایہ تکمیل تک پہنچا۔

باوجود حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی اس دور اندیشی اور احتیاط کے پھر بھی ساتھ والے مفسد آدمی فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز نہ آئے اور ابھی اقرار نامہ لکھا ہی گیا تھا کہ اسی وقت حضرت علیؑ کی فوج میں یہ آواز بلند ہوگئی کہ انسانوں کو حکم بنانا درست نہیں لا حکم الا اللہ یعنی حکم ہونا اللہ سے مخصوص ہے۔ اس آواز کا سب سے پہلا بلند کرنے والا قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص عروہ بن ادیہ تھا۔[3]

یہ جماعت خوارج کا سنگ بنیاد تھا۔ ان لوگوں نے حضرت علیؑ سے اصرار کیا کہ چلئے معاویہ سے جنگ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے وہی جواب دیا جو رسول خداؐ صلح حدیبیہ کے بعد دیتے تھے۔

''ہم نے نوشتہ دے دیا ہے۔ شرائط طے کئے ہیں۔ عہد و میثاق کر لیا ہے۔ اب اس کی مخالفت ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں حکم ہوا ہے کہ وفا کرو عہدو پیمان کے ساتھ اور قسم کھانے کے بعد اس کی مخالفت نہ کرو جبکہ تم نے اللہ کو اس کا ضامن بنا دیا ہے اور یقیناً اللہ تمہارے افعال و اعمال پر مطلع ہے''۔

آپ نے اس سختی کے ساتھ معاہدہ پر قیام کیا مگر حکمین نے خود شرائط مقررہ کی پابندی نہیں کی اور کتاب خدا و سنت رسولؐ سے کوئی سروکار نہیں رکھا چونکہ ابو موسیٰ سادہ لوح آدمی تھے اور جناب امیرؑ سے کوئی خلوص و محبت بھی نہیں رکھتے تھے، انہیں عمرو بن العاص

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۶ [2] طبری ج ۶ ص ۳۲ [3] اشعث ص ۴۴ [4] طبری ج ۶ ص ۳۰ و ۳۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے اپنی سیاست کا شکار بنالیا۔ اس طرح کہ جب وقت مقررہ پر دومتہ الجندل میں جو کوفہ و شام کے لحاظ سے بالکل وسط میں واقع تھا اور اس لئے فیصلہ کے لئے وہیں اجتماع طے پایا تھا۔ یہ لوگ یکجا ہوئے روزانہ ملاقات اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ قائم ہوگیا تو عمرو بن عاص نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب گفتگو ہو تو ابو موسیٰ اشعری کو اپنے اوپر مقدم قرار دیں اور کہیں کہ آپ بزرگ ہیں۔ رسول خداؐ کی صحابیت کا مجھ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں۔ آپ پہلے تقریر کیجئے پھر میں جو کہنا ہے کہوں گا۔ اس طرح عمرو عاص نے ابو موسیٰ اشعری پر اپنے خلوص وعقیدت کا اثر جمایا اور آئندہ کے لئے جو منصوبہ سوچا تھا اسکی تمہید قائم کر دی۔

پھر زیر بحث مسئلہ کے متعلق تبادلہ خیالات کیا اور ابو موسیٰ کو یہ پٹی پڑھائی کہ ہم دونوں فریق یعنی حضرت علیؑ اور معاویہ کو ایک ساتھ معزول کر دیں اور پھر مسلمانوں کو اختیار دیں کہ وہ ازسرنو جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ ابو موسیٰ اس فریب میں آگئے اور بہ خیال خود متفقہ حیثیت سے یہی طے کر لیا۔

جب فیصلہ کا وقت آیا اور طرفین کے آدمی فیصلہ سننے کو جمع ہوئے تو عمرو عاص نے حسب عادت ابو موسیٰ اشعری سے کہا ''بسم اللہ! آپ فرمایئے جو کچھ فرمانا ہے''۔ ان کو تو عادت پڑی ہی تھی کہ ہمیشہ گفتگو میں پہل وہ کریں۔ وہ بلا عذر تقریر کے لئے آمادہ ہوگئے عبداللہ بن عباس نے جو سمجھ دار آدمی تھے متنبہ بھی کیا کہ دیکھو عمرو بن عاص کہیں چوٹ نہ دے دے۔ پہلے اسے تقریر کر لینے دو پھر تم تقریر کرنا مگر ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ نہیں ہم نے باہم متفقہ طور پر ایک چیز طے کر لی ہے چنانچہ کھڑے ہوگئے اور حمد و ثناء کے بعد کہنے لگے کہ ''ہم نے انتہائی غور و خوض کے بعد ایسی بہترین صورت طے کی ہے جس سے افتراق و اختلاف کا خاتمہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ ہم دونوں علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور خلافت کو ازسرنو مسلمانوں کے حوالے کر دیں کہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں''۔ وہ یہ کہہ کر جونہی بیٹھے عمرو عاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''حضرات! آپ لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری کی تقریر سنی وہ علیؑ کے نمائندہ ہیں اور انہوں نے علیؑ کو معزول کر دیا ہے میں معاویہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے علیؑ کے معزول کرنے میں ان سے متفق ہوں مگر معاویہ کو میں برقرار کرتا ہوں''۔ یہ سننا تھا کہ ابو موسیٰ چیخ اٹھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''ارے یہ تو نے کیا کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے، تو نے غداری کی، بے ایمانی کی، تو کتے کی طرح ہے کہ چاہے اس پر حملہ کر دیا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو وہ بھونکنے سے باز نہ آئے گا''۔

عمرو عاص نے جواب دیا۔

''تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی گئی ہوں''۔

مجمع میں سے کوئی ابو موسیٰ کی طرف جھپٹ کر حملہ آور ہوا اور کوئی عمرو عاص پر۔ غرض اس ہڑبونگ اور ان تہذیب و اخلاق کے مظاہروں کے ساتھ یہ اجتماع منتشر ہوگیا۔[1] ظاہر ہے کہ اس طرح کی مکارانہ دھاندلی کو کسی باضابطہ فیصلہ کا درجہ دیا ہی نہیں جاسکتا تھا چنانچہ اسے کسی نے بھی صحیح تسلیم نہ کیا اور اختلاف جوں کا توں قائم رہ گیا لیکن اس سے حضرت علیؑ کی جماعت کے انتشار میں کچھ اور زیادتی ہوگئی۔

ادھر خوارج نے اپنی جماعت کو منظم کر کے مقابلہ کی تیاری کر دی جس سے ۳۸ھ میں جنگ نہروان کی صورت پیش آئی۔

واقعات کے اس طویل سلسلہ میں بڑے نتائج برآمد ہوئے تھے اور محسوس ہوتا تھا کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کے ہاتھوں جبکہ وہ خالص و مخلص، یکدل اور ہم آہنگ نہ ہوں کتنی کشمکش اور روحانی تکلیف کا سامنا ہوا ہے اور اس سے مقصد کو کس درجہ نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نہروان کے بعد بھی یہ فتنے اور شورشیں بالکل ختم نہیں ہوئیں۔ ایک طرف خوارج نہروان کے ہم خیال افراد جو جنگ میں نہیں گئے تھے اور شہروں کے اندر مقیم تھے حضرت امیرؑ کے خلاف فضا میں انتشار پیدا کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف امیر شام معاویہ جنہوں نے اہل کوفہ کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت کو زیادہ منظم کر لیا تھا برابر اطراف مملکت میں اپنی فوجیں بھیج کر بدامنی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے تھے جس میں خفیہ اور علانیہ ہر قسم کے اقدامات شامل تھے مثلاً مصر میں جناب امیرؑ کے بہت بڑے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۴۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاون مالک اشتر کا زہر دلوا کر خاتمہ کیا۔[1] اس کے بعد محمد بن ابی بکر گورنر بنا کر بھیجے گئے تو عمرو بن عاص نے خطوط لکھ کر خود مصر کے بعض عمائد سے ساز باز کی اور پھر اپنی فوج لے کر حملہ کر دیا۔ ادھر سے شام کی فوج اور ادھر سے خود مصر والوں کا ایک مسلح لشکر محمد بن ابی بکر مع اپنی جماعت کے چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے۔[2] آخر ان کی فوج نے شکست کھائی اور خود انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کئے گئے بلکہ لاش کو بھی آگ میں جلا دیا گیا۔[3] محمد ابن ابی بکر کے بعد مصر میں معاویہ کا تسلط قائم ہوگیا۔ اسی سے ان کی ہمت اور بڑھی چنانچہ ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر کی سرکردگی میں دو ہزار کی فوج نے عین التمر پر حملہ کیا جو ناکامی کے ساتھ پسپا ہوا۔[4] سفیان بن عوف غامدی نے چھ ہزار کی فوج کے ساتھ انبار پر حملہ کیا اور اشرس بن حسان بکری کو جو جناب امیرؑ کی طرف سے وہاں مقرر تھے ان کے تیس ہمراہیوں سمیت قتل کر دیا اور تمام مال و اسباب لوٹ کر واپس چلا گیا۔[5] عبداللہ بن مسعدہ خزاری نے سترہ سو آدمیوں کے ساتھ تیماء پر حملہ کیا۔ حضرت علیؑ نے مسیب بن نجبہ قراری کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا جنہوں نے جنگ کر کے اس کو شکست دی اور اس نے شام کی جانب فرار کیا۔[6] اسی صورت سے ضحاک بن قیس کو تین ہزار فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو لوٹ مار کرتی ہوئی قادسیہ کے حدود تک پہنچ گئی[7] اور حجر بن عدی فوج لے کر گئے تو اس نے فرار اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صفین کی جنگ کے بعد محسوس ہوگیا تھا کہ حضرت علیؑ سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کر لینا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہ گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کرلیا گیا تھا جس سے اسلامی مملکت میں ایک مستقل خلفشار قائم رکھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ کا سب سے اندوہناک سانحہ بسر بن ابی ارطاۃ کا تین ہزار کی فوج کے ساتھ حجاز پر حملہ تھا جس نے مدینہ اور مکہ والوں سے بجبر بیعت لینے کے بعد یمن کا رخ کیا اور وہاں کئی آدمیوں کو قتل کیا۔

عبید اللہ بن عباس کا مکان لوٹا اور ان کے دو کمسن بچوں کو ذبح کرا دیا۔ پھر جب

---

[1] طبری ج ۶ ص ۵۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۵۷۔ [3] طبری ج ۶ ص ۶۰۔ [4] طبری ج ۶ ص ۷۷۔ [5] طبری ج ۶ ص ۷۸۔ [6] طبری ج ۶ ص ۷۸۔ [7] طبری ج ۶ ص ۷۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حضرت علیؑ نے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا تو وہ مع اپنی فوج کے فرار کر گیا۔[1]

یہ بزدلی کا طریقہ جنگ حضرت علیؑ کے لئے انتہائی تکلیف کا باعث تھا۔ مجبوراً پھر آپ نے تہیہ فرما لیا تھا کہ دمشق پر فوج کشی کر کے ہمیشہ کے لئے اس قصہ کو ختم کیا جائے جس کے لئے آپ نے ایک نہایت پرزور خطبہ پڑھ کر مسلمانوں کو آمادہ کر لیا مگر اس کے بعد ایک ہفتہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ مسجد میں عین حالت نماز میں ۱۹ رماہ رمضان کو آپ کے سر مبارک پر ابن ملجم مرادی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی[2] جس کے اثر سے ۲۱ رماہ رمضان ۴۰ھ کو آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

اس وقت حسینؑ بن علیؑ چھتیس (۳۶) برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اس طولانی دور میں حسینؑ نے اپنے والد بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ سے کیا کچھ دیکھا، کیا کچھ سنا اور کتنا اثر لیا؟

مسلم الثبوت شیعی معتقدات سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی عام تاریخی حالات اور ظاہری اسباب کے ماتحت یہ اہم تجربات اور گراں قدر تعلیمات جو ایک ربع صدی سے زیادہ تک حضرت امام حسینؑ کو حاصل ہوتے رہے۔ ایک انسان کے بلندی اخلاق و صفات اور پختہ کاری کے قطعی ضامن اور ذمہ دار ہیں۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۸۰۔۸۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۸۴۔۸۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ساتواں باب

بنی امیہ کا اقتدار اور ان کی سیاسی روش

بنی امیہ اور اس طرح کے اکثر لوگ جو دبدبہ اور شکوہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے یعنی نفرت، دشمنی، غصہ، جذبہ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہ کر سکتے تھے مگر برابر موقع کے منتظر تھے کہ کس طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچائیں اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم ان خصوصیات امتیازی کو تبدیل کر دیں جو اس نے قائم کئے ہیں اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچا ہے اور اسلام کے پردے میں ہی سہی ان حدود و امتیازات کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔ انہوں نے اس کی تیاری تو رسولؐ کے زمانہ ہی سے شروع کر دی تھی مگر پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ پیغمبرؐ نے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے واسطے ہر طرح کوشش کی مگر ان کے جذبات وہی رہے اور ایک ذرا اسلام پر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے اور کبھی جذبات دلی زبان پر آ جاتے تھے چنانچہ جنگ حنین میں جب معدودے چند کے سوا باقی تمام مسلمان میدان جنگ سے رو بفرار ہوئے تو ابوسفیان نے کہا بس اب یہ سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے اور ایک نومسلم نے کہا بس اب جادو ختم ہو گیا۔[1]

وفات رسولؐ کے بعد ابوسفیان نے اسلام پر حملہ کرنے کی پہلی کوشش وہ کی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے پاس آ کر آپ کو تلوار اٹھانے پر آمادہ کرنا چاہا۔

یقیناً اس موقع پر اگر کوئی جذباتی انسان ہوتا تو ابوسفیان کا یہ حربہ اتنا کاری ثابت ہوتا کہ اسلام کی بنیاد ہل جاتی۔ مسلمان اسی وقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتے اور

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۲۸۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسلام کا شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا مگر وہ نور الٰہی سے دیکھنے والے نباض فطرت علیؑ تھے جنہوں نے مخاطب کے مقصد کو تاڑ لیا اور باوجود یکہ خلافت کا مستحق وہ صرف اپنے کو سمجھتے تھے پھر بھی ابوسفیان کو ڈانٹ کر جواب دیا کہ تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہو۔

جب ادھر سے مایوسی ہوئی تب ابوسفیان نے چولا بدلا ادھر جا کر مل گئے اور اس روش میں کامیابی بھی ہوگئی۔ اس طرح کہ ۱۳ھ ہجری کے آغاز میں خلیفہ اول ابوبکر نے ملک شام پر فوج کشی کا بندوبست کیا اور سات ہزار کے لشکر کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ سہیل بن عمرو اور دیگر شیوخ قریش کو مشیر کار بنایا گیا اور اس کے بعد جب کچھ اور فوج جمع ہوئی تو اس پر معاویہ ابن ابی سفیان کو افسر مقرر کر کے یزید کے پاس روانہ کیا گیا۔ [۲]

مجموعاً یہ ستائیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ ان لوگوں کی امداد کے لئے خالد بن الولید کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی فوج لے کر عراق سے پہنچ جائیں چنانچہ ۹ ہزار فوج لے کر وہ پہنچے۔ اس طرح مسلمانوں کا چھتیس ہزار کا لشکر ہوگیا۔ اسی وقت ان امراء میں سے ہر ایک کو ایک جگہ کی حکومت کے لئے نامزد بھی کر دیا گیا تھا چنانچہ ابوعبیدہ جراح کو حمص، شرجیل بن حسنہ کو شرق اردن، عمرو بن عاص اور علقمہ بن مجزر کو فلسطین اور یزید بن ابی سفیان کو دمشق کا حاکم قرار دیا گیا۔ [۳]

اس فوج میں خود ابی سفیان فوج کے سرداروں کا دل بہلانے کے لئے قصہ گوئی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ [۴]

ابوسفیان کی اولاد میں سے یزید اور معاویہ کے علاوہ ان کی ایک بہن جویریہ بنت ابی سفیان بھی اپنے شوہر کے ساتھ موجود تھیں اور انہوں نے جنگ میں شرکت بھی کی۔ [۵]

اس دوران میں خلیفہ اول کا انتقال ہوگیا لیکن ملک شام میں لڑائیاں ہوتی رہیں

---

۱ طبری ج ۴ ص ۲۸۔ ۲ طبری ج ۴ ص ۳۰۔ ۳ طبری ج ۴ ص ۳۲۔ ۴ طبری ج ۴ ص ۳۴۔
۵ طبری ج ۴ ص ۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہاں تک کہ رجب ۱۴ھ میں شہر دمشق فتح ہوا اور حسب قرارداد سابق یزید بن ابی سفیان وہاں کے حاکم ہوئے۔ [۱]

اس کے بعد تدریجاً شام کے دوسرے شہر بھی فتح ہوئے۔

۱۸ھ کے طاعون میں ابوعبیدہ اور یزید بن ابی سفیان دونوں کا انتقال ہوگیا۔ [۲]

ابوسفیان اس وقت مدینہ میں تھے۔ ان کو بیٹے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی کہ شام کے ملک کی چنانچہ خلیفہ دوم نے جب انہیں بلا کر یزید کے مرنے کی اطلاع دی تو انہوں نے فوراً یہ سوال کیا کہ آپ نے اس کی جگہ پر کسے مقرر کیا؟ جب معلوم ہوا کہ معاویہ کو وہاں کا حاکم بنا دیا گیا تو وہ خوش ہوگئے۔ [۳] اب معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق اور اس کے مضافات اور شرجیل بن حسنہ کو شرق اردن اور اس کے مضافات کی حکومت ملی۔ [۴] اس کے کچھ عرصہ کے بعد شرق اردن کی حکومت بھی معاویہ ہی کو مل گئی۔ [۵]

اس دور میں ابوسفیان وغیرہ نے خوب ہی فوائد حاصل کئے۔ یہاں تک کہ ہندہ مادر معاویہ۔ کو جنہیں ابوسفیان نے اب طلاق دے دی تھی مرکزی حکومت کے بیت المال سے چار ہزار درہم کی رقم قرض دی گئی جس سے انہوں نے تجارت شروع کی اور نفع خطیر حاصل کیا اور ابوسفیان دمشق گئے تو انہیں ایک دفعہ میں سو اشرفیاں بطور پرورش حاصل ہوئیں۔ [۶]

حالانکہ ان کے جذبات اسلام کے متعلق اب بھی خیر خواہی کے نہ تھے چنانچہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہء کارزار گرم تھا اس وقت ابوسفیان دور سے کھڑا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے نظر آتا تو کہتا تھا یا بنی الاصفر یعنی ''شاباش، اے ملک روم کے بہادرو'' اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت حاصل ہوتی تھی تو ابوسفیان کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا۔

---

۱ طبری ج ۴ ص ۵۵ و ۵۹۔ ۲ طبری ج ۴ ص ۳۰۲۔ ۳ طبری ج ۵ ص ۶۹۔ ۴ طبری ج ۴ ص ۲۰۲۔ ۵ طبری ج ۵ ص ۶۹۔ ۶ طبری ج ۵ ص ۳۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

و بنوالاصفر الملوک ملوک الروم لم یبق منهم مذکور

مطلب یہ تھا کہ ''ہائے افسوس سلطنت روم کے پر شوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے''۔ عبداللہ بن زبیر نے اس واقعہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے باپ زبیر سے بیان کیا۔ اس وقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی زبیر نے کہا خدا اسے غارت کرے، یہ نفاق سے باز نہ آئے گا کیا ہم اس کے لئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں؟[1]

اس کے بعد ۲۳ھ میں جب عثمان خلیفہ ہوئے تو چونکہ وہ خاندان بنی امیہ کے ایک فرد تھے ابوسفیان وغیرہ سمجھے کہ اب ہماری بن آئی۔ دلی جذبات اتنی قوت کے ساتھ ابلے کہ تاب نہ رہی۔

ابوسفیان ان کے پاس آیا۔ وہ اس وقت بہت بوڑھا تھا اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا اس نے کہا بڑی مدت کے انتظار کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے۔ اب اس کو گیند کی طرح اپنی مرضی کے مطابق گردش دو اور بنی امیہ کے ذریعہ اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو۔ اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیوی سلطنت۔ رہ گیا جنت و دوزخ اس کو میں کچھ سمجھتا نہیں۔[2]

چنانچہ ابوسفیان کے خاندان والوں نے اس خلافت سے خوب فائدہ اٹھایا اور کوئی شک نہیں کہ ابوسفیان نے اپنے دنیوی خوابوں کی تعبیر اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ ۳۱ھ تک دمشق اور شرق اردن کے ساتھ ساتھ حمص، قنسرین اور فلسطین بھی معاویہ کے زیر نگین ہو گئے اور وہ بلا شرکتِ غیرے پورے ملک پر قابض قرار دے دیئے گئے۔[3]

اسی ۳۱ھ میں ابوسفیان بن حرب ۸۸ برس کی عمر میں رہ سپار عالم آخرت ہوئے۔[4]

مگر وہ مشورہ جو انہوں نے خلیفہ سوم کو دے دیا تھا وہی ان کے بعد ان کی جان جانے کا باعث ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اپنی سب سے پہلی ملاقات میں

---

[1] استیعاب۔ [2] استیعاب۔ [3] طبری ج ۵ ص ۶۹۔ [4] طبری ج ۵ ص ۷۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جو اصلاح حالات کے لئے خلیفہ ثالث سے کی تھی ان سے صاف کہہ دیا تھا کہ آپ اپنے قرابت داروں کے ساتھ غیر معمولی مراعاتیں برتتے ہیں۔ ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں انتہا یہ ہے کہ معاویہ بغیر آپ کی مرضی کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ عثمان کا حکم ہے۔ آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور پھر بھی آپ معاویہ کو اس پر کوئی تنبیہہ نہیں کرتے۔[1]

اب حضرت عثمان کے منہ پر یہ کہا جانے لگا تھا کہ ان کے بعد عالم اسلامی کی خلافت معاویہ کو ملے گی اور اس کی کوئی رد نہ کی جاتی تھی۔[2]

غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ان کا محاصرہ ہوا اور انہوں نے معاویہ کو مدد کے لئے لکھا تو معاویہ نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی بلکہ نتیجہ کے منتظر ہوگئے۔[3] کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے بعد خلافت مجھے ملے گی اور عمرو بن عاص تو صاف صاف عثمان کے خلاف اشتعال انگیزی کرتے تھے اور جب قصر حکومت کا محاصرہ ہوگیا تو وہ فلسطین جا کر اپنی کوششوں کے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہر آنے والے سے مدینہ کا حال بڑی بے تابی سے دریافت کرتے تھے یہاں تک کہ جب قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا کیا کہنا میرا۔ یہ تو میری ہی کوشش کا نتیجہ ہے۔[4]

اس کے بعد یہی عمرو بن عاص معاویہ کے دست راست بنے اور بڑے مناصب حاصل کئے۔ انہوں نے خود ایک موقع پر معاویہ سے صاف کہہ دیا کہ اگر حقانیت سامنے ہوتی تو ہم تمہارا ساتھ ہی کیوں دیتے۔ علیؑ کا ساتھ نہ دیتے جن کے اسلامی خدمات، فضیلت اور رسولؐ سے قرابت سب کو معلوم ہے مگر ہمارے پیش نظر تو دنیا ہے اسی لئے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔[5]

آل ابوسفیان نے شام میں حکومت قائم کرنے کے بعد ابتدا ہی سے اپنی سیاسی روش شاہانہ رکھی کوئی سیاح اگر ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے اسلامی سادگی اور مساوات کی مثالیں دیکھ چکا ہوتا اور پھر شام جا کر وہاں کے تزک و احتشام کا مشاہدہ کرتا تو وہ حیرت و استعجاب کی ایک دنیا میں چکر لگانے لگتا وہ سادگی جو اسلامی زندگی کا طرۂ امتیاز تھی وہاں نام

---

[1] طبری ج ۵ ص ۹۷۔ [2] طبری ج ۵ ص ۱۰۰۔ [3] طبری ج ۵ ص ۱۱۵۔ [4] طبری ج ۵ ص ۱۰۸۔۱۰۹ و ۱۱۱۔ [5] طبری ج ۵ ص ۲۳۵۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ونشان کو بھی نہ تھی بلکہ اس کے بجائے ملوکانہ عظمت و جلالت کے مظاہرات پوری طاقت کے ساتھ نظر آتے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا اور پیغمبر اسلامؐ کے جاری کئے ہوئے طرز زندگی سے مانوس بعض صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ اس طرح اسلام کا اصول، قدرو قیمت اور معیار عظمت جو اس نے بڑی کوشش سے دنیوی جاہ وشوکت کی قدرو قیمت کو مٹا کر قائم کیا تھا فنا ہو جائے گا چنانچہ معاویہ نے پانی پینے کے پیالے سونے کے زیادہ وزن پر فروخت کئے تو ابو درداء صحابی نے منع کیا اور کہا ہم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ زیادہ وزن پر خرید منع ہے۔ معاویہ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ سن کر ابو درداء نے کہا کیا خوب! میں تو رسول اللہؐ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اپنی رائے ظاہر کر رہے ہو میں ایسے مقام پر جہاں تم ہو نہیں رہوں گا۔

عبادہ بن صامت مشہور صحابی کے ساتھ بھی سونے کی بیع وشراء کے معاملہ میں اسی طرح کا قصہ ہوا تھا اور معاویہ نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم اس کو کسی طرح برا نہیں سمجھتے۔ عبادہ نے کہا میں تو رسول خداؐ کا حکم بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو خدا مجھے اس جگہ سے نکالے میں اس سرزمین پر ہرگز نہ رہوں گا جس پر تم حاکم ہو۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کشمکش دمشق کی سیاست اور پرستاران شریعت میں اس وقت سے شروع ہوگئی تھی۔

اس کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری تیسری خلافت کے دور میں ایک جہاد کے سلسلہ میں شام کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں پر شراب کی مشکیں بھری ہوئی جا رہی ہیں وہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے نیزہ سے ان مشکوں کو چاک کر دیا۔ غلاموں نے مزاحمت کی اور یہ خبر معاویہ کو پہنچائی۔ انہوں نے کہا چھوڑو اس بڈھے کو اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا میری عقل نہیں گئی ہے مگر رسول اللہؐ نے ہم کو ممانعت فرمائی ہے کہ شراب ہمارے مشکوں اور ہمارے ظروف میں داخل نہ ہو۔[2]

انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ ان سن رسیدہ افراد کو جو صحابہ رسولؐ میں محسوب ہوتے تھے معاویہ سے تنفر پیدا ہوگیا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ معاویہ اہل شام کی ایک

---

[1] سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۷۔ [2] اصابہ ج ۲ ص ۴۰۱۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جماعت کے ساتھ جبکہ وہ مکہ معظمہ حج کو گئے ہوئے تھے۔ صبح سویرے سعد بن ابی وقاص کی طرف سے گزرے۔ انہیں سلام کیا مگر سعد نے جواب نہیں دیا۔ معاویہ نے اپنی خفت مٹانے کو اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ یہ سعد ہیں، حضرت رسولؐ کے صحابی۔ ان کا اصول ہے کہ سورج طالع ہونے تک کسی آدمی سے بات نہیں کرتے سعد کو یہ خبر معلوم ہوئی کہا اس کی کوئی اصلیت نہیں مگر بخدا میں نے اس سے بات کرنا پسند نہ کی۔[1]

اس کے بعد سلطنت دمشق جتنی طاقتور ہوتی گئی اتنا ہی اس نے اسلامی تمدن کے بجائے دنیا دارانہ تمدن کو فروغ دیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی قدر و قیمت کے معیار اور وہ امتیازات ختم ہو گئے جو اسلام کے سادہ اور غرباء پرور اصول نے قائم کئے تھے۔ اس کا ایک نمونہ ہے ۳۰ھ میں حضرت ابوذر غفاری کا جلا وطن کیا جانا۔ ان کا ایک قصور یہ تھا کہ وہ اس سرمایہ پرستی کی مذمت کرتے تھے جو انہیں اس وقت اسلامی ملک میں نظر آرہی تھی۔ وہ غریب مسلمانوں کو بھوکا مرتے دیکھتے تو دمشق کی گلیوں میں وہ آیتیں قرآن کی پڑھتے پھرتے تھے جو سرمایہ پرستی کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جو سونا چاندی خزانوں میں جمع کر رہے ہیں اور انہیں راہ خدا میں صرف نہیں کرتے انہیں منتظر رہنا چاہئے اس وقت کا کہ جب آتشِ جہنم سے ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی۔[2]

یہ بھی تھا کہ وہ حکومت کی خوشامد نہیں کرتے تھے بلکہ موقع پر سچی بات کہہ گزرتے تھے چنانچہ جب معاویہ نے قصر خضرا کی تعمیر کی تو ابوذر سے پوچھا کیوں اسے آپ کیسا سمجھتے ہیں؟ حضرت ابوذر نے فرمایا اگر تم نے اسے خدا کے مال سے بنایا ہے تو تم نے خیانت کی اور اگر خود اپنے ذاتی مال سے بنایا ہے تو اسراف کیا۔[3]

مزاج قیصریت اس کا متحمل کب ہوسکتا تھا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شکایت دارالسلطنت مدینہ میں بھیجی گئی اور وہاں سے ہدایت ہوئی کہ ابوذر کو مدینہ کی طرف روانہ کردو۔[4]

---

[1] انوار راء والکتاب ص ۲۶۔ [2] طبری ج ۵ ص ۶۶۔ [3] کتاب البلدان ص ۱۵۶۔ [4] طبری ج ۵ ص ۶۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابوذر شام سے مدینہ بھیج دیئے گئے اور یہاں پہنچ کر بجائے اس کے کہ معاویہ کو کچھ تنبیہہ کی جاتی اس جلیل القدر صحابی کو مدینہ سے نکلنے کا حکم ہو گیا۔ مسافرت اور بے سروسامانی، آس پاس کوئی ہمدرد کیسا شناسا تک نہیں۔ آخر یہ شدائید نہ اٹھ سکے۔ ۳۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

جب ابوذر کی حالت خراب ہوئی پاس صرف بیوی اور ایک لڑکی تھی۔ ابوذر نے ان کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد تم دونوں مل کر مجھے غسل دینا، کفن پہنانا اور پھر لاش کو نئے جا کر قافلہ کی گزرگاہ پر لٹا دینا اور جو قافلہ ادھر سے گزرے اس سے کہنا یہ رسولؐ خدا کا صحابی ابوذر ہے اس کو دفن کرا دو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو غمزدہ ماں بیٹی نے اسی ہدایت پر عمل کیا۔ لاش کے ساتھ سرراہ آ کر بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً عبداللہ بن مسعود اہل عراق کے ایک قافلہ کے ہمراہ جو مکہ معظمہ حج کے لئے جا رہا تھا ادھر سے گزرے۔ روتی ہوئی خاتون اور بچی کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور دریافت حال کیا۔ مصیبت زدوں نے کہا ''لوگو! رسولؐ کے مظلوم صحابی ابوذر نے غربت کے عالم میں وفات پائی۔ انہی کا لاشہ ہے جو بے گوروکفن پڑا ہے۔ ابن مسعود اور ان کے ساتھی چیخیں مار مار کر رونے لگے اور انہوں نے ابوذر کو دفن کیا۔

یہ حکومت وقت کی سیات ملوکانہ کے خلاف پہلی قربانی تھی جو رسولؐ کے مقدس صحابی حضرت ابوذر غفاری نے پیش کی۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ ابوذر غفاری اور عبدالرحمٰن بن سہل انصاری اپنی فرض شناسی کی بناء پر اسلام کے قائم کردہ حدود امتیازات میں بڑی عظمت کے مستحق تھے مگر موجودہ سیاست کے حدود میں وہ بالکل کم حقیقت اور بے وقعت ہو گئے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اسلامی انقلاب کی جگہ قدامت پرستانہ انقلاب فتح پانے لگا اور اسلام کے مقررکردہ حدود کی بجائے دوسرے حدود و امتیازات قائم ہو گئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آٹھواں باب

پیغمبر خداؐ کے بعد اسلامی مفاد کے محافظین ان میں اور مخالف قوتوں میں تصادم اور اس کے نتائج

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد پیغمبرؐ کے حقیقی ورثہ دار جو ان کے اہل بیتؑ تھے اسلامی انقلاب اور اس کے خصوصیات و امتیازات کے محافظ تھے۔ دنیا میں عالی شان محل تعمیر ہو چکے تھے لیکن ان کا وہی چھوٹا سا مکان تھا جس میں انہیں پیغمبرؐ نے رکھ دیا تھا۔ دنیا کے محلات میں ریشمی پردے دروازوں پر ہو گئے تھے مگر ان کے دروازے پر وہی پھٹا ہوا پردہ اب بھی نظر آتا تھا۔ دنیا کے جسم پر حریر و دیبا نظر آتا تھا لیکن یہ کھدر کا ملبوس اب بھی زیب تن کرتے تھے دنیا مفتوحہ ممالک کی دولت سے چین کرتی اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتی تھی مگر یہ اب بھی اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کمانا اور مال حلال کی تلاش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور جو دولت ملتی اسے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی نذر کر دیتے اور اس بناء پر ان میں اور اس کے متوازی دوسرے انقلاب کے علم برداروں میں کشمکش لازمی تھی۔ حضرت علیؑ سے معاویہ کا تصادم جس کے بہت سے واقعات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اسی کشمکش کا نتیجہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت اور اس کے علاوہ جب کبھی بھی مقابلہ پڑا ہے دنیا میں آل رسولؐ کے ساتھی کم نکلے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس کے وجوہ اقتصادی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ نفسیاتی بھی اور نسلی بھی۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام قدیم امتیازات کو مٹا کر مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس نے امتیاز صرف فرائض انسانی کی زیادہ سے زیادہ بجا آوری کی بناء پر قرار دیا تھا۔ مشترکہ دولت جو مال غنیمت سے حاصل ہوتی ہے اس کی اس طرح تقسیم کہ جس میں جانبداری اور عدم مساوات پیدا ہو جائے اسلام کے اصول کے خلاف تھی اور اسلام کے سچے محافظین اس کے قریب نہ جا سکتے تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس لئے آل رسولؐ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ خزانہ میں روپیہ جمع کر کے دولت مند بنیں اور خصوصیت سے ان لوگوں کو زر و جواہر سے مالا مال کریں جن سے ان کو اپنے اقتدار کے قوی بنانے میں فائدہ کی امید ہو۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ جو کچھ بیت المال میں آتا ہے روز کا روز تقسیم کر دیتے ہیں اور پھر بیت المال میں جھاڑو دلوا دیتے ہیں اور وہیں پر نماز پڑھتے ہیں کہ وہ زمین خدا کے یہاں گواہی دے کہ علیؑ نے مسلمانوں کے مال کے پہنچانے میں مستحق لوگوں تک دریغ نہیں کیا۔[1]

اصفہان سے مال آتا ہے۔ اس وقت اتفاق سے سات آدمی صاحب استحقاق موجود ہیں۔ آپ نے تمام مال کے ساتھ برابر حصے کر دیئے اور ایک روٹی بھی اس مال میں نظر آگئی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کر کے ہر حصہ میں ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ ممکن ہے خیال کیا جائے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا آدمی کو لحاظ نہیں کرنا چاہئے اور اس روٹی کو کسی ایک حصہ میں شامل کر دیا جاتا تو بظاہر شریعت کے مطابق کوئی جرم نہ تھا مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ذہنیت عوام کی تشکیل ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ تو عوام کی ذہنیت اسی مساوات کے سانچے میں ڈھالنے کا کام انجام دے رہے تھے جسے رسولؐ نے سکھایا تھا اور مسلمان رسولؐ کی رحلت کے بعد اسے بھلا بیٹھے تھے۔

اس کے برخلاف امیر شام کے یہاں ان باتوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہاں اپنے اقتدار کے قائم رکھنے کے لئے خزانہ کا منہ کھلا تھا اور جس کو مطلب کا سمجھا جاتا تھا اسے مالا مال کر دیا جاتا تھا پھر لوگ جو امتیازات کے عادی ہو چکے تھے ان کا ساتھ دیتے یا ان کا؟

دنیا کی تو یہ حالت ہے کہ چاہے ملے ملائے کچھ نہیں لیکن اگر معلوم ہو کہ کسی کے پاس روپیہ بہت ہے اور خزانہ میں دولت جمع ہے تو یہی اس کا اثر قائم ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس طرح اس کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ یہاں حضرت علیؑ کی یہ کیفیت کہ منبر پر اپنی تلوار کے فروخت کا اعلان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مجھے ایک لباس کی ضرورت ہے جو بغیر اس تلوار کے فروخت کئے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ عبدالرزاق محدث نے

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ اس حالت میں تھا کہ جب سوا شام کے تمام عالم اسلام کی سلطنت آپ کے قبضہ میں تھی۔[1] ہر ایک حریص شخص سمجھتا تھا کہ جس کے پاس خود اپنے لباس کے لئے روپیہ نہ ہو اس کے پاس ناحق کسی دوسرے کو دینے کے لئے روپیہ کہاں ہوسکتا ہے۔

دنیا ظاہری طمطراق اور آؤ بھگت سے بھی مرعوب ہوتی ہے مگر یہاں یہ حالت تھی کہ جناب امیرؑ اپنی حکومت کے زمانے میں کبھی اس کو عار نہ سمجھتے تھے کہ میثم تمار کی دکان پر خرید و فروخت کریں۔ بازار میں قنبر کو ساتھ لے کر گئے اور دو پیراہن خرید کئے۔ ایک سات درہم کا اور ایک پانچ درہم کا۔ سات درہم کا پیراہن قنبر کو دیا اور پانچ درہم کا خود زیب بدن کیا۔ قنبر نے کہا یہ زیادہ قیمت والا آپ لیں۔ کوئی اور ہوتا اور وہ ایسا کرتا تو شاید جواب دیتا کہ میں مساوات کے پھیلانے اور غلاموں کا درجہ بلند کرنے کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ علیؑ کا مقصد یقیناً ایسا ہی تھا لیکن اگر یہ جواب دیتے تو اس میں خود عدم مساوات کا پہلو مضمر تھا۔ سننے والے کو احساس غلامی ضرور پیدا ہو جاتا اس لئے آپ نے ایسا جواب دیا جو اپنے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ فرمایا قنبر! تم نوعمر ہو، تمہیں وہی پیراہن اچھا معلوم ہوتا ہے میرا کیا میں یہی پہن لوں گا۔ ان باتوں کی قدر اہل دنیا کہاں کر سکتے تھے اور ان کے دل پر ان باتوں کا اثر کہاں قائم ہوسکتا تھا۔

اس کے علاوہ اسلام نے ان تمام مقتدر اشخاص اور جماعتوں کے امتیازات کو ختم کیا تھا جو اس کے پہلے برسر اقتدار تھیں۔ وہ مقتدر جماعتیں آپس میں کتنی ہی رقیبانہ چشمک رکھتی ہوں لیکن اسلام سے زخم خوردہ وہ سب ہی تھیں۔ اس لئے اسلام کے حقیقی مقصد اور قائم کردہ امتیاز کے مٹانے میں وہ سب ہم آہنگ بن سکتی تھیں کیونکہ اس کے مٹانے میں ان میں سے ہر ایک کے اقتدار رفتہ کی واپسی منحصر تھی اور پھر سابقہ کی شکستوں کا اثر سب ہی پر تھا اور سب ہی میں جذبہ انتقام پایا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی کہ اسلام نے اپنے اصول مساوات کی تلقین سے خود قوم عرب کا بحیثیت قوم بھی امتیاز خاص ختم کیا تھا اور پردیسیوں

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۴۷۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے حقوق پر بڑا زور دے دیا تھا اور غیر عربی عناصر جو آتے تھے انہیں عربوں کے برابر حقوق دیئے جاتے تھے۔ یہ بات تمام عرب ہی کے گھلنے کی تھی۔ بنی امیہ نے اپنے دور میں عربی تعصب کا مظاہرہ کر کے عربی قومیت کے امتیاز کی حمایت کی اور موالی اور اعجام کی کور دبانے کی کوشش کی چنانچہ اس دور کے امتیازی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ عرب اور غیر عرب کا سوال پیدا ہوگیا۔ بنی امیہ کی اس سیاسی روش کا قدرتاً یہ نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ عرب زیادہ تر بنی امیہ کے طرفدار ہو جاتے۔ بنی ہاشم اسلامی اصول کے حامی ہونے کی وجہ سے عربی قومیت کے اس جذبہ کی طرفداری نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کا عرب کی جانبداری کا پہلو کمزور تھا۔ اس کی تصدیق اس سے ہو سکے گی کہ اس کے بعد جب بنی امیہ کے خلاف ہاشمیین یعنی بنی عباس وغیرہ نے علم بلند کیا تو ہاشمیین کا ساتھ دینے والی موالی اور عجم زیادہ تھے۔

بنی ہاشم کے قدیمی روایات اور سیادت و شرافت کے امتیاز کی وجہ سے عرب خاندانوں کو ان سے پہلے ہی حسد و عناد تھا۔ اس لئے نسلی تعصبات بھی مخالفت پر آمادہ کرتے تھے اور عرب میں قبائلی نظام بڑی قوت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر قبیلہ کے سرگروہ اور بڑے افراد اپنے جذبات کی بناء پر جس راستے پر جاتے تھے عوام اور پست افراد اہل قبیلہ بھی ان ہی کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ لیڈروں کے پابند ہوتے ہیں اور لیڈر زیادہ تر جذبات کے شکنجہ میں قید ہوتے ہیں انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ آل رسولؐ کے مقابلہ میں ان کے مخالفین کی تعداد زیادہ رہتی تھی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نواں باب

حسن مجتبیٰؑ کی صلح اور اس کے نتائج

۴۰ھ ۶۰ھ

انتقال فرمانے سے پہلے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ایک تحریری وصیت نامہ امام حسنؑ کے نام لکھا اور اس پر امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ اور اپنی دیگر اولاد، اعزا اور مخصوص اصحاب کی گواہیاں لکھوائیں اور وصیت نامہ حسن مجتبیٰؑ کو سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم اسے حسینؑ کے سپرد کر دینا۔[1] اس کے علاوہ ایک وصیت آپ نے حسنؑ اور حسینؑ دونوں بھائیوں سے مشترک طور پر فرمائی وہ یہ تھی کہ ''میں تم کو فرض شناسی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم کبھی دنیا کے طلب گار نہ ہونا، چاہے وہ دنیا خود تمہاری طلبگار ہو اور کسی دنیوی نقصان پر کبھی رنجیدہ نہ ہونا اور ہمیشہ حق کے لئے زبان کھولنا اور ثواب کے لئے کام کرنا اور ظالم کے مدمقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا۔[2] میں تم کو اپنی تمام اولاد اور اعزا اور ان لوگوں کو جن تک میرا پیغام پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا اور اپنے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دینا اور اپنے درمیانی جھگڑوں کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرتے رہنا اور دیکھو یتیموں کا خیال رکھنا، ان کی برابر خبر گیری کرتے رہنا اور پڑوسیوں کا خیال رکھنا اس لئے کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی اور دیکھو قرآن کا خیال رکھنا تم سے بڑھ کر کوئی قرآن پر عمل کرنے والا نہ ہو اور نماز کا خیال رکھنا یہ تمہارے دین کا ستون ہے اور اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کا خیال رکھنا زندگی بھر اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا اور دیکھو خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا اور آپس میں صلہ رحم رکھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کے ساتھ پیش

---

[1] کافی ج ۱ ص ۳۱۴۔ [2] طبری ج ۶ ص

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آنا اور دیکھو کبھی خلق خدا کو نیک اعمال کی ترغیب دینے اور بداعمالیوں سے روکنے سے باز نہ آنا تاکہ تم پر برے لوگوں کا اقتدار قائم نہ ہونے پائے۔ [1] اور دیکھو میرے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ بنی ہاشم مسلمانوں میں میرے خون کے بہانے سے خوریزی شروع کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ میرے خون کے قصاص کے طور پر بس میرے قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو ایک ضربت کی پاداش میں بس ایک ہی ضربت لگائی جائے اور اس کو ہرگز مثلہ نہ کیا جائے۔ یعنی اعضاء و جوارح قطع نہ کئے جائیں۔ اس لئے کہ رسول اللہؐ فرما گئے ہیں کہ خبردار کسی کو مثلہ نہ کرو چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ [2]

نفسیات کے واقف کار خوب جانتے ہیں کہ کچھ وہ حالات ہوتے ہیں جن میں بات پتھر کی لکیر کی طرح سننے والے کے دل پر جم جاتی ہے۔ یہ صورت کہ ایک بزرگ مرتبہ واجب الاطاعت باپ بستر بیماری پر ہے۔ اس کی رحلت کا ہنگام قریب ہے اور اس وقت وہ اپنے تمام اہل بیتؑ میں سے دو ایک سعید فرزندوں کو خصوصیت کے ساتھ بلا کر کوئی خاص بات کہتا ہے یقیناً اس وقت کی کہی ہوئی بات ان فرزندوں کے دل و دماغ پر ایسا اثر کرے گی جیسا کسی دوسرے صبر وسکون کے لمحوں کی بات اثر نہیں کرسکتی۔

عام دنیا سے جانے والے باپ اس وقت اپنی اولاد سے وصیت اپنے گھر کے نجی معاملات کے متعلق کرتے ہیں مگر آل محمدؐ تو دین و شریعت، کتاب اور سنت کو اپنے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت پر جو وصیتیں کی ہیں وہ سراسر مفاد عامہ، مفاد شریعت اور احکام الٰہی سے متعلق تھیں۔

یوں تو یہ فرزند وہ تھے جو خود صحیح اور مناسب ہی کام کرتے مگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو تو بظاہر اسباب ایک مربی باپ کی طرح اپنا فرض انجام دینا تھا جس کا نتیجہ یہ

---

[1] نہج البلاغہ ج ۲ ص ۷۸۔۷۹۔ طبری اور ابو الفرج اصفہانی نے ان میں سے اکثر فقرات کو امام حسنؑ کے نام کے تحریری وصیت نامہ میں درج کیا ہے۔ مقاتل الطالبیین ص ۲۵۔۲۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۸۶ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہونا چاہئے کہ ان وصیتوں کا ہر ہر لفظ سعادت شعار بیٹوں کے دل پر نقش ہو جائے۔ یہ الفاظ ان کے کانوں میں ہمیشہ گونجتے رہیں کہ فرض شناسی کو اپنا اصول رکھنا، دنیوی جاہ و اقتدار کے کبھی طالب نہ ہونا، دنیوی نقصان کی کبھی پروا نہ کرنا، زبان پر حق کو جاری رکھنا، ظالم کے مدمقابل رہنا اور مظلوم کے مددگار رہنا۔ چنانچہ ان تمام تعلیمات کو دونوں فرزندوں نے اپنے عمل سے مجسم شکل میں پیش کیا اور آپس میں ہم آہنگی کو بھی ہر صورت میں برقرار رکھا۔

یہ الفاظ کہ ''خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اچھی باتوں کی ہدایت اور بری باتوں سے ممانعت) کو کبھی ترک نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر برے لوگوں کا اقتدار قائم ہو جائے''۔

خصوصیت کے ساتھ ان کو عملی جامہ پہنانے کا جس طرح حسینؑ کو موقع ملا وہ دنیا کی تاریخ میں یادگار ہے۔

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر آپ کے بڑے فرزند امام حسنؑ کی خلافت تسلیم کی۔ آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے خاص طور پر آپ کی سیرت اور ترک دنیا کا تذکرہ کیا اور اس ذکر میں گریہ آپ کے گلوگیر ہوا اور تمام حاضرین بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عباس نے کھڑے ہو کر لوگوں کو آپ کی بیعت کرنے کی طرف دعوت دی اور سب نے برضا و رغبت آپ کی بیعت کی۔ یہ جمعہ کے دن ۲۱/ماہ رمضان ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔[1] آپ نے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ قول و قرار لے لیا تھا کہ اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی۔ اس کے بعد آپ ملک کے بندوبست کی طرف متوجہ ہوئے۔

---

[1] ارشاد ص ۱۹۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اطراف میں عمال مقرر کئے، حکام معین کئے اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

ابھی ملک حضرت علیؑ کے غم میں سوگوار ہی تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ معاویہ کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہوگئی اور ان کے خفیہ کارکن ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں اور ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوشگوار بنائیں۔ غنیمت ہے کہ اس کا انکشاف ہوگیا۔ حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قین والا آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''تم اپنی دراندازیوں سے باز نہیں آتے ہو۔ تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں بغاوت پیدا کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہشمند ہو۔ ایسا ہے تو پھر تیار رہو یہ منزل کچھ دور نہیں ہے نیز مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفات پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے موت سب کے لئے ہے آج ہمیں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے کوئی ایک مکان سے منتقل ہو کر اپنے دوسرے مکان میں جائے اور آرام کی نیند سوئے''۔ اس خط کے بعد معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی رد و بدل ہوئی۔[1]

بہرحال ان واقعات سے یہ امر بالکل ظاہر ہوگیا کہ امیر شام معاویہ کو جناب امیرؑ کی ذات سے کوئی وقتی عداوت نہ تھی ورنہ وہ ان کی شہادت کے ساتھ ختم ہو جاتی بلکہ یہ آل رسولؐ سے ایک مستقل دشمنی ہے جس کے نتائج آئندہ دیکھئے کیا ہوں۔ یہ بھی اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ ملک میں دشمن کے جاسوسوں اور مخبروں کے لئے جائے پناہ موجود ہے

---

[1] ارشاد ص ۱۹۲۔۱۹۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور اگر دو ایک واقعات کا انکشاف ہوا اور دو آدمی گرفتار ہو گئے تو یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے ہی کچھ دوسرے لوگ موجود نہیں ہیں جن کا انکشاف نہیں ہو سکا ہے اور جنہیں کافی کام کرنے کا موقع مل رہا ہے بہرحال امام حسنؑ دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار تھے اور حق کے بارے میں اس کے ساتھ کوئی مراعات کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ بیشک آپ کو اور آپ کے ساتھ حسینؑ کو اپنے ملک کی فضا کی طرف سے بے اطمینانی ضرور تھی۔ اس لئے کہ خوارج کے فتنہ کے بعد سے خود اہل کوفہ میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے مگر قرابت، دوستی یا کسی اور وجہ سے خوارج کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ حضرت امیرؑ کو خود ان لوگوں کی شورش پسندی، اختلاف رائے اور نظم کی کمی سے اتنی تکلیف اور پریشانی تھی کہ آپ موت کے آرزو مند تھے۔ تمام کتب تاریخ اور بالخصوص نہج البلاغہ میں وہ خطبے آپ کے درج ہیں جو آپ کی کبیدہ خاطری بلکہ روحانی تکلیف کے مظہر ہیں۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے کبھی فرمایا کہ تم نے میرا دل پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غم و غصہ سے پر کر دیا۔[1] کبھی فرمایا کہ کاش معاویہ میرے ساتھ اپنی جماعت کا تمہاری جماعت سے تبادلہ کر لیتا۔ اس طرح جیسے سونے کے سکہ کا تبادلہ چاندی کے سکہ سے ہوتا ہے۔ یعنی تم میں سے دس لے لیتا اور اپنوں میں کا ایک مجھے دے دیتا۔[2] کبھی فرمایا کتنے افسوس کی بات ہے کہ اہل شام باطل راستے پر متفق ہیں اور تم حق راستے پر ہو کے باہم تعاون نہیں رکھتے۔[3] اہل شام اپنے حاکم کی اطاعت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور تم اپنے امام کا کہنا نہیں مانتے درآنحالیکہ وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے۔[4] اور کبھی فرمایا کہ تم لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لئے چلو جاڑے کے زمانہ میں تو تم کہتے ہو کہ یہ کڑاکے کا جاڑا ہے ہمیں اتنی مہلت دیجئے کہ یہ سردی کم ہو جائے اور جب تم سے کہا جاتا ہے گرمی کے زمانہ میں تو کہتے ہو کہ یہ تو تڑاتے کی گرمی ہے۔ اتنی مہلت دیجئے کہ یہ گرمی کم ہو جائے۔ افسوس! تم گرمی اور سردی سے اتنا

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۱۴۔ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۷۸۔ [2] ارشاد ص ۱۶۴۔ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۰۵۔
[3] ارشاد ص ۱۴۸ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۷۲۔ [4] ارشاد ص ۱۶۴۔ نہج البلاغہ، ج ۱ ص ۲۰۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھاگتے ہو تو تلوار کی آنچ سے اور زیادہ بھاگو گے۔[1]

یہی وہ جماعت تھی کہ جس سے اب امام حسنؑ کو سابقہ پڑا تھا۔ آپ ان لوگوں کی حالتوں سے اچھی طرح واقف تھے اور یقیناً امیر شام کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے یہاں کے حالات کا علم ہوگیا ہوگا اور وہ یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی جو ہیبت تمام عرب کے قلوب پر چھائی ہوئی تھی وہ بالکل اسی درجہ پر حضرت حسنؑ کے لئے ابھی حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے انہیں ہمت ہوئی کہ وہ یکا یک عراق پر حملہ کر دیں چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر جسر منج تک پہنچ گئے۔ اب امام حسنؑ نے بھی مدافعت کے انتظامات شروع کئے اور حجر بن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے تمام مقامات کے عاملوں کو صورت حال کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کریں مگر اندازہ کے بالکل مطابق یہ افسوس ناک صورت سامنے آئی کہ لوگوں نے حجر بن عدی کی کوشش کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال نہیں کیا۔ عام طور پر جمود اور سرد مہری سے کام لیا گیا۔ کچھ تھوڑی سی جمعیت مقابلہ کے لئے تیار ہوئی تھی تو اس میں کچھ حصہ خوارج کا تھا جو کسی نہ کسی حیلہ سے معاویہ سے جنگ کرنا ہی چاہتے تھے۔ کچھ شورش پسند اور مال غنیمت کے طلب گار اور کچھ لوگ صرف اپنے سرداران قبائل کے دباؤ سے بادل ناخواستہ ساتھ ہوگئے تھے جنہیں فرض کے احساس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ تھوڑے لوگ وہ ہوں گے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے شیعہ سمجھے جاسکتے ہیں۔[2] بہرحال حضرت امام حسنؑ نے قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو بیس ہزار کی فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا اور خود مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں جا کے قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر نمایاں طور سے آپ کو اپنے ساتھیوں کی سرد مہری کا مشاہدہ ہوا۔ آپ نے ان لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''دیکھو میں تمام خلق سے زیادہ خلق خدا کا بہی خواہ ہوں اور مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں۔ آگاہ ہونا چاہئے کہ اتفاق و اتحاد چاہے تمہیں ناپسند ہو اختلاف و افتراق سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔ یاد رکھو کہ میں تمہارے فائدے کے لئے تم سے بہتر

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۴، ارشاد ص ۱۵۱ نہج البلاغ ج ۱ ص ۷۷۔ [2] ارشاد ص ۱۹۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سوچنے کا حق رکھتا ہوں۔ تم کو لازم ہے کہ میری رائے سے انحراف اور میرے حکم کی مخالف نہ کرو۔ آپ کی تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں بدنظمی پیدا ہوگئی اور خوارج نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ یہ کافر ہوگئے کچھ لوگوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ کے قدموں کے نیچے سے مصلا کھینچ لیا اور دوش مبارک پر سے چادر بھی اتار لی۔ آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہوگئے اور آواز بلند سے پکارا کہ کہاں ہیں ربیعہ اور ہمدان۔ یہ دونوں قبیلے ادھر ادھر سے دوڑ پڑے اور شورش پسندوں کو آپس سے دور کیا۔ [1]

ابن جریر کی روایت یہ ہے کہ کسی نے خبر اڑا دی کہ قیس بن سعد قتل ہوگئے بس اس پر یہ غدر مچ گیا اور وہ خیمہ جس میں امام حسینؑ کا قیام تھا لوٹ لیا گیا یہاں تک کہ جس بچھونے پر آپ تھے اسے آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ [2]

اس کے بعد آپ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے مگر وہاں پہنچنے پر جراح بن قبیصہ اسدی نے جو انہی خوارج میں سے تھا کمینگاہ میں چھپ کر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے آپ زخمی ہوگئے عرصہ تک مدائن میں علاج کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ سے مقابلہ کی تیار کی۔

معاویہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر چاہیں میں صلح کرنے پر تیار ہوں اور اس کے ساتھ آپ کی فوج کے ان سرداروں کے خطوط بھی روانہ کر دیئے جنہوں نے خفیہ طریقہ پر معاویہ سے ساز باز کرنا چاہی تھی اور دعوت دی تھی کہ آپ آیئے تو ہم حسنؑ کو گرفتار کر کے آپ کے سپرد کر دیں گے یا ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ [3]

امام حسنؑ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کی غداری سے واقف تھے اور اس لئے جنگ کو مناسب وقت خیال نہیں کرتے تھے لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو کہ باطل کی حمایت کا دھبا بھی میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس خاندان کے لوگوں کو حکومت و اقتدار کی تو ہوس کبھی رہی نہیں، انھیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجراء ہو۔ اب معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کی

---

[1] ارشاد ص ۱۹۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۹۲۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۔ ارشاد ص ۱۹۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آمادگی ظاہر کی تو آپ نے اپنے نانا اور باپ کی دیکھی ہوئی سیرت کے مطابق مصالحت کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو ناکام واپس نہیں کیا۔ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔ وہ تمام شرائط جن سے قانونی طور پر آئین و شریعت کا تحفظ ہو جاتا ہے چنانچہ صلح کی دستاویز مکمل ہوئی اور جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ حضرت امام حسینؑ اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ کے ساتھ ان سرد و گرم حالات کا برابر مطالعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ان واقعات پر کبھی ایک غیر متعلق انسان کی طرح نظر نہیں ڈالی بلکہ وہ اس کو اپنی سرگزشت سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ہمیں اسی حال پر مستقبل کی عمارت کو بلند کرنا ہے۔ اس وقت کے واقعات کا یہ پہلو بہت اہم تھا کہ ساتھیوں کی کثرت اور جمعی پر اعتماد کا خیال کلیتہً دو رازکار ہے۔ حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ایک دفعہ ان ساتھیوں کے عمل کو دیکھ چکے تھے کہ وہ ان کے سامنے تلواریں کھینچ کر آگئے اور اب اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ساتھیوں کے طرز عمل کو دیکھ لیا کہ خود اپنی فوج کے ہاتھوں کس طرح ان کے بھائی کی جان خطرہ میں پڑ گئی تھی ممکن ہے کسی وجہ سے اس وقت حسینؑ اپنے بڑے بھائی کے پاس موجود نہ ہوں اور ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس سخت اور ناگوار موقع پر کوئی تذکرہ امام حسین علیہ السلام کا نظر نہیں آتا مگر انہوں نے یقیناً ان حالات کو دردمندانہ طریقہ پر سنا اور اس زخم کو دیکھا ہوگا جو ان کے بھائی کے جسم پر خود اپنے ساتھ والوں میں سے کسی کے ہاتھ سے آگیا تھا اور اس کا اثر ان کے حساس دل پر جتنا بھی ہوا ہو وہ کم ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے بزرگوں کی سیرت میں ایک دفعہ یہ نمونہ اور دیکھ لیا کہ امن عالم کے لئے نقطہ اول صلح و سلامتی ہے۔ جنگ کا درجہ صلح کے بعد ہے اور صلح کے امکانات پیدا ہونے تک ہے اس لئے صلح کے خیال کو جنگ کے پہلے اور جنگ کے دوران میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ دشمن سے صلح کی گفتگو کو کبھی اپنی خودداری کے خلاف نہ سمجھو چاہے جذباتی لوگ اس پر معترض بھی ہوں اور چاہے اس کے لئے تمہیں اپنے جاہ و اقتدار

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

راحت و آرام یا کسی دوسرے شخصی مفاد کی قربانی بھی کر دینا پڑے مگر یہ خیال ضروری ہے کہ اس صلح کے اندر کوئی ایسا اصول پامال نہ ہونے پائے جس کا محفوظ رکھنا بہرحال اپنا مقدس فریضہ ہے۔ یہی نمونہ حسینؑ نے اپنے نانا سے دیکھا تھا یہی ان کو اپنے باپ کے یہاں نظر آیا اور یہی اب ان کو اپنے واجب الاطاعت بھائی امام حسنؑ کی جانب سے پیش نظر تھا۔

ایک بات ضمنی طور پر اور دوبارہ سامنے آگئی۔ وہ یہ کہ سچائی کے راستے میں اگر اتمام حجت کی ضرورت ہو تو دوست نہیں بلکہ دشمن کے بھی اقرار پر بھروسا کر لینا چاہئے۔

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط جو علامہ ابن حجر مکی نے درج کئے ہیں حسب ذیل ہیں۔[1]

۱۔ یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور صحیح راستے پر چلنے والے خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل کریں گے۔[2]

۲۔ یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳۔ یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔

۴۔ یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی رہیں ان کے جان اور مال اور ناموس وہ اولاد محفوظ رہیں گے۔[3]

۵۔ یہ کہ معاویہ حسنؑ بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ اور کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں کوئی نقصان پہنچانے یا ان کی جان لینے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا، ڈرایا اور دہشت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

اگر غور کیا جائے تو اس صلح کے ذریعہ سے حضرت امام حسنؑ نے وہ مقصد حاصل کر لیا تھا جس کے لئے ان کی اپنے فریق مخالف سے منازعت تھی۔

---

[1] صواعق محرقہ ص ۸۱۔ [2] شیعہ ماخذوں میں اس شرط کے آخری جزء کا ذکر نہیں ہے۔ [3] اس شرط کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۹۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حضرات ذاتی اغراض کے لئے کسی سے مخاصمت نہیں رکھتے تھے ان کی لڑائی جو کچھ تھی وہ اصول شریعت و مذہب کے لئے۔ حضرت امام حسنؑ نے صلح نامہ کی پہلی شرط کے لحاظ سے امیر شام کو پابند بنا دیا کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق عمل کریں۔ اس سے آپ نے ایک طرف تو یہ بات ہمیشہ کے لئے مسلّم بنا دی کہ اصول شریعت اور ہے آئین حکومت اور ہے۔ یہ وہ بڑی چیز تھی جس کے لئے آل محمدؐ برابر کوشاں رہے تھے یعنی کبھی ایسا نہ ہو کہ حکام اسلام کا طرز عمل عین شریعت سمجھ لیا جائے۔ دوسرا امر یہ بھی آپ نے ثابت کر دیا بلکہ فریق مخالف سے تسلیم کرا لیا کہ اب تک جو کچھ حکومت شام کا رویہ رہا ہے وہ کتاب اور سنت کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ صلح نامہ کی بنیادی چیزیں وہی ہوتی ہیں جو دو فریقوں میں بنائے مخاصمت ہوں اگر حکومت شام کا سابقہ طرز عمل اب تک برابر کتاب و سنت کے مطابق ہوتا تو اس شرط کی ضرورت کیا تھی۔ اس کے بعد دوسری اہم شرط یہ قرار دی کہ ان کو اپنے بعد کسی کو نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے مستقبل کا تحفظ کیا کیونکہ یہ ممکن تھا کہ معاویہ اپنی زندگی بھر کتاب اور سنت کے مطابق عمل کرتے لیکن بعد میں کوئی ایسا آتا جو اس کے خلاف کرتا۔ اس لئے آپ نے آئندہ کے لئے جانشین بنانے کے حق کو سلب کر لیا۔

بہرحال صلح ہوگئی۔ فوجیں واپس چلی گئیں اور معاویہ کی گرفت تمام ممالک اسلامیہ پر مضبوط ہوگئی اور اب شام و مصر کے ساتھ عراق و حجاز، یمن اور ایران وغیرہ بھی ان کے تصرف میں آ گئے۔ حضرت امام حسنؑ کو اس صلح کے بعد اپنے ساتھ کے بہت سے لوگوں کی طرف سے انتہائی دلخراش اور توہین آمیز الفاظ سننا پڑے جن کا برداشت کرنا انہی کا کام تھا۔ بعض لوگ ایسے جو کل تک ''امیر المومنین'' کہہ کے تسلیم بجا لاتے تھے آج ''مذل المومنین'' یعنی ''مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے'' کے الفاظ سے سلام کرتے تھے مگر امام حسنؑ نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے لیکن معاویہ نے جنگ کے ختم اور سیاسی اقتدار کے قائم ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہئے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نماز پڑھنے لگو، روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو میرا تو مقصد جنگ سے فقط یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلّم ہو جائے۔ وہ حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد مکمل ہوگئی اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے اس مطلب میں کامیاب کر دیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں اور ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے۔[1] مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا مگر اب کس میں دم تھا کہ وہ اس کے خلاف زباں کشائی کرتا۔

اقتدار شاہی کی جرأت اس نقطہ تک پہنچی کہ کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی میں معاویہ نے حضرت امیرؑ اور امام حسنؑ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کئے۔ اس پر سکوت کرنا اعتراف و اقرار کا مترادف سمجھا جاسکتا تھا۔ اس لئے فوراً امام حسینؑ جواب دینے کے لئے کھڑے ہوگئے مگر حضرت امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں امیر شام کی تقریر کا جواب دیا۔[2] حسینؑ جانتے تو پہلے ہی تھے مگر اس وقت سے محسوس کرلیا تھا کہ حالات کی رفتار کیا ہے اور ہم کو اس کا آخری مقابلہ کس طرح کرنا ہوگا مگر وہ جلد باز انسان نہ تھے، نہ وہ ذمہ داریوں کے محل سے ناواقف تھے۔ انہیں صبر آزما انتظار کے ساتھ حالات کی تدریجی رفتار کے دوش بدوش اپنے کردار کی منزل کو آگے بڑھانا تھا اور اسکے پہلے ایک فرض شناس انسان کی طرح اپنے بھائی کے ساتھ وقت کی موجودہ ساکن مگر پراضطراب خاموشی میں غرق رہنا تھا۔

حضرت امام حسنؑ نے امور سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد کوفہ کا قیام ترک کر کے پھر سے مدینہ میں جا کر سکونت اختیار فرمائی تو حسینؑ نے بھی بھائی کا ساتھ دیا اور مدینہ میں جا کر قیام فرمایا مگر اس اتحاد عمل کے باوجود بھی بنی امیہ نے یہ غلط شہرت دی کہ اس صلح کے بارے میں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں بھائیوں کی یکجہتی میں واقعی کوئی فرق آجائے مگر ان کے تمام توقعات بالکل غلط ثابت ہوئے۔

حسینؑ قول، عمل اور مسلک میں اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بالکل متحد تھے

---

[1] ارشاد ص ۱۹۶۔ [2] ارشاد ص ۱۹۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور ہمیشہ رہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ امام حسنؑ نے اگرچہ اتمام حجت کے لئے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے مگر خیال ان کا بھی یہی ہے کہ آخر میں پھر تلوار درمیان میں آئے گی اور آخری فیصلہ بغیر ایک سخت اور مشکل اقدام کے نہ ہو سکے گا اور وہ اس کے لئے تیار بھی ہیں بشرطیکہ حالات کی تدریجی رفتار انہی کے دور حیات میں اس آخری نقطہ تک پہنچ جائے جو اس آخری اقدام کے لئے ضروری ہے۔ امام حسنؑ اکثر یہ اشعار بطور تمثیل پڑھا کرتے تھے۔

من عاذبا لسیف لاقی فرصة عجبا موتا علی عجل اوعاش منتصفا

لاترکبوا السّهل ان السّهل مفسدة لن تدرکوا المجد حتّی ترکبوا عنفا

''جو تلوار کو اپنا پشت پناہ بنائے وہ عجیب سکون و اطمینان حاصل کرے گا یا دنیا سے جلد ہی گزر جانا اور یا زندگی ایسی جو دادرسی کے ساتھ ہو، کبھی سہولت پسندی سے کام نہ لو، سہولت پسندی بڑی خرابی کی بات ہے، عزت حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ دشوار گزار منزل کو طے نہ کرو''۔[1]

رہ گئے موجودہ حالات، ان کے لحاظ سے امام حسینؑ بھی اس صلح سے متفق تھے چنانچہ بروایت دینوری جب حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو جو صلح کے معاملہ میں اختلاف رکھتے تھے امام حسینؑ کے پاس آئے اور کہا آپ لوگوں نے عزت کے بدلے میں ذلت کو خرید لیا۔ کم حقوق حاصل کر کے بہت سے حقوق سے دست کشی کر لی۔ اچھا اب آپ بذات خود آج ہماری ایک بات مان لیجئے۔ پھر کبھی کوئی بات نہ مانئے گا۔ وہ یہ ہے کہ آپ حضرت امام حسنؑ کو تو اس صلح کے راستے پر جو انہوں نے اختیار کیا ہے چھوڑ دیجئے لیکن آپ اپنے ساتھیوں کو جو کوفہ میں ہیں یا کوفہ کے باہر ہیں جمع کیجئے اور ہم دونوں کو مقدمتہ الجیش کا افسر بنا دیجئے۔ پھر دیکھئے گا کہ معاویہ کو خبر بھی نہ ہوگی اور ہم اچانک تلواریں مارتے ہوئے نظر آئیں گے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا، یہ نہیں ہو سکتا ہم عہد کر چکے اور قول و قرار ہو چکا۔ اسی طرح علی بن محمد بن بشیر ہمدانی کا بیان ہے کہ میں سفیان بن ابی

---

[1] کتاب البلدان لابن الفقیہ الہمدانی طبع لیدن ص ۵۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لیلیٰ کی معیت میں مدینہ پہنچا اور امام حسنؑ کے پاس ملنے گیا۔ آپ کے پاس اس وقت مسیب بن نجبہ، عبداللہ بن دداک تمیمی اور سراج بن مالک خثعمی موجود تھے۔ میں نے کہا السلام علیک یا مذل المومنین۔ ''سلام ہو آپ کو اے مومنین کو ذلیل کرنے والے''۔ آپ نے فرمایا علیک السلام۔ بیٹھو میں مومنین کی ذلت کا باعث نہیں ہوں۔ میں نے تو ان کی عزت رکھ لی اور ان کو خونریزی سے بچا لیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اب جنگ کا جوش اور ولولہ باقی نہیں ہے اور کمزوری نمایاں ہے میں دیکھ رہا تھا کہ اگر جنگ جاری رکھی گئی تب بھی ایک دن یہی ہونا ہے کہ معاویہ کی بادشاہت قائم ہو جائے''۔ اب یہ لوگ حضرت کے پاس سے اٹھ کر امام حسینؑ کے پاس گئے اور پوری گفتگو حضرت امام حسنؑ کی بیان کی۔ آپ نے فرمایا سچ کہا ابو محمد (حضرت حسنؑ) نے تمہیں لازم ہے کہ ہر شخص تم میں سے خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ جائے اور بیٹھا رہے اس وقت تک کہ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے''۔[1]

یہ آخری فقرہ درحقیقت بڑا دوررس تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ معاہدہ کی پابندی نہیں ہوگی اور آپ جانتے تھے کہ یہ معاہدہ موت کی آخری ہچکی اس وقت لے گا جب معاویہ دنیا سے جانے لگیں گے اور اپنے بعد جانشین نامزد کر جائیں گے۔ وہ وقت ہوگا جب ہماری جانب سے کوئی دوسرا اقدام کیا جائے۔ آئندہ چل کر دنیا کو حسینؑ کے تدبر کی داد دینا پڑے گی جنہوں نے بیس برس پہلے یعنی ۴۱ھ کے آئینہ میں ۶۰ھ کی تصویر اپنی آنکھ سے دیکھ لی اور حسینؑ کی پیش بینی آئندہ چل کر حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔

اس معاہدہ کے بعد اب بنی امیہ کی قوت بہت مستحکم ہوگئی تھی۔ ان کے راستے میں جو ایک خدشہ تھا وہ بالکل دور ہوگیا تھا اور انہیں اپنی اسکیم کے پورا کرنے کا پورا موقع مل گیا تھا چنانچہ جتنی شرطیں ہوئی تھیں سب کی مخالفت کی گئی اور کسی ایک پر بھی عمل نہ ہوا۔

پہلی شرط یہ تھی کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل ہوگا۔ یہ شرط مسلمانوں کے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۲۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۹۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کسی فرقہ کے نزدیک بھی پوری نہیں ہوئی۔ شیعوں کا عقیدہ تو اس بارے میں ظاہر ہے اور اہل سنت کے نقطہ نظر سے حضرت رسول اللہؐ کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک خلافتِ راشدہ رہی ہے اور یہ تیس برس کی مدت ختم ہو جاتی ہے حضرت امام حسنؑ کی صلح پر۔ اس کے بعد ملوکیت و جہانبانی اور دنیا داری ہے، خلافت راشدہ نہیں ہے۔ اگر یہ شرط پوری ہوئی ہوتی کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل ہو تو کوئی وجہ نہ تھی کہ معاویہ کی حکومت خلافت راشدہ کے حدود سے خارج ہوتی۔ عمر بن عبدالعزیز تک کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا زمانہ خلافت راشدہ سے ملتا جلتا ہے مگر فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس میں محسوب نہیں ہوا مگر معاویہ کے دور حکومت کے متعلق کسی نے یہ رائے ظاہر نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک اس شرط پر عمل نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ واقعات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ان میں سے ایک بات تھی سیاسی مصالح کی بناء پر زیاد بن سمیہ کو اپنے باپ کا ناجائز فرزند بنا کر اپنا بھائی قرار دینا حالانکہ اسلام میں ناجائز فرزند کو نسب میں شریک نہیں کیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ زیاد پہلے زیاد بن عبید کہلاتا تھا کیونکہ اس کی ماں سمیہ ایک ثقفی قبیلہ والے شخص کے غلام عبید کی زوجیت میں تھی اور یہ خود حارث بن کلاہ کی کنیز تھی حارث نے اس کو آزاد کر دیا تب اس کے یہاں زیاد پیدا ہوا اور اس لئے زیاد غلامی سے خارج رہا اور بڑھا تو بڑا سمجھدار اور ذہین اور عقلمند اور ادیب دیکھا گیا۔ مغیرہ بن شعبہ جب خلیفہ دوم کی طرف سے بصرہ کے حاکم ہوئے تو وہ زیاد کو اپنے ساتھ بصرہ لے گئے اور وہاں اسے لکھنا پڑھنا سکھلایا۔ جب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ خلیفہ ہوئے تو آپ نے زیاد کو سرزمین فارس کا گورنر بنایا۔ آپ کی شہادت کے بعد معاویہ نے زیاد کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس پر زیاد نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ جگر خوارہ کا لڑکا اور نفاق کا مرکز اور دشمنان اسلام کا سردار مجھے ڈرانا چاہتا ہے؟ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی (ابن عباس) اور حسنؑ بن علیؑ نوے ہزار اپنے شیعوں کی فوج لئے ہوئے موجود ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس نے ادھر کا رخ کیا تو وہ دیکھے گا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں تلوار لئے ہوئے سامنے موجود ہوں گا اور بڑی شدید جنگ کروں گا۔ معاویہ کو معلوم ہوگیا کہ اس شخص کو دھمکیوں سے متاثر نہیں کیا جاسکتا جب امام حسنؑ نے صلح فرمائی اور معاویہ کی سلطنت مضبوط ہوگئی تو زیاد اصطخر میں قلعہ بند ہوگیا۔ [۱]

معاویہ نے اسے امان نامہ لکھا کہ تم میرے پاس آجاؤ جو کچھ تم کہو گے وہ میں تمہیں دوں گا چنانچہ زیاد، معاویہ کے پاس آیا اور معاویہ کی بارگاہ میں اس کا رسوخ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۴۴ھ میں معاویہ نے اسے اپنا بھائی ظاہر کیا۔ [۲] ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے اصلی باپ کا پتہ نہ ہو اور ہو بھی تو وہ ایک غلام کے سوا کوئی نہ ہو وہ ایک دم شہنشاہ وقت کا بھائی بن جائے اس سے بڑھ کر اس کی عزت کیا ہوسکتی ہے۔ معاویہ نے کہا یہ میرے باپ ابوسفیان کے نطفہ سے ہے اور اس کی گواہی کس نے دی؟ ابو مریم سلولی نے جو قبل اسلام طائف میں شراب بیچتا تھا۔ اس نے کہا کہ ابوسفیان میرے شراب خانہ میں آیا اور مجھ سے ایک اس قسم کی عورت کو بلا دینے کو کہا جو اس رات اس کی دلچسپی کا باعث ہو۔ میں نے سمیہ کو اس کے پاس بلا دیا اور اس طرح ابوسفیان اور سمیہ میں تعلقات ناجائز پیدا ہوئے اور ان تعلقات سے زیاد کی ولادت ہوئی۔ ایک شخص نے قبیلہ بنی مصطلق میں سے جس کا نام یزید تھا گواہی دی کہ میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا تھا کہ زیاد میرے نطفہ سے ہے۔ حالانکہ پہلے زیاد نے کوفہ میں آکر وہاں کے لوگوں سے یہ خواہش کی تھی کہ تم معاویہ کے ساتھ میری قرابت کے لئے گواہی دے دو۔ ان سب نے انکار کیا کہ ہم جھوٹی گواہی نہ دیں گے۔ یہاں سے مایوس ہوکر وہ بصرہ گیا اور وہاں ایک شخص گواہی دینے کے لئے تیار ہوگیا۔ [۳] اس ثبوت کو کافی سمجھا گیا اور زیاد معاویہ کے بھائی قرار پاگئے۔

اس بات سے مسلمانوں میں اور بالخصوص صحابہ کے طبقہ میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی کیونکہ پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد متواتر طور پر سب کو معلوم تھا کہ الولد للفراش

---

۱ طبری ج ۶ ص ۹۷۔ ۲ انوار الکتاب ص ۱۷۔ ۳ طبری ج ۶ ص ۱۲۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

والمعاهر الحجر یعنی ''بچہ اصلی شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور زانی کے لئے بس پتھر ہیں''۔ مگر اقتدار حکومت کے کان عوام کی چیخ و پکار سننے سے بالاتر ہوتے ہیں۔ انہوں نے کوئی پروا نہیں کی۔ ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس ذریعہ سے انہوں نے زیاد اور اس کی اولاد کو ہمیشہ کے لئے خرید لیا۔

چنانچہ جب زیاد کے ذرا سر اٹھانے کا اندیشہ پیدا ہوتا تو یہ احساس یاد دلا کر اس کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا جاتا تھا جیسا کہ ایک مرتبہ جب کہ زیاد بہت سے تحائف لے کر معاویہ کے پاس آیا جن میں جواہرات کا ایک نہایت نفیس گلوبند بھی تھا اور معاویہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تو زیاد نے بطور فخر کہنا شروع کیا۔ حضور دیکھئے میں نے آپ کے لئے کس طرح عراق کو پامال کر دیا ہے اور کس طرح وہاں کے چپے چپے پر آپ کا تسلط قائم کر دیا ہے اور وہاں کی ہر لذت و نعمت آپ کے قدموں پر لا کر ڈال دی ہے۔ یہ سن کر معاویہ ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ یزید بول اٹھا تم نے یہ سب کچھ کیا تو کمال کیا کیا؟ ہم نے جو تم کو قبیلہ ثقیف کی غلامی سے نکال کر قریشی ہونے کی عزت دے دی اور عبید کی فرزندی کی بجائے ابوسفیان کی فرزندی کا شرف عطا کر دیا اور دفتر میں قلم کی گھس گھس سے اونچا کر کے منبروں کی بلندی نصیب کر دی۔[1]

ظاہر ہے کہ یزید ایسے نوعمر کی زبان سے زیاد ایسے سن رسیدہ کا ان الفاظ کو سن کر برداشت کرنا اس احساس کمتری ہی کا نتیجہ تھا جو نسبی اعتبار سے اس میں موجود تھی۔ پھر اس صورت میں زیاد کی نسل اب کبھی معاویہ یا ان کے بعد یزید کے مقابلہ میں سرتابی کرنے کی کہاں ہمت رکھ سکتی تھی۔ یہ دوررس اثر تھا اس سیاسی اقدام کا جو زیاد کو بھائی بنا کر کیا گیا تھا چاہے شریعت اس پر کتنی بھی سرزنش کا مستحق قرار دیتی ہو۔

دوسرا واقعہ:۔ ایک شخص تھے حتات بن زید بن علقمہ تمیمی دارمی۔ حضرت رسول اللہؐ نے ان میں اور معاویہ میں مواخات قرار دی تھی ویسی ہی مواخات جیسی ایک مرتبہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۲۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مہاجرین میں اور ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار میں کی گئی تھی۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اس مواخات سے نسبی احکام جاری نہیں ہوتے اور میراث ایک کی دوسرے کو نہیں ملتی۔ یہی عملدرآمد متفقہ طور پر ثابت تھا کہ ہر ایک کی میراث اس کے نسبی ورثاء کو پہنچے۔ اس مذہبی بھائی کو نہیں جو مواخات کے ذریعہ سے بھائی قرار دیا گیا ہے مگر اتفاق کی بات کہ حنات، معاویہ کے پاس آئے ہوئے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہوگیا تو معاویہ نے ان کی میراث پر قبضہ کرلیا یہ کہہ کر یہ میرا بھائی ہے۔ اس پر بھی مسلمانوں میں شور ہوا یہاں تک کہ فرزدق نے اس بارے میں شعر بھی کہے ؎

ابوک و عمّی یا معاوی اورثا　　تراثا فیحتاز التراث اقاربه
نما بال میراث الحنات اکلیة　　ومیراث صخر جا مدلکَ ذائبه
فلو کان هذا الامر فی جاهلیته　　علمت من المرء القلیل خلائبه
ولو کان فی دین سوی ذا　　لنا حقنا اوغص بالماء شاربه

(یعنی) ''تمہارے باپ نے اور میرے چچا نے اے معاویہ میراث چھوڑی اصول یہی رہا کہ میراث قرابت داروں کو دی جائے۔ پھر کیا بات ہے کہ حنات کی میراث تو تم نے نوش جاں فرمائی اور ابوسفیان کی میراث تمہاری ہی ملکیت قرار پائی۔ پس معاملہ اگر زمانہ جاہلیت کی رسم میں داخل ہے تو ہمیں اس کا علم ہونا چاہئے اور اگر یہ اس کے علاوہ کسی اور دین میں ہے جس کی تم نے ایجاد کی ہے تو ہمیں بھی ہمارا حق ملنا چاہئے نہیں تو یہ تمہیں ہضم نہیں ہوسکتا۔''[1]

مگر تاریخ نہیں بتاتی کہ معاویہ نے اس مال کو کبھی واپس کیا ہو یا حنات کے ورثاء کو اس کا معاوضہ دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں خلاف شریعت رواج رہی تھیں۔ مثلاً معاویہ نے زکوٰۃ فطرہ کے متعلق کہا، ہماری رائے میں زکوٰۃ فطرہ دو مد سمر شام ہیں یعنی شام کے گیہوں دو مد، ابوسعید خذری نے فرمایا یہ معاویہ کی مقررکردہ مقدار ہے۔ ہم نہ اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں۔ ہم عہد رسولؐ میں ہر ایک

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۷۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھوٹے بڑے اور غلام و آزاد کی طرف سے زکوٰۃ فطرہ ایک صاع گندم، ایک صاع پنیر یا جو یا کھجور یا منقیٰ، اسی طرح نکالتے رہے یہاں تک کہ جب معاویہ حج کے لئے آئے تو انہوں نے کہا ہماری رائے میں دو مد گندم شام زکوٰۃ فطرہ ہے ابو سعید خدری کا قول ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں کبھی معاویہ کے اس کہنے کے مطابق عمل نہ کروں گا۔ ابن زبیر نے معاویہ کی اس رائے کو سن کر کہا بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔ یعنی ''ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت برا ہے''۔ مقدار زکوٰۃ فطرہ تو بس صاع ہی ہے۔[1]

مقدام بن معدی کرب کی گفتگو جو معاویہ سے ہوئی ہے اس میں انہوں نے کہا، تمہیں خدا کی قسم بتاؤ کیا رسولؐ نے نہیں فرمایا ہے کہ سونا پہننا حرام ہے۔ معاویہ نے کہا صحیح ہے پھر مقدام نے کہا کیا آنحضرتؐ نے درندہ جانوروں کی کھال پر بیٹھنا اور ان کا پہننا ممنوع قرار نہیں دیا تھا؟ معاویہ نے کہا ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ مقدام نے کہا پھر کیا بات ہے کہ میں یہ سب چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں؟ اس کے علاوہ شریعت اسلام کا حکم ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کے وقت رو بقبلہ یا پشت بقبلہ بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری جب شام میں پہنچے تو تمام پاخانہ کے مقامات کو رو بقبلہ پایا۔ انہوں نے استغفار پڑھ کر منہ پھیر لیا۔[2]

عرفہ کے روز حج میں تلبیہ کہنا لبیک اللھم لبیک لاشریک للک لبیک۔ الخ ضروری اور لازمی شعائر حج میں سے ہے۔ رسول کریمؐ اور اصحاب برابر کہتے چلے آئے مگر اس نیک کام کو معاویہ ترک کرتے ہیں اور لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے سعید سے عرفہ کے روز پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا کہ لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سن کر ابن عباس اپنے خیمہ سے نکلے اور پکارے لبیک اللھم لبیک اور کہا اگرچہ یہ معاویہ کے علی الرغم ہو ان لوگوں نے علیؑ کی عداوت سے اس سنت کو ترک کر دیا ہے اس طرح کی تین روایتیں کنز العمال میں درج ہیں جن میں ابن عباس نے بددعا دی ہے اس بات پر کہ عرفہ کے روز

---

[1] دراسات اللبیب ملا محمد معین ص ۷۷۔ [2] دراسات اللبیب ص ۱۳۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تلبیہ کہنے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ علیؑ عرفہ کے روز تلبیہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے یہ کد اور ضد بہت سے سنن و احکام میں ترمیم کا باعث ہوگئی۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے کہنے پر زور دیتے تھے اس لئے جب بنی امیہ کو اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے بلند آواز سے بسم اللہ کہنے کی ممانعت پر زور دیا صرف اس کوشش میں کہ حضرت علیؑ کے آثار باقی نہ رہیں۔[1]

مدینہ میں معاویہ نے لوگوں کو نماز عشاء با جماعت پڑھائی تو نہ بسم اللہ پڑھی اور نہ بعض تکبیریں کہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو جماعت مہاجرین و انصار نے شور مچایا کہ تم نے نماز عمداً چوری کی ہے یا بھول گئے ہو؟ بسم اللہ اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیریں کہاں گئیں؟ مگر معاویہ نے کوئی اعتناء نہیں کی اور اس نماز کا اعادہ نہیں کیا۔[2]

اس کے ساتھ ہی بخاری اور مسلم دونوں کے یہاں یہ روایت موجود ہے کہ عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی اور ختم نماز کے بعد کہا کہ انہوں نے ہم کو وہ نماز یاد دلائی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر ذکر کیا کہ علیؑ جب سجدہ سے اٹھتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو تکبیر کہتے تھے۔[3]

نیز مطرف بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے علیؑ بن ابی طالبؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب علیؑ سجدہ کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو بھی تکبیر کہتے تھے اور جب دو رکعتوں کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے تھے۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا بے شک انہوں نے ہم کو حضرت رسولؐ کی نماز یاد دلا دی یا یہ الفاظ کہے کہ انہوں نے ہم کو حضرت محمد مصطفیٰؐ والی نماز پڑھائی۔[4]

ان ہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ اصحاب رسولؐ روتے تھے اور افسوس کرتے تھے چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ ایک روز ابو الدرداء غصہ میں بھرے گھر میں آئے سبب

---

[1] تفسیر کبیر، ج ۱ ص ۱۰۷۔ [2] کنز العمال ج ۴ ص ۲۱۰۔ [3] بخاری ج ۱ ص ۹۱۔ [4] بخاری ج ۱ ص ۹۱۔۹۶۔ مسلم ج ۱ ص ۱۶۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ میں ان لوگوں میں امت محمدؐ ہونے کی کوئی نشانی نہیں پاتا سوا اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔[۱]

امام مالک نے روایت کی ہے کہ جو باتیں ہم پہلے پاتے تھے ان میں سے ایک بات بھی اب ہم نہیں دیکھتے بجز اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں اور زہری بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالک کے پاس دمشق گیا تو ان کو روتے پایا۔ سبب پوچھا تو انس نے کہا کہ جو باتیں میں نے عہد رسول اللہؐ میں دیکھی تھیں۔ اب ان میں سے سوا اس نماز کے کوئی نظر نہیں آتی اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔[۲] امیر شام کے یہاں گانے والوں کی قدر و منزلت ہوتی تھی چنانچہ سائب فاثر نے جو ایک فاسق و فاجر شخص تھا انہیں گانا سنا کر اپنی تمام حاجتیں جو لے کر آیا تھا پوری کرالیں۔[۳]

اس آغاز کا انجام اگر یزید کوی شراب خواری اور رقص و سرود کے ساتھ فریفتگی کی شکل میں ظاہر ہو تو تاریخ کی طبیعی رفتار کے لحاظ سے قابل تعجب نہیں ہے۔

علامہ ابن الفقیہ نے لکھا ہے کہ معاویہ نے سب سے پہلے پولیس چوکی اور پہرہ دار مقرر کئے اور خواجہ سرا بنائے اور اموال خزانہ میں جمع کر کے رکھے۔[۴] انہوں نے سلاطین روزگار کی طرح اپنے عمال کے ذریعہ سے نو روز اور مہرگان (ایرانی تہوار) کے تحائف وصول کئے جن کی مقدار ایک کروڑ درہم سالانہ تک پہنچی۔[۵]

مذکورہ بالا واقعات میں سے ممکن ہے کہ بعض حیرت میں ڈالنے والے ہوں مگر اس کو کیا کیا جائے کہ تاریخ میں اس سے زیادہ حیرت انگیز باتیں بھی درج ہیں جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ابوسفیان کی اولاد کو بنی ہاشم سے ایک موروثی عداوت جو تھی اس کی بناء پر وہ ان کی ہر سنت، ہر رسم اور ہر طریقہ کو فنا کر دینا چاہتے تھے بلکہ سرے سے اسلام ہی کو نیست و نابود کر دینے کے درپے تھے۔ صرف مجبوری یہ تھی کہ ان کی حکومت اسلام کی بناء پر تھی اس لئے انہیں پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کا انکار ممکن نہیں تھا لیکن

---

۱ بخاری ج ۱ ص ۷۷۔ ۲ بخاری ج ۱ ص ۶۵۔ ۳ طبری ج ۶ ص ۱۸۸۔ ۴ البلدان ص ۱۰۹۔
۵ انوار راء والکتاب ص ۱۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہ پھر بھی حضرت کی عظمت کے احساس اور اس کے اثرات کے قائم رکھنے کا کوئی جوش و ولولہ نہ رکھتے تھے۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ معاویہ کو شوق پیدا ہوا ایک بڑے معمر آدمی سے ملاقات کا جو گزشتہ زمانہ کے حالات بیان کرے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرموت میں ایک شخص ہے جس کی تین سو ساٹھ برس کی عمر ہے۔ معاویہ نے اس کے پاس آدمی بھیجے اور اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابد بن ابد۔ معاویہ نے اس سے عبدالمطلب اور امیہ وغیرہ کے حالات پوچھے۔ پھر کہ تم نے محمد کو بھی دیکھا ہے؟ اسے ایک مسلمان کی زبان سے حضرت کا نام نامی اس طرح سن کر حیرت ہوئی اور اس نے کہا ومن محمد یعنی محمد کون ہے؟ انہوں نے کہا ''وہی رسول اللہ'' اس نے کہا پھر تم نے پہلے ہی ان کا نام اس شان کے ساتھ کیوں نہ لیا؟ جس کا خدا نے انہیں مستحق قرار دیا ہے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم نے رسول اللہ کو دیکھا ہے۔ [1]

اس سے زیادہ اور انتہائی حیرت خیز یہ ہے کہ معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا گیا اور ان کو سزا تو درکنار معمولی سی تنبیہہ بھی نہیں کی گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عمرو بن عاص ایک دفعہ اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دارالخلافہ شام میں بازیابی کے لئے آئے یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو بن عاص، معاویہ سے کچھ برسر پرخاش تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اسے خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا۔ اس کی وجہ سے تمہاری ہیبت اس کے دل پر قائم ہو جائے گی۔ معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنی ذہانت سے عمرو عاص کی سازش کو تاڑ گئے اور دربانوں سے کہا میر خیال ہے کہ نابغہ کے لڑکے (عمرو عاص) نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا لہٰذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ اس کی جان کی خیر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے

---

[1] کتاب المعمر بن ص ۸۷ و اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۱۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجا لایا کہ السلام علیک یا رسول اللہ ۔ بس پھر کیا تھا سب نے اس کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا۔[1]

مثل مشہور ہے الناس علی دین ملوکھم ''لوگ بادشاہوں کے طریقہ پر چلتے ہیں''۔ جب حکومت کی یہ روش ہو تو عام افراد کی نظر میں رسولؐ اور شریعت رسولؐ کی کیا عزت باقی رہ سکتی ہے۔ جب لوگ دیکھ رہے ہوں کہ حکومت کی طرف سے مذہب کا نیلام کرایا جاتا ہے اور تھوڑے سے سکوں کے عوض دین و مذہب کی خریداری ہوتی ہے تو لوگوں کی نگاہ میں مذہب کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ حنات مجاشعی، جاریہ بن قدامہ، احنف بن قیس اور جون بن قتادہ چاروں آدمی معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے مگر حنات کو ستر ہزار درہم دیئے۔ حنات کو جب اس کا علم ہوا تو معاویہ سے آکر اس کی شکایت کی۔ معاویہ نے کہا کہ ان لوگوں سے میں نے ان کا دین خرید کیا ہے۔ حنات نے پھر کہا پھر مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجئے۔[2]

اب جو ذرا بھی خدا ترس مسلمان تھے وہ زندگی سے عاجز ہوگئے تھے چنانچہ حکم بن عمرو غفاری نے جو یمن و خراسان کے حاکم بنائے گئے تھے جب ۵۰ھ میں ایک جنگ کے بعد اموال غنیمت حاصل کئے اور یہ حکم نامہ پہنچا کہ لوٹ کے مال کو سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے تمام نقد و جنس خزانہ سرکاری میں بھیج دیا جائے تو انہوں نے ہمت کر کے یہ جواب لکھ دیا کہ یہ حکم قرآن کے بالکل خلاف ہے اس لئے میں عمل کرنے سے قاصر ہوں مگر اس کے بعد اتنا خوف ہوا کہ خدا سے دعا کی۔ بار الٰہا اب مجھے زندگی درکار نہیں ہے میری روح قبض فرما لے اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔[3]

آثار بنی ہاشم کے مٹانے کی سعی تعمیری یادگاروں تک بھی پہنچی چنانچہ جب معاویہ نے حج کیا تو واپسی میں مدینہ بھی گئے اور منبر رسولؐ کو اس کی جگہ سے حرکت دی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۳۵۔ اسد الغابہ ص ۱۵۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۳۵۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۴۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۷۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۴۰۔۱۴۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چاہتے تھے کہ اسے شام لے جائیں اسی وقت سورج کو گرہن ہوا۔ جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا معاویہ نے رسول اللہؐ کے شہر اور ان کے دارالہجرت میں بڑا حادثہ رونما کیا ضرور یہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں گے اسی سال معاویہ لقوہ میں مبتلا ہوئے۔[1]

یہ ۵۰ھ کا واقعہ ہے منبر کو جنبش دیتے ہی سورج میں گرہن لگا ایسا کہ تارے نظر آنے لگے۔ اہل مدینہ میں اس سے اتنا ہیجان پیدا ہوا کہ معاویہ کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور کہا کہ میں نے تو منبر ہٹا کر صرف یہ دیکھنا چاہا تھا کہ اسے دیمک تو نہیں لگی ہے۔[2]

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ جو دشمنی تھی وہ بھی آپ کی ذات سے خصومت کی بناء پر نہ تھی بلکہ صرف اس لئے کہ آپ بنی ہاشم کے چشم و چراغ اور اصول اسلام کے علمبردار تھے اس لئے سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ملک میں آپ کے خلاف نفرت پیدا کرائی جائے۔ قتل عثمان کا الزام بھی فقط اس سیاست کے پورا کرنے کا ایک بہانہ تھا چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے مروان بن الحکم کی زبانی منقول ہے اس نے کہا کہ کوئی شخص علیؑ سے زیادہ عثمان کی حمایت کرنے والا نہ تھا کسی نے کہا کہ پھر تم لوگ منبروں پر انہیں گالیاں کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا بغیر اس کے ہمارا اقتدار قائم نہیں ہوسکتا۔[3]

پھر جبکہ صلح نامہ کی بنیاد یعنی کتاب اور سنت کی موافقت والی شرط کا یہ انجام ہوا تو دوسری شرطوں کا نتیجہ ظاہر ہے چنانچہ دوسری شرط یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا اس کے انجام کا آئندہ ایک مستقل باب میں بیان ہوگا۔

تیسری شرط یہ تھی کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔ اس کا انجام بہت دردناک ہے۔ عراق میں زیاد بن سمیہ کے ہاتھوں جو خونریزیاں ہوئیں وہ صفحہ تاریخ پر نمایاں حروف میں درج ہیں اس شخص کے خصوصیات میں لکھا ہے کہ وہ جرم سے پہلے سزا دیتا، بدگمانی کی بناء پر بلاتحقیق و تفتیش قید کر دیتا اور شبہ پر ایذا رسانی کرتا تھا۔ انسان کی جان کا لینا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھا۔ اس کا ایک عجیب نمونہ اس واقعہ میں ہے کہ اس نے یہ عام حکم دے دیا تھا کہ جو نصف شب کے قریب گلی کوچہ

---

[1] کتاب البلدان ص ۲۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۳۳۔ [3] صواعق محرقہ ص ۳۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں نظر آئے اس کو قتل کر دیا جائے۔ ایک رات ایک دیہاتی عرب کو گرفتار کیا گیا اور اسے زیاد کے پاس لائے اس نے اپنی صفائی پیش کی کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں۔ دیہات سے آج ہی آیا ہوں اور مجھے آپ کے اس حکم کی اطلاع نہیں تھی۔ زیاد نے کہا کہ واللہ میرے خیال میں تو سچ کہہ رہا ہے اور بے خطا ہے مگر تیرے قتل کر دینے میں عامہ خلائق کے لئے بہتری ہے چنانچہ فوراً اسے قتل کر دیا گیا۔[1]

زیاد کی ولایت کوفہ کے بعد بصرہ میں اس کے جانشین سمرہ بن جندب کے مظالم اس سے بھی زیادہ تھے۔ ایک بار چھ مہینہ کی مدت میں آٹھ ہزار آدمی اس نے تہ تیغ کئے۔ ابو سوار عددی کا بیان ہے کہ سمرہ نے میری قوم میں سے ایک دن میں ۴۷ آدمی قتل کئے جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔

ایک دن سمرہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکلا بنی اسد کے مکانوں کے قریب ایک شخص اس قبیلہ کا کسی ضرورت سے ایک گلی میں سے نکلا لشکر کے آگے آگے کے سواروں میں سے ایک نے اسے دیکھتے ہی اپنے حربہ سے حملہ کر دیا اور وہ گر کر خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ سمرہ بن جندب اس کی لاش پر سے گزرا اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ جب ہماری سواری گزرا کرے تو ہمارے نیزوں سے بچتے رہا کرو۔[2]

مسلم عجلی کا بیان ہے کہ ایک شخص سمرہ کے پاس آیا اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی۔ پھر مسجد میں آکر نماز پڑھنا شروع کی۔ اتنی دیر میں ایک شخص آیا اور اس کی گردن اڑا دی اس طرح کہ مسجد میں ایک طرف اس کا سر کٹ کر جا گرا اور دوسری طرف بدن۔

ایک دوسرے موقع پر مشاہدہ بیان کیا ہے بہت سے آدمی اس طرح قتل کئے گئے کہ ان سے شہادتین کا اقرار لیا جاتا تھا وہ توحید اور رسالت کا اقرار کرتے تھے اور خوارج سے برات کا اعلان کرتے تھے اور پھر اس کے بعد ان کا سر قلم کر دیا جاتا تھا اور یہ سب کچھ امیر شام معاویہ کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا چنانچہ جب عرصہ کے بعد معاویہ نے سمرہ کو معزول کیا تو اس نے کہا خدا غارت کرے معاویہ کو۔ اگر میں نے اللہ کی اتنی اطاعت کی

---

[1] طبری ج ۶ ۱۲۶۔ [2] طبری ۶ ص ۱۳۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوتی جتنی معاویہ کی اطاعت انجام دی تو وہ کبھی مجھ کو عذاب نہ کرتا۔[۱]

چوتھی شرط یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعوں کے جان و مال و ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے اس شرط پر قطعی عمل نہیں ہوا۔

عراق میں شیعیان علیؑ پر جتنے مظالم ہوئے ان میں سب سے ہلکی بات یہ تھی کہ ان کو کوفہ سے جلاوطنی پر مجبور کیا جاتا تھا اور ان کی جگہ معاویہ کے طرف داروں کو لاکر بسایا جاتا تھا۔[۲]

کوفہ اور بصرہ دونوں جگہ کے شیعوں کو ملک بدر کر دیا گیا ان میں سے اکثر کو شام کے مقام قنسرین میں جو بالکل غیر آباد تھا لے جا کر فوجی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔[۳]

حجر بن عدی اور ان کے ساتھی شام میں بلوا کر قتل کر دیئے گئے حالانکہ وہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اپنے معاہدہ پر قائم ہیں اور باغی نہیں ہیں۔[۴]

مگر ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ محب اہل بیتؑ تھے اس لئے ان کے واسطے نہ حلم میں گنجائش تھی نہ رحم و کرم ان پر نگاہ ڈالنے کی اجازت دیتا تھا۔ صیفی بن فسیل شیبانی جو انہی میں سے ایک ممتاز فرد تھے زیاد کے پاس لائے گئے تو زیاد نے پوچھا کہ تم علیؑ بن ابی طالبؑ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ کہا بہترین رائے جو اللہ کے بندگان مومنین میں سے کسی کے بارے میں رکھی جاسکتی ہے۔ زیاد نے حکم دیا کہ اسے لکڑی سے پیٹو، اتنا کہ زمین سے لگ جائے چنانچہ انہیں اتنی ہی شدت سے زدوکوب کیا گیا۔ زیاد نے کہا بس کرو پھر پوچھا ہاں اب بتاؤ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا بخدا اگر استروں اور چھریوں سے میری بوٹیاں کاٹ ڈالو تب بھی وہی کہوں گا جو پہلے سن چکے ہو کہا تجھ کو ان پر لعنت کرنا ہوگی ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ صیفی نے کہا تو پھر پہلے گردن اڑا ہی کیوں نہ دو مجھے اس میں کوئی عذر نہیں بلکہ میں اس سے راضی اور مطمئن ہوں۔[۵]

---

۱ طبری ج ۶ ص ۱۶۴۔ ۲ طبری ج ۳ ص ۲۴۰۔ ۳ طبری ج ۴ ص ۲۶۰۔ ۴ طبری ج ۶ ص ۱۴۸۔ ۵ طبری ج ۶ ص ۱۴۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

زیاد نے بارہ آدمیوں کو پابزنجیر شام کی طرف روانہ کیا۔[1]

حجر بن عدی کندی، ارقم بن عبداللہ کندی، شریک بن شداد حضرمی، صیفی بن فسیل، قبصیہ بن ضبیعہ عبسی، کریم بن عضیف خثعمی، عاصم بن عوف بجلی، ورقاء بن سمی بجلی، کدام بن حیات غزی، عبدالرحمٰن بن حسان غزی، محرز بن شہاب تمیمی، عبداللہ بن حویہ سعدی۔

عتبہ بن اخنس سعدی اور سعد بن نمران ہمدانی ان دو آدمیوں کو زیاد نے بعد میں بھیجا جس کے بعد ان کی تعداد چودہ ہوگئی۔[2]

ان میں سے سات آدمی مختلف لوگوں کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے اور چھ آدمیوں کو مقام مرج عذراء میں تہ تیغ کیا گیا۔[3]

ایک شخص عبدالرحمٰن بن حسان غزی کے لئے معاویہ کو خود اپنی بے رحمی ناکافی محسوس ہوئی اور ان کو پھر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس انتباہ کے ساتھ کہ یہ ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ شیعیت میں سخت ہے۔ تم اس کو بد سے بدتر طریقہ جو اختیار کرسکو اس طرح قتل کرو چنانچہ زیاد کے حکم سے انہیں زندہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔[4]

حجر بن عدی ان میں سے تھے جو مرج عذراء میں قتل کئے گئے۔ ان کو عالم اسلام میں کتنی ہر دلعزیزی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب زیاد کی مخبری کی اطلاع ام المومنین عائشہ کو پہنچی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حسب ذیل پیغام کے ساتھ معاویہ کے پاس روانہ کیا اللہ اللہ فی حجر و اصحابہ یعنی حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرنا مگر افسوس ہے کہ عبدالرحمٰن اس وقت پہنچے جب حجر اپنے ساتھیوں سمیت قتل ہو چکے تھے۔ عبدالرحمٰن نے معاویہ سے کہا آپ کے پاس سے کہاں چلا گیا تھا۔ ابوسفیان سے میراث میں ملا ہوا حلم؟ آپ نے اس حلم سے کام کیوں نہ لیا؟ آپ نے ان کو جیل خانہ ہی میں ڈال دیا ہوتا اور وبا و طاعون سے ہلاک ہو جانے دیا ہوتا۔ معاویہ نے طنزیہ طور پر جواب دیا کہ تمہارے ایسا کوئی مشورہ دینے والا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۴۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۵۲۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۵۴۔ [4] طبری ج ۶ ص ۱۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

موجود نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا اب بخدا عرب میں نہ تو آپ کے حکم کا کوئی ذکر ہوگا اور نہ آپ کی اصابت رائے قابل تسلیم رہی۔ آپ نے ایسے آدمیوں کو قتل کیا جن کو قید کر کے آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اور وہ مسلمان تھے۔

عائشہ کو اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے کہا ''اگر معاویہ کو احساس ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرأت و ہمت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کرا کے شام بلوانے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتا لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ آدمی فنا ہو چکے ہیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ اپنی علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے لحاظ سے عرب کے سر اور دماغ سمجھے جاسکتے تھے۔ لبید شاعر نے کیا خوب نظم کیا ہے اپنے دو شعروں میں جن کا مضمون یہ ہے کہ گزر گئے وہ لوگ جن کی پناہ میں زندگی بسر کی جاسکتی تھی اور رہ گیا ہوں میں ایسے پسماندہ افراد میں جو خارشی اونٹ کی کھال کے مثل ہیں۔ نہ تو ان سے کوئی فائدہ ہے اور نہ ان سے کسی اچھائی کی توقع ہے جب وہ بات کرتے ہیں تو عیوب سے مملو ہوتی ہے چاہے وہ شور وغل برپا نہ کریں۔

جب معاویہ مدینہ رسولؐ میں آئے اور ام المومنین عائشہ کے پاس سلام کے لئے حاضر ہوئے تو سب سے پہلی بات جو عائشہ نے پیش کی وہ حجر کا معاملہ تھا اور اس گفتگو میں یہاں تک طول ہوا کہ معاویہ نے کہا اچھا پھر چھوڑ دیجئے مجھے اور حجر کو خدا کے یہاں دیکھا جائے گا۔

عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے کہ وہ بازار میں تھے ان کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو وہ بے چین ہوگئے نشست کو قائم نہ رکھ سکے اور کھڑے ہو کر چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

حسن بصری کو جب حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو پوچھا کہ کیا ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی؟ کفن دیا گیا؟ اور دفن کیا گیا اور قبلہ رخ لاش رکھی گئی؟ معلوم ہوا کہ یہ سب کیا گیا۔ حسنؒ نے کہا تو پھر بخدا حجت ان کی تمام ہوگئی۔[1]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مطلب یہ تھا کہ لاشوں کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل ان کے مسلمان سمجھے جانے کا ثبوت ہے تو پھر ان کا خون مباح کیونکر ہوسکتا ہے؟

ربیع بن زیاد حارثی نے جو خراسان کے حاکم تھے حجر بن عدی کے قتل ہونے اور مسلمانوں کی بے حسی کا تذکرہ کیا اور پھر جمعہ کے دن مسجد میں آکر حاضرین سے کہا ایھا الناس میں زندگی سے عاجز ہو چکا ہوں۔ اب میں ایک دعا مانگتا ہوں تم سب آمین کہنا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھائے اور کہا خداوندا اگر ربیع کے لئے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح قبض فرما لے اس کے بعد مسجد سے باہر نکلے کچھ دور نہ گئے تھے کہ زمین پر گرے اور انتقال کیا۔[1]

خود معاویہ کو بعد میں حجر کے بے گناہ قتل کرنے کے جرم کا احساس پیدا ہوگیا تھا چنانچہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور تکلیف زیادہ ہوئی تو ایک روز عبداللہ بن یزید اسدی ان کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بہت مضطرب ہیں اس نے (خوشامدانہ لب ولہجہ میں) کہا آپ کو اضطراب کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مر گئے تو جنت میں پہنچے اور اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے جہاں پناہ رہے۔ معاویہ نے کہا ''خدا رحمت نازل کرے تمہارے والد پر وہ مجھے حجر بن عدی کے قتل سے منع کرتے تھے''۔ محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب معاویہ کا وقت وفات قریب آیا اور انہیں گھبرا لگا تو انہوں نے کہا یومی منک یا حجر یوم طویل (یعنی) ''اے حجر تمہارے قتل سے مجھے طویل روز کا سامنا ہوگا''۔[2]

حزن و مشقت کا زمانہ طولانی ہوتا ہے لہٰذا اس سے مقصود یہ ہے کہ مجھے اس قتل کے سبب سے روز قیامت بڑی تکلیف و زحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عمرو بن الحمق الخزاعی ایک بزرگ تھے جن کو حضرت پیغمبرؐ نے سلام کہلوایا تھا اور اس لئے بہت بلند مرتبہ انسان سمجھے جاتے تھے ان کی گرفتاری کا حکم ہوا اور معاویہ کی خصوصی ہدایت کے مطابق ان پر نو وار نیزے کے کئے گئے۔ حالانکہ پہلے یا دوسرے ہی زخم میں وہ جان بحق تسلیم ہو چکے تھے۔[3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۶۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۴۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تاریخ کی تصریح کے مطابق سب سے پہلا سر جو اسلام میں نیزہ کی نوک پر بلند کیا گیا وہ ان کا سر تھا۔

ان واقعات سے شیعان علیؑ میں تلاطم برپا ہوگیا اور حضرت امام حسینؑ پر بھی سخت اثر ہوا چنانچہ دینوری نے لکھا ہے کہ جب حجر بن عدی اور ان کے اصحاب قتل ہوگئے تو اہل کوفہ نے اس کو بڑی ناگوار مصیبت سمجھا اور کچھ لوگ اشراف اہل کوفہ میں سے حضرت امام حسینؑ کے پاس گئے اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور یہ واقعہ آپ کو بہت شاق ہوا۔[1]

تاہم آپ نے اس واقعہ پر ایک دم کوئی انتہائی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ آئندہ حالات کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتے رہے۔ بے شک جب معاویہ کو یہ معلوم ہوا وہ لوگ امام حسینؑ کے پاس شکایت لے گئے ہیں اور آپ نے بھی ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے تو انہیں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں آپ مخالفت کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں۔ اس بناء پر انہوں نے آپ کے نام ایک تہدیدی خط لکھا۔ اس کے جواب میں اب حضرت امام حسینؑ خاموش نہ رہ سکتے تھے آپ نے ایک ایک کر کے امیر شام کی جو خلاف ورزیاں معاہدہ کے متعلق تھیں وہ گنوائیں اور خصوصیت کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو آپ نے موثر الفاظ میں پیش کیا اور اس پر سخت احتجاج فرمایا جس کا ذکر اس باب کے آخر میں آئے گا۔

پانچویں شرط یہ تھی کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ یا کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں سے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی جائے گی۔ نہ خفیہ نہ علانیہ۔ اس شرط کی بھی صریح خلاف ورزی کی گئی حالانکہ اس صلح کے بعد یہ حضرات ملکی اور سیاسی امور سے بالکل بے تعلق رہے مگر اس کے بعد بھی امام حسنؑ بنی امیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں رہے۔ اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ پہلے غلط پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات جن سے ان کی رفعت مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ خاندان پیغمبرؐ کے ان مقدس افراد کی زندگی اتنی پاک ہے کہ ان کے خلاف ایسا الزام جو کھلا ہوا اصول شریعت

---

[1] اخبار الطوال۔ ارشاد ص ۲۰۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے خلاف ہو عائد کرنا کسی طرح مفید نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسلمانوں کی جماعت میں باور نہیں کیا جاسکتا اس لئے اس طرح کے الزامات لگائے جو شرع کے حدود کے اندر تو ہوں مگر عام نگاہوں میں کچھ اچھی حیثیت سے دیکھے نہ جاتے ہوں مثلاً کثرت ازدواج اور کثرت طلاق۔ یہ چیز بجائے خود شرع اسلامی میں جائز ہے لیکن بنی امیہ کے پروپیگنڈے نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقہ پر پیش کیا جس سے لوگ حضرت امام حسنؑ کی نسبت کچھ اچھی رائے قائم نہ کریں۔ اسی طرح دونوں بھائیوں کے اختلاف طبیعت اور اختلاف رائے کا پروپیگنڈا اور ایسی بہت سی چیزیں جو صرف اموی سیاست کی پیداوار تھیں۔ دوسرے عمال بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہوں کا حضرت امام حسنؑ سے برا برتاؤ سخت کلامی اور دشنام طرازی جس سے کسی وقت مشتعل ہو کر حضرت امام حسنؑ یا بنی ہاشم میں سے دوسرے لوگ لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں اور اس سے ایک طرف ان پر معاہدہ کی خلاف ورزی کا بے بنیاد الزام عائد کیا جا سکے دوسرے ان کی خونریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے۔ اس کا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان بن الحکم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے ہیں۔ اس وقت کہ جب امام حسنؑ کی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر مروان رو رہا تھا۔ امام حسینؑ نے کہا ''آج تم رو رہے ہو حالانکہ اس کے پہلے تم ہی ان کو غم وغصہ کے گھونٹ پلایا کرتے تھے''۔ مروان نے کہا ''ٹھیک ہے مگر وہ سب میں ایسے انسان کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والا تھا''۔

مگر اس انتہائی ضبط اور تحمل کے بعد بھی امام حسنؑ کی زندگی محفوظ نہ رہ سکی۔ سلطنت وقت کو جب کوئی بہانہ ان کے خلاف کھلے ہوئے جور وستم کا نہ ملا تو پھر وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر بڑی مہموں کے سر کرنے میں صرف کیا جاتا رہا تھا۔ امیر شام معاویہ نے اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے اس کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور یزید کے ساتھ شادی ہو جانے کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوا دیا جس سے آپ کے کلیجے کے ٹکڑے ہو گئے۔[1] جب آپ کی حالت دگرگوں ہوئی تو آپ نے اپنے مختلف البطن بھائی

---

[1] ارشاد ص ۱۹۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

محمد بن الحنفیہ کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد حسینؑ سے تم اختلاف کرو۔ حسینؑ میرے بعد امام ہیں اور ان کی اطاعت لازم ہے۔ محمد نے نہایت خلوص کے ساتھ اقرار وفاداری کیا اور امام حسینؑ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ [۱] پھر حضرت نے امام حسینؑ کو پاس بلایا اور وصیت کی کہ مجھے غسل و کفن کے بعد میرے بزرگوار رسول خداؐ کے روضہ پر لے جانا تاکہ ایک مرتبہ زیارت رسولؐ کا شرف اور حاصل ہو جائے۔ [۲] اور مجھے یقین ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے گا مزاحمت کریں گے، تو خبردار اس بارے میں ایک قطرہ خون بھی گرنے نہ پائے تم مجھ کو میری دادی فاطمہ بنت اسد کی قبر کے پاس جنۃ البقیع میں دفن کر دینا۔ [۳]

۲۸ صفر ۵۰ھ کو وہ امن و صلح و سلامتی کا شہنشاہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ امام حسینؑ وصیت کے مطابق اپنے بھائی کو غسل کے بعد تابوت میں لٹا کر روضہ رسولؐ کی طرف لے چلے۔ بنی امیہ کو یقین ہوا کہ آپ کو وہاں دفن کریں گے۔ سب کے سب مروان کے ساتھ ہتھیار باندھ کر نکل آئے اور بیچ میں سد راہ ہوئے۔ اس وقت بنی ہاشم کو بہت زیادہ اشتعال تھا مگر حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی وصیت اور فرض کے احساس سے مجبور تھے۔ آپ فرما رہے تھے کہ خدا کی قسم اگر بھائی کی وصیت اور ان کے اصول کا پاس نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ کیسی اس وقت تلوار چلتی ہے۔ [۴] بہرحال حضرت امام حسنؑ کے جنازہ کو روضہ رسولؐ سے واپس لے گئے اور جنۃ البقیع میں دفن کر دیا۔ [۵] پھر یہ خبریں بھی معلوم ہوئیں کہ امیر شام نے امام حسنؑ کی وفات پر اظہار مسرت کیا اور طعن و تشنیع کے کلمات کہے۔ اتفاق سے اس وقت ابن عباس دمشق میں تھے۔ انہوں نے یہ الفاظ سنے تو کہا کہ خوش نہ ہو تم بھی حسنؑ کے بعد عرصہ تک زندہ نہ رہو گے۔ [۶]

حضرت امام حسنؑ کی وفات بنی ہاشم کے لئے ایک سخت حادثہ تھی چنانچہ اس سانحہ عظیم پر بنی ہاشم ایک مہینہ کامل سوگوار رہے۔ [۷] مگر اس کے بعد بھی امام حسینؑ اسی راستے پر قائم رہے جو امام حسنؑ نے قائم کر دیا تھا اور اس طرح یہ خیال بالکل غلط ثابت

---

۱ کافی ج ۱ ص ۱۸۶۔ ۲ کافی ج ۱ ص ۱۸۵ و ۱۸۷۔ ۳ ارشاد ص ۱۹۸۔ ۴ ارشاد ص ۱۹۹۔
۵ کافی ج ۱ ص ۱۸۸۔ ۶ الاخبار الطوال ص ۲۲۴۔ ۷ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوگیا کہ آپ کو اپنے بھائی سے اصولی اختلاف تھا اور صرف ان کے دباؤ کی وجہ سے آپ اس پر قائم تھے۔ ایسا نہیں بلکہ آپ اسی راستے کو صحیح سمجھتے تھے اور اسی لئے خود صاحب اختیار ہونے کے بعد بھی اسی کو برقرار رکھا۔ حالانکہ اس وقت شیعوں میں ہیجان بھی پیدا ہوا جس کا تذکرہ تاریخ ان الفاظ میں کرتی ہے کہ جب حضرت امام حسنؑ کی وفات ہوئی تو عراق کے شیعوں میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے امام حسینؑ کو لکھا کہ ہم لوگ معاویہ کی بیعت توڑ کر آپ سے بیعت کرنے پر تیار ہیں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ہم میں اور معاویہ میں معاہدہ ہو چکا ہے اس کا توڑنا میرے لئے صحیح نہیں ہے بے شک جب معاویہ کا انتقال ہوگا تو دیکھا جائے گا۔[1]

آپ صبر وسکون کے ساتھ تمام شرائط کی خلاف ورزی اور حکومت شام کی چیرہ دستیوں کو دیکھتے اور ان سے متاثر ہوتے رہے اور انہیں آپ نے ایک ایک کر کے اس وقت ظاہر کر دیا جب امیر شام نے آپ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک تاریخی مکتوب تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے۔

''تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تم نے میرے متعلق اپنی مخالفت کے بارے میں کچھ خبریں سنی ہیں جن کی تم کو امید نہ تھی تم کو جو خبریں پہنچی ہیں وہ تمہارے خوشامدی لوگوں اور چغل خوروں کی پہنچائی ہوئی ہیں جو افترا و بہتان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں اس وقت تم سے مخاصمت اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور خاموش ہوں مگر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس خاموشی سے خوش نہیں ہوں اور یقیناً مجھے اپنے اس سکوت سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اس کی وجہ سے مجھ پر ناراض نہ ہو۔ یہ میری خاموشی تمہارے لئے اور تمہارے ہوا خواہوں کے لئے کبھی کوئی سند نہیں بن سکتی۔ کیوں معاویہ! کیا تم ہی نہیں ہو وہ شخص جس نے حجر کندی کو قتل کیا؟ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جس نے ایسے نماز گزاروں اور پرہیز گاروں کو قتل کیا جو ظلم و بدعت کو پسند نہ کرتے

---

[1] ارشاد ص ۲۰۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھے اور دین کے معاملہ میں کسی شخص کی نظامت اور سرزنش کی پروا نہ کرتے تھے حالانکہ تم ان کے ساتھ بڑی قسمیں کھا کر پختہ وعدے کر چکے تھے اور انہوں نے نہ کوئی فتنہ ملک میں پیدا کیا تھا اور نہ تمہاری مخالفت کی تھی مگر تم نے ان کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو کہ جس نے عمر بن الحمق الخزاعی صحابی رسول کو قتل کیا جو ایسا صالح اور عبادت گزار بندہ تھا کہ کثرت عبادت سے اس کا جسم گھل گیا تھا۔ بدن ڈھل گیا تھا۔ قوتیں زائل ہوگئی تھیں اور چہرہ پر زردی چھا گئی تھی۔ تم نے پہلے ان کو امان دے دی تھی اور ایسا مضبوط وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسا وعدہ کسی جانور سے بھی کیا جائے تو وہ پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر پاس آجائے۔ پھر تم نے بڑی جسارت کے ساتھ اس عہد کو توڑ دیا اور بے جرم و خطا ان کو مار ڈالا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو جس نے زیاد بن سمیہ کو جو بنی ثقیف کے غلام عبید نامی کا بیٹا تھا اپنا بھائی، اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اس کا سمجھا جائے گا جو عورت کا اصلی شوہر ہو اور زنا کار کے لئے بس پتھر ہیں اور کچھ نہیں۔ مگر تم نے اپنی مصلحت کی بناء پر رسول کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو اپنا بھائی بنا کر عراقین کا حاکم بنا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پیر قطع کرے اور ان کی آنکھوں کو گرم لوہے کی سلاخوں سے پھوڑے اور درختوں کی شاخوں میں لٹکا کر مارے۔ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جسے زیاد بن سمیہ نے لکھا تھا کہ حضرمیین علیؑ کے دین پر ہیں۔ تم نے حکم دیا کہ جو لوگ علیؑ کے دین پر ہیں ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑو۔ اس نے سب کو مار ڈالا اور مُثلہ بھی کیا اور جو تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے نفس کا، اپنے دین کا اور امت محمدی کا خیال کروں اور ان کو فتنہ میں نہ ڈالوں اور جماعت کی تفریق سے پرہیز کروں تو میرے خیال میں کوئی فتنہ اس امت میں تمہاری خلافت و

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حکومت سے بڑھ کر نہیں ہے اور میں اپنے نفس، اپنے دین اور امت محمدی کے لئے کسی فائدہ کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا کہ میں ان امور میں تمہاری مزاحمت کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو بیشک قربت الٰہی کا موجب ہوگا اور اگر ترک کروں اور خاموش رہوں تو اس کے لئے خدا سے استغفار کروں گا اور اس سے رشد و صلاحیت کا طالب ہوں گا"۔

اس خط سے امام حسینؑ کے تاثرات کا پورے طور پر اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ آپ کسی اہم اقدام کے لئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کر رہے تھے لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کی جب تک کہ معاہدہ کی آخری سانس بھی قائم سمجھی جاسکتی تھی اس کے بعد کے واقعات آنے والے ابواب میں نذر ناظرین ہوں گے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دسواں باب

یزید کی ولی عہدی

معاویہ کے لئے ان کی زندگی کا طویل دور کم نہ تھا جس میں انہوں نے مسلمانوں کی قسمت کے مالک بن کر اپنے حوصلے نکال لئے تھے اور دنیا کی جاہ وحشمت اور مال و دولت کے خوب خوب مزے اٹھا چکے تھے جس کا اعتراف انہوں نے ایک خاص انداز میں خود بھی کیا اور کہا کہ ہم تو دنیا میں غلطاں ہوگئے اور لوٹ لوٹ کے اس میں رہے۔[1] مگر انہوں نے اس پر اکتفاء نہ کی اور یہ چاہا کہ ان کی اولاد بھی اسی طرح بہرہ اندوز ہو حالانکہ وہ معاہدہ میں یہ شرط کر چکے تھے کہ میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہ کروں گا۔ پھر بھی انہیں فکر اس کی ہوئی کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دیں گے مگر وہ یزید کے افعال و عادات کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو اس پر تیار کرنا بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے۔ اس لئے وہ اس کو زبان پر نہیں لاتے تھے تاہم وہ رفتہ رفتہ اس کے انتظامات مکمل کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ایسے بااثر افراد کا جو مدعی خلافت بن سکیں ختم کرنا تھا چنانچہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید جن کا اثر اس وجہ سے شام میں بڑھ گیا تھا کہ ان کے والد کے کارنامے رومیوں کے مقابلہ میں اہل شام کے زبان زد تھے اور اس بناء پر معاویہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں اہل شام ان کو خلیفہ نہ تسلیم کرلیں لہٰذا ان کا علاج یہ کیا گیا کہ ابن اثال کے ذریعہ سے ان کو زہر دلا دیا جس سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔[2] معاویہ نے ابن اثال کو اس کا معاوضہ یہ دیا کہ ہمیشہ کے لئے ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا اور حمص کے خراج کی وصولیابی کا اسے والی قرار دے دیا۔[3] مگر اسے اس رشوت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع نہ ملا اس لئے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۸۶۔ [2] الوزراء والکتاب ص ۱۶۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہ عبدالرحمٰن کے بھائی مہاجر بن خالد نے مدینہ سے دمشق جا کر اپنی تلوار سے ابن اثال کو قتل کر دیا جس پر معاویہ نے مہاجر کو قید کی سزا دی اور ایک سال کے بعد رہا کیا۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے اپنے باپ کے قاتل کو حمص جا کر وہیں تہ تیغ کیا۔ اس پر معاویہ نے اس کو تھوڑے دن تک قید کیا، پھر دیت (خون بہا) لے کر رہا کر دیا۔[2] یہ ۴۶ھ کا واقعہ ہے۔ ان کے مقربین اور گردو پیش کے رہنے والے اس کا اندازہ رکھتے تھے کہ معاویہ کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد بنائیں مگر انہیں بھی اس کے بروئے کار آنے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ سب سے پہلے جس نے اس تعطل اور جمود کو حرکت اور عمل میں تبدیل کیا وہ مغیرہ بن شعبہ والیِ کوفہ تھا۔ یہ شخص بڑا ہی مدبر اور عرب کے نہایت چالاک لوگوں میں محسوب تھا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مغیرہ نے شاید فقط امتحان کے طور پر دمشق جا کر معاویہ کے سامنے حکومت کوفہ سے استعفاء دینے کا خیال ظاہر کیا۔ وہ سمجھتا ہوگا کہ امیر معاویہ مجھے کسی قیمت پر ہٹانے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور اس کے بعد میری خوشامد کریں گے۔ وہاں معاملہ برعکس ہوا اور معاویہ نے ایک دوسرے شخص کو کوفہ کی حکومت کے لئے تجویز کیا۔ جب یہ صورت پیش آئی تو مغیرہ نے حکومت کوفہ پر برقرار رہنے کے لئے تدبیر کی کہ وہ یزید کے پاس گیا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ تم اپنے باپ سے ولی عہدی کا اعلان کیوں نہیں کراتے؟[3] کون کہہ سکتا ہے کہ یزید خود ہی اس کے واسطے دل ہی دل میں بے چین نہ ہوگا اور اگر اسے شراب و کباب کے مشغلوں میں اب تک اس پر غور کرنے کا موقع نہ بھی ملا ہو تب بھی مغیرہ کا یہ کہنا اس کی دیوانہ طبیعت کے لئے ''ہوئے بس است'' سے کم نہ تھا۔ وہ معاویہ کے پاس گیا اور ایک لاڈ پیار سے پلے ہوئے بے باک بیٹے کی طرح اپنے باپ سے بضد ہو کر اپنی ولی عہدی کے لئے خواہش کی اور مغیرہ بن شعبہ کے خیالات کو جو اس بارے میں تھے بیان کیا۔ معاویہ کو تو کبھی اس کی توقع ہوتی ہی نہ تھی کہ کوئی سنجیدہ انسان اس منصب کے لئے یزید کا نام پیش کرے گا۔ انہوں نے جو مغیرہ کی گفتگو سنی تو سمجھے کہ سوکھے دھانوں پانی

---

[1] الوزراء والکتاب ص ۱۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۲۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۶۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پڑا۔ انہوں نے مغیرہ کو بلوایا اور اس سے اس بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔ مغیرہ نے بڑے اعتماد کے ساتھ بتلایا کہ اس مہم کا پورا ہونا کوئی مشکل نہیں ہے۔ کوفہ میں یزید کی موافقت پر لوگوں کو ہموار کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔ بصرہ میں زیاد اس کام کو انجام دے گا۔ ان دو مقامات کے بعد پھر تیسری جگہ کوئی ایسی ہے نہیں جو یزید کی مخالفت کی جرأت کر سکے۔ معاویہ نے مغیرہ کی ان باتوں کو بڑی توجہ کے ساتھ سنا اور اس کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیا۔ مغیرہ فوراً کوفہ پہنچا اور اس مقصد کی تکمیل میں مصروف ہوگیا اسے اپنی کارگزاری کا نتیجہ جلدی سے معاویہ کی خدمت میں پیش کر کے صلہ حاصل کرنا اور اپنی وفا داری کا سکہ جمانا تھا۔ اس لئے اس نے سب سے پہلے جو خاص بنی امیہ کے ہوا خواہ تھے ان کو بلا کر اپنے مقصد کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ''خلیفتہ المسلمین'' اس امر کے متعلق مطمئن نہیں ہیں کہ کوفہ کے لوگ اس ولی عہدی کو تسلیم کریں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ یہاں سے ایک وفد ان کی خدمت میں جائے اور یہ التجا پیش کرے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد قرار دیں۔ پھر بھی ایسے لوگ کم ملتے تھے جو اس وفد میں شریک ہونا پسند کریں اس کے لئے مغیرہ کو اپنی جیب خاص یا خزانہ سرکاری سے ۳۰ ہزار درہم رشوت میں صرف کرنا پڑے۔ اس طرح کوفیوں کا ایک وفد مرتب کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کی قیادت میں معاویہ سے یزید کی نامزدگی کے لئے درخواست پیش کی۔ معاویہ اس التجا کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے وفد کو مناسب جواب دینے کے بعد علیحدگی میں موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کتنے پر تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین و ایمان کو خرید کیا؟ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم میں۔[1]

معاویہ کو اس معاملہ میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے متعلق اب بھی اطمینان نہ تھا۔ انہیں جمہور کی نفرت و بیزاری کا خوف دامن گیر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مغیرہ کے اس وفد کو رائے عامہ کا ترجمان نہیں سمجھا جاسکتا اب انہوں نے زیاد بن ابیہ کو جسے وہ سیاسی طور پر

---

[1] کامل ابن اثیر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنا بھائی بنا چکے تھے اس معاملہ میں مشورہ لینے کے طور پر خط لکھا۔ زیاد کو معاویہ کی اس خواہش کا اندازہ بہت عرصہ سے ہوگا۔ اب اس خط سے اس خواہش کا اظہار بھی ہوگیا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک وفادار گورنر کی حیثیت سے اس کا کیا فرض ہونا چاہئے تھا خصوصاً جبکہ معاملہ اس کے ''بھتیجے'' کا تھا مگر معاملہ کی نزاکت اور اس کے تمام پہلو زیاد کو لرزہ براندام بنا رہے تھے چنانچہ اس نے اپنے خاص محرم راز عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا کہ ''خلیفۃ المسلمین نے مجھے خط لکھا ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے مگر انہیں لوگوں کی نفرت و بیزاری کا خوف ہے اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جمہور مسلمین متفق کئے جا سکیں اور اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے۔ اسلامی ذمہ داری کا احساس بہت اہم ہے اور یزید ایک آوارہ اور مطلق العنان شخص ہے اور شکار کا بڑا دلدادہ ہے۔ تم میری طرف سے سرکار کے پاس جا کر یزید کے افعال و حالات کا تذکرہ کرو اور کہو کہ ذرا سوچ سمجھ کر اس کام کو کریں تھوڑے دن کی تاخیر کر لینا اس سے بہتر ہے کہ جلد بازی سے کام لیا جائے جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہو۔ عبید نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ معاویہ کو اس طرح دوٹوک جواب نہ دیا جائے بلکہ یزید سے مل کر اس سے کہا جائے کہ اگر آپ کو رائے عامہ اپنے موافق بنانا ہے تو ان افعال کو ترک کیجئے جنہیں مسلمان عموماً ناپسند کرتے ہیں۔ زیاد نے معاویہ کو صرف اتنا لکھا کہ اس بارے میں ذرا تاخیر سے کام لیجئے۔ تعجیل مناسب نہیں ہے۔[1] کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد یزید نے اپنی بہت سی بداعمالیوں کو ترک کر دیا۔[2] مگر بعد کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کینہ یزید کے دل میں زیاد کی طرف سے پیدا ہوگیا بلکہ شاید ہم سنی کی رقابت سے اس کو یہ خیال ہوا کہ زیاد نے یہ مخالفت اپنے بیٹے عبید اللہ کے اشارے سے کی ہے اس لئے وہ عبید اللہ بن زیاد سے بھی ایک عرصہ تک اس کے بعد بدظن رہا۔

۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ستر برس کی عمر میں مغیرہ کا انتقال ہوگیا۔[3] اب کوفہ میں زیاد

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۶۹۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۷۰۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۳۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی حکومت ہوگئی۔ وہ ۴۵ھ میں معاویہ کی طرف سے بصرہ، خراسان اور سجستان کا حاکم بنایا گیا تھا۔ پھر بحرین اور عمان بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیئے گئے۔[1] اب مغیرہ کے مرنے کے بعد کوفہ بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا گیا چونکہ اس تمام قلمرو میں بصرہ اور کوفہ دو اہم مقام تھے لہٰذا اب وہ سال میں چھ مہینہ بصرہ میں رہتا تھا اور چھ مہینہ کوفہ میں اور اس مدت میں بصرہ کی حکومت پر سمرہ بن جندب کو اپنا قائمقام بنا جاتا تھا۔[2] تین یا چار سال کی مدت گزرنے پر ۴ ماہ رمضان ۵۳ھ کو زیاد کی بھی وفات ہوگئی۔[3] اب شاید اس اندیشہ میں کہ رہے سہے خاص خاص خیر خواہ بھی کہیں راہی ملک عدم نہ ہو جائیں۔ معاویہ نے ایک تحریری فرمان یزید کی ولی عہدی کا لکھ کر مجمع عام میں اس کا اعلان کر دیا اور رعایا سے اس کا اقرار لیا گیا۔[4]

واقعات بتاتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ بڑی حد تک کوفہ کی زمین کو ہموار بنانے کا کام کر چکا تھا اور کم از کم ہوا خواہان بنی امیہ کو اس کے لئے تیار کرلیا تھا۔ بصرہ میں بہرحال عبید اللہ بن زیاد کو اس اسکیم کی تکمیل کرنا لازم تھی چاہے اس کی ذاتی رائے اس بارے میں کچھ بھی ہوتی اور وہاں کی خلقت اس کے باپ سے اور خود اس سے اس درجہ مرعوب و خائف تھی کہ وہاں کسی مخالفت کا امکان نہ تھا اور شام تو اپنا ملک ہی تھا۔ لے دے کر وہاں ایک عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے جن سے اندیشہ ہوتا انہیں پہلے ہی ختم کیا جا چکا تھا۔ دوسرے مقتول خلیفہ عثمان کے بیٹے سعید تھے۔ انہوں نے ذرا خلافت یزید پر اظہار ناراضگی کیا اور خود معاویہ کے پاس آکر کہا کہ آپ نے یزید کو مجھ پر مقدم کیا اور اس کے لئے بیعت لی حالانکہ بخدا آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ اس کے باپ سے بہتر اور میری ماں اس کی ماں سے اچھی اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور آپ کو جو کچھ ملا ہے یہ میرے باپ کا صدقہ ہے۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا کہ تم نے جو اپنے باپ کے احسان کا مجھ پر ذکر کیا تو مجھے اس کا انکار نہیں مگر میں نے اس کا عوض یہ کر دیا کہ ان کے خون کا مطالبہ کیا اور قاتلوں سے ان کا بدلہ لیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اس میں بھی کوئی شک

---

[1] طبری ج ۶۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۳۱۔ [3] الوزراء والکتاب ص ۱۶۔ [4] طبری ج ۶ ص ۱۷۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہیں کہ مجھ سے بہتر تھے اور انہیں رسول خداؐ سے قرابت مجھ سے زیادہ حاصل تھی۔ اسی طرح تمہاری ماں کی فضیلت۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ قرشیہ کی بزرگی کلبیہ پر ظاہر ہے لیکن یہ بات کہ تم یزید سے بہتر ہو تو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک اگر تم ایسوں سے میرا گھر بھرا ہو وہ سب مل کر بھی یزید کے برابر نہ ہوں گے۔

وہ تو یہ جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ہوں گے مگر پھر کہا جاتا ہے کہ یزید نے اپنے باپ سے سفارش کہ سعید میری وجہ سے کبیدہ خاطر ہوگئے ہیں تو آپ انہیں کسی صورت سے خوش کر دیجئے۔ اس پر معاویہ نے انہیں خراسان کا حاکم بنا دیا۔[1]

اس طرح یہ خدشہ بھی دور ہو گیا۔ شام اور عراق کو ہموار کرنے کے بعد معاویہ نے مکہ اور مدینہ کے متعلق خیال کیا اس زمانہ میں مروان مدینہ کا حاکم تھا۔ معاویہ نے اس کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی جا چکی ہے تم خود بھی یزید سے بیعت کرو اور ہماری طرف سے وہاں مدینہ کے لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لو۔ مروان نے جب معاویہ کا حکم پڑھا تو غصہ سے برافروختہ ہو کر گھر میں گیا۔ گھر والوں اور اپنے ماموں زاد قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر بھی اپنی اس ناراضگی اور رنج و غضب کا اظہار کیا اور اسی غصہ میں دمشق کی طرف معاویہ سے خود بات چیت کرنے کی غرض سے روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر معاویہ سے ملا اور اس انداز سے چلتا تھا جس طرح دو برابر کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ معاویہ سے غصہ سے بھری ہوئی تیز و تند تقریریں کیں اور کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ چھوکروں کو امیر اور سردار بناتے ہیں اس ارادہ سے باز آیئے۔ یاد رکھئے کہ آپ کی دم میں ایسے اور بھی موجود ہیں جو آپ کے مشوروں میں شریک اور آپ کے کاموں میں آپ کے وزیر و مددگار رہے ہیں۔ معاویہ نے کہا مروان خفا نہ ہو تم بیشک خلیفہ وقت کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے پشت پناہ اور مددگار ہو اس لئے یزید کے بعد تم کو ہی یزید کا ولی عہد ہم نے قرار دیا ہے۔ یہ تھا وہ سیاسی منتر جس نے مروان کے غصہ کو ختم کر دیا اور مروان بخیال خود مطمئن ہو کر مدینہ واپس ہوا۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۷۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مدینہ میں مروان نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں یزید کی تخت نشینی کے متعلق ذکر کیا اور کہا معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح ابوبکر نے عمر کے لئے بیعت لی تھی یہ سننا تھا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر بگڑ گئے اور کہا ابوبکر نے اپنے بیٹے کی بیعت نہیں لی تھی۔ یہ تو کسریٰ و قیصر کا طریقہ ہے ہم ہرگز اس شرابی و زانی کی بیعت نہ کریں گے۔ عبدالرحمٰن کے خیالات کی تائید حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر نے کی۔ جو واقعہ پیش آیا اس کی اطلاع مروان نے معاویہ کو کر دی۔ معاویہ نے کچھ دن تامل کیا۔ پھر یزید کو لے کر حج کے بہانے سے روانہ ہوئے۔ معاویہ کو خوب احساس تھا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے خلافت یزید پر اعتراض کیا ہے دنیائے اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے نقطہ نظر سے جن جن افراد کو اسلامی معاملات سے دلچسپی کا ورثہ پہنچتا تھا وہ سب ہی یزید سے اختلاف رکھنے میں متفق تھے چنانچہ ایک طرف ان میں حضرت حسینؑ بن علیؑ تھے تو دوسری طرف

عبدالرحمٰن، ابن ابی بکر

عائشہ، بنت ابی بکر

عبداللہ، ابن عمر

عبداللہ، ابن عباس اور

عبداللہ، ابن زبیر بھی تھے

ان ناموں کے دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جو فرقہ بندی آج قائم ہے اس کا کوئی اثر یزید کی ولی عہدی کے جواز پر نہیں پڑتا۔ اصولاً یزید کی ولی عہدی سے اختلاف میں تمام وہ افراد متفق تھے جو کسی فرقہ کے نقطہ نظر سے بھی مذہبی نمائندگی کر سکتے تھے۔ اب یہ اپنا اپنا ثبات قدم اور استقلال ہے کہ کوئی تمام مشکلات کے باوجود آخر وقت تک اپنی اس بات پر قائم رہے اور کوئی پھر حالات سے مجبور ہو جائے لیکن اصول اور آئین کے اعتبار سے ان سب کا متفق ہونا خود ایک بڑی وزنی حقیقت ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاویہ نے ان لوگوں کو خوف دلا کر بھی دبانا چاہا اور لالچ دلا کر بھی مائل کرنا چاہا چنانچہ سب سے پہلے جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر معاویہ نے کہا نہ تمہارے لئے خوشی ہو اور نہ برکت۔ تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائے گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا چپ رہو ہم ایسے کلام کے اہل نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا اس سے بھی بدتر کلام کے مستحق ہو پھر اس کے بعد ابن زبیر سے ملے تو ان سے کہا کہ تو ایک چھپے ہوئے مکار سوسمار (گوہ) کے مانند ہے جو سر کو اپنے سوراخ میں ڈال کر دم ہلاتا ہے قسم ہے خدا کی عنقریب اس کی دم پکڑ لی جائے گی۔ دور کرو اس کو اور پھر ان کے خچر پر چابک مارا اور ہٹا دیا پھر اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملے۔ ان کو کہا کہ یہ بڈھا بھی سٹھیا گیا ہے اور اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ان کے سواری کے خچر پر بھی تازیانہ مارو اور ہٹا دو پھر عبداللہ بن عمر سے بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔[1]

اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو کر بھی خلافت یزید کے لئے ان حضرات کو ڈرانے دہلانے اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔

عائشہ نے جو یہ سنا تو غصہ میں معاویہ کے پاس گئیں اور کہا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پہلے میرے ایک بھائی (محمد بن ابی بکر) کو قتل کر چکے اور تم نے لاش ان کی آگ میں جلائی آج مدینہ میں آ کر میرے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچاتے ہو اور ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہو اور فرزند رسولؐ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ڈراتے دھمکاتے ہو۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں رسولؐ نے رحم کھا کر فتح مکہ میں قتل سے آزاد کر دیا تھا تم کو ایسی حرکتیں ہرگز زیب نہیں دیتیں۔

طبری نے معاویہ کا مکالمہ جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ درج کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

معاویہ نے کہا اے عبدالرحمٰن کیسے ہاتھ پیروں کے ساتھ تم میری نافرمانی کرنے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی جرأت کرتے ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا اس لئے کہ اس امر کے لئے میں اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتا ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ میں اس صورت میں تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کہا اگر تم ایسا کرو گے تو لعنت خدا اور سزائے آخرت کے مستحق ہو گے۔[1]

یہ تو خوف دلانے کی ترکیبیں تھیں جب یہ کامیاب نہیں ہوئیں تو دوسری صورت بھی اختیار کی گئی چنانچہ ایک لاکھ درہم عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس بھیجے مگر انہوں نے روپیہ واپس کر دیا اور کہا کہ ہم دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کریں گے اور مکہ سے ہجرت کر گئے۔ اسی طرح عبد اللہ بن عمر کو بھی ایک لاکھ درہم بھیجے گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں بڈھا ہو چکا ہوں اور میرا دین ایک لاکھ درہم سے زیادہ قیمتی ہے یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا اور امام حسینؑ کو بھی بہت کچھ تحائف اور زر و مال پیش کیا گیا تھا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اور واپس کر دیا۔

ازواج رسولؐ میں سے عائشہ نے اس مخالفت میں زیادہ حصہ لیا چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ معاویہ مدینہ میں منبر رسولؐ پر بیٹھے یزید کی بیعت لے رہے تھے کہ عائشہ نے اپنے حجرہ سے پکار کر کہا کہ خاموش ہو جاؤ کیا کر رہے ہو؟ کیا تم سے پہلے شیخین نے اپنے بیٹوں کے لئے کبھی بیعت لی تھی؟ معاویہ نے کہا کہ نہیں تو عائشہ نے کہا پھر تم کس کی پیروی کرتے ہو؟ معاویہ یہ سن کر شرمندہ ہوئے اور منبر سے اتر آئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یزید کی ولی عہدی سب کے نزدیک اصول شریعت اور آئین اسلام کے خلاف تھی۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ شرائط صلح میں یہ بات طے پا چکی تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی جانشین کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس کے بعد معاویہ کو اپنے بیٹے کا خود نامزد کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یہ سب اس صورت میں بھی تھا کہ جب یزید اپنے کردار کے لحاظ سے اچھا ہی آدمی ہوتا چہ جائیکہ یزید کے اخلاق و عادات وہ تھے جو کسی شائستہ انسان اور ایک معمولی مسلمان کے بھی شایان شان نہیں چہ جائیکہ خلافت کے لئے جو بہرحال ایک مذہبی عہدہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۷۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب لکھتے ہیں ''اسلام کے شروع سے حاکم اسلام دین اور دنیا دونوں کا مقتداء سمجھا جاتا تھا۔ مذہب اور سیاست کا یہ اجتماع عقلمندانہ اصول پر مبنی تھا یا نہیں، یہ ایک مختلف فیہ بات ہے جس کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار ضروری نہیں سمجھتا لیکن یہ اصول عام طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس لئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ خلیفہ اسلام میں علاوہ سیاسی قابلیت کے مذہبی اور دینی صفات بھی بدرجہ اتم موجود ہوں اور یہ سب کو معلوم تھا کہ یزید اس لحاظ سے کسی طرح بھی مستحق خلافت نہیں تھا'' اسی لئے جتنے سمجھدار انسان تھے سب ہی اس اقدام کو نازیبا سمجھ رہے تھے اور اسے ایک مہلک اقدام کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

حسن بصری کا قول تھا کہ معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں جن میں سے ایک بھی ہو تو وہی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول جاہلوں کی مدد سے بغیر امت کے مشورہ کے انہوں نے خلافت پر قبضہ کرلیا حالانکہ اس وقت اصحاب رسولؐ اور صاحبان فضیلت موجود تھے۔ دوسرے اپنے بیٹے کو جو شراب خوار نشہ باز تھا اور ریشم پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا اپنا جانشین بنایا۔ تیسرے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اسی کا قرار دیا جاسکتا ہے جو اصلی شوہر ہو اور زناء کار کے لئے بس پتھر ہے۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا۔[1]

دوسرا قول ان کا یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی تباہی کے ذمہ دار دو شخص ہیں۔ ایک عمرو بن العاص جس نے معاویہ کو قرآن نیزوں پر بلند کرنے کی رائے دی تھی چنانچہ وہ بلند بھی کئے گئے اور دوسرے مغیرہ جس نے معاویہ کو یزید کی بیعت لینے کا مشورہ دیا۔ اگر مغیرہ کی یہ رائے نہ ہوتی تو قیامت تک انتخاب کا اصول قائم رہتا۔ معاویہ کے بعد جو تخت نشین ہوئے وہ سب کے سب معاویہ کی مثال کے مطابق اپنے بیٹوں کی بیعت کراتے رہے۔

مسلمانوں کی اس رائے عامہ کی نمائندگی وہ چند اشخاص کر رہے تھے جن کے نام تاریخ میں درج ہیں۔

---

[1] کامل ابن اثیر، ج ۲ ص ۴۵۔ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۹۶۔ طبری ج ۶ ص ۱۵۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہیں تھا کہ اس جماعت میں سب سے نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بناء پر انہوں نے مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسینؑ بن علیؑ کو بلوا کر کہا کہ اس معاملہ میں تمام لوگ ہموار ہو چکے ہیں ماسوا پانچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی آپ کر رہے ہیں۔ حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا ''میں ان کی سرکردگی کرتا ہوں؟'' معاویہ نے کہا ''بے شک آپ ہی ان کے سرغنہ ہیں''۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے۔ اگر ان سب نے بیعت کرلی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دفع الوقتی کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں معاویہ کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی اور وہ ناامیدی کے ساتھ شام واپس گئے۔ امام حسینؑ کا بیعت سے انکار سلطنت اقتدار کے لئے بڑی سخت ٹھوکر تھی جسے معاویہ کی قوت سیاست دانی سمجھتی تھی مگر اسے حسینؑ بن علیؑ کا ایک بڑا تدبر سمجھنا چاہئے کہ آپ نے اپنے عمل کو سلبی حدود تک محدود رکھا یعنی صرف بیعت نہ کرنا اور سکوت اختیار کرنا۔ آپ جانتے تھے کہ فریق مخالف ایک وقت میں اس سکوت کو توڑنے کے لئے تشدد سے کام لے گا جس کے لئے آپ تیار تھے مگر آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ کی طرف کسی جارحانہ اقدام کا الزام عائد کیا جاسکے۔ دوسری طرف معاویہ نے بھی بتقاضائے سیاست اس وقت کسی عملی اقدام کو مناسب نہیں سمجھا مگر اس کے بعد نہ معاویہ تدبیروں سے غافل تھے اور نہ حسینؑ مستقبل سے بے خبر تھے۔ اصل میں حسینؑ چاہتے تھے کہ میں خاموش رہوں اور حریف تشدد سے کام لے اور معاویہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنی طرف سے عملی طور پر تشدد کی پہل نہ کریں اور حسینؑ جوش میں آکر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھیں جو امن عام کو صدمہ پہنچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کردے۔

درحقیقت کربلا کی جنگ اپنے قریبی اسباب کے لحاظ سے شروع یہیں سے ہوگئی مگر یہ اس وقت ایک صبر آزما نفسیاتی کشمکش تھی جو نہ معلوم کب تک جاری رہتی۔ اگر معاویہ کا رشتہ عمر قطع نہ ہوتا اور نوعمر، ناتجربہ کار، غرور سلطنت سے بدمست یزید تخت سلطنت پر نہ بیٹھتا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گیارھواں باب

معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی

۵۰ھ میں امیر شام معاویہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ انہیں اپنی بیماری کے عالم میں اور خصوصاً اس وقت جبکہ صحت سے مایوسی ہوگئی تھی شدید احساس تھا کہ انہوں نے یزید کی خلافت تسلیم کرانے میں کتنی محنت و مشقت برداشت کی ہے اور کس درجہ اپنے راحت و آرام اور مال و دولت اور سب سے بڑھ کر ضمیر کی قربانی کی ہے جو روحانی تکلیف کا باعث ہوتی ہے جس کا اظہار انہوں نے بصیغہ راز مروان سے کیا۔ ملاحظہ ہو ابن حجر مکی کی کتاب ''تطہیر الجنان و السان'' جو انہوں نے معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز معاویہ رونے لگے۔ مروان نے سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا میں کون سی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو اب سن زیادہ ہو گیا اور ہڈیاں گھل گئیں اور جسم کمزور ہوگیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ نہ ہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کر لیتا۔[1]

علامہ ابن حجر نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا ہے کہ یزید کی محبت نے ان کو ہدایت کے راستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جس نے ان کو تباہ کر دیا۔[2]

پھر یہ فطری بات ہے کہ جتنا زیادہ کسی نے ایک مقصد کے لئے ایثار اور کد و کاوش کی ہو اتنی ہی اسے اپنے اس مقصد کی کامیابی کی فکر ہوتی ہے اور اس میں کسی خلل کے واقع ہونے کا قلق ہوتا ہے۔ معاویہ نے یزید کے لئے کیا کچھ کیا اور اس میں ان کے نزدیک خلل کیا باقی رہ گیا اس کا تذکرہ انہوں نے خود یزید سے کیا۔ اپنے مرض الموت کی

---

[1] حاشیہ صواعق محرقہ ص ۵۶۔ [2] حاشیہ صواعق محرقہ ص ۵۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابتداء میں جبکہ انہوں نے اسے بلا کر کہا۔ بیٹا میں نے تم کو کوچ اور مقام کی زحمتوں سے بچا دیا اور تمہارے لئے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اور تمام دشمنوں کے سر تمہارے لئے خم کرا دیئے اور تمام قوم عرب کی گردن کو تمہارے واسطے جھکا دیا اور سب کو تم پر مجتمع کر دیا ہے مگر مجھے اس خلافت کے مسئلہ میں جو تمہارے لئے مکمل ہو چکا ہے بس قریش کے چار آدمیوں سے کھٹکا ہے۔ حسینؑ بن علیؑ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔[1]

ظاہر ہے کہ ان آنکھوں کی سوئیوں کے رہ جانے کا معاویہ کو کتنا خیال اور صدمہ ہوگا اور یہ صدمہ اتنا اتنا بڑھتا جاتا تھا جتنا جتنا ان کی موت کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔

لیکن وہ یزید جس کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا اپنے بوڑھے باپ کے آخر وقت پاس موجود بھی نہ تھا۔[2] اور دمشق کے باہر مقام خوارین پر رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔[3]

معاویہ نے اپنی حالت دگرگوں پا کر اس کے پاس بلانے کے لئے آدمی بھیجا مگر اس کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے اپنے پولیس آفیسر ضحاک بن قیس فہری اور اپنے پہرہ داروں کے سردار مسلم بن عقبہ کو بلا کر کہا کہ جب یزید آئے تو میری وصیت اس تک پہنچا دینا اور اسے بتلانا کہ میرا حکم اس کے لئے یہ ہے کہ وہ اہل حجاز کے ساتھ مراعات سے کام لے۔ جو لوگ وہاں سے دارالسلطنت میں آئیں ان کا اکرام و احترام کیا جائے اور جو وہاں کے اشراف اور بزرگ یہاں سے دور ہیں ان کی بھی وقتاً فوقتاً خبر گیری کی جاتی رہے اور اہل شام کو اپنا دست و بازو اور اپنا چشم و گوش بنائے رکھے اور انہیں شام کے صوبہ سے باہر زیادہ عرصہ تک نہ رکھا جائے تاکہ ان میں دوسرے مقامات کے اخلاق و اوصاف سرایت نہ کریں۔ اس کے بعد یہ بتلا دینا کہ مجھے اس کے خلاف صرف چار آدمیوں سے خوف ہے۔ اول حسینؑ بن علیؑ، دوسرے عبداللہ بن عمر، تیسرے عبدالرحمٰن بن

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۷۹۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۸۲۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۸۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابی بکر اور چوتھے عبداللہ بن زبیر۔[1]

اس وصیت سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ بستر مرگ پر بھی اپنے دل میں تمام درد یزید کا لئے ہوئے تھے ان کو نہ اپنی بیماری کا کوئی خیال تھا نہ اپنی تکلیف کا کوئی تصور، نہ اپنے انجام کے متعلق کوئی فکر۔ انہیں اس وقت بھی خیال تھا، تصور تھا اور فکر تھی تو یزید اور صرف یزید کی اور اس کے ساتھ آخر وقت کی پتھرائی ہوئی نگاہوں میں بھی صورتیں تھیں تو چار، جو یزید کے لئے ان کے نزدیک ایک خطرہ کی حیثیت رکھتی تھیں جن میں سب سے پہلی تصویر تھی حسینؑ کی۔

رجب ۶۰ھ میں معاویہ دنیا سے رحلت کر گئے۔[2]

اڑتیس برس کی عمر میں وہ شام کے گورنر بنے تھے۔ ۵۸ برس کی عمر میں وہ خودمختار خلیفہ ہوئے اور ۷۸ برس کی عمر میں اب ان کی وفات ہوئی۔[3]

بعض مورخین کے بیان کے مطابق ان کی عمر اس سے کچھ کم ۷۳ یا ۷۵ اور بعض کے نزدیک اس سے زیادہ پچاسی سال کی تھی۔[4]

یزید کو اس کی شکارگاہ میں اس سانحہ کی اطلاع دی گئی جس کو سن کر وہ دمشق پہنچا ایسے وقت جب معاویہ دفن بھی کئے جا چکے تھے۔ باپ کی بچھائی ہوئی مسند اس کے آنے ہی کی منتظر تھی۔ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام اہل شام نے فوراً اس کی بیعت کر لی۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۷، طبری ج ۶ ص ۱۸۰۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۸۰، ارشاد ص ۲۰۶۔ [3] کتاب البلدان۔ [4] طبری ج ۶ ص ۱۸۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بارھواں باب

یزید تاریخ کی روشنی میں

یزید کی ماں میسون بنتِ بحدل بن انیف کلبیہ[1] ایک صحرائی عورت تھی جو شہری زندگی سے نفرت کرتی تھی مگر وہ اپنے حسن و جمال کی بدولت معاویہ کی بہت منظور نظر ہوگئی تھی اور انہوں نے اس کے لئے غوطہ کے مقابل ایک قصر تعمیر کرایا تھا جہاں سے اس پر نزہت جگہ کی سیر دور تک ہوسکتی تھی اور اس قصر میں بڑے آرائش کے سامان اور سونے چاندی کے برتن اور دیبائے رومی کے رنگا رنگ اور منقش فرش مہیا کئے تھے اور بہت سی حسین و جمیل کنیزیں خدمت کے لئے دی تھیں۔ ان شاہانہ انتظامات کے ساتھ میسون کو اس محل میں اتارا گیا تھا مگر یہ سب کچھ اُس صحرائی عورت کی نگاہ میں خاک تھا۔ اس لئے کہ اسے تو اپنا جنگل اور اس میں چرتی ہوئی بھیڑ، بکریاں یاد آتی تھیں۔ ایک دن معاویہ کے محل میں آنے کا وقت تھا اور میسون ایک بہترین پوشاک پہن کر اور قیمتی زیورات پہن کر اور خوشبو لگا کر کنیزوں کے جرمٹ میں اس کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی جو کہ غوطہ کے مرغزار کی طرف تھی اس کو وہاں کے درخت نظر آرہے تھے اور طائروں کے نغموں کی صدا اور پھولوں کی خوشبو آرہی تھی۔ اس وقت اسے اپنا بخد کا بادیہ اور ہمجولیاں اور سہیلیاں یاد آئیں جس کی بناء پر وہ بیساختہ رونے لگی اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگی۔ ایک خواص نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ میسون نے ایک لمبی سانس لی اور کچھ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا ''یقین سمجھو کہ وہ ڈیرا جس میں چوبائی ہوا کے جھونکے آتے رہتے تھے مجھے اس عالی شان محل سے زیادہ محبوب ہے اور وہ بالوں کی عبا جو میرے جسم پر ہوتی تھی ان باریک اور صاف پوشاکوں سے زیادہ محبوب تھی اور ایک سوکھی روٹی کا ٹکڑا اپنے جھونپڑے کے کونے میں بیٹھ کر کھانا مجھے ان صاف اور عمدہ روٹیوں سے زیادہ مرغوب تھا اور وہ درہ ہائے کوہ میں ہواؤں کے تھپیڑے کی صدا میرے لئے طبلوں کی آواز سے زیادہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۸۳ و ج ۷ ص ۱۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دلکش تھی اور وہ کتا جو مہمانوں کے آنے کے وقت بھونکتا تھا ان خوبصورت سدھی ہوئی مرغابیوں سے زیادہ محبوب تھا اور وہ سرکش اونٹ جو ہودجوں کو لے کر چلتا تھا مجھے اس زین و لجام سے آراستہ خچر سے زیادہ پسند تھا اور میرے قوم وقبیلہ کا ایک دبلا پتلا حقیر آدمی مجھے ایک بدخو مسٹنڈے سے زیادہ محبوب تھا۔

جب معاویہ آئے تو اس خواص نے یہ قصہ معاویہ سے دہرایا یا یہ کہ معاویہ نے میسون کو یہ اشعار پڑھتے خود سن لیا۔ بہرحال ان کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ سب تو سب اس نے مجھ کو سخت بدخو مسٹنڈا بنایا۔ میں اس کو تین طلاق دیتا ہوں۔ جاؤ اس سے کہو کہ وہ جو کچھ محل میں ساز و سامان ہے سب کچھ لے لے اور چلی جائے چنانچہ اسے بخد میں اس کے عزیزوں کے یہاں بھجوا دیا گیا۔ اس حالت میں کہ یزید اس کے پیٹ میں تھا۔[1] ۲۲ھ میں یزید کا تولد ہوا۔[2] دو برس کے بعد جب معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو وہاں سے بلوا لیا۔[3]

نوجوانی ہی کی عمر سے وہ فسق و فجور اور لہو و لعب میں مبتلا ہوگیا اور سن کے ساتھ ساتھ اس کے ان عادات میں بھی ترقی ہوتی گئی چنانچہ مختلف جانوروں کے ساتھ اس کے رکیک حرکات کا تاریخ میں مختلف صورتوں سے چرچا موجود ہے۔

علامہ دمیری نے لغت ''مہذ'' کے تحت میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اس کو گھوڑے پر سوار یزید بن معاویہ نے کیا ہے۔[4] دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ یزید کے ایک بندر کو گدھے پر بیٹھنے کی مشق کرائی گئی تھی اور گھوڑ دوڑ میں اس کا بڑا شہسواروں سے مقابلہ کرایا جاتا تھا اور ایک مرتبہ وہ تمام شہسواروں سے سبقت لے گیا تو یزید نے اس بارے میں شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ کوئی میری طرف سے کہہ دے اس بندر سے جو ایک گدھی کی پشت پر بیٹھ کر گھوڑوں سے آگے نکل گیا کہ اے ابوقیس جب تو اس پر سوار ہوا کر تو اس سے لپٹا رہا کر کیونکہ اگر تو گر کر مر گیا تو اس گدھی سے کوئی باز پرس بھی نہ ہو

---

[1] حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۰۷۔ [2] طبری ج ۴ ص ۲۵۹۔ [3] حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۰۷۔ [4] حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۱۸۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سکے گی۔[1]

یزید نے اپنے بندر کی کنیت ابو قیس قرار دی تھی اور اپنے ساغر کی بچی ہوئی شراب اسے پلایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک بزرگ ہے جس نے گناہ کیا تھا تو وہ مسخ ہوگیا اور وہ اس کو ایک گدھی پر سوار کرتا تھا جو اسی مقصد سے سدھائی گئی تھی اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں وہ اسے گھوڑوں کے ساتھ چھوڑ دیتا تھا۔ ایک روز وہ گدھی آگے بڑھ گئی تو یزید بہت خوش ہوا اور یہ شعر پڑھے۔

''اے ابو قیس اس کی مہار سے لپٹا رہا کر اگر تو گر پڑا تو اس پر کوئی ذمہ واری نہ ہوگی۔ اس گدھی نے یہ کارنمایاں کیا ہے کہ وہ تمام گھوڑوں سے آگے نکل گئی ہے۔''[2]

یہ تو اس کے لغو افعال تھے۔ اس کے علاوہ شراب خواری اس کی ضرب المثل تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر نے نام ہی اس کا ''سکران'' یعنی بدمست رکھ لیا تھا۔[3]

وہ کسی موقع پر مصلحتاً بھی اس عادت کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا چنانچہ جب ولی عہدی کے دور میں معاویہ کے حکم سے وہ مکہ و مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ جمانے کے لئے حج کو گیا تو مدینہ رسولؐ میں پہنچ کر بھی مصاحبوں کے جھمگٹے میں شراب کا دور ضرور چلایا۔[4]

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو یزید کی حکومت میں یہ خوف ہوگیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے۔ وہ ایسا شخص تھا جو اپنی سوتیلی ماؤں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا۔[5]

اتنا ہی نہیں کہ وہ عملی حیثیت سے ایک لا ابالی اور گنہگار شخص تھا بلکہ اس کے خیالات بھی ایسے ہی تھے۔ وہ اپنے افعال پر منفعل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان پر نازاں تھا۔ اس کا مظاہرہ اس کے دیوان کے ان اشعار سے ہوتا ہے جن میں اس نے احکام شریعت کا

---

[1] حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۰۱۔ [2] تاریخ ابن الفوطی۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۶۱۔ [4] کامل ج ۴ ص ۶۳۔ [5] صواعق محرقہ ص ۱۳۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مذاق اڑایا ہے بلکہ قرآن و حدیث کے ساتھ تمسخر کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اشعار میں اکثر باتیں غیر واقعی بھی نظم ہو جاتی ہیں اور ان کے بیانات اکثر تخیلی پیرایہ رکھتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خیالات ویسے ہی دماغ میں آتے ہیں اور اشعار ویسے ہی تراوش کرتے ہیں جیسا انسان کا مذاق طبیعت ہوتا ہے۔ ایک دیندار متقی اور پرہیز گار شخص سے ممکن نہیں ہے کہ وہ اشعار میں خدا یا رسولؐ یا ائمہ دین کے ساتھ اس طرح کی جسارتیں کرے جو انتہائی حقارت آمیز ہوں۔ یزید کے اشعار اسی طرح کے ہیں۔

وہ صرف لذائذ سے متمتع نہیں ہوتا تھا بلکہ نظریہ بھی یہی رکھتا تھا۔ دیکھا جائے تو عمر خیام کا یہ فلسفہ کہ آخر میں فنا ہونا ہے اس لئے جتنا ممکن ہو دنیا میں مزے لوٹ لو خیام سے پہلے یزید کے ذہن میں تشکیل پا چکا تھا چنانچہ وہ کہتا ہے۔

اقول الصحب ضمت الکاس شملهم وداعی مبابات الهویٰ یترنم
خذوا بنصیبٍ من نعیم و لذّة فکلّ وان طالِ المدیٰ یتصرم

''ان ساتھیوں سے جنہیں ساغر شراب نے ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور جن کے سامنے عشق و محبت کے محرکات نغمہ سرائی کرتے ہیں میرا یہ قول ہے کہ جتنا ممکن ہو عیش و لذت سے بہرہ ور ہو لو کیونکہ کتنی ہی مدت طولانی ہو آخر میں تو ختم ہی ہونا ہے''۔[1]

نماز اور شرابخواری کا موازنہ کرتے ہوئے اس نے ایک شعر میں کہا۔

ماقال ربک ویل للالے شربوا بل قال ربک ویل للمصلین

یعنی ''خدا نے شرابخواروں کو عذاب سے ڈرانے کے لئے ''ویل الشاربین'' کہیں نہیں کہا بلکہ قرآن میں نماز گزاروں کو ''ویل للمصلین'' کہا ہے''۔

ایک جگہ اس نے شراب کے بارے میں اس طرح کہا ہے۔

فان حرمت یوما علی دین احمد فخذها علی دین المسیح ابن مریم

---

[1] صواعق محرقہ ص ۱۳۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یعنی ''اگر دین احمدؐ میں شراب پینے کو حرام سمجھا گیا ہے تو خیر دین مسیح پر ہو کر ہی پی لو''۔

اس نے آخرت کی نعمتوں کا موازنہ نغمہ و شراب سے کرتے ہوئے یوں کہا ہے۔

معشر الندمان قوموا — واسمعوا صوت الاغانی
واشربو کاس مدام — واترکوا ذکر المعانی
شغلتنی نعمة العید — ان من صوت الاذان
وتعوضت عن الحو — رعجوزانی الدنان

''اے حریفان شراب اٹھو اور گانوں کی صدا سنو، ساغر شراب پیو اور دوسری باتوں کا ذکر چھوڑ دو۔ مجھ کو ستار اور سارنگی کے نغموں سے اذان کی آواز سننے کی فرصت نہیں اور حوروں کے عوض میں نے شیشہ کی پری کو پسند کر لیا ہے''۔

یوں تو یہ اشعار تفریح طبع کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں مگر ان میں حور و قصور کی خبروں کا مضحکہ ضرور مضمر ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حشر و نشر کے انکار کو بالکل صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے اپنے ان اشعار میں۔

علیته هاتی واعلنی وترنمی — بذالک انی لااحب التناجیا
حدیث ابی سفیان قدماسما بها — الی احد حتی اقام البوا کیا
الاهات سقینی علی ذاک قهوة — تخیرها العنسی کرماشا میا
اذا مانطرنانی امور قدیمته — وجدنا حلالا شربها متوالیا
وان مت یا ام الاجیم فانکحی — ولاتا ملی بعد الفراق تلاقیا
فان الذی حدثت عن یوما بعثنا — احادیث طسم تجعل القلب ساهیا
ولا بدلی من ان ازور محمدا — بمشمولته صفراء تروی عظامیا

''اے نازنین محبوبہ مجھے سنا اور بلند آواز سے سنا اور گا کر پڑھ، مجھے چپکے چپکے گفتگو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سنا ابو سفیان کا وہ پرانا قصہ، احد میں اس کا کارنامہ جہاں اس نے دشمنوں کے گھر میں ماتم برپا کر دیا تھا ہاں اسی افسانہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ساتھ مجھے شراب پلاتی جا وہ شراب جسے شام کے بہت منتخب انگور سے بنایا گیا ہو ہم جب قدیمی عملدرآمد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کا پینا حلال ہی نظر آتا ہے اور اگر میں مر جاؤں اے نازنین محبوبہ تو تو کسی اور سے نکاح کر لینا اور یہ امید نہ کرنا کہ اس جدائی کے بعد کبھی پھر ملاقات ہوگی۔ دوسری زندگی کے متعلق تو نے جو قصے سنے ہوں گے وہ پارینہ قصے ہیں جو انسان کے دل کو نادانی میں مبتلا کرتے ہیں یہ یقینی ہے کہ میں محمدؐ کا سامنا کروں گا ایسی شراب کے نشہ میں مست رہ کر جس کا اثر مری ہڈیوں تک پہنچ گیا ہو۔''

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے دل میں جاہلیت کے خیالات اور بدر و احد کا مشرکانہ جذبہ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ سے ضد اور کد کا جذبہ موجود تھا ان کے ساتھ آگے چل کر وہ اشعار بھی آئیں گے جو اس نے قتل حسینؑ کے بعد اور اہل بیتؑ کے شام میں وارد ہونے کے وقت کہے ہیں تو وہ بھی انہی خیالات کے حامل نظر آئیں گے۔ اس سب کے باوجود یہ سیاست دنیا کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا تھا کہ ایسا شخص اسلامی خلیفہ اور ایک حیثیت سے جانشین رسولؐ اور امیر المومنین بن کر بیٹھ گیا تھا اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی اس حیثیت کو تسلیم کر رہی تھی اس کا اثر عام مسلمانوں کے اخلاق پر کیا پڑ سکتا، سوا اس کے کہ ان میں بھی مذہبی بے حسی بلکہ مذہب کو نگاہ حقارت سے دیکھنے کا جذبہ اور وہی عیش و نشاط کی گرم بازاری پیدا ہو جاتی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تیرھواں باب

امام حسینؑ کے بلند اخلاق و کمالات اور گراں قدر مقولات

عرب کے ایک فلسفی شاعر نے کہا ہے ان العظائم کفوھا العظمآء ''بڑے کارناموں کے لئے بڑے ہی نفوس درکار ہوتے ہیں''۔ ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

علی قدر اھل العزم تاتی العزائم　　وتاتی علی قدر الکرام المکارم
ویکبر فی عین الصغیر صغارھا　　وتصغر فی عین العظیم العظائم

(یعنی) ''صاحبان ارادہ کی شخصیت کے مطابق ہی ہوتے ہیں ان کے ارادے اور بزرگ مرتبہ نفوس کی مناسبت ہی سے ہوتی ہیں ان کی بزرگیاں، چھوٹے آدمی کی نگاہ میں چھوٹا سا کام بھی بڑا معلوم ہوتا ہے اس لئے اول تو وہ اس کے کرنے کی ہمت نہیں کرتا اور اگر کر بھی لیتا ہے تو اس کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر نازاں ہو جاتا ہے اور بڑے کی نگاہ میں بڑا کام بھی چھوٹا معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ اسے کر گزرتا ہے اور اس پر بھی اس کا دل نہیں بھرتا بلکہ اس سے بھی بڑے کارنامہ کے لئے تیار رہتا ہے''۔

ان نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو مجاہدہ کربلا ایسے عظیم الشان کارنامہ کا حامل ہونا ہی حسین کے نفس بزرگی اور ان کے کردار کی رفعت کے متعلق وہ سب کچھ بتلا دیتا ہے جس کا شاید پورے طور پر اندازہ کرنا اور پھر اسے واضح طور پر الفاظ کے ذریعہ سے پیش کرنا مورخین کے تصور اور تحریر کی طاقتوں سے باہر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے نادر خصوصیات عالم وقوع میں آ ہی نہ سکتے تھے اگر اس کے انجام کے لئے حسینؑ ایسے بلند نفس کا انسان موجود نہ ہوتا اور واقعہ کربلا میں عظمت، اہمیت اور نتیجہ کے لحاظ سے یہ تاثیر پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی اگر اس کا تعلق حسینؑ ایسی عظیم المرتبت ذات کے ساتھ نہ ہوتا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یوں تو واقعہ کربلا خود ہی ایسے نادر خصوصیات رکھتا ہے کہ بحیثیت واقعہ اس کی مثال کوئی مل ہی نہیں سکتی لیکن ان خصوصیات سمیت بھی اس کی تاثیر کا بڑا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے کہ وہ حسینؑ ایسی بلند ہستی کے ساتھ متعلق ہے۔ کوئی معمولی شخص ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا اور بفرض محال کرتا بھی تو اس کی یہ تاثیر نہیں ہوسکتی تھی اس لئے واقعہ کربلا کا وقوع بھی حسینؑ کے نفس کی انتہائی عظمت کا ثبوت ہے اور اس کی وہ تاثیر بھی جو عالم اسلام میں پیدا ہوئی حسینؑ کے نفس کی رفعت و بلندی اور آپ کی شخصیت کی برتری کی دلیل ہے۔

مگر یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ شخصیت اور کردار کا باہمی تعلق ایک متعاکس نتیجہ رکھتا ہے یعنی کسی خاص عملی کارنامہ میں اہمیت اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ شخصیت کی رفعت وشہرت اور سربلندی سے اور پھر اس انسان کی شخصیت وعظمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس کردار سے اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگرچہ واقعہ کربلا کا وجود میں آنا اور پھر اس میں یہ تاثیر پیدا ہونا ممکن نہ تھا بغیر امام حسینؑ کے مگر امام حسینؑ کی شخصیت کی ہمہ گیری اور رہنمایان عالم میں آپ کی امتیازی فوقیت کے آفتاب کا بلا تفریق مذہب وملت ہر واقف اور منصف شخص کی نگاہ میں خط نصف النہار پر پہنچنا بھی واقعہ کربلا کے سبب سے تھا یہی وجہ ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے کی آپ کی زندگی تاریخ کے صفحات پر اس حد تک محفوظ نہیں ہے جتنے کہ واقعہ کربلا کے دوران میں آپ کی سیرت کے خط وخال اپنے چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ سبب اس کا صاف ظاہر ہے۔ واقعہ کربلا کے پہلے امام حسینؑ کو مورخین کی نگاہ بس اس حد تک دیکھ سکتی تھی جتنا کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ یا آپ کی اولاد میں ان اماموں کو وہ دیکھ سکی جن میں سے ہر ایک تقویٰ، عصمت اور پاکبازی کا مجسمہ تھا۔ جیسے ان کے اوصاف وکردار کے متعلق کبھی اجمال اور کبھی کچھ تفصیل کے ساتھ بعض واقعات سخاوت، عبادت، ریاضت وحلم وغیرہ کا تذکرہ ہے اسی طرح امام حسینؑ کے متعلق بھی جستہ جستہ اس قسم کے مختلف واقعات اور حالات کا تذکرہ صفحات تاریخ پر پایا جاتا ہے۔ اس وقت کے تاریخی واقعات محفوظ کرنے والوں کو ۶۰ھ کے پہلے تک کیا معلوم تھا کہ آپ ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دینے والے ہیں جس کی مثال تاریخ کے صفحات پر ناپید ہوگی تاکہ وہ ابتدائے عمر سے آپ کی زندگی کے ہر جزئیہ کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے اور انہیں سینہ بہ سینہ محفوظ کر کے لب بہ لب منتقل کرتے ہوئے کتابوں کے دامن تک پہنچاتے۔

لیکن ایک طرف تو واقعہ کربلا کے دوران میں تمہیدی یا ضمنی طور پر تاریخ نے جو مختلف اخلاقی واقعات اور حالات حضرت امام حسینؑ کے بیان کر دیئے ہیں وہ آپ کے سیرت و کردار کا ایک آئینہ پیش کرتے ہیں دوسری طرف آپ کی سابقہ زندگی کے متعلق جن روایات کو تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے ان سے بھی آپ کی عظمت اور اوصاف و کمالات کے متعلق ایک روشن مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ صرف ایک مظلوم اور ستم رسیدہ، شہید ہونے کے لحاظ ہی سے دنیا کے قلوب کا مرکز نہیں ہیں بلکہ آپ کے ذاتی خصوصیات اور اوصاف و کمالات بھی آپ کو دنیا کا قبلہ بنانے کے لئے کافی تھے جن سے آپ انسانیت کی معراج بلندی میں سب سے زیادہ رفیع درجہ پر نظر آتے ہیں۔

ظاہری حیثیت سے ماہرین نفسیات کے نقطہ نظر سے شخصیتوں کی تشکیل کے اسباب حسب ذیل ہوتے ہیں۔

پہلے خاندانی خصوصیات اور بزرگوں کے قدیم روایات۔ دوسرے ماحول اور تعلیم و تربیت تیسرے زندگی کے اہم تجربات۔ پہلی چیز وہ ہے جو انسان کے خون میں دوڑ کر اس کی صلاحیت اور استعداد اور فطری قابلیتوں کی تشکیل کرتی ہے دوسری چیز ان صلاحیتوں کو فعلیت کے درجہ سے قریب تر پہنچانے کا کام انجام دیتی ہے یا بسا اوقات فعلیت میں لے آتی ہے اور تیسری چیز ان فعلی کمالات میں پختگی پیدا کر کے ملکہء ذاتی بناتی اور ان میں استحکام پیدا کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ میں تینوں باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ آپکے خاندانی خصوصیات وہ تھے جن کی نظیر دوسرے شخص میں پائی نہ جاتی تھی اور یہ خصوصیت وہ تھی جس کے لحاظ سے آپ کے مخالف گروہ کو اپنی فوقیت ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل نہ ملتی تھی سوا ظلم و جبر اور قہر و استبداد کے۔ انہیں ایک خاص احساس کمتری کے ساتھ آپ کے بلند خصوصیات کو خود اپنی زبان پر لانا پڑتا تھا اور جواب دینے ہی کے ارادہ سے ان کا اعتراف کرنا پڑتا تھا چنانچہ یزید نے بھی اپنے دربار میں اس کا اقرار کیا کہ بے شک ان کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ماں میری ماں سے بہتر اور ان کے نانا میرے نانا سے بہتر تھے۔[1]

ان خاندانی خصوصیات کے ساتھ جو ظاہری اسباب کی بناء پر حسن فطرت کے ضامن ہیں حسینؑ نے تربیت ایسی بلند پائی تھی جس سے انسان کے اخلاق و اوصاف میں بلندی پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو مختلف حالات اور متضاد واقعات کے ایسے دور سے گزرنا پڑا تھا جس میں انسان کو جذبات نفس کے خلاف عقل کی طاقت سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے نفس میں پختہ کاری، تدبر اور استقلال پیدا ہونا لازمی ہے۔

ان واقعات سے ایک ایسا شخص بھی جو امام حسینؑ کی بحیثیت ایک معصوم ذات کے معرفت نہ رکھتا ہو یہ ماننے کے لئے مجبور ہے کہ حسینؑ کوئی جذباتی انسان نہ تھے۔ وہ متحمل اور بردبار تھے اور کبھی غصہ اور جوش میں آکر کوئی کام ایسا نہ کرتے تھے جو نظم و ضبط اور سکون کے خلاف ہو۔ سخت سے سخت مواقع پر خاموشی آپ کا ایک مستقل کردار بن گئی تھی بشرطیکہ اس خاموشی سے ان مقاصد کو کوئی ضرر نہ پہنچے جن کے وہ خود اور ان کے نانا، باپ اور بھائی محافظ رہے تھے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی صلح کل متحمل اور امن پسند ذات کسی ایسے اقدام کے لئے تیار نہیں ہو سکتی جس میں وہ اور اس کے تمام ساتھی ایک دم تہ تیغ ہو جائیں جب تک ایسے اہم اور غیر معمولی اسباب پیدا نہ ہو جائیں جن کے بعد وہ ایسا کر گزرنا خالق کی طرف سے اپنا فرض سمجھے چنانچہ جب ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ ایسا کر گزرتا ہے اور اس سے اس کے نفس کی ارادی طاقت اور عملی قوت کی پختگی اور اپنے ذاتی جذبات کو فرائض کے مقابلہ میں فنا کر دینے کی وہ بلند منزل ظاہر ہوتی ہے جس پر ہر انسان نہیں پہنچ سکتا۔

نفسانیت کی فنا اور فرض شناسی کا ملکہ یہی وہ ایک جامع اور وسیع مفہوم ہے جس کے تحت میں انسانی کردار کے تمام مظاہرات جزئی و کلی طور پر داخل ہو جاتے ہیں مگر حضرت حسینؑ کے کمالات و اوصاف کی تشریح کے لئے جب اہل معرفت نے قلم اٹھایا تو اس پر اجمالی تبصرہ کے لئے بھی بلند ترین الفاظ تلاش کرنا پڑے اور تفصیل کے موقع پر بھی زریں روایات سامنے آئے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۶۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابن ابی شیبہ مشہور محدث نے امام حسینؑ کا حال درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کان عالما بالقران عاملا علیه زاهد اتقیار ورعا جواد افصیحا بلیغا عارفا بالله و دلیلا علی ذاته تعالیٰ۔ ''آپ قرآن کے عالم اور اس پر عامل، زہد وتقویٰ کے جوہر کے حامل، پاکیزہ خصال، پرہیز گار، سخی، شیریں بیان اور شیوا زبان خدا کی معرفت رکھنے والے اور ذات الٰہی کا ایک ثبوت تھے۔''

آخری فقرہ سے ظاہر ہے کہ لکھنے والا پہلے تو اوصاف کے اظہار میں مجبوری ان الفاظ کو صرف کرتا رہا جو معمولی درجہ کے علماء اور زہاد کے متعلق بھی صرف ہوتے رہتے ہیں پھر اس کا حوصلہ اظہار ان الفاظ کی کوتاہی سے تنگی کرنے لگا اور اس نے آخری الفاظ میں صفات انسانی کی معراج کمال کا پتہ دے دیا کہ وہ اپنے خالق کے اوصاف کا مظہر بن جائے۔ علامہ ابن عربی نے اسی لئے پہلے ہی کوتاہ دامن الفاظ کے دفتر کو تہہ ہی رکھنا مناسب سمجھا اور انہوں نے کہہ دیا کان الحسین السبط ایته من ایات الله۔ ''سبط رسولؐ امام حسینؑ خدا کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تھے''۔ یہ اختصار بیان اوصاف میں وہ ہوتا ہے جو ہزار تفصیلوں سے بڑھ کر فائدہ دیتا ہے۔

حسینؑ بے شک ذات الٰہی کا ثبوت اور اس کی بڑی نشانی تھے۔ اسی لئے خدا کو نہ ماننے والوں کا بھی حسینؑ کو دیکھ کر دل چاہنے لگتا ہے کہ خدا کو مان لیں یا ماننے لگتے ہیں جیسا کہ جوش ملیح آبادی نے کہا ہے۔

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابد آشنا ثبات کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درون پردۂ صد رنگ کائنات اک کارساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

عبادت آپ کی یعنی وہ جسے عام طور پر عبادت سمجھا جاتا ہے ورنہ حقیقت کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لحاظ سے تو آپ کا ہر عمل رضائے پروردگار کی غرض سے اور فرض کے احساس کا نتیجہ ہوتا تھا۔ اس لئے کوئی حرکت وسکون بھی آپ کا عبادت سے باہر نہ تھا مگر اس محدود مفہوم کے لحاظ سے بھی جس کے اعتبار سے لوگ انسان کو عابد کہتے ہیں آپ کی عبادت دنیا کے لئے ایک بے مثال نمونہ تھی رات دن کی نماز گزاری اور مسلسل روزہ داری کے علاوہ ۲۵ حج آپ نے پا پیادہ کئے۔ [1]

ان تمام حجوں کے واقعات اور زمانہ کی تعیین سے ہمارے موجودہ معلومات کوتاہ ہیں۔ ایک مرتبہ کے سفر حج کا تذکرہ یہ ملتا ہے کہ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں امام حسینؑ اپنے والد بزرگوار جناب امیرؑ کی معیت میں حج کے لئے متوجہ ہوئے مگر آپ سقیا اور عرج کے درمیان تھے کہ بیمار پڑ گئے۔ عبداللہ بن جعفر آپ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت علیؑ شاید کچھ آگے بڑھ چکے تھے۔ آپ کو بھی خبر دی گئی آپ اسماء بنت عمیس کو لے کر تشریف لائے تقریباً بیس دن تک اور ایک روایت کے مطابق چالیس دن تک تیمارداری ہوتی رہی تب آپ صحت یاب ہو کر مدینہ واپس آئے۔ [2]

لیکن یہ واقعہ اگر درست ہو تو اس تعداد سے خارج ہوگا۔ ہاں ایک مرتبہ کا یہ تذکرہ ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی امام حسنؑ دونوں شاہزادے پیادہ حج کے لئے جا رہے تھے اتفاق سے راستے میں حاجیوں کا قافلہ بھی ان تک پہنچ گیا اب جو ان شاہزادوں کو لوگوں نے پیادہ دیکھا تو ہر شخص جس کی نظر پڑتی وہ فوراً ان کے احترام کے لحاظ سے سواری سے اتر پڑتا۔ کچھ دیر تو لوگ ساتھ ساتھ پیادہ چلتے رہے آخر طاقت رفتار نے جواب دیا سب مل کر سعد بن ابی وقاص کے پاس آئے جو اس قافلہ میں سن رسیدہ صحابی تھے ان سے آ کر کہا کہ اب تو راستہ چلنا ہم لوگوں پر بہت بار ہے مگر یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم لوگ سوار ہوں اور یہ دونوں سردار پا پیادہ رستہ طے کریں۔ سعد، امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض پر پیادہ چلنا نہایت شاق ہو رہا ہے مگر لوگ جب آپ دونوں بزرگواروں کو پیادہ چلتے دیکھتے ہیں تو ان

---

[1] تہذیب الاسماء نووی ج ۲۔ [2] تفسیر جامع البیان طبری ج ۲ ص ۲۴۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا دل نہیں چاہتا کہ وہ سوار ہو کر راستہ چلیں اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ دونوں حضرات سوار ہو جائیں۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ہم نے اپنے اوپر فرض یہی قرار دیا ہے کہ ہم خانہ کعبہ کی طرف اپنے پیروں سے چل کر جائیں مگر لوگوں کو تکلیف دینا بھی ہمیں گوارا نہیں ہے اس لئے ہم اس راستے کو چھوڑے دیتے ہیں چنانچہ وہ دونوں بزرگوار شاہراہ سے ہٹ کر دوسرے راستے سے روانہ ہو گئے۔[1]

ایک مرتبہ کے حج کا یہ تذکرہ ہے کہ آپ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن حسنؑ آپ کے ساتھ تھے اور حالت احرام میں ابواء کے مقام پر ان کی وفات ہوگئی۔[2]

عبادت الٰہی کے ساتھ جو دلی وابستگی تھی اس کا اندازہ آپ کو امام حسینؑ کے ان الفاظ سے بھی ہو سکتا ہے جو ۹ رمحرم کی سہ پہر کو آپ نے ایک شب کی مہلت طلب کرنے کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔ آپ نے کہا کہ اس شب کو ہم عبادت و ذکر الٰہی میں بسر کر لیں خدا ہی جانتا ہے کہ مجھے اس کی عبادت و ذکر سے کتنی محبت ہے۔[3] چنانچہ یہ شب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس طرح گزاری کہ لھم دویٰ کدوی النحل یعنی ان کے تسبیح و تہلیل اور ذکر و مناجات کی آواز رات کے تاریک سناٹے میں اس طرح گونج رہی تھی کہ جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آواز بلند ہوتی ہے اور روز عاشورا ایسے سخت وقت میں نماز باجماعت ادا کی جب کہ موت کا بازار گرم تھا۔ کربلا کی زمین پر خون کی بارش الگ تھی۔ تیروں کی بارش الگ تھی اور گرمی سے آگ الگ برس رہی تھی مگر اس موقع پر ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ یوں ادا ہوئی کہ دو جان نثاروں کو محافظت کے لئے سامنے کھڑا کیا کہ جو تیر آئے اسے اپنے سینہ پر روکیں۔ ادھر نماز تمام ہوئی اور ادھر ان میں سے ایک صحابی سعید بن عبداللہ حنفی زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرے۔ اس طرح حسینؑ نے خالق کی عبادت اور فریضہ نماز کی اہمیت دنیا میں ثابت کی۔

اسی کے ساتھ آپ فیاض تھے اور خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی فکر رکھتے تھے۔ اس کے واقعات تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔

---

[1] ارشاد ص ۲۶۶۔ [2] ارشاد ص ۲۰۳۔ [3] ارشاد ص ۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خود رسول اللہؐ نے اپنے اس نواسے کے اندر بچپنے ہی سے اس صفت کو کچھ ایسا نمایاں پایا کہ ارشاد فرمایا۔ اما الحسن فان له هيبتی و سودد ی و اما الحسين فان له جودی و شجاعتی (یعنی) حسنؑ کے لئے میرا رعب و داب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری بہادری۔[1]

یوں تو حسینؑ اوصاف رسولؐ کے وارث تھے ہی لیکن خصوصیت سے اپنی سخاوت وشجاعت بخشنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے یہ اوصاف دیگر اوصاف سے ضرور کچھ امتیاز رکھتے ہیں۔

خدمت خلق اور نوع انسانی کی ہمدردی کے بہترین جذبہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی بھی تلقین فرمائی ہے کہ اس بارے میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی سائل جتنا صفات کے اعتبار سے قابل عزت ہو اور علم و معرفت میں بلند درجہ رکھتا ہو اتنا اس کے ساتھ سلوک بہتر کیا جائے۔ اس کا بہترین ثبوت یہ واقعہ ہے کہ ایک اعرابی امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تسلیم بجالایا اور عرض حال کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نے آپ کے جد بزرگوار کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی حاجت پیش کرنا ہو تو چار قسم کے آدمیوں میں سے کسی ایک کے سامنے پیش کرنا۔ یا تو شریف النفس عرب یا سخی سردار یا حامل قرآن یا وجیہہ وشکیل انسان۔ آپ میں یہ چاروں صفتیں جمع ہیں۔ عرب قوم اس کو تو شرف آپ کے جد بزرگوار سے حاصل ہوا اور سخاوت یہ آپ کا شیوہ اور خصلت ہے اور قرآن وہ آپ ہی کے گھر میں نازل ہوا اور خوبصورت اس کے متعلق میں نے آپ کے جد بزرگوار کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے دیکھنا ہو تو حسنؑ و حسینؑ کو دیکھ لینا۔ یہ پرمعرفت تقریر سن کر حضرت نے فرمایا کہ تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے اپنی حاجت زمین پر لکھ دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کا یہ قول سنا ہے کہ انسان کی قدر و قیمت وہی ہے کہ جو اس میں ہنر موجود ہے اور میں نے اپنے جد بزرگوار کا ارشاد

---

[1] ارشاد ص ۱۹۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ سنا ہے کہ احسان بقدر معرفت ہونا چاہئے۔ اس لئے میں تم سے تین سوال دریافت کرتا ہوں اگر تم نے ایک سوال کا جواب ٹھیک دیا تو تم کو میں ایک تہائی مال دے دوں گا۔ اگر دو جواب تم نے ٹھیک دیئے تو دو تہائی مال دوں گا اور اگر تم نے تینوں سوالوں کا جواب درست دیا تو جو کچھ میرے پاس موجود ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔ میرے پاس مال دنیا سے اس وقت یہ ایک تھیلی ہے زرنقد کی جو عراق سے بھیجی گئی ہے اس نے کہا پوچھئے! اللہ میری مدد کرے گا۔ آپ نے فرمایا بتاؤ کونسا عمل سب میں بہتر ہے؟ اس نے کہا اللہ پر ایمان لانا۔ پوچھا کہ اچھا بندہ کی نجات کا ذریعہ ہلاکت سے کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ پر بھروسا رکھنا۔ حضرت نے فرمایا انسان کی زینت کیا ہے؟ اس نے کہا علم جس کے ساتھ عقل موجود ہو۔ فرمایا اگر یہ نہ ہو؟ اس نے کہا پھر مال ہو جس کے ساتھ سخاوت ہو۔ فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو؟ اس نے کہا پھر فقیری ہو جس کے ساتھ صبر موجود ہو۔ حضرت نے فرمایا اور اگر یہ بھی نہ ہو تو؟ اس نے کہا تو پھر ایک بجلی گرے اور اس شخص کو جلا کر خاکستر کر دے۔ حضرت ہنسنے لگے اور وہ پوری تھیلی اس کی جانب پھینک دی۔[1]

یہ طرز عمل غرباء اور مساکین کو معلومات مذہبی حاصل کرنے کا بہترین محرک تھا اور اس ذریعہ سے عوام میں علوم و معارف کی اشاعت ہوتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ خود اپنے تمام صفات جلیلہ کے ساتھ ساتھ عالم تھے۔ ایسے جن سے لوگ مذہبی مسائل اور اہم مشکلات میں رجوع کرتے تھے۔ عرب کی مثل ہے الناس اعداء لما جھلوا "لوگ دشمن ہوتے ہیں اس چیز کے جس کو وہ نہ جانتے ہوں۔" رؤساء اور حکام جو خود علم و ہنر سے بے بہرہ ہوا کرتے ہیں۔ اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے عام افراد کی علمی سطح کو پست رکھنے کی فکر کرتے اور لوگوں کی نظر میں علم و ہنر کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اسلام کے حقیقی رہنما ہمیشہ مسلمانوں کی علمی سطح کے بلند کرنے میں منہمک رہے۔ حضرت علیؑ کی زندگی اسی میں گزری اور آپ کے فرزند اسی راستے پر قائم رہے۔

---

[1] تفسیر کبیر ج ص ۲۷۲۔ غرائب القرآن ج ۱ ص ۱۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

علاوہ ان خطبات اور اشعار کے جو آپ کی زبانی منقول ہیں اور جو علم آلہیات اور معارف حقہ کے خزانہ دار ہیں یا ان دعاؤں اور مناجاتوں کے جو آپ کی زبان سے نکلی ہیں اور جن میں سے بعض کا مجموعہ ''صحیفہء حسینیہ'' کے نام سے اس وقت بھی موجود ہے اور خالق و مخلوق کے باہمی ربط کی بے نظیر آئینہ دار ہیں اگر جوامع حدیث کی سیر کی جائے تو ان میں مسائل فقہیہ کے بارے میں کثیر احادیث آپ سے منقول ملیں گے۔

اس وقت بھی جب آپ اہل حرم کو لے کر مکہ معظمہ سے برآمد ہوئے ہیں اور سفر غربت اختیار کیا ہے تو راستے میڈ فرزدق بن غالب شاعر سے ملاقات ہوئی اور اس نے کچھ مسائل آپ سے نذر اور مناسک حج کے متعلق دریافت کئے اور ان کا جواب حاصل کیا۔[1]

اسی کا نتیجہ ہے کہ کربلا میں آپ کے اصحاب کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام نہیں تھے بلکہ اس وقت کی اسلامی جماعت کی پوری روح اور علم و عمل کا مکمل خزانہ تھے جو حسینؑ پر نثار ہو رہا تھا۔ ان میں حافظان قرآن بھی تھے، عالمان کتاب بھی اور حاملان حدیث بھی۔ ان کے جذب اور کشش کا مرکز کوئی ہو ہی نہیں سکتا سوا ایسی ذات کے جو خود ان صفات میں بلند تر درجہ رکھتی ہو بلکہ جو آپ کے خاندانی مخالف تھے وہ بھی آپ کی بلندی مرتبہ اور برتری صفات کے قائل تھے چنانچہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں ایک مجمع تھا جس میں ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی موجود تھے۔ ادھر سے حضرت امام حسینؑ کا گزر ہوا اور آپ نے تعلیم اسلام کے مطابق مجمع کو سلام کیا۔ سب نے جواب سلام دیا۔ اس وقت عمرو بن العاص کے فرزند عبداللہ چپ رہے جب سب جواب دے کر خاموش ہو گئے تو انہوں نے آواز بلند کی اور کہا، **و علیک السلام و رحمة اللہ و برکاتہ** پھر مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا میں آپ لوگوں کو بتلاؤں کہ اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب شخص اہل آسمان کا کون ہے؟ سب نے کہا ضرور بتلایئے۔ انہوں نے کہا وہ یہی راستے سے گزرنے والا ہے۔ انہوں نے مجھ سے جنگ

---

[1] ارشاد ص ۲۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صفین کے بعد سے اب تک بات نہیں کی اور اگر یہ مجھ سے کسی طرح راضی ہو جائیں تو یہ میرے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے زیادہ محبوب چیز ہوگی۔[1]

یہ عبداللہ خاندان بنو امیہ میں زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں مشہور تھے مگر جنگ صفین میں اپنے باپ عمرو بن العاص کے ساتھ حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے آ گئے تھے۔ اس وقت سے حضرت امام حسینؑ نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی مگر اس کے باوجود ان کے دل پر حضرت کے بلند اوصاف کا اس درجہ اثر قائم تھا۔

راست بازی میں داخل ہے، اخلاقی جرأت۔ حسینؑ میں اخلاقی جرأت ایسی تھی کہ بچپنے میں خلیفہ دوم کو منبر پر ٹوک دیا اور فرمایا انزل عن مجلس ابی۔ ''اتر پڑو میرے باپ کی جگہ سے''۔ حضرت عمر نے کہا سچ کہتے ہو صاحب زادے تمہارے ہی باپ کا منبر ہے خدا کی قسم میرے باپ کا منبر نہیں۔

راست بازی اور راست کرداری کا کھلا ہوا نمونہ یہ تھا کہ آپ نے معرکہ کربلا کے پہلے مکہ سے روانگی کے بعد اپنی جماعت کی تعداد کو قائم رکھنے کے لئے کبھی آئندہ کے خطرات کو پوشیدہ نہیں کیا بلکہ برابر صورت حال سے مطلع کرتے رہے اور بار بار آئندہ کے خطرات کو یقینی بنا کر ساتھ والوں کی حفاظت جان و مال کے لئے الگ ہو جانے کا مشورہ دیا اور یہ طریقہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ کسی ایک شخص کے بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان سمجھا جا سکتا تھا۔

آپ امن پسند بھی ایسے تھے کہ آخر وقت تک دشمن سے صلح کرنے کی خود اپنی طرف سے کوشش جاری رکھی مگر اس کے ساتھ عزم و استقلال اور ہمت ایسی رکھتے تھے کہ جان دے دی مگر جو راستہ پہلے دن صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا تھا اس سے ذرہ بھر بھی نہ ہٹے۔

انہوں نے بحیثیت ایک فرزند کے باپ کی اطاعت کی اور چھوٹے بھائی ہو کر بھائی کی اطاعت کی۔ اس طرح کہ ان کی وفادارانہ اطاعت میں کبھی کمزوری نظر نہ آئی اور پھر بحیثیت ایک سردار کے کربلا کے واقعہ میں ایک پوری جماعت کی قیادت کی۔ اس طرح

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہ ان کے نظم قیادت کی مثال مشکل سے ملتی ہے اس کے ساتھ آپ کی نگاہ نے مردم شناسی کا وہ حیرت انگیز نمونہ پیش کیا کہ اتنے سخت اور دشوار گزار راستے کے لئے جن ساتھیوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا ان میں سے ایک نے بھی وفا داری اور جان نثاری میں کمی نہ کی اور سب یکجان و یک دل ہو کر مقصد حق کے لئے کوشاں رہے یہاں تک کہ جانیں قربان کر دیں۔

امام حسینؑ کے مقولات

بلند مرتبہ افراد میں بھی بیشتر وہی افراد ہوتے ہیں جن کے اقوال کو ان کے اعمال پر نمایاں فوقیت حاص ہوتی ہے مگر حسینؑ کا کردار بذات خود اتنا بلند تھا کہ اس نے دنیا کی زبان اور اس کے قلم کی تمام تر توجہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا لہٰذا آپ کے مقولات کو یکجا کرنے کی زیادہ کوشش نہیں کی گئی۔ پھر بھی آپکے مقولات متفرق طور سے مختلف کتابوں میں کچھ نہ کچھ مل ہی جاتے ہیں اور وہ بڑی حد تک آپ کی زندگی کے مختلف رخوں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں ان میں نظم بھی ہیں اور نثر بھی۔

چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ:۔

۱۔ من جادسا دو من بخل ذل۔ ''جس نے دیا لیا، اس نے سرداری پائی اور جس نے کنجوسی کی اس نے ذلت اٹھائی''۔

۲۔ اجود الناس من اعطی من لایرجوہ۔ ''سخی وہی ہے جس نے اس کو بھی دیا جو اس سے کوئی توقع وابستہ نہ رکھ سکتا ہو''۔

۳۔ من انعم اللہ منکم فلیتعم علی غیرہ۔ ''جس کو خدا نے دیا ہے وہ اوروں کو بھی دے''۔

۴۔ حوائج الناس الیکم من نعم اللہ علیکم۔ ''اہل حاجت کا تمہارے پاس آنا بھی تم پر خدا کی نعمتوں میں سے ہے''۔

۵۔ اغن عن المخلوق بالخالق تفن عن الکاذب و الصادق

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

واسترزق الرحمن من فضله　　فليس غير الله من رازق
من ظن ان الناس يغنونه　　فليس بالرحمن بالو اثق
اوظن ان الناس يكنونه　　ذلت به النعلان من حالق

''خدا سے لو لگا کر مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ تو پھر کسی جھوٹے سچے کی تمہیں پروا نہ رہے گی۔ مانگنا ہو تو خدا ہی سے مانگو۔ غیر خدا روٹی دینے والا نہیں ہے جس کا خیال ہو کہ لوگ اس کو غنی کر دیں گے اس کو خدا پر اعتماد نہیں اور جو یہ سمجھتا ہو کہ لوگ اس کے لئے کافی ہیں وہ یقیناً بڑی پستی میں گرنے والا ہے''۔

۶. كلّما زيد صاحب المال مالا　　زيد فی همّه وفی الاشغال

''ادھر تو مال والوں کے مال بڑھتے ہیں اور ادھر ان کے افکار و اشغال میں اضافہ ہوتا ہے''۔

۷۔ من وصل الی اللّٰه انقطع عن غيره۔ ''جو خدا سے متصل ہوا اس کے غیر سے جدا ہو گیا''۔

ابن کثیر نے ''ہدایۃ الہنایہ'' میں اسحاق بن ابراہیم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے جنۃ البقیع میں قبور شہداء کی زیارت کی اور حسب ذیل اشعار پڑھے۔

نـاديـت سكـان القبور فاستكوا　　فاجا بنی عن صمتهم ترب الحشا
قـالـت اتـدری ماصنعت ليسا كنی　　مـزقـت لـحـمهم و خرقت الكسبا
وحشوت اعنيهم تـرا بـابعدما　　كـانـت تـاذی بـاليسير من القذا
امـا الـعـظـام فـانـنـی مـزقتها　　حتی بتاينت المفاصل و الشوىٰ
قطعت ذامن ذاومن هذا كذا　　فتركتها مـمّـا يطول بها النبلٰے

''میں نے قبروں کے رہنے والوں کو آواز دی تو وہ خاموش رہے مگر مجھے جواب دیا ان کی خاموشی پر خاک مرقد نے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنے رہنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ میں نے ان کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے اور کھال کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کے اندر مٹی بھر دی حالانکہ اس کے پہلے ذرا سا تنکا پڑ جاتا تھا ان کی آنکھ میں تو چین نہ آتا تھا رہ گئیں ہڈیاں، وہ بھی جدا جدا ہوگئیں یہاں تک کہ جوڑ بند صاف ظاہر ہیں۔ میں نے اس کو اس سے اور اس کو اس سے الگ کر دیا ہے یہاں تک کہ بوسیدگی و کہنگی کے آثار ان سے ہویدا ہوگئے ہیں''۔

ذهب الذين احبهم — وبقيت فيمن لااحبّة
فيمن اراه يسبّني — ظهر المغيب ولا اسبّة
يبغي فسادي ما استطاع — و امره ممّا اربّه
حنقا يدب الى الضّرا — ء و ذاك ممّا لا ادبّه
ويرى ذباب الشّرّمن — حولي يطن ولايذبّه
واذا اخبا و عز الصدّر — افلا يزال بد يشبّة
فلا يعيج بعقله — افلا يثوب اليه لبّه
افلايرىٰ ان فعله — مما يسور اليه غبّة
حسبي بربيّ كافيا — ما اخشى والبغي حبّة
ولقد من يبغي عليه — فما كفاه اللّٰة ربّه

''گزر گئے وہ افراد جن کو میں محبوب رکھتا تھا اور اب میں رہ گیا ہوں ایسے لوگوں میں جو مجھے کسی طرح پسند نہیں۔ ان کا کردار یہ ہے کہ میں انہیں ذرا بھی برا بھلا نہیں کہتا۔ مگر وہ پیٹھ پیچھے مجھے گالیاں دیتے رہتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ میرے نقصان کے درپے رہتے ہیں آنجالیکہ میں ان کو فائدہ پہنچاتا رہتا ہوں۔ وہ گرد و پیش شرارتوں کے مگس اڑتے دیکھتے ہیں مگر اتنا نہیں کرتے کہ انہیں ہٹا دیں بلکہ جب دلوں میں عداوت کی آگ بجھنے لگی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے تو وہ اسے اور ہوا دے دیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی سمجھ سے کام لیں؟ کیا ایسا نہ ہوگا کہ ان کی طرف عقل واپس آئے؟ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ طرز عمل نتیجتاً خود انہی کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ میرے لئے میرا پروردگار کافی ہے جس کے ہوتے ہوئے مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں۔ ناممکن ہے کہ کسی پر ظلم و ستم کیا جائے اور خدا اس کی مدد نہ کرے"۔

ابن صباغ مالکی نے "فصول مہمہ" میں علی بن عیسیٰ اربلی نے "کشف الغمہ" میں ابن خشاب کی روایت سے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

اذا ما عضک الدھر	فلا تجنح الی خلق
ولا تسال سوی اللّٰہ	تعالٰی قاسم الرّزق
فلو عشت و طوّفت	من الغرب الی المشرق
لما صادفت من یقد	ران یسعد اولیشقی

"جب زمانہ کے دانت تمہیں زخمی کریں تو خلق خدا کی طرف کبھی نہ جھکو اور سوا خدائے برتر کے جو رزق کا تقسیم کرنے والا ہے کسی سے سوال نہ کرو اس لئے کہ مغرب سے مشرق تک چکر لگانے کے بعد بھی تم کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو مقدر کو بنا یا بگاڑ سکتا ہو"۔

وان تکن الدنیا تعد نفیسة	فدار ثواب اللہ اعلی وانبل
وان تکن الابدان للموت انشات	فقتل امری بالسیف فی اللہ افضل
وان تکن الارزاق قسما مقدرا	فقلته حرص المزفی الرزق اجمل
وان تکن الاموال للترک جمعها	نما بال متروک به المریبخل

"اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دنیا کوئی اچھی جگہ ہے تب بھی خدا کے اجر و ثواب کا محل زیادہ بلند و برتر ہے اور جب کہ یہ صحیح ہے کہ اجسام پر موت کا طارق ہونا لازم ہے تو انسان کا راہ خدا میں تہ تیغ کر دیا جانا زیادہ بہتر ہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور جب کہ یہ حقیقت ہے کہ رزق میں ہر ایک کا حصہ معین ہے تو اس کے بارے میں ہوس سے کام نہ لینا ہی انسان کے لئے مناسب ہے اور جب کہ یہ یقینی ہے کہ اموال جمع ہوتے ہیں بعد میں چھوڑ جانے کے لئے تو کیا یہ حماقت نہ ہوگی کہ ایسی چیز کے بارے میں انسان بخل سے کام لے"۔

ایک شخص نے حضرت کو لکھا کہ مجھے دو جملوں میں موعظہ فرمایئے۔ آپ نے تحریر فرمایا۔

"من حال وامراً بمعصیته اللّٰہ کان افوت لما یرجو واسرع لمجیئ مایحذر"

"جو شخص اللہ کی نافرمانی کر کے کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہے گا اپنے توقعات میں ناکام اور خطرات سے زیادہ نزدیک ثابت ہوگا"۔

مندرجہ بالا مقالات اور اشعار کو نظر غائر سے دیکھنے پر حسب ذیل تعلیمات ان میں نمایاں طور پر موجود پائے جاتے ہیں۔

ا۔ ذات الٰہی پر توکل۔ یعنی ہم کو کسی نفع کی امید، کسی ضرر سے تحفظ کی توقع اور کسی خواہش کی تکمیل کا آسرا اللہ کے غیر سے نہ رکھنا چاہئے۔ یہ وہ دشوار منزل ہے کہ کہنے کو جو بھی چاہے کہہ دے لیکن حقیقتاً عملی حیثیت سے اس راہ میں جو بھی قدم رکھے وہ ماسوئی اللہ سے بے نیاز ہو جائے۔

انسان سچائی کے راستے سے الگ ہوتا ہے۔ زیادہ تر طمع مال و زر کی بدولت یا پھر خطرہ امروز اور اندیشہ فردا کے سبب سے مگر جب یہ خیال پورے طور پر کسی کے دل و دماغ پر چھا جائے کہ خدا کی مشیت کے خلاف نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ حق سے منحرف نہیں کر سکتی۔

ملحوظ رہے کہ اللہ اپنے ماننے والوں کے صحیح عقیدہ کے مطابق وہ پاک و منزہ ذات ہے جو صرف نیکی کو پسند کرتی ہے اور برائی سے نفرت رکھتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی ایک اپنی بزرگ و برتر ذات کو اپنے تفکرات و احساسات کا مرکز بنا لے گا تو اس کے لئے ناممکن ہے کہ بھول کر بھی وہ برائی یا ظلم کے قریب جائے چنانچہ امام حسینؑ کی جگہ اگر کوئی ایسا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شخص ہوتا جو دنیوی نفع اور نقصان کی پروا کرتا یا کسی مادی طاقت کو قبلہ حاجات سمجھتا یا اس کے اقتدار سے مرعوب کیا جاسکتا تو بالفرض وہ یزید کی بیعت شروع میں نہ بھی کرتا تو اس وقت تو ضرور کر لیتا کہ جب حکومت باطل کا ہزاروں کا لشکر اس کے خلاف صف بستہ ہوتا اور ان کے ظلم و تشدد کی بجلیاں آنکھوں کے سامنے کوندنے لگتیں مگر حضرت امام حسینؑ آپ تو دنیا کی کسی طاقت اور نعمت کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اس لئے راہ حق سے آپ کو کوئی شے ہٹا ہی نہیں سکتی تھی۔

۲۔ خلق خدا کی بہرحال بہی خواہی اور فائدہ رسانی کی فکر ہونا جس کا بلند معیار یہ ہو کہ اس بارے میں اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن کی تفریق کو بھی کام میں نہ لایا جائے۔

یہ بات اس صورت میں پیدا ہی نہیں ہوسکتی کہ جب ہمارے تعلقات دوسروں کے ساتھ مادی بنیادوں پر قائم ہوں اس لئے کہ ایسی صورت میں طبعی میلانات و رجحانات کی بناء پر نزدیک و دور اور موافق و مخالف کے امتیازات کا بروئے کار آنا لازمی ہے۔ البتہ یہ بات اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب ہمارا تعلق دوسروں کے ساتھ اس مشترک رشتہ کی بناء پر ہو جو ہم سب کو ایک خالق کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی ایک سلسلہ وحدت میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں ہم اس قابل ہوسکیں گے کہ صحیح معنی میں غرض خلقت کو سمجھتے ہوئے عمومی طور پر تمام خلق کو اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں اور اس کو اپنے اوپر خدا کا ایک احسان سمجھیں کہ اس نے ہمارے ذریعہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں پر بھی احسان کیا جائے گا جو عام عادات و خصائل کی بناء پر اس سے توقع نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً ایک دشمن اپنے دشمن سے کب اس کی امید کرسکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے گا مگر بلند معیار فیاضی کا یہی ہے کہ اس کو بھی اپنے انعام سے محروم نہ کیا جائے۔

۳۔ مادی زندگی کے تاریک پہلوؤں پر توجہ، ان کا لحاظ رکھنے سے تمام لذائذ دنیا ہماری نظر میں ہیچ ہو جائیں گے اور ہم اللہ کے ساتھ وابستگی پیدا کر کے نیکی کے راستے پر قائم رہنے ہی کو اپنی بہترین کامیابی سمجھنے لگیں گے۔

مجموعی حیثیت سے مذکورہ بالا تمام تعلیمات میں وزن پیدا ہوا ہے۔ حسینؑ کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عمل اور بلندی کردار سے جس نے ان میں سے ہر ہر مقولہ اور تعلیم کو چلتی پھرتی تصویر کی شکل میں آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اس طرح کہ یہ مقولات صرف آپ کے خیالات ہی کے حامل نہیں رہے بلکہ ایک سچے عملی انسان کی تاریخ زندگی بن گئے۔

امام حسینؑ کے اس طرح کے اقوال آپ کی زندگی کے کسی ہنگامی یا اتفاقی موقع سے متعلق نہ تھے بلکہ آپ کے روزمرہ کے نظام زندگی کا ایک جزو تھے چنانچہ روزانہ کی نمازوں میں جو مختلف قنوت آپ پڑھا کرتے تھے وہ بھی اسی طرح کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک قنوت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

اللّٰھم منک البدء ولک المشیئۃ و لک الحول ولک القوۃ. اللّٰھم وانّي مع ذلک کلہ عائذ بک لائذبحولک و قوتک راض بحکمک الذی سبق الّی فی علمک جاربحیث اجریتنی قاصد ما امتنی غیر ضنین بنفسی فیما یرضیک عنّی اذبہ قد رضیتنی ولا تاصر بجھدی عما الیہ ندبتنی مسارع لما عرفتنی شارح فیما اشرعتنی مستبصر فیما بصرتنی مراع ما ارعیتنی فلا تخلنی من رعایتک ولاتخرجنی من عنایتک لاتقعد نی عن حولک ولا تخرجنی عن مقصد انال بہ ارادتک واجعل علی البصیرۃ مدرجتی وعلی الھدایتہ محجتی و علی الرشاد مسلکی حتّٰے تنیلنی امنیتّی و تحلّ بی علٰی مابہ اردتنی ولد خلقتنی والیہ اوٴیت بی.

''خداوندا تیری ہی طرف سے انعام و احسان کی ابتداء ہے اور جو کچھ مشیت اور طاقت وقوت ہے وہ صرف تیری ہے اس سب کے ہوتے ہوئے میں تیری ہی طرف پناہ لیتا ہوں اور تیری ہی قوت و طاقت کا سہارا ڈھونڈتا ہوں اور تیرے اس فیصلہ پر راضی ہوں جو میرے بارے میں تو پہلے ہی کر چکا ہے۔ میں چلنے والا ہوں اسی راستے پر جس پر کہ مجھے تو نے چلایا ہے اور قصد رکھتا ہوں وہی جو تیری مرضی کے مطابق ہو اور ان امور کے متعلق جو تری رضامندی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اپنے نفس کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتا نہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں اپنی طرف سے تیرے احکام کی تعمیل میں جدوجہد کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہونے دیتا ہوں بلکہ تیزی سے چلتا ہوں اسی راستے پر جس کی تو نے مجھے ہدایت کی اور عہدہ برآ ہوتا ہوں میں ان فرائض سے جن کا تو نے مجھے محافظ قرار دیا ہے۔ اب تو بھی مجھے اپنی حمایت میں رکھ اور اپنی نظر رحمت سے مجھے علیحدہ نہ کر اور اپنی طاقت کی امداد سے مجھے محروم نہ کر اور اس مقصد سے الگ نہ کر جس کے ماتحت میں تیری مشیت کو پورا کرنا چاہتا ہوں اور بصیرت پر قرار دے میری رفتار کو اور ہدایت پر میرے مسلک کو اور صحیح منزل کی سمت میرے راستے کو یہاں تک کہ مجھے پہنچا تو میری آرزو تک اور مجھے اتار تو اسی منزل پر جس کا تو نے میرے لئے ارادہ کیا اور جس کے لئے تو نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف تو نے مجھے متوجہ کیا''۔[1]

کیا اس قنوت کے الفاظ ظاہر بظاہر آپ کے کسی عزم مستقل کی ترجمانی نہیں کرتے؟ کیا ان سے مجمل طور پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ آپ جب کسی خاص مقصد کی خاطر اپنی زندگی کو وقف کئے ہوئے تھے اور یہ کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خالق کے اشاروں کا تابع تھا۔

۶۰ھ تک یہ الفاظ قول تھے اور ۶۱ھ ہجری میں وہ عمل بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ یہ دعا بھی حضرت امام حسینؑ کی ہے جو آپ قنوت میں پڑھتے تھے۔

اَللّٰھم من أوىٰ الی ماوی فانت ماؤای ومن لجأ الیٰ ملجًا فانت ملجای واحرسنی فی بلو ای من افتتان الامتحان ولمتة الشیطان بعظمتک التی لایشوبھا ولع نفس بتفتین ولا وارد طیف تبظنین ولا یلّم بھا فرح حتی تقلبنی الیک بارادتک غیر ظنین ولا مظنون والا مراب ولا مرتاب.

خداوندا تیرے سوا کسی کی طرف اگر کوئی پناہ لیتا ہے تو لیا کرے۔ میرا پناہ دینے

---

[1] تہج الدعوات ص ۷۰۔۷۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

والا تو صرف تو ہے، تو اپنی اس عظمت کے ساتھ جس پر نہ کسی کی نفسانی خواہش اثر انداز ہوسکتی ہے اور نہ بدظنی اور نہ اس میں کسی طرح کی بدگمانی اور کسی وقتی خوش مزاجی کا دخل ہے۔ آزمائش کے موقع پر مجھے محفوظ رکھ فتنہ میں مبتلا ہونے اور شیطانی جماعت سے مرعوب ہو جانے سے۔ یہاں تک کہ تیری طرف میری بازگشت ہو۔ تیرے منشاء کے مطابق اس طرح کہ نہ میرے دل میں برے خیالات ہوں اور نہ دوسرے میری نسبت برے خیالات قائم کرسکیں نہ دوسروں کے متعلق میں کسی شک میں مبتلا ہوں اور نہ میرے متعلق دوسروں کو شک ہو سکے۔''[1]

آپ صبح و شام دونوں وقت حسب ذیل یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللّٰھم انی اسلمت نفسی الیک و وجھت وجھی الیک وفوضت امری الیک اللّٰھم انک تکفینی من کل احد ولا یکفینی منک احد.

''خداوندا میں تیرے سپرد کئے ہوئے ہوں اپنے نفس کو اور تیری طرف موڑے ہوئے ہوں اپنے رخ کو اور دیئے ہوئے ہوں اپنے کو تیرے ہاتھ میں۔ خداوندا تو ہر دوسرے شخص کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے مجھ کو لیکن تیرا غیر مجھ کو تیرے قہر سے نہیں بچا سکتا۔''[2]

بھلا جس شخص کا مستقل عقیدہ یہ ہو اور جس کی زندگی کا نصب العین یہ ہو جس نے رات دن اسی کو سوچا ہو اور اسی کو اپنی زبان سے دہراتا جا رہا ہو وہ کہیں ممکن ہے کہ کسی طاغوتی طاقت سے دب جائے اور خدائے قادر و توانا کو بھول کر دنیوی جبروت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے؟ یزید، حسینؑ سے اسی کا تو طالب تھا کہ ''آپ خدا کے راستے سے ہٹ کر شیطان کے راستے پر اس کے ساتھ ہو جائیں''۔ مگر حسینؑ نے جو اپنے جان و روح کو کلیتہً خدا کے حوالے کر چکے تھے اس کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔

اس لئے کہ آپ کو یقین کامل تھا کہ یزید میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب تلواریں آپ کے جسم اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھیں اس وقت بھی آپ اپنے اسی یقین پر قائم

---

[1] نہج الدعوات ص ۷۳۔ [2] نہج الدعوات ص ۲۴۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھے۔ چنانچہ معرکہ کربلا کے نتائج دنیا کی آنکھوں کے سامنے آگئے تو عالم ظاہر میں سب کو اس کا مشاہدہ ہو گیا کہ حسینؑ کا خیال حرف بحرف صحیح تھا۔ اس لئے کہ کہنے کو خون بہا حسینؑ اور انصار حسینؑ کی گردنوں سے، مگر دراصل شہرگ قطع ہوئی یزید کے اقتدار کی۔ حسینؑ زندہ جاوید ہوگئے اور یزید صحیح معنٰی میں ہلاک و فنا ہوا جو نتیجہ تھا محض حسینؑ کی اس قوت ارادی کا جس کا مظاہرہ آپ کے اقوال برابر کرتے رہتے تھے۔

لذت حیات دنیا سے سرشار تنگ ظرفوں کے نزدیک اپنے مخالف کو دھمکانے کا سب سے بڑا ذریعہ موت کا تصور پیدا کر دینا ہے مگر وہ افراد جو راہ حق میں موت آنے کو مآل زندگی سمجھتے ہوں اس دھمکانے سے کب متاثر ہو سکتے ہیں؟

حسینؑ کا فلسفہ زندگی وہی تھا جس کی امام حسینؑ کو آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی طرف سے مخصوص وصیت ہوئی تھی کہ اصبر علی الحق وان کان مرّا ''سچائی کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اس پر قائم رہو اور ہر مشکل کا مقابلہ کرو''۔ یہی وصیت حسینؑ نے اپنے فرزند زین العابدینؑ کو کی اور اسی پر وہ خود مکمل طور سے کاربند رہے۔[1]

قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے

[1] کافی جلد ۱ ص ۴۱۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چودھواں باب

یزید کا بیعت پر اصرار اور حسینؑ کا انکار

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد یزید کے لئے عیش و آرام کی کمی نہ تھی۔ دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے تمام اسباب پوری فراوانی کے ساتھ مہیا تھے لیکن ایک خیال تھا جو اس کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے تھا اور اس کی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک سیاہ بنائے ہوئے تھا اور وہ ان چند آدمیوں کا بیعت سے انکار تھا کہ جن میں اول درجہ کی شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی تھی۔ یزید کے نفسیات اس کے کسی طرح متحمل ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ جوانی کا نشہ اور پھر شراب کی ترنگ۔ بے زحمت و مشقت کے حاصل شدہ سلطنت کا غرور۔ اپنے باپ کی کوششوں کی کامیابی کا گھمنڈ اور تمام ملک عرب کے سرِ اطاعت خم ہو جانے کا غرہ۔ ناآزمودہ کاری ناعاقبت اندیشی سیاسیات حکومت سے ناشناسی اور نظم سلطنت سے بے خبری۔ اس کے بعد مرنے والے باپ کا مرتے مرتے اسی بات کو یاد کرنا اور نفس کے آخری آمد و شد تک اسی فکر و اضطراب کی کشمکش میں مبتلا رہنا۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ جن کی وجہ سے یزید کو یہ کد ہوگئی تھی کہ ان انگلیوں پر گنے جانے والے اشخاص سے جلد از جلد بیعت حاصل کر لی جائے۔ کوئی شک نہیں کہ ان سب کی اور بالخصوص امام حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی اور خاموشی معاویہ کو بھی اتنی ہی شاق تھی جتنی یزید کو مگر معاویہ کو تشدد کے نتیجہ کا اندازہ تھا اور یزید کو نہ تھا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر معاویہ کی زندگی اور طولانی بھی ہوتی تو ان کی طرف سے ایسا غیر مدبرانہ طرز عمل نہ اختیار کیا جاتا جیسا یزید کی طرف سے اختیار کیا گیا مگر واقعات یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں کہ معاویہ کا رویہ یزید کے آئندہ اقدامات میں ہمت افزائی کا باعث ضرور ہوا۔ مثال کے طور پر معاویہ کا مدینہ پہنچنے کے وقت حضرت امام حسینؑ کو ان

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

الفاظ سے مخاطب کرنا کہ ''تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے قسم ہے خدا کی یہ خون ضرور گرایا جائے گا''۔

یزید اپنی ذہنیت کے مطابق اس سے یہی نتیجہ نکال سکتا تھا کہ میرے باپ کا ارادہ اس دشمن سلطنت کے ساتھ اس طرح کا تھا جسے انہوں نے قسم کھا کر ظاہر کیا تھا اور انہیں اس کی تکمیل کا موقع نہیں ملا۔ پھر ''اگر پدر نتو اند پسر تمام کند'' خصوصاً جبکہ آخر وقت تک معاویہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ان ہی چند منکرین بیعت کے خطرہ کی طرف بار بار متوجہ بھی کرتے رہے۔ یقینی گزشتہ دھمکی سے جو خیال یزید کے دماغ میں پیدا ہو چکا تھا اس کے ساتھ یہ آخری وقت کی وصیتیں یہی اثر پیدا کرسکتی تھیں کہ یزید اپنا سب سے پہلا نصب العین اور مقصد زندگی اپنے باپ کے بعد اسی کو قرار دے لے کہ خطرہ کو کسی طرح دور کیا جائے اور باپ کا جو مقصد تھا اور جس کی تکمیل کا انہیں موقع نہ مل سکا اب اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے چنانچہ یزید نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلا جو سیاسی کام کیا وہ یہی کہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی[1] کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ خلیفہ وقت یزید کی طرف سے ولید بن عتبہ کو معلوم ہو کہ معاویہ ایک خدا کے بندے تھے جنہیں اس نے عزت دی اور سلطنت عطا کی اور اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا۔ وہ جب تک مقدر میں تھا زندہ رہے اور جب عمر پوری ہوگئی تو دنیا سے رخصت ہوگئے۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے قابل تعریف زندگی گزاری اور پرہیز گاری و نیکوکاری کے ساتھ عالم آخرت کو سدھارے۔ والسلام۔

اس خط میں تو صرف معاویہ کے وفات کی اطلاع ہے۔ ایسے رسمی الفاظ میں جو عموماً خبر وفات کے طور پر لکھے جایا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور چھوٹا سا پرچہ

---

[1] مروان ایک مرتبہ معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم آٹھ برس دو مہینہ تک رہا اور پھر ربیع الاول ۴۹ھ میں معزول کیا گیا اور سعید بن عاص کو حاکم مدینہ مقرر کیا گیا (طبری ج ۶ ص ۱۳۸) دوبارہ ۵۴ھ میں سعید کی معزولی کے بعد مروان کو حاکم مدینہ مقرر کیا گیا (طبری ج ۶ ص ۱۶۴) پھر ۵۷ھ یا ایک قول کے مطابق ۵۸ھ میں اسے معزول کیا گیا اور ولید بن عتبہ کو حاکم مدینہ بنایا گیا (طبری ج ۶ ص ۱۷۲)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھی ولید کو بھیجا گیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ ''حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت پر سختی سے مجبور کرو اور بغیر بیعت لئے ہوئے انہیں ذرا سا بھی موقع نہ دو۔ والسلام[1]

یہ خط ہے کہ جس میں شروع ہی سے سخت گیری کا عنصر نمایاں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب صورت حال خاموشی کے حدود پر باقی نہیں رہ سکی یعنی حضرت امام حسینؑ کا یہ لائحہ عمل کہ ہم شریک ظلم نہ ہوں اور یزید کی خلافت کو تسلیم کر کے اس کے افعال و اعمال کی ذمہ داری اپنے اوپر نہ لیں لیکن اس کے ساتھ ہم اپنی طرف سے کوئی ایسا اقدام بھی نہ کریں کہ ملک کے امن و امان کو صدمہ پہنچے اور شورش و ہنگامہ برپا ہو۔ یہ منفی طرز عمل نبھنا ناممکن ہے اب تو عمل کی منزل ہے یا تو مختتم اقرار یا مختتم انکار۔ مگر انکار ایسا جس میں نتائج کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔

یزید کا خط ولید کو پہنچا۔ ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سہی لیکن وہ ایک حد تک امام حسینؑ کی عظمت و شخصیت سے متاثر تھا۔ اس میں بظاہر اتنی سفاکی اور ستم کیشی بھی نہ تھی کہ ایک بے گناہ کا خون بہاتے ہوئے اس کو لذت محسوس ہو۔ یزید کے فرمان شاہی نے اس کے باطنی جذبات میں ایک تلاطم پیدا کر دیا اور وہ اس شش و پنج میں پڑ گیا کہ یزید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔ لہٰذا اس نے مروان بن الحکم سے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا مشورہ کیا حالانکہ اس سے پہلے ولید کے مدینہ کی حکومت پر آنے کے وقت سے اس میں اور مروان میں اس حد تک کشیدگی ہوگئی تھی کہ مروان نے ولید کے یہاں کی آمد و رفت ترک کر دی مگر اس وقت ولید کو ضرورت یہی معلوم ہوئی کہ مروان کو مشورہ میں ضرور شریک کرے شاید اسی لئے کہ کہیں جو طرز عمل وہ اختیار کرنا چاہتا ہے اموی سیاست کے خلاف نہ ہو اور مروان اس کے خلاف جاسوسی یا چغل خوری کا کام انجام نہ دے۔ مروان نے جو رسول اللہؐ کے زمانہ ہی میں ایسی شرارتیں کر چکا تھا کہ رسول اللہؐ نے اس کو اور اس کے باپ کو مدینہ سے باہر نکال دیا تھا کہا کہ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی تم فکر نہ کرو۔ وہ تو طالب خلافت ہوں گے نہیں۔ ہاں حسینؑ بن علیؑ اور

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۸۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عبداللہ بن زبیر کو پابند بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا تم ابھی ان لوگوں کو بلوا بھیجو اور وفات معاویہ کی خبر پھیلنے کے قبل ہی ان سے بیعت یزید کا مطالبہ کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو قتل کر دو۔ اس لئے کہ اگر انہیں معاویہ کے انتقال کی خبر ہوگئی پھر ایک ایک طرف کھڑا ہو جائے گا اور علانیہ مخالفت کرنا اور خود اپنی طرف لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دے گا۔[1]

ولید محسوس کرتا تھا کہ اس پورے مشورہ پر وہ عمل نہیں کر سکتا تاہم اس نے اسی وقت عبداللہ بن عمر بن عثمان کو جو ایک کمسن لڑکا تھا حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں آدمی اس وقت مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے اور بوقت واحد دونوں کو یہ پیغام پہنچا کہ امیر نے آپ کو بلایا ہے یہ وقت ایسا تھا کہ اس وقت ولید کبھی باہر نہ بیٹھتا تھا اور لوگوں کی ملاقات نہ ہوتی تھی۔ ان حضرات نے کہا کہ تم چلو ہم آتے ہیں۔ آدمی واپس گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ یہ ولید کے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے اس وقت بلانے کا کیا سبب ہوسکتا ہے؟ کچھ آپ کے خیال میں آیا ہے یہ کیا بات ہے؟ امام حسینؑ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ ان کا ظلم کا دیوتا دنیا سے اٹھ گیا ہے اور ہمیں اس وقت صرف بیعت کے لئے بلایا گیا ہے کہ لوگوں میں ابھی خبر پھوٹنے نہ پائے اور ہم لوگ پابند کر لئے جائیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ امام نے فرمایا میں تو ابھی اپنے خاندان کے جوانمردوں کو جمع کرتا ہوں اور ان سب کے ساتھ وہاں جاتا ہوں۔ ان لوگوں کو دروازہ پر کھڑا کر دوں گا اور میں اندر جاؤں گا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا مجھے اس میں آپ کی جان کا اندیشہ ہے کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا میں جاؤں گا تو کچھ سمجھ کے جاؤں گا۔ اتنا سامان کر لوں گا کہ مجھے خطرہ نہ باقی رہے۔

امام حسینؑ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور اعزاء اور مخصوصین کو جمع کر کے ان کے ساتھ ولید کے دروازہ پر پہنچے۔ اصحاب سے فرمایا کہ تم دروازے پر ٹھہرو اور میں اندر جاتا ہوں۔ اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ ولید کی آواز بلند ہوئی تو سب کے سب

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۲۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اندر چلے آنا اور اگر ایسا نہ ہو تو سب ٹھہرے رہنا۔ یہاں تک کہ میں واپس آؤں۔ حضرت اندر تشریف لے گئے۔ ولید اور مروان آج خلاف معمول پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ امام حسینؑ نے فرمایا ''اتفاق و اتحاد بہ نسبت نزاع و اختلاف کے بہتر ہے۔ خدا تم دونوں کے تعلقات کو خوشگوار بنائے''۔ اس کا کوئی جواب نہیں ملا اور آپ بیٹھ گئے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا۔ غالباً وہی حصہ جس میں معاویہ کی وفات کا تذکرہ تھا اور اس کے بعد بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔ امام نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔[1] (یہ وہ فقرہ ہے جو ہر مصیبت کے موقع پر کہا جاتا ہے) خدا تم لوگوں کو اس مصیبت میں صبر عطا کرے۔ بیعت کے بارے میں یہ ہے کہ میرے ایسے شخص کی بیعت کو مخفی طور سے تو غالباً تم کافی نہ سمجھو گے جب تک کہ علانیہ بیعت نہ ہو اور عام طور سے لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ ولید نے کہا بے شک آپ نے فرمایا تو پھر جب مجمع عام میں وفات معاویہ کا اعلان کرو اور تمام لوگوں سے یزید کی بیعت لو اسی وقت مجھ سے بھی کہنا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس قضیہ کا فیصلہ ہو جائے۔[2]

ولید شاید اپنے مقام پر یہ سمجھے ہوئے تھا کہ امام حسینؑ یزید کی بیعت کا سوال سنتے ہی فوراً مخالفت پر تیار ہو جائیں گے اور بہت سختی کے ساتھ جواب دیں گے اور اس صورت میں اسے فکر ہوگی کہ مجھے یزید کے حکم کی تعمیل کے لئے کیا صورت اختیار کرنا پڑے گی اب اس نے جو آپ سے اس طرح کا ملائم انداز کا جواب سنا تو وہ اسے غنیمت سمجھا اور خوش ہو کر اس نے کہا کہ ''بہتر آپ واپس جائیے اور سب کے ساتھ پھر آئیے گا''۔ مروان ابھی تک خاموش بیٹھا صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اب جو اس نے ولید کا یہ نرم طرز عمل دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا ''ولید کیا غضب کرتے ہو اگر حسینؑ اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقع حاصل نہ ہوگا جب تک کہ بہت سے لوگ طرفین کے قتل نہ ہو لیں۔ بہتر ہے کہ ابھی ان کو گرفتار کر لو اور تمہارے گھر سے

---

[1] ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ (قرآن۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶)

[2] طبری ج ۶ ص ۱۸۹۔ الاخبار والطوال ص ۲۲۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جانے نہ پائیں جب تک کہ بیعت نہ کرلیں یا قتل نہ کر دیئے جائیں"۔

یہ سن کر امام حسینؑ کو غصہ آ گیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ "کیا مجال ہے تیری یا ولید کی جو مجھے قتل کرے غلط کہا تو نے بخدا اور گنہگار ہوا"۔ یہ فرما کر آپ باہر نکل آئے اور اپنے اصحاب کی معیت میں گھر واپس تشریف لے گئے۔[1] مروان نے ولید سے کہا "تم نے میرا کہا نہ مانا اب ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا" ولید نے کہا مروان! یہ کسی اور سے کہو! تم نے مجھے وہ صورت بتائی تھی جس میں میرے مذہب کی موت تھی۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ تمام شرق و غرب کا مال و دولت میرے قبضہ میں دے دیا جائے پھر بھی میں حسینؑ کو قتل کروں، سبحان اللہ! میں حسینؑ کو قتل کروں؟ صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں میں بیعت نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو شخص حسینؑ کے خون کا مجرم ہوگا وہ خدا کے یہاں روز قیامت میزان عمل میں انتہائی سبک ہوگا۔[2]

مروان نے کہا کہ اچھا یہ عقیدہ تمہارا ہے تو بے شک تم نے بہت اچھا کیا۔[3]

بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد مروان نے ولید کی شکایت یزید کو لکھ بھیجی ہو اور اس تمام روداد کی اطلاع دی ہو اور اسی کا نتیجہ ہو کہ اس کے بعد ولید مدینہ کی گورنری سے ہٹا دیا گیا ہو اور عمر بن سعید الاشدق کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

یہ اس کی ایک دلیل ہے کہ خط میں بیعت نہ کرنے کی صورت میں حسینؑ کے قتل کے متعلق ضرور لکھا تھا۔ ظاہری اسباب کی بناء پر بھی کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام حسینؑ نے اسی وقت صورت حال کی نزاکت کا پورا احساس کرلیا اور یقیناً اسکے بعد جو کچھ طے کیا وہ تمام نتائج سوچ لینے کے بعد آپ نے یہ طے کرلیا کہ میں یزید کی بیعت ہرگز نہیں کروں گا۔ ابھی تک دنیا نفی کے معنیٰ نہیں سمجھ سکتی تھی کیونکہ وہ انکار بیعت کی صورت میں ان تشدد کے درجوں کا اندازہ نہیں کر سکتی تھی جو بعد میں حسینؑ کے سامنے آئے لیکن حسینؑ جس وقت کہہ رہے تھے کہ میں بیعت نہیں کروں گا اس وقت وہ بیعت نہ کرنے کے معاوضہ میں ظلم و تشدد کے تمام امکانات پر غور کر کے اور اپنے نفس کی قوت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۸۹۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۲۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۹۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

برداشت کا پورا جائزہ لے کر کامل اعتماد کے ساتھ بیعت کی نفی کر رہے تھے اور اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ تشدد اپنی آخری حد پر پہنچ گیا مگر حسینؑ کے صبر و برداشت کی قوت ختم نہ ہو سکی وہ اپنی بات پر آخر تک قائم رہے اسی عزم و استقلال کے ساتھ جس کو انہوں نے پہلے دن طے کر لیا تھا۔

یہاں پر یہ بحث پورے طور پر صاف ہو جانی چاہئے کہ آخر یزید کی رسمی بیعت اختیار کر لینا کون سا ایسا ناقابل برداشت امر تھا جسے حضرت امام حسینؑ کسی صورت سے گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس کے لئے ایک نظر حسینؑ کی ان ذمہ داریوں پر ڈالنا ہوگی جو خاندان رسولؐ کے اس وقت سب سے بڑے ذمہ دار رکن ہونے کے اعتبار سے ان پر عائد تھیں اور ان قدیم روایات کو دیکھنا ہوگا جو اسلام اور حقانیت کی حفاظت کے لئے امام حسینؑ کے آباؤ اجداد کی ذات سے وابستہ رہی تھیں اور جن کے اس وقت حسینؑ ذمہ دار تھے اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت حسینؑ اپنے فرض کی تکمیل کس طرح کر سکتے تھے۔ یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ یزید کو حضرت امام حسینؑ سے بیعت لینے کے لئے اس قدر کد و کاوش کی ضرورت کیا تھی؟ جبکہ جمہوریت کے اصول پر اکثر افراد کا کسی حکومت کو قبول کر لینا آئینی طور پر اسکے مسلم ہو جانے کے لئے کافی اور اقلیت کی رائے ناقابل اعتبار ہے۔ اس کے ساتھ یہ کوئی قانون نہیں کہ اقلیت کو جبری طور پر اپنی رائے بدلنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ جبکہ اس کی طرف سے عملی طور پر کوئی شورش انگیزی نہ کی جا رہی ہو۔ خلافت کے ہر دور میں کچھ لوگ ایسے رہے جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ خود حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے زمانہ خلافت میں حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور زید بن ثابت وغیرہ کئی آدمی ایسے تھے جنہوں نے آپ کی بیعت سے کنارہ کشی کی تھی مگر صرف بیعت نہ کرنا کوئی قابل سزا جرم نہیں سمجھا گیا۔ یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاویہ نے مکہ اور مدینہ میں چاہے کتنی ہی بڑی کانفرنس یزید کی بیعت لینے کے لئے منعقد کی ہو لیکن یقیناً مکہ اور مدینہ کی مردم شماری کے اعتبار سے سینکڑوں ہزاروں آدمی ایسے رہ گئے ہوں گے جو گھروں میں بیٹھے ہوں گے اور جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی ہوگی لیکن کسی کے لئے بیعت کی ضد نہیں کی گئی اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سلطنت کو ان سے کاوش پیدا نہیں ہوئی۔ پھر ایک حسینؑ میں کیا بات ایسی تھی کہ آپ سے بیعت حاصل کر لینے کے لئے سلطنت شام کی پوری مشینری حرکت میں آجائے اور شاہی جبروت کی تمام طاقت صرف کر دی جائے۔ ماننا پڑے گا کہ حسینؑ سے بیعت بحیثیت ملک عرب کے ایک فرد کے نہیں طلب کی جا رہی تھی بلکہ اس بناء پر کہ ایک فرد ایک جماعت یا قوم بن جاتی ہے۔ نمائندگی کے اعتبار سے۔ حقیقت میں حسینؑ فقط حسینؑ ہی نہ تھے وہ تو اس وقت خاندان رسالت کی بزرگ ترین ہستی ہونے کے لحاظ سے اس ورثہ کے حامل تھے جو دین خدا کی صحیح معنی میں حفاظت سے متعلق تھا اور جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کے اہل بیت میں یکے بعد دیگرے منتقل ہو رہا تھا اور اسی لئے خاندان رسولؐ یا خاندان علیؑ بن ابی طالبؑ میں محمد بن حنفیہ بھی تو تھے۔ عبداللہ بن جعفر بھی تو تھے۔ حضرت عباس بن علیؑ اور ان کے بھائی بھی تو تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ان میں سے کسی نے یزید کی بیعت نہیں کی مگر تاریخ نہیں بتا سکتی کہ ان میں سے کسی سے بھی بیعت طلب کی گئی ہو صرف اس لئے کہ ان میں سے کسی کو حسینؑ کی موجودگی میں وہ ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہ تھی جو حسینؑ کو حاصل تھی۔

یزید کو حسینؑ سے بیعت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اگر وہ صرف دنیوی قسم کی ایک سلطنت کا دعویدار ہوتا مگر وہ جس قسم کی سلطنت کے مالک ہونے کا مدعی تھا وہ تو خلافت اسلامیہ والی حکومت تھی جو رسول اللہؐ کی جانشینی کی مترادف سمجھی جاتی تھی اس کا نصب العین یہ تھا کہ بادشاہ مذہب کے جزء وکل کا مالک ہو اور مذہبی قوانین بادشاہ کی خواہشوں کے پابند ہوں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے مذہبی وارث سے اپنی حکومت کو تسلیم کرائے اور وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس وراثت کی حامل اس وقت صرف حسینؑ کی ذات ہے اس لئے وہ لازم سمجھتا تھا کہ آپ سے اپنی بیعت حاصل کرے۔

حسینؑ سمجھتے تھے کہ اگر اس وقت میرے بھائی حضرت امام حسنؑ زندہ ہوتے تو بیعت کی خواہش ان سے کی جاتی مجھ سے نہ کی جاتی۔ اگر میرے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہوتے تو جھگڑا ان سے کیا جاتا، مجھ سے نہ کیا جاتا اور اگر میرے جد بزرگوار رسول اللہؐ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوتے تو اپنی حکومت کے جواز کی تصدیق ان سے حاصل کرنے کی کوشش ہوتی مجھ سے نہ ہوتی۔ مگر اب تو وہ دیکھ رہے تھے کہ میرے نانا رسول اللہؐ نہیں ہیں اب تو میں ہوں اس لئے مجھ سے بیعت طلب کی جا رہی ہے اس صورت میں اگر میں نے بیعت کر لی تو وہ ایسا ہے جیسے میرے بھائی حسنؑ ہوتے اور وہ بیعت کر لیتے۔ میرے بابا علیؑ ہوتے اور وہ سر تسلیم خم کر دیتے اور میرے نانا رسول اللہؐ ہوتے اور وہ اس حکومت کو جائز تسلیم کر لیتے۔ انہوں نے اس سخت احساس ذمہ داری کی بناء پر تمام مشکلات کو برداشت کرنا گوارا کر لیا اور یہ طے کیا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔

یہ عزت نفس، شرف حق اور وقار دینی کا سوال تھا اور پہلے ہی دن آپ نے اس مرحلہ میں آخر تک ثابت قدم رہنے کا عزم کر لیا تھا جس کا آخری نتیجہ بھی معلوم تھا اس کا آپ نے کوئی بلند بانگ اعلان نہیں کیا تب بھی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سننے والوں کو اس کا پتہ دے رہے تھے چنانچہ ابوسعید مقبری کا بیان ہے کہ میں نے امام حسینؑ کو مدینہ کی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے ساتھ اس وقت دو آدمی تھے جن کے کاندھے پر باری باری ہاتھ رکھ کر چل رہے تھے اور آپ کی زبان پر ابن مفترغ کے یہ اشعار تھے۔

لاذعرت السوّام فی فلق الصبح مغیرا ولا دعیت یزیدا

یوم اعطی من المھا بتہ ضیما والمنایا یرصدننی ان احیدا

''ان کا مطلب یہ ہوا کہ خدا وہ دن نہ لائے کہ موت کی طاقتیں کمینگاہوں سے حملہ کر کے مجھے میرے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں اور میں ان کے خوف سے ذلت کو برداشت کرلوں''۔

ابوسعید کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر اسی وقت میری سمجھ میں آیا کہ آپ کسی خاص اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دو ہی دن گزرے تھے کہ معلوم ہوا آپ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پندرھواں باب

امام حسنؑ کی خاموشی اور امام حسینؑ کا اقدام

اس مقام پر اکثر یہ سوال پیش کیا جاتا ہے کہ آخر حضرت امام حسنؑ نے بھی تو یزید کے باپ معاویہ سے مصالحت کرلی تھی۔ اسی طرح اگر امام حسینؑ صلح کر لیتے تو کیا حرج تھا؟ بظاہر دونوں بھائیوں کے طرز عمل میں اختلاف ہے اور اسی سے سلطنت بنی امیہ کے ہوا خواہوں نے دونوں بھائیوں کے اختلاف طبیعت کے سوال اور اس خیال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں اور ان حالات کے لحاظ سے فرائض کا تقاضا بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ ابنائے زمانہ زیادہ تر جذبات کے پابند ہوتے ہیں اور جذبات اکثر افراط وتفریط کی بناء پر حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اخلاق انسانی میں کامل اشخاص ہر موقع پر فرض کا اندازہ کرتے ہیں۔ انہیں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ وہ ابنائے زمانہ کے جذبات کے مطابق ہے یا مخالف اس لئے ان کا طرز عمل اکثر عام افراد انسانی کو متضاد نظر آتا ہے اور اکثر ان پر دونوں طرح کے معترض پائے جاتے ہیں۔ کبھی ان پر اقدام پسند طبائع اعتراض کرتے ہیں اور کبھی رجعت پسند طبیعتیں معترض ہوتی ہیں لیکن وہ ان اعتراضات کی کوئی پروا نہیں کرتے اور اپنے مسلک کے پابند رہتے ہیں اس لئے کہ وہی ان کے نزدیک فرض کا تقاضا ہوتا ہے۔

یہی صورت ہم کو پیغمبر اسلامؐ کے طرز عمل کے متعلق ملتی ہے۔ یہی علی مرتضیٰؑ کی سیرت اور یہی ان کے بعد حسنؑ اور حسینؑ کے طرز عمل کے متعلق نظر آتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حسن مجتبیٰؑ کی صلح جس کے واقعات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے وہی مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی اس لئے کہ ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید، نتیجہ خیز اور موثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے عمل میں لایا جائے تو وہ نتیجتاً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے مرتکب کو اکثر ہمیشہ کے لئے مورد الزام ٹھہراتا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

واقعات کی رفتار یکساں حالت پر نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہے اور ان کا طریقہ علاج بھی اسی اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زخم رسیدہ پکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہے لگاؤ، مرہم بدلو، ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ، پھر اگر نہ اچھا ہو اور اس کی سمیّت کے جسم میں سرایت کرنے کا خوف ہو تو اسے کاٹ کر بھی پھینک دو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونے کے ساتھ ہی اور کوئی علاج معالجہ کرنے کے پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام ہوتے اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ یہ طرز عمل وہی ہے جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن قرار پائے گا۔

دشوار گزار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری، جب تمام وسائل اور ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اسی وقت اس کا درجہ ہے۔ وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک موثر ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آجائے تو جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اس کو حق بجانب نہیں سمجھا جاسکتا اور اسی کے ساتھ اس کی کامیابی اور تاثیر رخصت۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج و استغاثہ، مصالحت اور معاہدہ مودت یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا اختیار کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔ بیشک جب یہ سب ذرائع اختیار کئے جانے پر ناکام ثابت ہوں تو پھر عربی مثل من جرّب المجرّب حلت به الندامته اور فارسی مثل ''آزمودہ را آزمودن جہل است'' کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہ ہو سکے گا اور اس کی رفتار عمل کو آگے بڑھ کر دوسرے اقدام تک پہنچنے کا حق ہوگا۔ یہی تدریجی رفتار اقدام عمل میں جب تک قائم ہے کامیابی کی توقع ہے ورنہ نہیں۔ ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانے والا مغضوب الغضب کہا جائے گا۔ وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں برخلاف اس کے اگر تمام دیگر ذرائع و اسباب سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم مقصد کے لئے جان دینے پر تیار ہو جائے تو فداکاری و جان نثاری اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایک انسان اگر اپنے اعمال و افعال میں توازن کو ملحوظ رکھتا ہے اور اپنی کارگزاریوں میں صرف جذبات کا فرمانبردار نہیں بلکہ عقلی غور و تدبر کا پابند ہے تو اسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہے۔ شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بے شک مذہب خطرہ میں تھا اور حق و راستی پامال ہو رہی تھی جس کی اصلاح کے لئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانے کے لئے دوسرے پرامن اور صلح پرور وسائل و ذرائع صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر امام حسینؑ بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے اچانک یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پر جس کا لازمی نتیجہ آپ کا قتل ہونا تھا تیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امام نے اتحاد عمل کے ساتھ حالات کی درستی کی کوشش کیوں نہ کی؟ مخصوص شرائط کے ساتھ صلح کر کے ان مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینہ رسولؐ میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آ کر اپنے کو معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

ان سوالات کے پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی بظاہر موجود نہ ہوتا یقینی آپ کا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب مگر یہاں صورت حال یہ تھی کہ امام حسینؑ کا اقدام ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع ہو رہا تھا جس کے لئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے تھے یہاں تک کہ ۶۰ھ سے لے کر ۶۱ھ تک میں اس کا وقت آ گیا۔

شروع شروع میں جناب امیرؑ کا اپنے حقوق کی پامالی کے باوجود ۲۵ سال خاموش رہنا اس کے بعد لوگوں کے انتہائی اصرار پر خلافت قبول کرنا اور بنی امیہ کا آپ کے مقابلہ میں برسر پیکار ہو جانا آپ کا شہید ہونا اور امام حسنؑ کا مسند خلاف پر متمکن ہونا لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے ساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج کرتے رہنا لیکن باوجود اس کے حالات کا رو باصلاح ہونے کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بدلے بد سے بدتر ہوتے جانا، شرائط معاہدہ کو ٹھکرا دیا جانا، صلح نامہ کی دفعات کا پامال ہو جانا، زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس سلسلہ میں پانی کا سر سے اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گزر جانا وہ تھا جس نے امام حسینؑ کے لئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کر دیا تھا کہ جو انہوں نے کربلا کی سرزمین پر انجام دیا۔

حسینؑ کے سامنے اب صلح کا سوال آ ہی نہیں سکتا تھا اس لئے کہ صلح کی منزل کو امام حسینؑ طے کر چکے تھے اور اب شرائط صلح کی مخالفت ہی وہ صورت حال تھی جو امام حسینؑ کے سامنے تھی حالانکہ معاویہ اپنے اعمال میں بہر حال کچھ نہ کچھ پردہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر جب معاویہ کے ساتھ مصالحت نتیجہ میں ناکام رہی تو یزید کے ساتھ مصالحت کے کیا معنی؟

پھر امام حسنؑ نے جو صلح کی اس کی نوعیت تو یہ تھی کہ پہلے حضرت امام حسنؑ مسند خلافت پر متمکن تھے۔ صلح کے ذریعے آپ نے حکومت ظاہری کو چھوڑ دیا اور مخصوص شرائط کے ماتحت معاویہ کے سپرد کر دیا مگر اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ آپ نے خلافت الٰہیہ، امامت یا تمدن اسلامی کے بارے میں اپنے دینی مسلک اور معاشرتی و اجتماعی اصول سے دست برداری اختیار کر لی۔ یہ صلح اس کے بعد سے صرف ایک معاہدہ عدم تعرض کی حیثیت رکھتی تھی جس کی وجہ سے روحانیت کا مرکز دنیوی اقتدار کے مرکز سے ایک عرصہ تک کے لئے علیحدہ ہو گیا اور بس! اسی لئے حضرت امام حسنؑ کی زندگی اس معاہدہ کے بعد بھی محفوظ نہیں رہی۔ سلطنت شام امام حسینؑ سے اس عدم تعرض پر اکتفاء کرنے والی ہوتی تو طلب بیعت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ عدم تعرض تو ان حضرات کی جانب سے قائم ہی تھا۔ دمشق کی سیاست اب اس پر رضامند نہیں تھی کہ روحانیت کا مرکز مادی اقتدار کے مرکز سے الگ دنیا میں موجود رہے۔ معاویہ کا معاہدہ وقتی طور پر ایک مجبوری کا نتیجہ تھا بغیر اس کے حضرت امام حسنؑ کی تسلیم شدہ حیثیت جو مسلمانوں میں باعتبار حکومت حاصل تھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے بعد ان کو خود اور ان کے بعد یزید کو شدت کے ساتھ اس کا احساس تھا کہ یہ کانٹا ہمیشہ کے لئے راستے سے نکل جائے۔ تسخیر ممالک اور تسخیر قلوب مختلف چیزیں ہیں۔ ایک کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوسرے سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ فاتح ممالک کو فاتح قلوب سے ہر وقت اندیشہ رہتا ہے یہی خطرہ تھا جس کی وجہ سے اہل بیت رسولؐ سلطنت دمشق کی نظر میں بہرحال قابل مزاحمت تھے خواہ وہ مزاحمت کریں یا نہ کریں۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے امام حسینؑ کے لئے اس طرح کی صلح کا کوئی محل نہ تھا جیسی صلح امام حسنؑ کر چکے تھے۔ وہ صلح ایسی تھی کہ اگر اس وقت ذمہ وارانہ حیثیت امام حسینؑ کی ہوتی تب آپ بھی اس صلح کے مسلک کو اختیار کر کے مسلمانوں میں امن قائم کر دیتے۔ آپ کے سامنے تھا بیعت کا سوال۔ اس کے معنی تھے اس روحانی مرکز کی شکست جس کے حسینؑ ذمہ دار تھے۔ اس کے معنی تھے اس تمدن اور نظام سیاست کو قبول کر لینا جو سلاطین دمشق نے قائم کیا تھا۔ یہ ایسی چیز تھی جو آل محمدؐ کے لئے کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی خواہ حسینؑ ہوتے یا ان کے بجائے اس وقت امام حسنؑ ہوتے۔

پھر سابق زمانہ میں تو خلفاء اپنے کو کتاب اور سنت کا محافظ ظاہر کیا کرتے تھے اور بیعت بھی اسی پر لی جاتی تھی کہ کتاب و سنت پر عمل ہوگا مگر یزید کے دور میں سلطنت کی مطلق العنانی اور خوسری اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ بیعت لی جاتی تھی اس بات پر کہ ہم خلیفہ کی ملکیت ہیں وہ ہمارے جان و مال اور اولاد کے ساتھ جو چاہے سلوک کر سکتا ہے۔ مدینہ میں یزید بن عبداللہ بن ربیعہ بن اسود اسی جرم پر قتل کئے گئے کہ وہ کتاب اور سنت پر بیعت کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر مذکورہ الفاظ میں یزید کی غلامی کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ [1]

ان ہی باتوں کا نتیجہ تھا جیسا کہ بعد میں معلوم ہوگا کہ امام حسینؑ کو آپ کے اس اقدام کے سلسلہ میں مختلف اوقات میں بہت سے مشورے دیئے گئے۔ یہ کہا گیا کہ مدینہ ہی میں قیام کیجئے۔ یہ کہا گیا کہ مکہ کو مستقر بنائے رکھئے۔ یہ کہا گیا کہ طائف یا یمن کی طرف چلے جائیے۔ یہ کہا گیا کہ کوہ اجا زمیں چل کر پناہ لیجئے مگر یہ کسی عزیز یا دوست نے مشورہ نہیں دیا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجئے کیونکہ یہ ایک تسلیم شدہ بات تھی کہ یزید کی

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بیعت امام حسینؑ کے لئے کسی طرح ممکن نہیں۔

یزید کی بیعت کرنے کے معنی یہ تھے کہ حسینؑ ہر قسم کے شریفانہ شعور اور مسلمانوں کے ہر قسم کے حقوق کو بیچ ڈالتے۔ حسینؑ کے لئے محال تھا کہ حسینؑ فضیلت اور ضلالت کو ایک درجہ میں رکھتے۔

عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ نے بھی یزید کی خلافت کو پسند نہیں کیا۔ ان سب نے معاویہ کے سامنے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ان کا یہ طریق عمل کسی طرح جائز نہیں ہے۔ پھر حسینؑ ہر دوسرے شخص سے زیادہ اسلام کا درد رکھتے تھے۔

حسینؑ زیادہ حق رکھتے تھے کہ وہ یزید کے مطالبات کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور ہر قسم کی قربانی اسلام کی حمایت میں پیش کریں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سولھواں باب

حسینی موقف کی تشریح

جب کوئی صورت سمجھوتے اور مصالحت کی تھی نہیں تو پھر اب کیا رہ جاتا ہے؟ جنگ ! مگر مادی طور پر جنگ کرنے کا سوال اس وقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ تاریخی صورت حال یہ ہے کہ اس وقت حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی وفات کو بیس برس گزر چکے تھے۔ بنی امیہ کی طاقت جو شام میں تھی حضرت علیؑ ہی کے زمانہ میں اتنی مضبوط ہوگئی تھی کہ حضرت علیؑ کی قوت سے صفین میں گویا برابر کی ٹکر لے سکی اور حضرت امام حسنؑ کو اس سے مقابلہ میں ایک شدید خونریزی کے آثار نظر آئے جس کی وجہ سے آپ نے صلح کرنا بہتر سمجھا حالانکہ اس وقت شیعان علیؑ کی جمعیت منظم تھی مگر اب بیس برس کی طولانی مدت گزرنے پر وہ جتھا پراگندہ ہو چکا تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے ضمیر خریدے جا چکے تھے۔ بہت سے ثابت قدم لوگوں کے سر قلم کئے جا چکے تھے اور بہت سوں کو جیلوں میں بھرا جا چکا تھا بقیہ لوگ خوف و دہشت اور بدلی سے ادھر ادھر پریشان و پاشان ہو گئے تھے۔ ایسی صورت میں دمشق سے شہنشاہی اقتدار کے مقابلہ میں جنگ کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا؟ اس کے علاوہ آپ کا مقصد جو یزید کے مقالہ میں تھا وہ مادی جنگ سے حاصل بھی نہیں ہو سکتا تھا اس کی تشریح آئندہ کی جائے گی۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ بیعت سے انکار کر رہے تھے تو کیا کریں گے؟ اسے اگر حسینؑ کر کے نہ دکھلاتے تو ہماری ہرگز سمجھ میں نہ آتا۔ حسینؑ نے یہی طے کیا کہ وہ جنگ کریں گے مگر جنگ کا طریقہ بدل دیا جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں ان میں طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہوتا ہے۔ حسینؑ نے سب سے پہلے یہ نمونہ پیش کرنا چاہا کہ آپ طاقت کا مقابلہ کردار سے کریں گے۔ آپ نے یہ طے کیا کہ آپ اقتدار کا مقابلہ بے بسی سے، کثرت کا مقابلہ قلت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے ساتھ کریں گے اور یہ وہ طریقہ جنگ تھا جس کا مشاہدہ اس سے پہلے دنیا نے نہیں کیا تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آپ محسوس کر رہے تھے کہ تعلیمات اسلام پر ایسا غلاف چڑھ گیا ہے جس سے آئندہ صدیوں کو اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ حقیقتاً وہ تمدن، وہ آئین معاشرت اور وہ نظام زندگی کیا تھا۔ جسے پیغمبر اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ بعد کی آنے والی نسلوں کے لئے سابقہ حالات معلوم کرنے کا ذریعہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کتب تواریخ۔ یہی تاریخ کی دوربین وہ ہے جس کے ذریعہ سے صدیوں اور ہزاروں برس پہلے کے حالات کا انسان مطالعہ کرتا ہے۔ اسلامی دنیا میں سلاطین اسلام کا شاہنشاہی اقتدار اتنا نمایاں تھا کہ اگر اسلامی تمدن و تہذیب کی جانچ کے لئے کوئی طالب تحقیق تاریخ اور اوراق پر نظر ڈالتا تو اس کو اسلام کی سرزمین پر دمشق اور بغداد کے اونچے قصر نظر آتے۔ وہ بڑے بڑے پھاٹک دکھائی دیتے جن پر زرتار پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ایوان جلوہ دکھاتے جہاں دیواروں پر زر و جواہر کا کام بنا ہوا ہے اور سونے چاندی کے دروازے ہیں اور اگر محل کے اندر باریابی ہو جاتی تو زر و جواہر سے مرصع تخت نظر آتا اور زریں کمر غلام صف باندھے ایستادہ، مہ جبینوں کا جھرمٹ، شراب کے دور، مغنی کی صدا اور ساز و طرب کے نغموں کی گونج ''پیشوائے اسلام'' کی بارگاہ میں نماز کا وقت آتا ہے تو وہ بھی سلام کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ موذن کی صدا آتی ہے مگر نشاط و طرب کے نقارخانہ میں طوطی کی آواز بن کر سنائی نہیں دیتی۔ جب وہ نظارہ دیکھتا تو کیا یہی رائے قائم نہ کرتا کہ اسلام کا تمدن یہی ہے اور یہی وہ تہذیب ہے جس پر مسلمان نازاں ہیں؟ یقیناً ایسا ہی ہوتا کہ وہاں کا آئین و نظام بطور مثال پیش کیا جاتا۔ ان کے افعال مسلمانوں کے افعال بتائے جاتے اور ان کا کردار ہی ایک ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی تصویر نظر آتی۔ کہاں نظر آتے محلّہ بنی ہاشم کے وہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر جن میں کچھ بوڑھے کچھ جوان اور کچھ بچے اپنے خالق کی یاد میں مصروف ہیں۔ وہ دروازے جہاں غریب، محتاج اور مسکین آتے ہیں تو اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کر دے دیا جاتا ہے اور خود فاقہ سے دن گزار لئے جاتے ہیں جہاں غلام اور کنیز سے مساویانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، کہاں نظر آتے وہ چہرے جن پر محنت و مشقت برداشت کرنے سے زردی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ہونٹ جو ذکر الٰہی سے خشک ہو گئے ہوں وہ افراد جن کا نصب العین یہ ہے کہ کسی غریب کو اٹھاؤ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کمزور کی مدد کرو کسی محتاج و بے کس کی دستگیری کرو کسی مظلوم کو ظلم سے نجات دلاؤ اور دنیا کو اپنے اخلاق سے نمونہ جنت بناؤ۔

بس حسینؑ بن علیؑ کا مقصد یہ تھا اور وہ یزید کی بیعت کا انکار کرتے ہوئے اسی پر کمربستہ ہوگئے تھے کہ تو سہی وہ انسانیت کی نگاہ کو ان اونچے مناظر سے ہٹا دیں۔ ان قصروں اور میناروں سے موڑ دیں اور اسلامی اصول کی برق تجلی کو عمل کی اس معراج پر آنکھوں کے سامنے لائیں کہ نظر اٹھتے ہی سب سے پہلے اسی پر جا پڑے اور اسی کی چمک دمک میں محو ہو جائے۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے کردار کو ایسی بلندی پر لے جائیں جہاں وہ ستارے کی طرح چمک اٹھے۔ سلاطین دنیا کے بڑے بڑے محل اور مینار نظر نہ آئیں بلکہ آپکا کردار نظر آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ انسانیت کے کانوں کو اس نقارخانہ ساز و نغمہ سے بہرا بنا دیں اور حقانیت اسلام کی اس سریلی اور دلکش آواز سے شناسا کر دیں جو موجودہ فضا میں سنائی نہیں دیتی۔

دوسرے لفظوں میں آپ کا مطلب یہ تھا کہ ایک مرتبہ دنیا کے سامنے اس حقیقت کو پوری شدت و قوت سے پیش کر دیں کہ حکومت و شہنشاہیت اور ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کے اصول اور ہیں۔

حضرت امام حسینؑ جس مقصد کو لے کر اٹھ رہے تھے وہ اپنی نوعیت و خصوصیت میں کوئی نیا نہ تھا۔ وہ تو وہی تھا جسے تمام انبیاء لے کر آئے تھے اور جس کے لئے تمام مصلحین ہمیشہ کوشش کرتے رہے مگر اس کو جس صورت سے آپ نے حاصل کیا وہ ایک ایسی مثال ہے جو نہ اس سے پہلے نظر آئی اور نہ بعد کو۔

سیاسیات امم کے واقف کار خوب جانتے ہیں کہ ظلم و جور کی طاقت اور شہنشاہیت جس وقت افراد انسانی کو اپنے شکنجہ میں قید رکھنا چاہتی ہے تو کچھ ذرائع اختیار کرتی ہے اور ان تمام ذرائع کا اصلی مقصد دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ عوام سے قوت احساس کو سلب کیا جائے دوسرے جرأت اظہار کو ختم کیا جائے۔ شام کی اموی حکومت نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ان ہی دو باتوں پر پوری طاقت صرف کر دی تھی ورنہ مسلمان جن کو پیغمبرؐ نے محنت و مشقت کے ساتھ اصول انسانیت کی تلقین کی ہو اور جنہوں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے دیکھا ہو کہ پیغمبرؐ کس طرح مادی ساز و سامان کو ہیچ سمجھتے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو کہ پیغمبرؐ کے دروازے پر پھٹا ہوا پردہ پڑا رہتا تھا جنہوں نے دیکھا ہو کہ تین تین دن تک پیغمبرؐ کے گھر سے دھواں نہیں اٹھتا، جتنا روپیہ آتا ہے غریبوں اور مسکینوں کو دے دیا جاتا تھا۔ وہی کیونکر اس کو برداشت کر سکتے کہ بادشاہ کے خزانہ میں غریبوں کا خون چوس کر روپیہ جمع ہو اور اس کو رنگ رلیوں میں صرف کیا جائے۔ خلیفہ کی بارگاہ میں رقص و سرود کی محفلیں ہوں اور شراب و کباب کے مشغلے رہیں۔ مسلمان اس کو صرف خاموشی سے دیکھتے ہی نہ رہیں بلکہ ایسے شخص کو پیشوا تسلیم کریں۔ یہ فطرت کا انقلاب مسلمانوں میں کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟ صرف قوت احساس ختم ہونے اور جرأت اظہار کے سلب ہونے سے۔

قوت احساس ختم کرنے کی صورتیں بہت سی ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عوام صاحب رائے نہیں ہوتے۔ ان کے پاس دل ہوتا ہے مگر دماغ نہیں ہوتا۔ دماغ رکھنے والے ممتاز افراد اور لیڈر ہوتے ہیں۔ خاص خاص لیڈروں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے تو جدھر یہ لیڈر لے جانا چاہیں عوام بے خبری کے ساتھ اسی طرف چلے جائیں گے خواہ یہ راستہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔ اسی بناء پر عموماً جمہوریتوں میں ظاہری کثرت رائے حقیقی رائے عامہ کی ترجمان نہیں ہوتی۔ اموی سیاست نے خواص کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اس طرح کہ جس کو ذرا مخالفانہ رجحان رکھتے ہوئے پایا اس کی جیب میں اشرفیوں کی ایک تھیلی پہنچا دی گئی اگر اس نے قبول کر لی تو سمجھ لیجئے کہ جتنا ان اشرفیوں کا وزن تھا اتنا ہی اس کی مخالفت کا سر جھک گیا۔ پھر ''چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی''۔ جہاں خیال پیدا ہوا کہ اب کی دفعہ دو توڑے ملے ہیں اس کے بعد بجائے دو کے چار ملیں گے۔ وہیں قوت احساس ختم ہوگئی یعنی یہ خیال ہونے لگا کہ دنیا کے لئے چاہے جیسے ہوں یہ حکام ہمارے لئے تو بہت اچھے ہیں اس طرح بہت سے لوگوں کا ضمیر خرید لیا گیا اور بہت سے اصول کے پختہ جن کے سر اٹھے ہی رہے ان کے سر اور جسم میں جدائی پیدا کر دی گئی اور اگر یہ حربہ خطرناک معلوم ہوا تو شہد کا ایسا جام جو لب تک پہنچتے ہی موت کی میٹھی نیند سلا دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے یہ سوچنا موقوف کر دیا کہ ہو کیا رہا ہے اور بہت سے لوگوں نے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جب کچھ سوچا تو ان لوگوں کے انجام کو دیکھا جو اس کے پہلے کچھ سوچ کر اختلاف کا اظہار کر چکے تھے کہ جب صفحہ ہستی ان کے نقش وجود سے خالی ہے اس طرح جرأت اظہار ختم ہوئی۔

یہی چیزیں ایسی تھیں جن کو از سرنو پیدا کرنے کا بیڑا اٹھا کر حضرت امام حسینؑ میدان میں آئے۔ آپ نے سوچا کہ قوت احساس کیونکر پیدا کی جائے؟ اس کے لئے ایک حاذق طبیب کی طرح مرض کے سبب پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ آخر مسلمانوں کی اس بے حسی کا سبب کیا ہے؟ کیا یہ واقعی مسلمان نہیں رہے؟ دیکھا تو اب بھی لوگ اسلام کو مانتے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہنا فخر سمجھتے ہیں مگر ان کے احساسات اسلامی پر غشی چھا گئی ہے جیسے کوئی آدمی بے ہوش ہو جائے تو اس میں نفس کی آمد و شد قائم رہتی ہے جو زندگی کا پتہ دیتی ہے مگر آثار زندگی مفقود ہوتے ہی احساس اور حرکت ارادی دونوں چیزیں گم ہوتی ہیں اسی طرح اس وقت جامعہ اسلامیہ میں کلمہء توحید کے نفس کی آمد و شد ہے جو ان کے ظاہری طور پر اسلام کی دلیل ہے مگر اسلامی روح کام کچھ نہیں کر رہی ہے اور احساسات اسلامی فنا ہو گئے ہیں۔ ہر ایک کو معلوم ہوگا کہ جب کسی کو غش آجاتا ہے تو اس کے چہرے پر چھینٹا دیا جاتا ہے جتنی گہری بے ہوشی ہو اتنا ہی تیز چھینٹا دیا جائے گا۔ امام حسینؑ نے بس یہ چاہا کہ مسلمانوں کے بے ہوش احساسات پر ایک ایسا تیز چھینٹا دے دیں جس کے بعد وہ پھریری لے کر آنکھ کھول دیں اور گھبرا کر یہ دیکھنے لگیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ بھی قابل غور امر تھا کہ اس بے ہوشی کا سبب کیا ہے؟ یقیناً اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جماعت جو تعلیمات اسلامی کو مٹا رہی ہے اگر صاف صاف کوئی غیر مسلم جماعت ہوتی تو مسلمان جلدی سے چونک پڑتے لیکن وہ جماعت جو اس وقت تعلیمات اسلام کو برباد کر رہی ہے اپنے چہرہ پر اسی رسمی اسلام کی نقاب ڈالے ہوئے تھی اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل تھی اس لئے مسلمان بیدار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنی مقابل جماعت کے چہروں سے اسلام کی اس نقاب کو اتار کر پھینک دیں اور دنیا کو دکھلا دیں کہ اس نقاب کے پیچھے کیسے لوگ چھپے ہوئے ہیں اور یہ کہ ان کو اسلام سے حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح ایک تو موجودہ مسلمان ان سے بیزار ہو جائیں گے اور ان کے خلاف انقلاب پیدا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ دوسرے بعد میں مسلمانوں کے لئے ان کے افعال سند نہ رہیں گے۔ جب مسلمانوں کو ان کے اسلام کی صحیح تصویر معلوم ہو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جائے گی تو مسلمان دھوکا کھا کر ان کے دام میں نہ پھنس سکیں گے نیز غیر مسلم دنیا کے سامنے اسلام کی جانب سے صفائی پیش ہو جائے گی۔ اگر بنی امیہ کے اوصاف و اخلاق کو اسلام کے خلاف پیش کیا جائے گا تو مسلمانوں کی گردنیں جھکیں گی نہیں بلکہ حسینؑ بن علیؑ کا کردار مسلمانوں کے سر کو بلند کرے گا کہ اگر یزید کے افعال کو اسلام سے کوئی تعلق ہوتا تو پیغمبر اسلامؐ کا نواسا اپنے کو خطرہ میں کیوں ڈال دیتا۔ یہی مقاصد وہ تھے جو تمام و کمال مادی جنگ سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ مادی جنگ سے جو فتح حاصل ہوتی ہے اس سے افراد و اشخاص قتل ہوتے ہیں مگر ذہنیت قتل نہیں ہوتی۔ سلطنتوں میں انقلاب ہو سکتا ہے مگر افراد جامعہ کے احساسات میں انقلاب نہیں ہوتا۔ حسینؑ بن علیؑ اشخاص کو قتل کرنے نہیں اٹھے تھے۔ یزید کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے تھے وہ تو یزیدیت کو قتل کرنا چاہتے تھے ہو سکتا تھا کہ یزید ختم ہو جاتا اور اس کے تمام عمال اور فوجی افسر بھی ہلاک ہو جاتے پھر بھی یہ نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ یزیدیت ختم ہو گئی اور یزیدی مسلک فنا ہو گیا۔ ذہنیت دنیا کی جب ماؤف تھی تو اگر عسکری طاقت لے کر جنگ کرتے تو جو اس کی واقعی حیثیت تھی اس کے سمجھنے والے بہت کم ہوتے اور یہ سمجھنے والے زیادہ ہوتے کہ حکومت و سلطنت کی غرض سے دو بادشاہوں کی جنگ ہے اور سیاسی حیثیت سے یزید کا پلہ گراں رہتا اس لئے کہ وہ بادشاہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اس صورت میں اگر آپ کو فتح حاصل بھی ہوتی جو گزشتہ اسباب کی بناء پر بظاہر غیر ممکن تھی تو اس کا اثر ایک وقتی انقلاب سلطنت کی صورت سے ہوتا جس کا نتیجہ دیرپا نہ ہوتا اور بنی امیہ پر جو ظاہری اسلام کا پردہ تھا وہ اسی طرح پڑا رہتا اور اگر کچھ لوگ حسینؑ کو حق پر سمجھتے بھی ہوتے تو فریق محارب کو خطاء اجتہادی کی سند دے دیتے جیسا کہ اس سے پہلے صفین کی جنگ کے متعلق ہو چکا تھا۔ اس صورت میں بنی امیہ کے باطنی حالات کا اس درجہ انکشاف کہ جو ان سے ہمدردی کا کوئی گوشتہ انسانیت کے دل میں باقی نہ رکھے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا اور جب تک ان سے نفرت انتہائی درجہ پر پیدا نہ ہوتی اس وقت تک ان امتیازات و اقدار کی مکمل شکست نہیں ہو سکتی تھی جنہیں بنی امیہ نے عملی طور پر قائم کرنا چاہا تھا۔

اگر امام حسینؑ طاقت کے ذریعہ سے یزید کی طاقت کو شکست دیتے تو پھر بھی دنیا اس چیز کو نہ سمجھتی کہ حقانیت اور حکومت دو الگ چیزیں ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ کی فتح ویسی فتح سمجھی جاتی جو بادشاہوں کی فتح ہوتی ہے یعنی اگر آپ یزید کو شکست دے کر سلطنت پر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قابو حاصل کر لیتے تو آپ کی سلطنت کو دنیا سلطنت ہی سمجھتی اسلام کی حقیقت نہ سمجھتی۔ حالانکہ تاریخی حالات بتلاتے ہیں کہ اس طرح کی مکمل فتح آپ کو کبھی حاصل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ بڑی سے بڑی مادی کامیابی بھی آپ کی محدود حیثیت رکھتی یعنی اس صورت میں کہ جب کوفہ میں حالات سازگار ہوتے اور سب لوگ آپ کی حکومت تسلیم کر لیتے تو زیادہ سے زیادہ وہی ہوتا جو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو وقت سے مجبور ہو کر کرنا پڑا تھا یعنی عراق و حجاز وغیرہ کی حکومت امام حسینؑ کے پاس اور شام کی حکومت یزید کے پاس ہوتی۔ دونوں طرف کی حکومتوں میں مقابلہ ہوتا اور مسلمانوں کی طاقتیں آپس میں لڑ کر پاش پاش ہوتی رہتیں۔ مگر امام حسینؑ ایسی کامیابی حاصل کرنا چاہتے تھے جو نہ باعتبار حدود مملکت محدود ہو اور نہ باعتبار حدود زمانہ محدود۔

ممکن ہے یہ سوال اٹھایا جائے کہ حسینؑ کے واقعہ شہادت کے بعد بھی تو بہت سے سلاطین انہی افعال کے مرتکب ہوتے رہے جن کا یزید ارتکاب کرتا تھا مگر یاد رکھنا چاہئے کہ حسینی مقاومت نے اسلام کے تمدن و اصول کو اتنا نمایاں کر دیا کہ اب اس کے خلاف جو افعال ہوتے ہیں وہ انفرادی اور شخصی جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں آئینی اور مذہبی درجہ نہیں حاصل ہوتا یعنی یہ خطرہ اب ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا ہے کہ انہی کو اسلام کا مستقل اصول اور طریق معاشرت سمجھ لیا جائے کیونکہ امام حسینؑ نے اسلام کی آئینی عظمت کا نہ مٹنے والا نقش قائم کر دیا ہے۔

گزشتہ بیانات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حسینؑ بن علیؑ کے لئے اپنے مقصد کے حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا اور وہی جسے انہوں نے اختیار کیا اور اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔

آپ اس راستے میں موت کے استقبال پر ہمیشہ سے تیار تھے جو آپ کے الفاظ اور مخاطبات سے ظاہر تھا۔

چنانچہ مکہ سے روانگی کے وقت اپنے خطبہ میں آپ نے ارشاد کیا کہ ''موت انسان کی گردن سے اسی طرح وابستہ ہے جیسے گلوبند جوان عورت کی گردن سے''۔ بادی النظر میں تو آپ کو اس سے صرف اتنا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ انسان کے گلے میں موت کا پھندا پڑا ہوا ہے اور بہرحال اس کو ایک نہ ایک دن اس دار فانی سے رخصت ہونا ہے مگر آپ نے اس تلخ حقیقت کا کچھ ایسے دلکش انداز سے تذکرہ فرمایا ہے جس سے صاف

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک موت کوئی ناگوار شے نہیں بلکہ حسین و دیدہ زیب چیز ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان کی جیسی ذہنیت ہوتی ہے ویسے ہی الفاظ اس کی زبان پر آتے ہیں چونکہ حسینؑ اس گھرانے کے ایک فرد تھے جس کے افراد عمومی حیثیت سے موت کو کبھی خاطر میں لاتے ہی نہیں تھے اور آپ کے پیش نظر بقائے حقانیت کا اہم ترین مقصد بھی تھا لہٰذا آپ کے تاثرات اس بارے میں بہت زیادہ قوی تھے۔

چنانچہ مکہ سے روانگی کے بعد پہلی ہی منزل پر جب آپ کی فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے کوفہ کی حالت آپ سے بیان کی کہ ''لوگوں کے دل تو آپ کی طرف ضرور ہیں مگر تلواریں ان کی بنی امیہ کے ساتھ ہوں گی'' تو آپ نے فرمایا ''تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر دن وہ ایک نیا کرشمہ قدرت کا دکھاتا ہے۔ خدا کی تقدیر اگر ہماری خواہش کے مطابق ہوئی تو ہم خدا کی حمد کریں گے اور ادائے شکر کے لئے اسی سے مدد کے طالب ہوں گے اور قضائے الٰہی ہمارے سدراہ ہوئی تو انسان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں سچائی اور اس کے ضمیر میں پارسائی کا خیال باقی رہے''۔[1]

عراق کے راستے میں حر کے ساتھ جو آپ کی گفتگو ہوئی تھی وہ بھی آپ کے اسی مستقل نظریہ کے ماتحت تھی یعنی یہ کہ حر نے کہا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنے اوپر رحم کریں اس لئے کہ اگر آپ نے جنگ کی تو آپ یقیناً قتل کر دیئے جائیں گے اور آپ تباہ ہوں گے تو آپ نے جواب دیا کہ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو؟

اس کے بعد آپ نے قبیلہ اوس کے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا کہ۔

سامضی وما بالموت عار علی الفتی اذا مانوی حقا و جاهد مسلما

''میں اپنے ارادہ پر قائم رہوں گا اور موت سے دوچار ہونے میں جوانمرد کے لئے کوئی عار و ننگ نہیں ہے جب کہ اس کی نیت میں سچائی ہو اور وہ راہ حق میں جہاد کر رہا ہو''۔[2]

---

[1] ارشاد ص ۲۲۸۔ [2] ارشاد ص ۲۳۶۔۲۳۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ بظاہر عجیب چیز ہے۔ انسانی نگاہ میں آخری اور انتہائی انجام قتل ہونا ہے لیکن حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ ''کیا اس سے زیادہ تم کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو'' یعنی آپ قتل ہونے کو ایک درمیانی منزل قرار دے کر آخری معیار فتح و شکست کا کچھ اور قرار دے رہے ہیں۔

ذوحسم ہی کے مقام پر جب حر کا لشکر امام کی مزاحمت کے لئے آچکا ہے تو حضرت نے اپنے اصحاب کے سامنے خطبہ ارشاد کیا جس میں حمد و ثنائے باری کے بعد فرمایا۔

> ''صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ سوائے تھوڑے حصہ کے جو پانی پینے کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی مثل زہریلی گھاس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علیحدگی نہیں اختیار کی جاتی۔ اس صورت میں مومن یقیناً خدا کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان ظالموں کے ساتھ وبال جان ہے''۔[1]

اسی کے ساتھ آپ نے حکام اور عوام کے حقوق و فرائض کے حدود قائم کر دیئے اور بتایا کہ حکومت عوام کی ذہنی و عملی ترقی اور دین کے احکام نافذ کرنے کے لئے ہے اور وہ اس وقت تک قابل احترام ہے جب تک عوام کی زندگی کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہو۔ ایک موقع پر آپ نے حاکم کے اوصاف ان الفاظ میں بیان فرمائے۔ ''حاکم کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی دستور پر چلتا ہو۔ عدل و انصاف سے پیش آتا ہو۔ حق کا پابند ہو اور رضائے الٰہی میں اپنے نفس کو مقید کئے ہوئے ہو''۔[2] اور جس حکومت کے خلاف آپ احتجاج کرتے رہے اس کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کئی بار اظہار خیال کیا۔ حر کے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۹۔ [2] ارشاد ص ۲۱۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لشکر کے سامنے آپ نے فرمایا ''رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جو ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ عہد خدا اور سنت رسولؐ کی مخالفت کر رہا ہے اور بندگان خدا کے ساتھ ظلم و تعدی سے پیش آتا ہے اور وہ قول یا فعل سے اس ظالم کو نہ روکے تو خدا اسے بھی اس چیرہ دست بادشاہ کے زمرہ میں شمار کرے گا۔ دیکھو موجودہ حکومت شیطان کی حلیف بن گئی ہے اور خدا کی فرماں برداری سے روگردانی کر رہی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے اور حدود و آئین کو بے کار بنا دیا ہے۔ ملک کے سارے سرمایہ کو اپنی ملکیت بنا لیا ہے''۔

عمر سعد کے لشکر سے خطاب کر کے فرمایا۔ تم دیکھتے نہیں کہ حکومت حق پر عمل نہیں کر رہی ہے اور باطل سے باز نہیں آتی۔ یہ وہ وقت ہے کہ مومن کو موت کی تمنا کرنا چاہئے میں تو اس ماحول میں موت کو اپنے لئے آسودگی اور نیک بختی اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو سراسر تکلیف سمجھتا ہوں''۔

شب عاشور کے خطبہ میں اعوان و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا ''میں باعزت مر جانے کو زندگی سمجھتا ہوں اور ذلت کی زندگی بسر کرنے کو موت خیال کرتا ہوں''۔

کربلا میں روز عاشور کے خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنے کو تمہارے قبضہ میں نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح تمہارے سامنے سے بھاگوں گا''۔ یہ تھا بہادری اور جانبازی کی موت کا اعلان۔

پھر ارشاد کیا۔

''میں پناہ مانگتا ہوں ایسے ہر شخص سے جو نخوت و غرور رکھتا ہو اور روز قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔[1]

موت عزت کے ساتھ بہتر ہے اس زندگی سے جو ذلت کے ساتھ ہو''۔ پہلے فقرہ میں جبار و سرکش یزید کے جبروت سلطنت کی تحقیر ہے اور دوسرے فقرہ میں اس کی تشریح ہے کہ مادی طاقت کے آگے بلند مقاصد کے خلاف سر جھکا دینا عزت انسانی کے خلاف ہے اور اس زندگی سے جو اس طرح ہو موت بہتر ہے۔

---

[1] ارشاد ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سترھواں باب

حرم رسولؐ سے سفر اور حرم خدا میں پناہ

ولید سے گفتگو کے بعد وہ وقت آگیا کہ جب امام نے مدینہ کو ترک کرنا ہی اپنے لئے ضروری سمجھا۔

یہ خیال کرنا کہ آپ مدینہ ہی میں قیام فرماتے تو مدینہ والے آپ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے، تاریخ کے مسلسل واقعات سے بے خبری یا ان کے نتائج سے غفلت کا مظاہرہ ہوگا۔ وفات رسول خداؐ کے بعد ہی سے مدینہ پر کچھ ایسے اثرات چھائے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی بناء پر یہ توقعات غلط ثابت ہوتے ہیں۔

آخر یہ مدینہ ہی تو تھا جہاں وفات رسول خداؐ کے بعد ہی حضرت فاطمہ زہراؑ پر مصائب کی یورش تھی مگر اہل مدینہ کی طرف سے ان کے ساتھ ہمدردی کا کوئی مظاہرہ کہیں تاریخ میں نظر نہیں آتا۔

پھر وہ مدینہ ہی تھا جہاں حضرت علیؑ نے گوناگوں دل شکن حالات کا پچیس برس تک مقابلہ کیا مگر اہل مدینہ نے ان کے ساتھ کسی بھی محبت و غم خواری کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کے بعد اسی مدینہ میں وہ موقع آنکھوں کے سامنے آیا کہ حضرت امام حسنؑ کے جنازہ کو روضہ رسولؐ پر لے جانے میں مزاحمت کی گئی مگر مدینہ کے لوگوں نے ذرہ بھر بھی اس پر احتجاج نہیں کیا۔ کیا یہ واقعہ ایسا اہم نہ تھا کہ مدینہ کے جسم میں اگر روح ہوتی تو اس میں حرکت پیدا ہوتی اور کسی قسم کے احساس کا مظاہرہ کیا جاتا؟

یہ تو کربلا کے پہلے کے کچھ نمونے ہیں اور خود ۶۱ھ میں حیرت انگیز مگر ناقابل انکار صورت سے اہل مدینہ کی خاندان رسولؐ کے بارے میں بے حسی کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ جب شہید ہوگئے اور آپ کے دردناک مصائب و مظالم کا تفصیل اہل مدینہ کو حال معلوم ہوگیا تب بھی اہل مدینہ نے خون حسینؑ کے انتقام کے لئے کسی بے چینی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا مظاہرہ نہیں کیا اور باوجودیکہ عراق میں تلاطم ہو رہا تھا حجاز اس بارے میں بالکل خاموش تھا۔

وہ تو امام حسینؑ کی قربانی کا طبعی اثر تھا کہ یزید کی بداعمالیوں پر نگاہیں متوجہ ہوگئیں اور پھر دوسرے سال یزید کے افعال و اعمال کے تفصیلی حالات معلوم ہونے کے بعد انہوں نے اعلان مخالفت کر دیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ ظہور پذیر ہوا جس کی اجمالی تفصیل اپنے محل پر بعد کو آئے گی مگر خود قتل حسینؑ کا جرم ان کو اتنا اہم معلوم نہ ہوا کہ وہ اس کی بناء پر یزید کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

پھر اس کے بعد واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں سادات بنی فاطمہ پر بنی امیہ کے آخری دم تک اور پھر بنی عباس کے دور حکومت میں کیسے کیسے ہولناک مظالم ہوتے رہے مگر اہل مدینہ نے کبھی ان کی کوئی امداد نہیں کی۔ حضرت امام زین العابدینؑ سے لے کر امام علی نقیؑ تک تمام وہ مقدس ہستیاں جو اپنے وقت میں خاندان رسولؐ کی چشم و چراغ اور تعلیمات اسلام کی محافظ تھیں اپنے اپنے ابتدائی دور حیات میں اسی مدینہ میں مقیم تھیں۔ پھر یہیں کسی کو زہر دیا گیا کسی کو مقید کر کے جلاوطن کیا گیا۔ کسی کو بجبر مدینہ سے بلایا گیا مگر کیا کبھی مدینہ نے ان کی حفاظت کی کوشش تو درکنار اس پر اف بھی کی؟ کبھی نہیں۔

کیا ان ماقبل اور بعد کے واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد پھر یہ تصور صحیح ہوگا کہ امام حسینؑ مدینہ میں قیام فرماتے تو مدینہ والے آپ کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہرگز نہیں۔

عام طور سے اہل حجاز کے متعلق دانشمندان عرب کی رائے یہی تھی کہ وہ مشکلات میں ثابت قدم بہت کم رہ سکتے ہیں چنانچہ جب معاویہ نے ابن الکواء سے مختلف عرب ممالک کے متعلق رائے دریافت کی اور اس میں اہل حجاز کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا ''فتنہ انگیزی میں سب سے آگے مگر اس کے نتائج کے برداشت کرنے میں بہت کمزور اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مہمات کے سر کرنے میں ناکارہ''[1]

اس صورت میں حالات اور بعد کے واقعات بتلاتے ہیں کہ اگر امام حسینؑ عاقبت اندیشی کر کے مدینہ رسولؐ کو خالی نہ کر دیتے تو مروان جس نے ولید کو قتل حسینؑ کا مشورہ دیا تھا اور ولید کے اس مشورہ پر عمل نہ کرنے سے سخت برہم ہوا تھا وہی ولید کے ملائم طرز عمل کی اطلاع یزید کو دیتا اور اس وقت یزید کا عتاب نامہ ولید کے پاس آتا تو یا تو خود ولید ہی کو پھر عمر سعد کی طرح باوجود اپنے ضمیر کی مخالفت کے مال و جاہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف سے حسینؑ کے خلاف اقدام کرنا پڑتا یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اس کو معزول کر کے مروان بن الحکم یا اسی کے مثل کسی دوسرے سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا جاتا اور فرزند رسولؐ کے خون سے مدینہ رسولؐ کی زمین کو گلرنگ بنا دیا جاتا۔

یہ خطرہ بالکل یقینی تھا اور اس نے فعلی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس خط سے جو ولید نے یزید کے نام لکھا جس کا مضمون یہ تھا ''خلیفۃ المسلمین یزید کی خدمت میں ولید بن عتبہ کی جانب سے گزارش ہے کہ حسینؑ بن علیؑ آپ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ وہ آپ کی بیعت پر تیار ہیں اب آپ کی جو رائے ہو'' اس کے جواب میں یزید نے لکھا کہ ''اس میرے خط کی تعمیل جلد کرنا کہ تمام ان ممتاز افراد کی جنہوں نے میری بیعت کر لی ہے اور جنہوں نے بیعت نہیں کی ہے مکمل فہرست جلد بھیجو لیکن اس جواب کے ساتھ حسینؑ بن علیؑ کا سر موجود ہو''۔ اس حکم کی گرمی کے مقابلہ میں ولید کہاں ٹھہر سکتا تھا؟ وہ تو اتفاق سے اس خط کے آنے سے پہلے ہی حضرت حسینؑ مدینہ سے روانہ ہو چکے تھے اس لئے ولید تعمیل حکم سے مجبور رہا مگر اس کے بعد بھی ولید معتوب ہونے سے نہیں بچا اور ماہ رمضان میں اسے معزول کر کے عمرو بن سعید ہی کو جو ابھی تک حاکم مکہ تھا مدینہ کا بھی حاکم مقرر کر دیا گیا۔[2]

پھر اگر حضرت امام حسینؑ مدینہ میں شہید ہوتے تو کیا آپ کی شہادت اسی نمایاں حیثیت کے ساتھ ہوتی جس طرح کربلا جا کر ہوئی؟ سیاست حکومت کا یہ تقاضا ہرگز

[1] کتاب البلدان ص ۱۲۵۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۱ و ۱۲۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہ ہوتا بلکہ اسے طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے۔ یا تو امام حسنؑ کی شہادت کی طرح کوئی ''جعدہ بنت اشعث'' فراہم کی جاتی یا حضرت علیؑ کی طرح کوئی ''ابن ملجم'' کی طرح خارجی جس کے بعد بھی حکومت دمشق کا دامن اس الزام سے بری ہی ثابت کیا جاتا۔ اس صورت میں حسینؑ واقعی قتل ہوتے یعنی وہ دنیا سے جاتے بھی اور سلطنت دمشق کے چہرہ پر اسلام و انسانیت کی نقاب پھر بھی پڑی رہتی۔

حضرت امام حسینؑ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ تدبر کا اقتضاء تھا کہ مدینہ میں قیام اسی وقت کیا جاتا جب مدینہ میں قیام ممکن ہو اور جب بیعت نہیں کرنا تھی تو اپنے اصول اپنے مقصد اور اپنی قربانی کو اسی افق پر لے جا کر پیش کرنا چاہئے تھا جس پر آپ کربلا کے میدان میں انہیں لے جاسکے۔ بے شک یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ وہ کربلا کی منزل کا پہلا مرحلہ یا آخرت کے سفر کا پہلا قدم تھا اس لئے یہ رات حضرت امام حسینؑ نے پوری جاگ کر بسر کی اور اسے اپنے نانا (حضرت رسول خداؐ) ماں (حضرت فاطمہ زہراؑ) اور بھائی (حسن مجتبیٰؑ) کے مقدس مزارات سے رخصت ہونے میں صرف کیا۔

رات ختم نہ ہوئی تھی کہ آپ مدینہ سے روانہ ہو گئے مدینہ کی صبح آج بے رونق تھی اس لئے کہ حقیقی آفتاب اس کا آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور رسولؐ کی قبر بے چراغ تھی اس لئے کہ رسولؐ کا نور دیدہ آج صحرائے غربت میں گامزن تھا۔

۶۰ھ ماہ رجب کی اٹھائیس تاریخ اتوار کی رات تھی جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوئے۔[1] اس وقت آپ کی زبان پر قرآن کی یہ آیت تھی۔[2]

مخرج منها خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین ۔ [3]

اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے اس وقت کا جب وہ فرعون کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو کر مصر سے باہر نکلے ہیں۔ روانگی کے بعد امام حسینؑ شاہراہ عام سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے حالانکہ ابن زبیر اس کے پہلے شاہراہ عام کو چھوڑ کر غیر معروف راستوں سے مکہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ یہی مشورہ آپ کو بھی دیا گیا مگر آپ اپنی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۰ و ۲۱۵۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۱۔ [3] قرآن مجید سورہ قصص آیۃ ۲۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مدینہ سے روانگی کو فرار کی حیثیت دینے پر تیار نہیں تھے۔ آپ نے اس مشورہ پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہیں میں تو اسی راستے سے جاؤں گا پھر خدا کو جو منظور ہو۔[۱]

آپ نے اپنے دادا ابو طالبؑ کی تمام اولاد کو اپنے ساتھ لیا جن میں آپ کی دو بہنیں حضرت زینب اور ام کلثوم بھی تھیں۔ اس کے علاوہ سب بھائی بھتیجے اور متعلقین آپ کے ساتھ تھے۔ سوا محمد بن الحنفیہ کے۔[۲] جو کسی مجبوری یا مصلحت سے مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے اور ام ہانی بنت ابو طالب پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جا سکی تھیں۔ بس ان کے علاوہ اولاد ابو طالب میں سے کوئی بھی حسینؑ سے جدا نہیں ہوا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسینؑ کے ساتھ بنی ہاشم میں سے سوا اولاد ابو طالب کے کسی اور سلسلہ کا ایک شخص بھی میدان کربلا میں نظر نہیں آتا۔

اس طرز عمل سے بھی کہ آپ نے صرف اپنے گھر والوں کو ساتھ لیا صاف نمایاں تھا کہ آپ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہو رہے ہیں۔ مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد امام حسینؑ نے مکہ معظمہ کی طرف رخ کیا۔ اس لئے کہ مکہ میں عرب کے قدیم روایات او نیز اسلام کے مخصوص تعلیمات کی بناء پر کسی جانور تک کا قتل بلکہ گھاس تک کا بھی اکھاڑنا جائز نہیں۔[۳] امام حسینؑ نے یہاں پہنچ کر اپنے کو ظاہری طور سے ایک محفوظ آغوش کی پناہ میں ڈال دیا اور یہاں رہ کر آپ خاموشی کی زندگی گزارنے لگے۔ نہ امور سلطنت سے غرض اور نہ مہمات ملکی سے کوئی تعلق۔ آپ نے مکہ پہنچ کر بھی نہ کہیں خطوط و رسائل روانہ کئے اور نہ مختلف اطراف و جوانب کے لوگوں کو اپنی نصرت کی طرف دعوت دی۔ یہ بھی آپ کے مقصد کے تعین کے لئے آپ کے کردار کا ایک اہم جزء ہے۔ آپ کا مکہ میں ورود شب جمعہ ۳ر شعبان ۶۰ھ کو ہوا۔[۴] اس وقت آپ کی زبان پر قرآن کی یہ آیت تھی۔[۵]

ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل۔[۶]

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۱۹۶۔ [۲] الاخبار الطوال ص ۲۳۰، طبری ج ۶ ص ۱۹۰۔ [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۰۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۸ و ۴۳۹۔ [۴] طبری ج ۶ ص ۲۱۵۔ ارشاد ص ۲۰۸۔ [۵] طبری ج ۶ ص ۲۲۰۔ [۶] قرآن مجید سورۃ قصص آیۃ ۲۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ بھی حضرت موسیٰ کے واقعہ سے متعلق ہے جب انہوں نے مدین میں پناہ لی تھی۔ آپ نے مکہ میں پہنچ کر شعب علیؑ میں قیام کیا۔ عبداللہ بن زبیر آپ سے دو ایک دن پہلے پہنچ چکے تھے۔ ان کے مکہ میں اچانک پہنچنے کے ساتھ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے اور انہیں ایک مرکزیت سی حاصل ہوگئی تھی لیکن حضرت امام حسینؑ کے مکہ میں پہنچنے کے ساتھ لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کو یک گو نہ ناگواری پیدا ہوئی اور انہیں اندازہ ہوگیا کہ حسینؑ کی موجودگی میں ان کا کوئی اثر قائم نہیں ہو سکتا۔ مصلحت وقت کی بناء پر وہ بھی صبح و شام دونوں وقت امام حسینؑ کے پاس آنے جانے لگے۔[1]

جب معاویہ کی وفات ہوئی ہے تو مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کی حکومت تھی اور مکہ میں یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن امیہ اور کوفہ میں نعمان بن بشیر انصاری اور بصرہ میں عبید اللہ بن زیاد گورنر تھا۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ حکومت دمشق کو یحییٰ بن حکیم پر اطمینان نہ تھا چنانچہ حضرت امام حسینؑ کے مکہ میں پہنچنے کے بعد یحییٰ بن حکیم کو معزول کیا گیا اور عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔[3]

پھر جب ولید کے طرز عمل کی اطلاع اور شاید مروان کی طرف سے رپورٹ یزید کو پہنچی تو ولید کی بجائے بھی اسی عمرو بن سعید کو مقرر کیا گیا مگر یہ بعد کی بات ہے بعد میں یہ بھی ظاہر ہوگا کہ کوفہ کے گورنر کی پالیسی بھی حکومت دمشق کو ناگوار ثابت ہوئی اور وہاں بھی تبدیلی کی ضرورت پیش آئی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ امام حسینؑ کے معاملہ میں یزید کا طرز عمل اتنا غیر منصفانہ اور جارحانہ تھا کہ اسے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے آدمی نہ ملتے تھے اور خود اس کے گورنر اس کے احکام کی تعمیل اس کی خواہش کے مطابق نہ کر سکتے تھے۔ صورت حال سے ظاہر ہے کہ عمال حکومت میں سے جو بھی حسینؑ کے ساتھ ذرا مراعات برتنے کا رجحان ظاہر کرتا تھا وہ فوراً ہٹا دیا جاتا تھا۔ تلاش تھی ایسے لوگوں کی جو اہل بیت رسولؐ کے ساتھ کسی مراعات کی جگہ اپنے دل میں نہ رکھتے ہوں۔ اس کے بعد کیا کہا

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۰ [3] الاخبار الطوال ص ۲۳۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جاسکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ بھی تشدد ہوا اس کی ذمہ داری یزید پر نہیں بلکہ عمال حکومت پر تھی؟

اس وقت امام حسینؑ کا مکہ معظمہ میں قیام ایک پناہ گزین کی حیثیت سے تھا اور یہی مشورہ تھا جو آپ کو مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کے بھائی محمد حنفیہ نے دیا تھا جسے آپ نے پسند کیا تھا۔ مکہ میں حالات کے ناسازگار ہونے کی صورت میں کیا ہوگا؟ اس کے متعلق محمد بن حنفیہ کی رائے یہ تھی کہ اگر وہاں حالات آپ کے موافق نہ ہوں تو آپ نکل جایئے گا، ریگستانی صحراؤں میں اور پہاڑوں کے دامنوں میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہئے گا یہاں تک کہ لوگوں کے حالات کا آخری نتیجہ سامنے آئے اور اس وقت کوئی قطعی رائے قائم کیجئے۔[1]

آپ کا قیام مکہ میں ظاہری طور پر مستقل حیثیت رکھتا تھا اور کوئی خاص مقصد آپ کے پیش نظر نہیں تھا سوا ایک پرامن زندگی کے جسے ''جیو اور جینے دو'' ہی کے لفظوں میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہاں آپ نے نہ تو اپنی موافقت میں کوئی عسکری طاقت فراہم کی اور نہ جمہور کو یزید کے خلاف مشتعل کیا۔ تقریر اور تحریر کسی حیثیت سے بھی ایسی کوئی کوشش ثابت نہیں کی جاسکتی۔

---

[1] ارشاد ص ۲۰۷۔۲۰۸، طبری ج ۶ ص ۱۶۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اٹھارواں باب

دعوت اہل کوفہ اور سفارت مسلم بن عقیل

کوفہ کی داغ بیل فرات اور حیرہ کے بیچ میں اس وقت ہوئی جب ۱۴ھ سے ۱۶ھ تک قادسیہ اور دوسرے محاذوں پر ایرانیوں کے مقابلہ میں فتوحات کے بعد[1] مسلمانوں کی فوج نے عراق میں سکونت اختیار کی اور مدائن کی آب ہوا ان کو راس نہ آئی اور سعد بن ابی وقاص کی ہدایت کے ماتحت یہ جگہ تلاش کی گئی اور یہاں مسجد اور مسلمانوں کے قیام کے لئے مکانات کی بنیاد ڈالی گئی۔[2]

۱۷ھ میں سعد بن ابی وقاص اپنی فوج کے ساتھ مدائن سے منتقل ہوئے اور اس جگہ آکر مقیم ہوئے۔

کوفہ، عربی زبان میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سنگریزے اور ریگ مخلوط ہوں چونکہ یہ جگہ اسی قسم کی تھی اس لئے اس کا نام کوفہ ہوا۔[3]

دوسری طرف سمندر کے کنارے اس زمین پر جو ''ارض الہند'' کہلاتی تھی ایک دوسرے شہر کی بناء قائم کی گئی جس کا نام بصرہ ہوا اور اس طرح عراق کے ان دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کی آبادی بالکل ایک ساتھ شروع ہوئی۔[4]

ابتداء سلیٹوں کے مکان بنائے گئے اور چھپر ڈالے گئے پھر اسی سال دونوں جگہ آتش زدگی واقع ہوئی جس میں یہ مکانات جل گئے تو اینٹوں کے مکانات کی تعمیر ہوئی۔[5]

کوفہ کی آبادی اسی وقت سے کہ جب وہ آباد کیا گیا ایک لاکھ فوجیوں کی تھی۔[6]

جب جناب امیرؑ تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور طلحہ و زبیر نے عائشہ کو ساتھ لے کر آپ کے خلاف فوج کشی کی تو انہوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز عراق کو قرار دیا اس

---

[1] طبری ج ۴ ص ۱۴۸۔ [2] طبری ج ۴ ص ۱۴۲۔ [3] طبری ج ۴ ص ۱۸۹۔ [4] طبری ج ۴ ص ۱۴۹۔ [5] طبری ج ۴ ص ۱۹۱۔ [6] طبری ج ۴ ص ۲۶۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لئے حضرت امیرؑ کو ان کے تدارک کے لئے عراق آنا پڑا اور جنگ جمل واقع ہوئی۔ اس مقابلہ میں بصرہ والوں نے طلحہ اور زبیر کا ساتھ دیا تھا اور کوفہ کے لوگ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اسی کو اپنا پایہ تخت رکھا۔

بارہ رجب ۳۶ھ کو پہلا وہ دن تھا جب آپ کوفہ میں تشریف لائے۔ لوگوں نے کہا کہ قصر میں قیام فرمایئے جہاں اب تک حاکم قیام کیا کرتے تھے۔ آپ نے اسے ناپسند کیا اور مقام رحبہ کے ایک مکان میں سکونت اختیار فرمائی۔[1]

اس کے بعد زیادہ تر اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ صفین اور نہروان میں بھی مخالفین کا مقابلہ کیا۔ اسی لئے وہ ''شیعہ علیؑ'' کہلائے حالانکہ مذہبی طور پر ان میں سے اکثر اس معنی میں شیعہ نہ تھے کہ وہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو خلیفہ بلافصل جانتے ہوں اور آپ کے قبل دوسرے خلفاء کو تسلیم نہ کرتے ہوں مگر ''شیعہ بنی امیہ'' کے مقابلہ میں وہ اپنے کو ''شیعہ علیؑ'' کہنا فخر سمجھتے تھے۔

یہ وہ وقت تھا کہ کوفہ ایسے شیعان اہل بیتؑ سے چھلک رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا ممالک اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کی حکومت ہوئی ادھر اہل کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی زمین ان کے لئے تنگ ہوگئی۔ جو لوگ محب علیؑ سمجھے جا سکتے تھے ان کا ہر نفس آئندہ آنے والے خطرات کی پیش گوئی غلط کرتا ہے اور دقیقہ و ثانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام دیتا تھا۔

یہ صورت حال دو ایک ماہ، دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی۔ اس صورت میں ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ علیؑ کے لئے کوئی نمایاں حیثیت حاصل رہتی بلکہ مارے جانے، سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے کھچے تھوڑے سے اشخاص موجود تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے پیچھے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور دوستی اہل بیتؑ کا نام بھی زبان پر لانا ان کے استحقاق قتل کی دستاویز خیال کیا جاتا تھا اور اس

---

[1] الاخبار الطوال ص ۱۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شکنجہ کے اندر شیعیت ایک مخصوص قلیل التعداد جماعت میں مخفی حیثیت سے مقید تھی اور وہ جماعت عراق و حجاز وغیرہ کے مختلف شہروں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل ذمہ دار و باعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ رہ گئی عام خلقت جس پر انقلابات کا دارومدار ہوتا ہے وہ بلا استثناء ہر ملک میں ''ہر کسے سکہ زند خطبہ بنامش خوانند'' کے مطابق ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے تیزی کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے۔ ان میں ایک ایسا اچانک واقعہ جس میں جوش پیدا کرنے کی صلاحیت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔ اس کے نمونے حکومتوں کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گزرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بے شک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب یہ تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر ان کو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے۔

۶۰ھ کے رجب کا مہینہ تھا جب معاویہ نے انتقال کیا اور ان کا نامزد کردہ جانشین انکا بیٹا یزید ہوا۔ ایسے ہی مواقع وہ ہوتے ہیں جو پرسکون فضا میں تموج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔ فطرتاً ہر شخص سابق فرمانروا کے بعد اپنے جدید والئی سلطنت اور قسمت کے مالک کی سابقہ زندگی اور اس کے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں میں یہی چرچے شروع ہو جاتے ہیں۔

یزید کے اخلاق و عادات، اس کی مے نوشی اور شہوت رانی، اس کی طفلانہ جوانی اور لہو و لعب میں سرگرمی، احکام شرعیہ سے آزادی اور نفسانی خواہشوں کی پرستاری ایسی نہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آ گیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو پوچھ گچھ میں معلوم ہوگیا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بلاتخصیص فرقہ و مذہب ایک عام بے چینی، اضطراب اور نفرت و بیزاری خلق خدا میں پھیل گئی اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کون ہے جو اس سخت وقت پر کام آئے اور وقت کی ذمہ داریوں کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر ملت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ سے چھٹکارا دلائے۔

اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشتہر ہوئیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اسی لئے مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آ گئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے اس وقت دوستان علیؑ کی اس قلیل جماعت کو جو بیس برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزما مصائب برداشت کرتے کرتے عاجز آ چکی تھی اور ہر آن حضرت احدیت کی جانب سے کشائش کی منتظر تھی اپنی مایوسیوں کی مدت سے چھائی ہوئی تاریک گھٹا میں امید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور ان کے ضمیر نے آواز دی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا اور اس وقت کا سکوت خودکشی کا مترادف ہوگا۔

یہ سوچ کر وہ سب سلیمان بن صرد صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے۔ سن رسیدہ اور تجربہ کار سلیمان نے جو پیغمبر خداؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ معرکے جھیلے ہوئے تھے مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

''آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ معاویہ کا انتقال ہوا اور امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں۔ آپ لوگ ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں۔ اگر آپ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ان کی نصرت و مدد میں اور ان کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو بسم اللہ، ان کو خط لکھئے اور اگر سستی و کمزوری کا اندیشہ ہو تو برائے خدا ایک شخص کو فریب دے کر اس کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالئے"۔[1]

الفاظ سے ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کی طرح گرجتے برستے الفاظ سے وقتی جوش کو ابھار کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہ رہے ہیں بلکہ وہ خود مجمع سے اس کے موجودہ جوش و ولولہ کی آخری تھاہ اور موقع اقدام پر اس کی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ دلوانا اور اسی کے ساتھ ان کو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کرا دینا چاہتے ہیں۔ مگر یہ امر فطری ہے کہ جذبات کی طغیانی میں انسان کو اپنی طاقت کا اندازہ مشکل سے ہوتا ہے اور وہ اکثر عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے ثبات و استقلال کی تشخیص میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر ان کے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ نے وہ کام کیا جو پانی کا چھینٹا بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلوں میں۔ ایک مرتبہ سب بول اٹھے نہیں، نہیں ہم یقیناً ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے کو حضرت کے قدموں پر نثار کر دیں گے۔[2]

یہ جمعیت کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عالی شان قصر کے وسیع صحن میں نہیں بلکہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں سے جن کے نمونے آج تک عربستان میں نظر آتے ہیں ایک مکان یعنی سلیمان بن صرد کے گھر میں مجتمع ہوگئی تھی۔ پھر ان میں بھی یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سب سچے اور راسخ العقیدہ حضرت علیؑ کو وصی ءرسولؐ اور امام برحق سمجھنے والے شیعہ ہی تھے۔

مذکورۂ بالا سوال و جواب کے الفاظ میں بے شک سچائی کا جوہر نظر آرہا ہے اور وہ یقیناً بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی مخلصانہ ترجمانی کر رہے ہیں لیکن ان میں سے ہر شخص آنے والے ناگہانی انقلابات کا کہاں تک مقابلہ کر سکے گا؟ اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۷۔ ارشاد ص ۲۰۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سلیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی چنانچہ خط امام حسینؑ کے نام بایں عنوان لکھا گیا۔

''یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کی طرف سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور دیگر دوستوں کی طرف سے مومنین و مسلمین اہل کوفہ میں سے''

اس کے بعد معاویہ کے انتقال اور یزید کی ولی عہدی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لائیے۔ شاید آپ کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر یک دل ہو سکیں اور دمشق کا گورنر نعمان بن بشیر دارالامارہ میں موجود ہے مگر ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے۔ نہ عید گاہ جاتے ہیں اگر ہم کو خبر معلوم ہو جائے گی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ والسلام

اس خط کو عبداللہ بن سمیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور یہ سب سے پہلا خط تھا جو امام حسینؑ کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔ جمعیت منتشر ہوئی اور اب ان میں سے ہر ایک نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو پھیلانا شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرض داشتیں تیار ہو گئیں جو ایک دو تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صیدادی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کئے گئے۔[۲]

اسی اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب سے جو یزید کی خلافت کے باعث عام طور پر پیدا ہوا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا۔ ان حضرات کی مذکورہ بالا تجویز کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی خاص حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کسی عقیدت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ یزید ایسے شرابخوار و فاسق سے آپ یقیناً بہتر ہیں۔ اس تجویز کے گرمجوشی سے موید نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر ان افراد کو جو حقیقتاً اس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عامہ ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ فریب نظر تھا۔ عام خلقت اس تحریک سے ہمدردی میں ویسی

---

۱ طبری ج ۶ ص ۱۹۷۔ ارشاد ص ۲۰۹۔ ۲ طبری ج ۶ ص ۱۹۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہی تھی جیسے آندھی کے رخ پر اڑتے ہوئے پرند۔ اس غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ یا تو پہلے خط کے یہ الفاظ کہ ''شاید خدا آپ کے ذریعہ سے ہماری شیرازہ بندی کرے'' بیم و رجا کا اظہار کر رہے تھے یا اب دو ہی روز کے بعد جو خط لکھا گیا اس میں پرزور الفاظ صرف کئے جانے لگے کہ ''تشریف لائیے جلد، اس لئے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے سوا کسی کی امامت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں لہٰذا جلدی کیجئے جلدی، والسلام''۔ اس خط کو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ذریعہ روانہ کیا گیا۔[1]

رائے عامہ کی قوت اور ہوا کے موجودہ رخ کا اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ سرداران قبائل جو یزید کے خاص آدمی تھے اور جنہیں اس تحریک کے محرکین نے اپنے ساتھ نہیں لیا تھا انہوں نے بھی سیاست کا تقاضا یہی سمجھا کہ اس آواز میں آواز ملا دیں چنانچہ ان اجتماعی کارروائیوں سے علیحدہ اور اس خط کے بعد جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بالکل آخری کہا جا سکتا ہے۔ ایک خط کوفہ سے اور لکھا گیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

''کھیتیاں لہلہا رہی ہیں، میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب لبریز پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کی امداد کے لئے بالکل آراستہ موجود ہے۔ والسلام''۔

اس پر مندرجہ ذیل سات آدمیوں کے دستخط تھے۔ شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، یزید بن رویم، عزرہ بن قیس، عمرو بن الحجاج زبیدی، محمد بن عمیر تمیمی۔[2]

یہ خط لب و لہجہ کے اعتبار سے گزشتہ خطوط سے بالکل مختلف تھا۔ ان میں اپنی دوستی و اخلاص کے اظہارات تھے اور ہدایت کی خواہش تھی۔ یہاں مادی طاقت کی پیشکش اور منافع دنیا کی نمائش تھی جو ایک طرف لکھنے والوں کی مادی ذہنیت کی ترجمان اور دوسری طرف مکتوب الیہ کے مذاق طبیعت سے اجنبیت اور ناشناسی کی دلیل ہے چنانچہ اس آخری خط کے لکھنے والے تقریباً سب کے سب واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے موجود تھے۔ ممکن ہے کہ اس خط کے لکھنے میں کوئی خاص سازش مضمر ہو اور اگر ایسا نہیں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۷۔ ارشاد ص ۲۱۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تو اس سے اس موقع کی رائے عامہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی یہ ضرورت پڑ گئی تھی کہ ہم بھی اس تحریک میں شامل ہو کر آئندہ کے لئے اپنے مستقبل کو محفوظ بنالیں۔ دینوری کا بیان ہے کہ یہ سب قاصد اور ان کے ساتھ کے خطوط تابڑ توڑ دو دن کے اندر امام حسینؑ کو پہنچے اور اس کے بعد چند دن میں تو خطوط کی تعداد اتنی ہوگئی کہ ان سے دو خرجیاں بھر گئیں۔[1]

گزشتہ تقریر سلیمان بن صرد کی اور اس کے بعد کے واقعات ان سب کے مطالعہ سے حسب ذیل نتائج صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ امام حسینؑ کی بیعت یزید سے کنارہ کشی اور مدینہ سے روانگی کسی خارجی تحریک اور اہل کوفہ کے ساتھ کسی متقدمہ گفت وشنید کا نتیجہ نہ تھی۔

۲۔ حضرت کو مدینہ سے روانگی کے موقع پر ظاہری اسباب کی بناء پر یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپ کوفہ تشریف لے جائیں گے۔

۳۔ آپ نے مکہ پہنچنے کے بعد بھی خود اپنی جانب سے کسی قسم کی تحریک اہل کوفہ سے نہیں کی اور نہ وہاں اپنے مقاصد کی تبلیغ کے لئے کوئی خط بھیجا۔

مگر اب جبکہ کوفہ سے خود یہ آوازیں بلند ہیں کہ آپ ہمارے یہاں آئیے ہم آپ کی نصرت و امداد کے لئے تیار ہیں ہم آپ کو امام جانتے ہیں اور آپ سے ہدایت کے طالب ہیں۔ یہ دو ایک آوازیں نہیں بلکہ کوفہ بھر یہی چلا رہا ہے چاہے وہ دوست ہوں یا دشمن۔

یہاں تک کہ دو خرجیاں خطوط سے بھر گئیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اب موقع کی حالت کا تقاضا کیا ہے؟ حضرت امام حسینؑ کو ان خطوط کے بعد کیا کرنا چاہئے؟

صورت حال یہ ہے کہ آپ یزید سے بیعت جیسا کہ اب تک نہیں کی آئندہ بھی کرنا نہیں چاہتے۔ مدینہ میں قیام یزید کے اس تہدیدی حکم کی بناء پر کہ آپ سے بیعت لی جائے یا قتل کر دیئے جائیں، ناممکن ہو چکا ہے۔ مکہ معظمہ میں قیام وقتی حیثیت سے امن کا

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ذریعہ سہی لیکن تا بکے؟ جبکہ یزید کے اخلاق و عادات اور احکام مذہبی کے مقابلہ میں خودسری سے یہ توقع بعید تھی کہ وہ مکہ معظمہ کے مذہبی احترام کا لحاظ کرے گا بلکہ یہ خطرہ بہت قریب تھا کہ مکہ میں آپ کا قیام اس کا باعث ہوگا کہ وہیں مکہ میں آپ کے خلاف فوج کشی ہو اور مکہ میں نہ تو کوئی فوجی طاقت ایسی ہے جو آپ کی حفاظت کر سکے اور نہ آپ مکہ میں قیام کر کے حرم خدا کے اندر خونریزی ہونے کے خود باعث بننا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ باوجود یکہ رسولؐ کے نواسے کی مہاجرت مدینہ سے مشہور ہو چکی ہے مگر طائف ہو یا یمن، بصرہ ہو یا یمامہ کہیں سے کوئی آواز ایسی بلند نہیں ہوتی کہ ہم آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں اور آپ کی حفاظت کے لئے آمادہ۔

ایسے سخت اور نازک موقع پر عرب کے آبادترین خطہ ملک (عراق) اور اس کے بھی اہم مرکز (کوفہ) سے یہ تحریک ہوتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں ہم آپ کی حفاظت و حمایت کے لئے ہر طرح تیار ہیں اور صرف معمولی سی تحریک نہیں بلکہ پچپن عرض داشتیں اور دو خورجین بھر کے خطوط اور سات قاصد یکے بعد دیگرے روانہ کئے جاتے ہیں اور لکھنے والوں میں بہت سے ایسے اشخاص بھی ہیں جن کی محبت پر آپ کو بھروسا ہے جیسے حبیب بن مظاہر، لیمان بن صرد، رفاعہ بن شداد وغیرہ۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ امام حسین کو کیا کرنا چاہئے تھا کیا آپ کے لئے مناسب تھا کہ اس دعوت کو مسترد کر دیتے؟

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کی صورت میں بھی حضرت کا شہید ہونا یقینی تھا یعنی جیسے عبداللہ بن زبیر پر اسی مکہ میں فوج کشی ہوئی اور وہیں قتل کئے گئے اسی طرح آپ پر بھی فوج کشی ہوتی اور یہیں محصور ہو کر آپ کو شہید ہونا پڑتا۔ اس صورت میں جبکہ اہل کوفہ کی جانب سے اتنے اصرار و تاکید کے ساتھ آپ کو دعوت دی جا رہی تھی اور آپ کی نصرت کا وعدہ کیا جا رہا تھا آپ اس دعوت کو ٹھکرا کر مکہ میں قیام کرتے اور شہید کئے جاتے تو یہی لوگ جو آپ پر اب اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کوفہ کیوں گئے؟ یہی کہنے اٹھ کھڑے ہوتے کہ یہ کون سی عقل مندی تھی کہ ایک اتنے بڑے خطہ کی دعوت اور وعدہ نصرت کو رد کر دیا جہاں کے لوگ آپ کے والد بزرگوار کی بھی نصرت کر چکے تھے اور خود

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آپ کی بھی محبت کا دم بھرتے تھے۔

اس وقت بجان و دل آپ کی حمایت کا وعدہ کر رہے تھے اور سینکڑوں عرض داشتیں بھیج کر آپ سے قیادت و ہدایت کے طالب تھے۔ ایسے نادر موقع کو ہاتھ سے دیکر مکہ میں قیام رکھا جہاں کی زمین بے آب و گیاہ، جہاں کے رہنے والے پست حوصلہ و بے امنگ اور جہاں کی فضا بے مہر و وفا، یہاں تک کہ خود بھی قتل ہوئے اور مکہ معظمہ کی حرمت کو بھی برباد کرایا۔ ان صورتوں میں ظاہر ہے کہ عقل و تدبر کا اقتضاء یہی تھا کہ ان بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہی جائے۔ ان کی نصرت کے وعدوں کو آزمایا جائے اور اگر وہ سچے نہ بھی ثابت ہوں تب بھی ان پر اتمام حجت کیا جائے۔

بے شک تھے ایسے لوگ جو آپ کو عراق جانے سے منع کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ عراق والوں کے وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں مگر وہ اس پہلو کو نظر انداز کئے ہوئے تھے کہ مکہ معظمہ میں آپ کا قیام آپ کو قتل سے بچا نہ سکتا تھا بلکہ حقیقتاً اگر موازنہ کیا جاتا تو موجودہ حالات کے لحاظ سے مکہ میں قیام کی صورت میں آپ کا قتل کیا جانا یقینی اور کوفہ کی روانگی کی صورت میں مشکوک تھا اس لئے کہ ظاہری اسباب و علل کے ماتحت اہل کوفہ کے مواعید کے غلط ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا بلکہ یہ خیال صرف ان کی ذاتی افتاد طبع کے متعلق ایک غیر متیقن حکم بلکہ بدگمانی کی حیثیت رکھتا تھا اس صورت میں اگر آپ مکہ میں شہید ہو جاتے تو دنیا کے اندر آپ کی شہادت سے کوئی ہمدردی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا لیکن اب جبکہ اہل کوفہ کی ان تمام خواہشوں پر لبیک کہتے ہوئے نوع انسانی کے اتنے افراد کی درخواستوں کو منظور کرتے ہوئے روانہ ہو رہے ہیں تو اب اگر آپ شہید بھی ہو گئے تو ایک بڑے انسانی فرض کو ادا کرتے ہوئے اور اخلاق و مروت کی ایک اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اور کوفہ کے لوگوں پر حجت بھی تمام فرماتے ہوئے اور حفاظت خود اختیاری کے اصول پر بحد امکان عمل کرتے ہوئے اور پھر اپنے کو مکہ سے علیحدہ کر کے مکہ کے احترام کو بھی پورے طور سے محفوظ کرتے ہوئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسی لئے امام نے ان لوگوں کے جواب میں جو آپ کو عراق جانے سے منع کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عباس وغیرہ کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے عراق کے لوگوں پر اطمینان ہے اور اگر میں وہاں جاؤں گا تو ضرور وہ میری نصرت کریں گے، ہرگز نہیں بلکہ آپ نے زیادہ تر اہل عراق کے متعلق ان کی بے اطمینانی اور عدم اعتماد کے بارے میں اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے ارادہ پر مبہم و مجمل طور پر قائم رہنے کا اظہار فرمایا جیسا کہ ابن عباس سے گفتگو کے موقع پر[1] اور کبھی صاف کہہ دیا کہ میں یہاں رہوں گا تو بھی قتل ہوں گا اور خانہ کعبہ کا احترام میرے سبب سے زائل ہوگا جیسا کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر سے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک شخص مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا جس سے یہاں کی حرمت زائل ہوگی۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔[2]

دوسرے موقع پر جب ابن زبیر نے آپ سے چپکے چپکے کان میں کچھ کہا تو ابن زبیر کے جانے کے بعد اپنے کچھ مخصوصین سے فرمایا جانتے ہو ابن زبیر نے کیا کہا؟ ابن زبیر نے کہا کہ آپ مکہ میں قیام فرمایئے اور باہر نہ جایئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں ایک بالشت بھر مکہ کے حدود سے باہر قتل کیا جاؤں مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ ایک بالشت بھر مکہ کے حدود کے اندر مارا جاؤں اور قسم خدا کی اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں جا کر رہوں تب بھی یہ لوگ مجھ کو وہاں سے باہر لے آئیں گے یہاں تک کہ جیسا چاہتے ہیں میرے ساتھ سلوک کریں۔ خدا کی قسم مجھ پر یہ لوگ تعدی کریں گے جیسے یہود نے روز شنبہ کے بارے میں ظلم و تعدی سے کام لیا۔[3]

ان حالات میں ظاہری اسباب کی بناء پر آپ کے لئے کوفہ کی طرف تشریف لے جانا ناگزیر تھا اور آپ کے لئے اہل کوفہ کی درخواست کو مسترد کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر بھی آپ نے بحسب ظاہر اسباب احتیاطی تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ اپنے چچا زاد بھائی مسلم

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۱۷۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۱۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بن عقیل کو جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے[1] اپنا نمائندہ بنا کر حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کوفہ جانے پر مامور فرمایا[2]

اور اس کے لئے آپ نے ایک خط اہل کوفہ کے نام لکھ کر ہانی بن بانی اور سعید بن عبداللہ کے سپرد کیا جو اہل کوفہ کے آخری قاصد تھے انہیں حکم دیا کہ وہ جناب مسلم کے آگے روانہ ہوں۔

اس خط کا مطلب یہ تھا کہ ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے اور یہ دونوں شخص تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں جو کچھ تم نے لکھا ہے میں نے غور سے پڑھا اور سمجھا۔ تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کردے۔ اچھا تو میں تمہاری جانب اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور مخصوص معتمد کو روانہ کرتا ہوں اور انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات کے متعلق اطلاع دیں اگر انہوں نے اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور اہل حل وقد اس امر پر جسے تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے متفق ہیں تو میں عنقریب تمہاری طرف آتا ہوں اور واضح رہے کہ امام کے معنی نہیں سوا اس کے جو کتاب الٰہی پر عامل عدالت کا پابند حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو۔ والسلام۔[3]

اس خط کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مسلم بن عقیل کو جنگ پر مامور نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ کوفہ کی تسخیر کی غرض سے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے کہ کوفہ کی رائے عامہ اور وہاں کے لوگوں کے حالات و خیالات کا حضرت امام حسینؑ کے متعلق اندازہ کر کے آپ کو اس کی اطلاع دیں۔ جناب مسلم، قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی، اہل کوفہ کے نامہ بروں کے ساتھ[4] حکم امام کی تعمیل میں مکہ سے روانہ ہوئے اور پہلے مدینہ رسولؐ گئے۔ وہاں مسجد پیغمبرؐ میں نماز پڑھی۔ پھر

---

[1] الاخبار الطوال ص ۱۳۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۴۔ الاخبار الطوال ص ۲۳۲۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۹۷۔۱۹۸ وص ۲۱۰۔۲۱۱۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۹۸۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عزیز و اقارب سے رخصت ہوئے اور قبیلہ قیس میں سے دو عربوں کو جو راستے سے واقف تھے اپنے ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے عجیب اتفاق ہے کہ دونوں راستے کے ماہر ہوتے ہوئے جب آپ کو لے کر چلے تو ایک دم راستہ بھول گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ریگستان میں پڑ گئے۔ پیاس کا غلبہ ہوا اور اسی عالم میں ایک ایسے مقام پر پہنچ کر جہاں سے دور مسافروں کے چلنے کی سڑک نظر آرہی تھی وہ دونوں بالکل بے حال ہوگئے۔ انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے سڑک کا پتہ دیا اور پھر ان میں سے ایک[1] یا دونوں[2] گر کر ہلاک ہوگئے۔ جناب مسلم اور ان کے ساتھیوں کی حالت بھی بہت تباہ ہو چکی تھی مگر یہ ان کی غیر معمولی قوت برداشت تھی کہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے کو شاہراہ تک پہنچا دیا اور بطن خیت (وادی) کے ایک چشمہ پر جس کا نام مضیق تھا قیام کر کے وہاں سے امام حسینؑ کی خدمت میں خط بھیجا جس میں آغاز سفر کے اس حادثہ پر اپنے غیر معمولی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ میرا دل کوفہ کے سفر کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہے مگر دوبارہ امام کے تاکیدی حکم نے مجبور کر دیا اور وہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔[3]

کوفہ پہنچ کر حکم امام کے مطابق جناب مسلم نے امن پسندی سے کام لیا۔ حاکم دارالامارہ میں موجود تھا مگر مسلم نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا جسے شورش انگیزی منظور ہوتی تو اس کا پہلا کام یہ ہوتا کہ دارالامارہ پر قبضہ کرے مگر مسلم نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا کہ ہمیں تمہاری سلطنت سے مطلب نہیں، تمہاری حکومت سے کوئی غرض نہیں۔ ہمیں تو صرف طالبان ہدایت کی تلاش اور ان کی مذہبی و اخلاقی اصلاح مدنظر ہے۔

مسلم کے ورود کوفہ کے متعلق حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعی اس وقت کوفہ میں موجود نہ تھے ورنہ مسلم ان ہی کے مکان پر قیام کرتے اس لئے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۸ الاخبار الطوال ص ۲۳۲۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۳۲۔ طبری ج ۶ ص ۱۹۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہ وہ اس تحریک کے روح رواں اور اس جماعت میں سب سے زیادہ صاحب وجاہت اور ذی اثر تھے۔ مجبوراً مسلم نے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں قیام کیا۔[1]

کوفہ میں خبر تیزی کے ساتھ پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آپ کے پاس ملاقات کے لئے پہنچنے لگے۔ جب کافی مجمع ہوگیا تو مسلم نے امام حسینؑ کا خط جو اس جماعت کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس کو سن کر حاضرین میں کافی جوش کے آثار نمودار ہوئے۔ عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہوکر حمد وثنائے الٰہی کے بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا ''مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہار رائے کا حق نہیں ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور میں ان کی طرف سے وکالت کر کے آپ کو دھوکے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا مگر میں وہ ظاہر کرتا ہوں جسے میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ خدا کی قسم میں جس وقت بھی آپ دعوت دیں گے لبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور آپ کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور اس وقت تک شمشیر زنی کروں گا کہ اس زندگی کو ختم کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا مقصد اس سے سوا رضائے پروردگار کے کچھ نہ ہوگا''۔

یہ تقریر ختم ہونا تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔ ''مرحبا جزاک اللہ کتنی مختصر لفظوں میں تم نے حقیقت حال کو واضح کیا ہے''۔ پھر مسلم کی طرف خطاب کر کے کہا خدا کی قسم میرا بھی ذاتی حیثیت سے یہی خیال ہے جس کو عابس بن ابی شبیب نے اپنے لفظوں میں ظاہر کیا۔ اسی سے ملتی جلتی لفظوں میں سعید بن عبداللہ حنفی نے تائید کی جس کے بعد مجمع متفرق ہوا۔[2]

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۲ طبری ج ۶ ص ۱۹۹ و ج ۷ ص ۵۸۔ ارشاد ص ۲۱۱۔ اس گھر کے نشانات غالباً چوتھی صدی ہجری تک باقی تھے چنانچہ ابو حنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ اب یہ گھر ''دار میتب'' کے نام سے مشہور ہے۔ (الاخبار الطوال ص ۲۳۲) طبری نے لکھا ہے ''دار مسلم بن میتب'' کے نام سے مشہور ہے (طبری ج ۶ ص ۱۹۹) دوسری جگہ ''دار مسلم بن میتب'' درج ہے (طبری ج ۷ ص ۵۷)

[2] طبری ج ۶ ص ۱۹۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خط کے مضمون کی بناء پر اس کارروائی کا مقصد ظاہر ہے یعنی یہ عہد و پیمان اس غرض سے نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے تھے اور اس کے متعلق یہ لوگ نصرت اور مدد کا وعدہ کر رہے تھے اور نہ موجودہ صورت حال کی بناء پر یہ خیال کسی دماغ میں جگہ پا سکتا تھا کہ چند ہی روز میں تن تنہا مسلم کے مقابلہ میں فوج کشی ہوگی اور اس کے لئے اس جماعت کو تیار رہنا چاہئے بلکہ یہ عہد و پیمان صرف امام حسینؑ کی تشریف آوری کی پیش نہاد اور اس موقع کے لئے ان لوگوں کے عزائم و نیات کے اندازہ کے طور پر تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہو ہی چکی تھی اور اس فضا کے لحاظ سے جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی تحریک کے سلسلہ میں ابتدا ہی سے کوفہ میں پیدا ہوگئی تھی اور جس کے اسباب وضاحت کے ساتھ درج کئے جا چکے ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔

یزید کی خلافت سے بسبب اس کی سیاہ کاریوں کی بیزاری ایک طرف حضرت حسینؑ بن علیؑ کی ہر دلعزیزی نہ صرف خاندانی وجاہت کے باعث بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ سے دوسری جانب وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے ان کی ذاتی وجاہت اور تعلقات تیسری طرف اور ''کل جدید لذیذ'' کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت ہوتی ہے وہ چوتھی جانب ان تمام اسباب کی بناء پر حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر بارہ[1] یا اٹھارہ ہزار[2] کوفیوں نے بیعت کی لیکن کیا یہ سب دوستان علیؑ تھے؟ کیا کوفہ زیاد و آل زیاد کی بیس سال حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں اور جلادوں کے ہاتھ برابر اپنی سفا کی دکھاتے رہے ہوں اور دست و پا، سرور زبان کے قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا ہو، کوفہ میں اتنی تعداد میں علیؑ کے دوست موجود ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں سچے شیعہ تو کوفہ میں پہلے ہی کم تھے اور جو تھے بھی وہ معاویہ کے قتل و غارت کے بعد تقریباً نیست و نابود ہو چکے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے سے چھپے چھپائے افراد باقی ہو سکتے ہیں ورنہ جتنے تھے وہ وہی افراد تھے جو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۱۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو چوتھا خلیفہ تسلیم کر کے محض ساتھ ہونے کی وجہ سے لغوی معنی کے اعتبار سے شیعہ کہے جاتے تھے اور وہ بھی اب زیادہ تعداد میں باقی نہیں تھے اس صورت میں یہ ماننا ناگزیر ہے کہ مذکورہ بالا سطحی اور عارضی اسباب سے جو رائے عامہ ہموار ہوئی ہو اس میں کوئی وزن نہیں ہوسکتا۔ بے شک جب اس تحریک کے ابتدائی محرکین کو رائے عامہ کی نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی حالانکہ وہ یہیں کے رہے سہے پروردہ اور تجربہ یافتہ تھے تو جناب مسلم کو جو کہ یہاں پردیسی کی حیثیت رکھتے تھے دھوکا ہونا قابل تعجب نہیں ہے۔

مسلم کی تحریک کو چلانے والے ان کی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اور سب سے پہلے جلسہ میں جانبازی کا اقرار کرنے والے اور رائے عامہ کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و حمایت پر آمادہ کرنے والے ان میں سے اکثر بے شک سچے، خالص اور مخلص ہمدرد اور دوست تھے اور ان کا کام یہی تھا کہ وہ شہر کی فضا کو مسلم کے موافق بنا دیں جس میں ان کو بظاہر خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن آئندہ کے انقلابات کوئی دوسری صورت پیدا نہ کریں گے۔ اس کی ذمہ داری کسی پر عائد نہیں ہوسکتی۔ بے شک ان قلیل التعداد خالص دوستوں نے اپنے اقرار اور عہد جانبازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا اسے کر دکھایا جس کے مشاہدہ کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا چاہئے۔

جناب مسلم بن عقیل کو حالات خوشگوار اور مطابق قول وقرار نظر آئے۔ اس لئے امام حسینؑ کو خط لکھ دیا کہ جلد تشریف لائیے۔ حالات سازگار ہیں اور اہل کوفہ اپنے قول و قرار پر قائم ہیں۔[1]

مقامی حکومت کا طرز عمل ان کی نسبت روادارنہ تھا۔کوفہ کے نعمان بن بشیر نے منبر پر جا کر ایک تقریر کی جس کا مضمون یہ تھا کہ اے بندگان خدا فتنہ و فساد اور افتراق سے پرہیز کرو۔ اس سے خواہ مخواہ جانیں جائیں گی۔خون بہیں گے اور مالی تباہیاں ہونگی جہاں تک میرا تعلق ہے میں جب تک کوئی جارحانہ اقدام میرے خلاف نہ ہو اس وقت تک کوئی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۱۔ الاخبار الطوال ص ۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اقدام نہیں کروں گا۔[1]

کوفہ میں یہ خبر گرم تھی کہ اب بہت جلد ہی حسین بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص چہل پہل نظر آرہی تھی اور حلقہ حلقہ جماعت در جماعت لوگ بیٹھ کر اس پر اظہار خیال کرتے تھے اور بے چینی کے ساتھ دیدہ براہ تھے مگر کوفہ کے اندر ایک ایسی جماعت موجود تھی جو ان تمام منصوبوں کو خاک سیاہ بنا دینے پر تلی ہوئی تھی اموی حکومت کے خیر خواہ وہ لوگ تھے جنھیں اندیشہ ہوا ہوگا کہ حسین بن علیؑ کے اقتدار کے بعد انھیں اموال خلق پر بے جا تصرفات کا موقع باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص بنی امیہ کے حلیف عبداللہ بن مسلم حضرمی نے تو نعمان بن بشیر کی مذکورہ بالا روادارانہ تقریر کے بعد ہی کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ یہ آپ کا طریق کار صحیح نہیں ہے اور آپ کمزوری دکھا رہے ہیں جس پر نعمان نے کہا کہ ''میں اللہ کی اطاعت کے لئے کمزور ثابت ہوں یہ بہتر ہے اس سے کہ معصیت الٰہی کر کے زور آور ثابت ہوں''۔[2]

یہ جواب نعمان کے ضمیر کی صاف ترجمانی کر رہا تھا جس کے بعد فسادی اشخاص کو کچھ کہنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے یہاں سے جا کر فوراً عبداللہ بن مسلم[3] نے یزید کے نام خط لکھا کہ مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہیں اور ان کے طرفداروں نے ان کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کر لی ہے۔ اگر آپ کو کوفہ اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے تو یہاں کوئی مضبوط آدمی بھیجئے جو آپ کے فرمان کے مطابق عمل کر سکے۔ اس لئے کہ نعمان بن بشیر کمزور شخص ہیں یا وہ جان بوجھ کر کمزوری دکھا رہے ہیں''۔

عمارہ بن عقبہ اور عمرو بن سعد نے بھی ایسے ہی مضمون کے خطوط روانہ کئے[4]

ان خطوط کے پہنچنے پر یزید نے سرجون بن منصور رومی سے مشورہ لیا۔ یہ شخص

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ [2] طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ [3] دینوری نے اس خط لکھنے کی نسبت مسلم بن سعید حضرمی اور عمارہ بن عقبہ کی طرف دی ہے اور کہا کہ یہ دونوں یزید بن معاویہ کے جاسوس تھے الاخبار الطوال ص ۲۳۳۔ [4] طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ارشاد ص ۲۱۱۔۲۱۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عیسائی تھا جو معاویہ کے زمانہ سے محکمہ خراج میں کاتب تھا۔[1] سرجون نے عبید اللہ بن زیاد کا نام لیا۔[2] یزید اس وقت تک ابن زیاد سے خفا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اسی کی وجہ سے زیاد نے میری ولی عہدی سے اختلاف کیا تھا اور یہ کہ شاید معاویہ کے بعد بجائے میرے یہ خود خلافت کا امیدوار تھا اس لئے اس کا اب تک یہ ارادہ تھا کہ وہ بصرہ کی حکومت سے بھی ابن زیاد کو معزول کر دے گا۔[3] چنانچہ ابن زیاد کا نام سنتے ہی یزید نے انکار کیا اور کہا نہیں وہ ٹھیک نہیں ہے کسی اور کا نام لو۔ سرجون نے کہا یہ بتایئے کہ اگر معاویہ اس وقت زندہ ہوتے اور وہ اس وقت آپ کو یہی رائے دیتے تو آپ قبول کرتے؟ یزید نے کہا بے شک ان کے کہنے کو ضرور قبول کرتا۔ یہ سن کر سرجون نے ایک تحریر نکالی اور کہا کہ یہ معاویہ کا فرمان ہے جس میں ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ وہ اسے بھیجنے نہ پائے کہ انتقال ہوگیا۔ اب آپ بصرہ اور کوفہ دونوں جگہ کی حکومت عبید اللہ بن زیاد کے لئے قرار دے دیجئے۔

---

[1] الوزراء والکتاب ص ۱۵ چونکہ اس زمانہ میں کوفہ و بصرہ اور دمشق دونوں مرکزوں میں مالیات کے متعلق دو دفتر تھے ایک رعایا کی مردم شماری کا اور ان کے وظائف و انعامات کا، یہاں کام عربی میں ہوتا تھا اور دوسرا آمدنی و خرچ کے حسابات کا۔ یہ کام کوفہ و بصرہ میں اب تک فارسی زبان میں ہوتا تھا اور شام میں یہ رومی زبان میں لکھا جاتا تھا اس لئے عراق میں یہ دفتر مجوسیوں اور شام میں عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ اس دفتر کا مہتمم اعلیٰ دمشق میں سرجون تھا جو معاویہ کے وقت سے عبدالملک بن مروان کے عہد تک برابر اس شعبہ کا ذمہ دار رہا اور اس غرے میں کہ یہ کام بغیر ہمارے ہو ہی نہیں سکتا ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ خلیفہ تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسی وجہ سے عبدالملک کے زمانہ میں عراق اور دمشق کے ان دونوں دفتروں کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا چنانچہ ۷۸ھ میں حجاج بن یوسف نے عراق کے دفتروں سے مجوسیوں کو نکال کر ان کو عربی کی طرف منتقل کیا اور تقریباً اسی زمانہ میں عبدالملک کے حکم سے دمشق کے دفتر کی زبان عربی بنائی گئی اور سرجون کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا (الوزراء والکتاب ص ۲۳۔۲۴)

[2] سب سے پہلے زیاد کے مرنے کے بعد ۵۴ھ میں عبید اللہ بن زیاد کو معاویہ نے خراسان کا حاکم قرار دیا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۵ برس کی تھی (طبری ج ۶ ص ۶۶) پھر ۵۵ھ میں اسے بصرہ کا حاکم قرار دیا (ص ۱۶۸)۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۹۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یزید نے معاویہ کی اس تحریر کے مطابق ابن زیاد کے نام خط لکھا کہ مجھے میرے شیعوں نے کوفہ سے خطوط لکھے ہیں کہ وہاں پسر عقیل نے آکر لشکر جمع کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں میں تفرقہ اور فساد پیدا ہو تم اس خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی ادھر روانہ ہو اور مسلم کو قبضہ میں لا کر قید کرو قتل کرو یا نکال دو۔ والسلام''[1]

قدیم مورخ جہشیاری نے اس خط کا مضمون حسب ذیل لکھا ہے جس کے پس منظر میں یزید کی ابن زیاد سے ناراضگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں تہدیدی انداز زیادہ نمایاں ہے۔

''معلوم ہونا چاہئے کہ جس کی ایک وقت تعریفیں ہوتی ہیں وہی دوسرے وقت سب وشتم سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے سب وشتم سے یاد کیا جاتا ہے وہی ایک دم محل تعریف بن جاتا ہے۔ اس وقت ایک بڑا منصب تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے جس سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا اور اتفاق سے حسینؑ کی مہم تمہارے ہی دور اور تمہارے ہی قلم رو کے نصیب میں آئی ہے اور تمام عمال حکومت میں تم ہی وہ ہو جو اس محل آزمائش میں پڑے ہو۔ اب یا تو تمہاری شرافت پایہ ثبوت تک پہنچ جائے گی اور یا جیسے کبھی تھے ویسے ہی غلام کے غلام قرار پا جاؤ گے۔ والسلام''[2]

اس کے آخری فقرہ میں تلمیح وہی زیاد کے مجہول النسب ہونے اور پھر معاویہ کی نظر عنایت سے فرزند ابوسفیان قرار دیئے جانے کی طرف ہے۔ اس خط کے مضمون سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ صرف مسلم ہی کے بارے میں ابن زیاد کو سرگرمی کی تحریک نہیں کر رہا ہے بلکہ سخت و درشت اور غیرت انگیز الفاظ میں خود حضرت امام حسینؑ کے معاملہ میں ابن زیاد کو مضبوط اقدامات کی تحریک کر رہا ہے جس میں ذرا بھی کوتاہی اس کے سامنے اس کے تمام مستقبل کے تاریک بنانے کی دھمکیوں کا مرکز بنا دی گئی ہے۔

---

[1] ارشاد ص ۲۱۲۔ طبری ج ۶ ص ۲۰۰۔ [2] الوزراء والکتاب ص ۱۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بہرحال اس خط کو کوفہ کی حکومت کے پروانہ کے ساتھ مسلم بن عمرو باہلی [۱] کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کیا جس کو دیکھتے ہی اس نے بصرہ میں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو قائمقام بنا کر خود کوفہ جانے کی تیاری کر دی اور مسجد جامع میں ایک تہدید آمیز تقریر کرنے کے بعد جس میں اعلان کیا تھا کہ اگر تم میں سے کسی نے ذرا بھی مخالفت کی تو میں اسی کو نہیں بلکہ اس کے ورثاء کو بھی قتل کرا دوں گا اور آس پاس کے آدمیوں اور خطاکار کے ساتھ بے خطا کو بھی سزا دینے میں کمی نہ کروں گا۔ [۲] دوسرے دن روانہ ہوگیا۔ [۳]

وہ کوئی اور نہیں زیاد بن ابیہ کا بیٹا اور معاویہ کا ان کے ادعاء کے مطابق بھتیجا تھا اور یہ پورا خاندان ہی وہ تھا جس پر حیلہ و فریب کا خاتمہ تھا۔ چنانچہ سب سے پہلی بات ابن زیاد نے یہ کی کہ اس نے اپنی نقل و حرکت کو بالکل صیغہ راز میں رکھا تاکہ اس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور پھر جب کوفہ نزدیک رہ گیا تو اس نے اپنی وضع میں تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اسی طریقہ سے جو عرب قوم کے بہادروں کا جنگ وغیرہ کے موقعوں پر دستور تھا اور ایک ڈھاٹا باندھ لیا جس کی بناء پر شناخت ناممکن ہوگئی۔ ایک مرتبہ شہر پناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر سوار ایک رئیس قوم پورے وقار و تمکنت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشراف عرب کا امتیازی نشان تھا اور اس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین ولجام، سازو سامان سے آراستہ آرہا ہے۔ اس حشم و خدم کو دیکھ کر ان توقعات کی بناء پر جو پہلے سے قائم تھے وہی ہونا چاہئے تھا جو ہوا یعنی ہر شخص یہی سمجھا کہ حضرت حسینؑ بن علیؑ تشریف لائے ہیں اور اس قائم شدہ اثر کی بناء پر یا متوقع جدید انقلاب سے نفع دنیوی حاصل کرنے کی تمنا میں جس جماعت کی طرف سے عبید اللہ کا گزر ہوتا وہ بہ نظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجا لاتی اور خوش آمدید کے معنی میں یہ الفاظ زبان پر جاری کرتی۔ مرحبا بک یابن رسول اللہ قدمت خیر مقدم۔ ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا بلکہ آوازوں کو سنتا،

---

[۱] قتیبہ بن مسلم کی شخصیت تاریخ میں مشہور ہے۔ یہ مسلم بن عمرو اسی کا باپ تھا (الاخبار الطوال ص ۳۳)

[۲] الاخبار الطوال ص ۲۳۴۔ [۳] طبری ج ۶ ص ۲۰۱۔ ارشاد ۲۱۲۔۲۱۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چہروں کو بغور دیکھتا، شکل و شمائل کو پہچانتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور لوگ اشتیاق سے گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص فرزند رسول ؐ سمجھ کر آگے بڑھنے لگا اور نوبت یہ پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ اس وقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا پکار کر کہا ''راستہ چھوڑ دو یہ امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں''۔[1]

نہ معلوم ان الفاظ میں کونسا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اور مسرت آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے۔ ایک سناٹا تھا جو چھا گیا اور سارا مجمع تتر بتر ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب ابن زیاد دارالامارہ میں پہنچا تو دس آدمیوں سے زیادہ اس کے ساتھ نہ تھے۔[2]

اس موقع پر اہل کوفہ کے فطری رجحانات پر غور کرنے کے بعد ان کے باطنی اضطراب کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں۔ اس لئے کہ حالات کا غیر متوقع صورت سے ظہور پذیر ہونا بجائے خود سنسنی پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ صورت حال یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے خلاف خود جاسوسی کے کام کو انجام دیا یعنی اپنے باطنی خیالات اور حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کی خود ابن زیاد کے سامنے بوقت ورود ترجمانی کر دی اور ابن زیاد نے ایک ایک چہرہ اور آواز کو پہچان لیا اور پھر ابن زیاد وہی تھا جس کی اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنیں اس طرح خم رہی ہیں کہ جس کو چاہا گرفتار کیا، سولی پر لٹکایا، جلاد کے ہاتھ سے سر کو قلم کرا دیا اور ایسے ہیبت ناک مناظر ان ہی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں جن کو سوچ کر اب تک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہل جاتے ہوں گے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنی اولاد اور اعزہ و اقارب کے لئے پیش نظر ہیں۔ کیا یہ وجوہ ایسے نہ تھے جن کی بناء پر دل و دماغ معطل طاقتیں مضمحل اور ہمتیں پست ہو جاتیں اور ان پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا خصوصاً جبکہ زیادہ تر تعداد عوام کی تھی جو واقعات و حالات کو سمجھے بغیر ہر نئی آواز پر لبیک کہنے کے شوق میں شریک ہو گئے تھے۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۴۔ طبری ج ۶ ص ۲۰۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۰۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک تہدیدی تقریر کے ساتھ اپنی حکومت کا اعلان کرنے کے بعد قصر میں جا کر قیام کیا اور نعمان بن بشیر نے فوراً قصر کا تخلیہ کر کے کوفہ سے اپنے وطن شام کی طرف روانگی اختیار کی۔[1]

ابن زیاد نے اس کے بعد تمام محلات کوفہ کے ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت[2] کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلّہ کی مردم شماری اور جو لوگ نو وارد ہیں ان کی فہرست اور جن لوگوں سے حکومت شام کو خطرہ ہے ان کے نام ادارہ حکومت محلیہ میں پیش کر دیئے جائیں اور اگر وہ کسی وجہ سے ان فہرستوں کے تفصیل وار ترتیب دینے سے معذور ہوں تو ضمانت داخل کریں کہ ان کے محلّہ میں کوئی متنفس بھی حاکم شام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوگا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس مختار محلّہ کو فوراً اس کے گھر کے دروازہ پر سولی دی جائے گی اور اس کے خاندان سے ہمیشہ کے لئے اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائے گا۔[3]

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو۔ کوفہ کا چپہ چپہ جو اسیس و مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اب ہر شخص خاص اپنے محلّہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر پر جاتے ڈرتا تھا اور اس طرح دس پانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی قرارداد استوار کرنا ناممکن ہوگیا۔

یہ پہلا موقع وہ ہوسکتا تھا کہ جب مسلم بن عقیل کو جان کا اندیشہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہو جاتا۔ اب آپ کا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ آپ حفاظتِ خوداختیاری کے فریضہ کے ماتحت جہاں تک ممکن ہو اپنے تحفظ کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔ اس کے لئے آپ کو مختار بن ابی عبیدہ کا مکان جس میں آپ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ معلوم ہوا اس لئے کہ آپ کا قیام وہاں مشتہر ہو چکا تھا اور پھر اگر کوئی وقت آتا تو

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۴۔ [2] ملک عرب میں یہ طریقہ اب تک رائج ہے کہ بڑے شہروں میں ہر محلّہ میں ایک مختار محلّہ ہوتا ہے جو اس محلّہ کی مردم شماری وارد و صادر، زائد و مردہ، شادی شدہ و غیر شادی شدہ وغیرہ امور کی تشریح کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ وار ہوتا ہے اسی منصب کو اس زمانہ میں عرافت کہتے تھے۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۰۱۔ ارشاد ص ۲۱۴۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہاں آپ کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ مختار بن ابی عبیدہ شریف قوم سہی لیکن صرف ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے وہ کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اس کے علاوہ اس خاص موقع پر وہ کوفہ میں موجود بھی نہ تھے۔[1]

لہٰذا مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ آپ تاریکی شب میں ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں۔[2] یہ قبیلہ مراد و مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بناء پر اپنے کو بارہ ہزار شمشیر زن بہادروں کے حلقہ میں پہنچا دیا جو بظاہر آپ کی حفاظت کا فرض بہترین طریقہ پر ادا کر سکتے تھے۔ ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوا مخصوص افراد کے جو محل اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ دی۔ اب ان قلیل التعداد دوستان اہل بیتؑ کو جو اس تحریک کے داعی تھے فضا کی ناسازگاری کا پورا پورا احساس ہوگیا تھا مگر وہ مستقل مزاجی کے ساتھ صورت حال کے مقابلہ پر آمادہ ہوگئے اور اب لازمی طور پر نقطہ نظر میں تبدیلی ہوگئی۔ اس کے پہلے امام حسینؑ کے ،خط کے مطابق مسلم کی حیثیت صرف ایک پرامن نمائندہ کی تھی جس کا مقصد فقط کوفہ کے لوگوں سے امام حسینؑ کے لئے عہد وفاداری کا استوار کرنا تھا چنانچہ اس کے پہلے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ کوئی اسلحہ کی فراہمی کی کوشش ہو رہی ہو یا جنگ کی تیاری ہو مگر اب نوعیت یہ ہے کہ یہ یقینی ہے کہ عنقریب مسلم کے خلاف حکومت کی طرف سے جارحانہ اقدام ہوگا اور اب اس جماعت کو جو مسلم کے بلانے کی ذمہ وار ہے اس کے مقابلہ کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اب یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ہدایت نامہ کے حدود سے آگے جو مسلم کو امام حسینؑ کی جانب سے دیا گیا تھا۔ یہ اب ایک ہنگامی صورت حال ہے جس کے لئے مسلم اور جماعت کوفہ کو بہرحال مناسب طرز عمل اختیار کرنا لازم ہے چناچہ مسلم بن عوسجہ اسدی نے حضرت مسلم کی طرف سے اب لوگوں سے حفاظت و نصرت کا وعدہ لینا شروع کیا اور ابو ثمامہ صائدی فراہمی سرمایہ اور جمع

---

[1] طبری ج ۷ ص ۵۸۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۳۵ طبری ج ص ۱۹۵ و ص ۲۰۳۔ ارشاد ص ۲۱۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آوری اسلحہ کے ذمہ دار ہوئے۔[1]

ابن زیاد کو جناب مسلم کی جائے قیام کا پتہ لگانے کی بڑی فکر تھی۔ اس نے مسلم کی سراغ رسانی کے لئے اپنے شامی غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر مقرر کیا کہ وہ خفیہ طریقہ پر کسی نہ کسی طرح مسلم کا پتہ چلائے۔ معقل اس فکر میں مسجد جامع میں آیا۔ اتفاق سے اس وقت مسلم بن عوسجہ ایک رکن مسجد کے پاس نماز میں مصروف تھے وہ دیر تک ان کو دیکھتا رہا اور اس نے اپنے دل میں کہا (جسے خود اس نے بعد میں بیان کیا) کہ یہ شیعہ لوگ نمازیں بکثرت پڑھتے ہیں اس لئے ہوں نہ ہوں یہ انہیں میں سے ہوں گے لہٰذا وہ انتظار میں بیٹھا رہا۔[2]

جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور کہا کہ ''میں شام کا رہنے والا ذوالکلاع کا غلام خدا کے فضل سے اہل بیت رسولؐ کا دوست ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس خاندان میں سے کوئی بزرگ آج کل کوفہ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگوں سے رسولؐ خدا کے نواسے کی بیعت لے رہے ہیں اور یہ تین ہزار درہم میرے پاس ہیں تو کیا آپ مجھے ان کا پتہ بتا سکتے ہیں کہ یہ رقم میں ان کی خدمت میں حاضر کردوں جسے وہ اپنی مہم میں صرف کریں۔''

مسلم نے کہا کہ آخر مسجد میں دوسرے لوگ بھی ہیں تم میرے ہی پاس اس کے دریافت کرنے کو کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا کہ سبب یہ ہے کہ میں نے آپ میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کے آثار دیکھے تو یقین ہوا کہ آپ ضرور دوستان اہلبیت رسولؐ میں سے ہیں۔ جناب مسلم اس کے فریب میں آگئے اور کہا تم نے خوب پہچانا میں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ایک ہوں۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے۔ مجھے تمہاری ملاقات سے بہت خوشی ہوئی اور اس بات سے اور زیادہ مسرت حاصل ہوئی کہ تم اپنی خواہش میں کامیاب ہوئے اور تمہارے ذریعہ سے اہل بیت رسولؐ کو کچھ تقویت پہنچے گی۔ بے شک یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ظالم ابن زیاد کو بھی اس کی اطلاع نہ ہو جائے لہٰذا تم مجھ سے عہد کرو کہ کسی

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۴۔ ارشاد ص ۲۱۵۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے اس کا اظہار نہ کرو گے۔

چنانچہ کافی اطمینان اور عہد و پیمان اور راز داری کے وعدوں کے ساتھ مسلم بن عوسجہ نے اقرار کیا کہ میں کل تمہیں جناب مسلم بن عقیل کی خدمت میں لے چلوں گا۔ معقل دوسرے دن جناب مسلم بن عوسجہ کے مکان پر آیا اور وہ اسے حضرت مسلم بن عقیل کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ کی بیعت کی اور تین ہزار درہم جو لایا تھا آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ اس کے بعد معقل کی یہ صورت تھی کہ وہ دن بھر جناب مسلم کے پاس رہتا اور تمام حالات معلوم کرتا تھا اور رات کو ہر بات کی اطلاع ابن زیاد کو پہنچا دیتا تھا۔[1]

ہانی کے ابن زیاد سے بہت قدیم تعلقات تھے مگر صرف اس اندیشہ پر کہ کہیں ابن زیاد کو مسلم کے میرے یہاں قیام کی کچھ بھنک نہ مل گئی ہو وہ آج کل ابن زیاد کی ملاقات کو جانے سے پرہیز کرتے تھے اور بیماری کے عذر کے ساتھ خانہ نشین ہو گئے تھے۔ ابن زیاد کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح ہانی کو بلانا چاہئے چنانچہ اس نے ہانی بن عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔[2]

ہانی کو اس وقت کسی وقتی خطرہ کا احساس نہیں ہوا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ابن زیاد کے دعوتی پیغام پر انہوں نے اپنے بارہ ہزار جوانوں میں سے کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ خود تن تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے وہاں پہنچے تو پہلے ہی سے ابن زیاد کا رنگ بدلا ہوا پایا پہلے تو صورت دیکھتے ہی اس نے عرب کی ایک مثل زبان پر جاری کی کہ ''راتک بحائن رجلاہ'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہانی اپنے پیروں سے موت کی طرف آرہے ہیں پھر اس نے شریح قاضی کی طرف رخ کر کے یہ شعر پڑھا۔

اریـد حیـوتـه و یـریـد قتلـی عـذیـرک مـن خـلیـلـک من مراد

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۷۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۳۸۔ طبری ج ۶ ص ۲۰۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''یعنی میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میری جان لینے کا درپے ہے۔ خدا ہی سمجھے اس قبیلہ ءمراد والے تمہارے دوست سے''۔

اس سے ہانی سمجھ گئے کہ بظاہر راز افشا ہو چکا ہے مگر انہوں نے کہا ''کیوں کیا معاملہ ہے؟'' اس نے بڑے غصے سے کہا کہ ''ارے کتنے غضب کی بات ہے کہ تم نے اپنے گھر کو خلیفہ وقت اور تمام مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا اڈہ بنایا ہے۔ تم نے مسلم بن عقیل کو بلا کر اپنے گھر میں رکھا ہے ان کے لئے اسلحہ جمع کر رہے ہو اپنے گرد و پیش کے گھروں میں ان کی مدد کے لئے آدمی جمع کر رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ باتیں سب مجھ سے چھپی رہیں گی''۔

ہانی نے پہلے ان باتوں کی صحت سے انکار کیا مگر جب اس نے معقل کو بلا کر سامنے کھڑا کر دیا اور ہانی کو معلوم ہوا کہ یہ شخص جاسوس ہے تو اب ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ مدہوش سے ہو گئے پھر انہوں نے اپنے ہوش و حواس کو جمع کر کے کہا اب مجھ سے اصل حقیقت سنئے باور کیجئے بخدا ایک لفظ بھی غلط نہ کہوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے مسلم کو نہ خود بلایا اور نہ مجھے ان کی تحریک کے متعلق کوئی علم تھا مگر وہ خود میرے پاس آ گئے اور میرے مکان پر قیام کے خواہش مند ہوئے اب مجھے شرم دامنگیر ہوئی اور انکار نہ بن پڑا۔ اس طرح میں نے انہیں مہمان کر لیا اور پناہ دے دی تاہم میں آپ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں آپ کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہیں کروں گا اور ابھی آ کر اپنے کو آپ کے حوالہ کر دونگا مگر اتنی اجازت دے دیجئے کہ میں جا کر مسلم سے کہہ دوں کہ میرے گھر سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں تا کہ ان کے پناہ دینے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ پھر مجھے ان سے کوئی مطلب نہ رہے گا۔

ابن زیاد نے کہا ''نہیں جب تک انہیں خود میرے پاس حاضر نہ کرو تم نہیں جا سکتے''۔ ہانی نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے مہمان کو بلا کر آپ کے سپرد کروں کہ آپ اسے قتل کر دیں''۔[1]

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۳۸، طبری ج ۲ ص ۲۰۵۔ ارشاد ص ۲۱۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بات اتنی بڑھی کہ ابن زیاد نے کہا ''تم کو انہیں لانا ہوگا، نہیں تو میں تمہارا سر قلم کرا دوں گا۔''

ہانی نے کہا ''ایسا ہوا تو آپ کے مکان کے گرد بجلیاں کوندتی ہوں گی''۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا قبیلہ ان کی مدد کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ ابن زیاد کو زیادہ غصہ آیا اور کہا ''اچھا! تم بجلیوں سے مجھے ڈراتے ہو لاؤ اسے میرے قریب لاؤ''۔ سپاہی دوڑ پڑے ہانی کو ظالم ابن زیاد کے قریب لائے نتیجہ یہ تھا کہ بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سرد چہرہ چھڑی کی ضرب سے خون میں رنگین ہوگیا۔ ہانی بالکل نہتے تھے انہوں نے ایک سپاہی کی تلوار پر جو ان کے پاس کھڑا تھا ہاتھ ڈالا کہ اس سے چھین لیں۔ ابن زیاد نے کہا ''اچھا اب تو تم خارجی قرار پا گئے تمہارا خون ہمارے لئے حلال ہے''۔ جلاد بے دردی سے انہیں کھینچ کر لے گئے اور قید خانے میں ڈال دیا۔[1]

بنی زبیدہ کا سردار عمرو بن الحجاج، ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا۔[2]

اسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ مذحج کے بہت سے زرہ پوش سوار لے کر دارالامارہ پر چڑھ دوڑا اور تلواروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا کر دیئے لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فہمائش اور اس کے کہنے سے کہ ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند کر دیئے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔[3]

حضرت مسلم کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا ان کا پناہ دینے والا، وفادار اور مستقل مزاج بہادر ہانی بن عروہ ان کی وجہ سے زدوکوب کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں تھا اور مسلم کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں نالہ وشیون کر رہی تھیں۔[4] کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے بیٹھے رہتے یا اس وجہ سے کہ یہاں ان کا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۶۔ ارشاد ص ۲۱۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۰۵۔ [3] طبری ج ۶ ص ۱۹۵۔۲۰۶۔۲۰۷۔ ارشاد ص ۲۱۷۔۲۱۸۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۰۷۔ ارشاد ص ۲۱۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں جا کر مخفی ہو جاتے؟ ہرگز نہیں غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں تو پھر میں بھی نہیں۔ طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ مسلم کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی وہ ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہو گئے جب کہ ان کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی زدوکوب کے بعد قید کئے گئے ہیں۔[1]

دینوری کا بیان ہے کہ جناب ہانی قتل کر دیئے گئے اور ان کی شہادت کا حال سن کر جناب مسلم باہر نکلے۔[2] ابن زیاد نے مسجد میں آ کر پھر ایک تہدیدی تقریر کی۔ ابھی وہ منبر سے اترا نہ تھا کہ لوگ دوڑتے ہوئے ''باب التمارین'' سے مسجد میں داخل ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ ابن عقیل آ گئے ابن زیاد گھبرا کر منبر سے اترا اور تیزی کے ساتھ قصر کے اندر جا کر دروازے قصر کے بند کر لئے۔[3]

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں جا سکتی تھی کہ وہ ۱۸ ہزار بیعت کرنے والے سب مسلم کے گرد جمع ہو جائیں گے اور جنگ میں ان کے ساتھ شرکت کریں گے اور پھر جب کہ کوفہ کے محلے بھی ایک دوسرے سے متصل نہیں تھے بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے ہاں یہ محلہ کو جس میں مسلم کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اسی کے اطراف میں مسلم کے گرداگرد چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جونہی ''یا منصور امت'' کا نعرہ بلند کیا گیا جو ان کا شعار یعنی امتیازی نعرہ جنگ تھا تو شرما شرمی دو چار ہزار آدمی ہو گئے لیکن ظاہر ہے کہ اس محدود وقت میں جبکہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے لئے تیاری کر سکے ہوں گے خصوصاً جبکہ ان چار ہزار میں بھی اکثر ایسے ہی عوام تھے جو نتائج پر غور کئے بغیر وقتی اقدامات پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جن کا حقیقی شیعہ آل رسولؐ ہونا ہرگز ثابت نہیں۔

بہرحال جناب مسلم نے اس مختصر لشکر کو ترتیب دیا اور پیش قدمی شروع کی مگر

---

[1] طبری ج ۷ ص ۵۸۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۳۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۰۷۔ ارشاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جناب مسلم دارالامارہ تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہوگئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے۔[1] لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہوگیا اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لئے ہوئے قصر کا محاصرہ کرلیا رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی جمعیت ہوگئی اور ظہر سے شام تک برابر لڑائی ہوتی رہی۔[2]

موجودہ جمعیت کو جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک تھی مختلف قبائل کے مخلوط مجمع پر مشتمل سمجھنا چاہئے اور قبائل کے روح رواں شیوخ و اشراف قبائل ہوتے ہیں جو حکومت کے ہواخواہ اور پابند فرمان تھے اور ابن زیاد نے بروقت پیش بندی یہ کی تھی کہ آج صبح سے شیوخ و اشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا تاکہ ان سے حسب موقع کام نکالا جاسکے۔ باوجود یکہ ابن زیاد کے پاس محل میں اس وقت کوئی فوج نہیں تھی بلکہ قصر حکومت میں صرف تیس پولیس کے سپاہی تھے اور بیس آدمی اس کے مخصوصین اور روسائے قبائل میں سے[3] یا زیادہ سے زیادہ دوسو آدمی موجود تھے[4] اس لئے وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن ایک طرف اس نے یہ کوشش کی کہ قصر کا دروازہ کھلنے نہ پائے۔[5] دوسرے کچھ آدمی ادھر ادھر بھیج کر باہر سے سپاہی اکٹھا کر کے یہ انتظام کیا کہ شہر کی ناکہ بندی کی جائے یعنی چوراہوں اور عام راستوں پر پہرے بیٹھ جائیں کہ کوئی شخص مسلم کی مدد کو نہ آسکے اور صورت واقعہ کی بناء پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجتمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اکا دکا جس کو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مسلم کی امداد کے لئے آتا اور وہ فوراً گرفتار ہو جاتا تھا چنانچہ عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لئے آرہے تھے جن کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کرلیا اور محلہ بنی عمارہ کی طرف سے عمارہ بن صلخب ازدی نے ہتھیار جسم پر آراستہ کر کے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن اشعث نے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۰۷۔ ارشاد ص ۲۱۸۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۰۷۔ ارشاد ص ۲۱۹۔ [4] الاخبار الطوال ص ۲۳۹۔ [5] طبری ج ۶ ص ۲۰۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گرفتار کر لیا۔[1] یہ دونوں جانباز مسلم و ہانی کی شہادت کے بعد پسر زیاد کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے۔[2] اس طرح مسلم سے مختلف اطراف و جوانب کی مدد قطع ہوگئی چنانچہ حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور ابو ثمامہ صائدی ایسے خاص لوگ آج جناب مسلم کے پاس پہنچنے سے قاصر رہ گئے اس کے علاوہ اشراف قبائل کو مجمع کے منتشر کرنے کا حکم دیا گیا وہ لوگ دارالامارہ کے بالاخانہ پر چڑھ گئے اور انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کو پکار پکار کر ہمدردانہ انداز میں قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے بہت بڑی فوجیں آنے والی ہیں اور اس صورت میں تمہارے جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائیں گے دمشق سے فوجیں آنے کی خبر ہر طرف پھیلا دی گئی جس کے بعد یہ عالم ہوا کہ عورتیں اپنے گھروں سے نکل نکل کر اپنے باپ بھائی کے پاس آتیں اور کہتی تھیں کہ چلو واپس چلو دوسرے لوگ کافی ہیں باپ یا بھائی اپنے بیٹے یا بھائی کے پاس آتا اور کہتا تھا کہ ارے کل دمشق سے لشکر آجائے گا تو پھر تم کیا کرو گے۔ چلو لڑائی سے ہاتھ اٹھاؤ اور مجبور کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام ہوتے ہوتے صرف تیس آدمی حضرت مسلم کے پاس رہ گئے۔ آپ نے مسجد میں جا کر نماز مغرب پڑھی۔ نماز کے ختم ہونے کے بعد جب آپ باہر نکلے تو رفتہ رفتہ وہ بقیہ تیس بھی چلے گئے۔[3] اب مسلم تنہا بازاروں میں پھرنے لگے اور کوئی اتنا تک نہ تھا کہ آپ کو راستہ بتا دے آپ تاریکی شب میں یونہی چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ قبیلہ کندہ میں پہنچ گئے۔[4] اس قبیلہ کی عورت طوعہ جو پہلے محمد ابن اشعث کی کنیز تھی اور اس کے آزاد کرنے کے بعد اسید حضرمی کے نکاح میں آئی جس سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا۔ یہ کہیں گیا ہوا تھا اور طوعہ گھر کے دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جناب مسلم نے اسے دیکھ کر بعد سلام پانی پینے کو مانگا عورت خدا ترس تھی وہ گئی اور پانی لائی۔ جناب مسلم بیٹھ گئے اور پانی پیا۔ وہ برتن رکھنے گھر میں گئی آئی تو دیکھا کہ یہ پھر بھی بیٹھے ہیں اس نے کہا "آپ پانی تو پی چکے۔ اب اپنے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۱۴۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۴۰۔ [4] الاخبار الطوال ص ۱۴۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گھر جائیے مسلم خاموش رہے اس نے جب دوبارہ اور سہ بارہ کہا تو مسلم نے جواب دیا کہ ''اے کنیز خدا۔ میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں ہے کیا تم مجھے پناہ دے کر ثواب حاصل کر سکتی ہو۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد میں کبھی اس کا معاوضہ تمہارے ساتھ کر سکوں''۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا ''آپ ہیں کون اور واقعہ کیا ہے؟'' فرمایا ''میں مسلم بن عقیل ہوں یہاں لوگوں نے میرے ساتھ غداری کی مجھ سے نصرت کے وعدے کئے اور اب میرا ساتھ چھوڑ دیا'' اس نے کہا ''اچھا آپ مسلم ہیں؟'' کہا ''ہاں میں وہی ہوں'' یہ سننا تھا کہ وہ آپ کو اپنے گھر میں لے گئی اور مکان کے ایک مخصوص کمرے میں آپ کے لئے فرش بچھا دیا اور کھانا حاضر کیا مگر آپ نے کھانا نوش نہیں کیا تھوڑی دیر میں اس کا لڑکا آیا اور اس نے ماں کو ایک کمرے میں بار بار آتے جاتے دیکھ کر سبب دریافت کیا اور اخفاء کی کوشش محسوس کر کے زیادہ کد کرنے لگا یہاں تک کہ طوعہ کو واقعہ کا اظہار کرنا پڑا اس تاکید کے ساتھ کہ اس کا کسی سے اظہار نہ کرنا۔ وہ سن کر خاموش ہو گیا اور رات گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔[1]

ادھر ابن زیاد نے جب دیکھا کہ خطرہ بظاہر بالکل نہیں رہا تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ سائبانوں میں دیکھیں کہیں ابن عقیل ساتھ والے سائبانوں میں چھپے نہ ہوں۔ پورے طور پر اطمینان کر لینے کے بعد ابن زیاد نے عمرو بن نافع کو حکم دیا کہ شہر میں اعلان کر دے کہ آج عشاء کی نماز کے لئے ہر شخص کو مسجد میں آنا ضروری ہے کوئی شخص نماز کے وقت اپنے گھر میں نہ رہے ورنہ اس کے جان و مال کی ذمہ داری امیر کے سر نہ ہوگی۔ تھوڑی دیر میں مسجد کے اندر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اقامت کہی گئی اور پسر زیاد نے اپنے دائیں بائیں محافظ کھڑے کر دیئے۔ اس کے بعد نماز پڑھائی نماز کے بعد منبر پر جا کر تقریر کی کہ ابن عقیل نے جو مخالفت کا ہنگامہ اٹھا رکھا ہے تم نے دیکھا جسکے گھر میں ابن عقیل کو پائیں گے اس کے جان و مال کی ذمہ داری ہم پر نہیں اور جو انہیں ہمارے پاس لائے گا اس کو ان کی دیت (خون بہا) دی جائے گی۔ اس کے بعد حصین بن تمیم کو حکم دیا کہ تمام شہر کی خانہ تلاشی کرے اور ابن عقیل کا پتہ لگائے اور لوگوں کو عمرو بن حریث کی ذمہ واری پر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۹۔۲۱۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھوڑ کر خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔[1]

طوعو کا لڑکا بلال صبح ہوتے ہی محمد بن اشعث کے نوعمر لڑکے عبدالرحمٰن کے پاس گیا اور اسے مسلم کے اپنے گھر میں ہونے کی اطلاع دی اور وہ فوراً اپنے باپ کے پاس جو ابن زیاد کے دربار میں جا چکا تھا، پہنچا اور اس کے ذریعہ سے ابن زیاد کو مطلع کیا۔[2] ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں مسلم کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کر دی۔ حضرت مسلم نے جو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی سمجھ گئے کہ فوج میری گرفتاری کے لئے آئی ہے۔ تلوار لے کر حجرے سے باہر نکلے اتنی دیر میں فوجی گھر کے اندر داخل ہوگئے۔ آپ نے حملہ کیا اور ایسا سخت کہ دشمنوں کو گھر سے باہر نکال دیا وہ دوبارہ ہجوم کر کے اندر گھسے اور آپ نے دوبارہ انہیں باہر کر دیا۔ بے شک اس حملے میں بکر بن حمران احمری کی تلوار سے ان کے اوپر کا لب قطع ہوگیا اور نیچے کے لب پر بھی زخم آگیا اور دو دانت شکستہ ہوگئے پھر بھی دشمنوں کو یہ یقین ہوگیا کہ مسلم پر یوں فتح پانا مشکل ہے لہٰذا وہ مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور پتھر مارنے لگے اس کے علاوہ سینٹھوں کے مٹھے آگ سے جلا کر اوپر سے پھینکنے لگے۔ جناب مسلم نے یہ بزدلانہ طریقہ جنگ دیکھا تو آپ تلوار کھینچے ہوئے مکان سے باہر کوچہ میں آگئے۔ محمد بن اشعث نے پکار کر کہا کہ آپ کے لئے امان ہے خواہ مخواہ تلوار نہ چلایئے آپ نے جنگ جاری رکھی اور رجز پڑھنے لگے جس کا مضمون یہ تھا کہ ''میں نے قسم کھائی ہے نہ قتل ہوں گا مگر آزادی کی حالت میں، اگرچہ موت ناگوار چیز ہے مگر بہرحال وہ ایک نہ ایک دن تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں مجھ سے جھوٹ نہ بولا جائے اور دھوکا نہ دیا جائے۔ محمد بن اشعث نے کہا کہو ''نہیں آپ سے جھوٹ نہیں کہا جائے گا اور نہ دھوکا دیا جائے گا۔ اطمینان رکھئے'' مسلم جنگ کر کے تھک چکے تھے اور زخموں سے چور تھے۔ انہوں نے پوچھا ''کیا واقعی مجھے امان ہے؟''

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۰۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس نے کہا ''ہاں آپ امان میں ہیں'' جتنے محمد بن اشعث کے ساتھی تھے ان سب نے بھی امان کا وعدہ کیا سوا ایک عمرو بن عبید اللہ بن عباس سلمی کے جس نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا اور یہ کہہ کر وہ الگ ہٹ گیا۔ مسلم نے کہا دیکھو تم نے مجھے امان دی ہے اس لئے میں تلوار اپنی نیام میں رکھتا ہوں اور اگر تم امان نہ دیتے تو میں کبھی اپنے کو تمہارے حوالے نہ کرتا اتنی دیر میں ایک مرکب لایا گیا جس پر مسلم کو سوار کیا اور سپاہیوں نے گرد حلقہ کر کے آپ کی تلوار کمر سے نکال لی۔ یہ ہونا تھا کہ مسلم کا دل ٹوٹ گیا اور کہا یہ پہلی غداری ہے محمد بن اشعث نے کہا ''مجھے امید ہے کہ تمہیں کوئی خطرہ پیش نہ آئے گا۔ مسلم نے کہا ''اچھا تو بس ایک امید ہی ہے اور امان کا وعدہ تمہارا کیا ہوا؟ انا للہ و انا الیہ راجعون یہ کہہ کر رونے لگے۔ عمرو بن عبید اللہ بن عباس سلمی جس نے پہلے ہی وعدہ امان سے انکار کیا تھا کہنے لگا۔

''جو ایسی مہم کے لئے کھڑا ہوا ہو جس کے لئے تم کھڑے ہوئے تھے اسے خطرہ دیکھ کر رونا تو نہیں چاہئے''۔ مسلم نے کہا ''واللہ میں اپنے لئے نہیں روتا میں تو حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے لئے روتا ہوں جو میرے خط کو دیکھ کر کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہوں گے''۔ پھر آپ محمد بن اشعث کی طرف متوجہ ہوئے کہا ''اے اللہ کے بندے! مجھے یقین ہے کہ تم مجھے امان دلوانے سے قاصر رہو گے اب تم اتنا کرنا کہ ایک قاصد حسینؑ کے پاس بھیج دینا جو میری طرف سے ان سے جا کر کہہ دے کہ میں تو دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوں اور یقین ہے کہ شام ہونے کے پہلے تک قتل ہو چکوں گا مگر آپ ادھر آنے کا قصد نہ کیجئے اور اہل کوفہ کے فریب میں نہ آیئے ان کے تمام وعدے بالکل غلط اور قول و قرار جھوٹے ہیں'' ابن اشعث نے وعدہ کیا کہ ''میں ضرور قاصد روانہ کر دوں گا''۔ اس کے بعد محمد بن اشعث جناب مسلم کو لے کر دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچا اور پہلے خود اجازت لے کر ابن زیاد کے پاس گیا۔ اس سے تمام جنگ کی کیفیت اور پھر وعدۂ امان پر مسلم کو ساتھ لانے کا تذکرہ کیا۔ ابن زیاد نے کہا ''امان دینے والے تم کون تھے؟ ہم نے تمہیں کیا اس لئے بھیجا تھا کہ تم انہیں امان دو؟ ہم نے تو اس لئے بھیجا تھا کہ انہیں ہمارے پاس لے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آؤ''۔ ابن اشعث میں اب کہاں جرات تھی کہ وہ اس کے بعد کچھ کہتا خاموش ہو رہا۔[1] اس وقت دارالامارہ کے دروازہ پر بہت سے لوگ اجازت حضوری کے انتظار میں موجود تھے جن میں عمارہ بن عقبہ، عمرو بن حریث، مسلم بن عمرو باہلی اور کثیر بن شہاب مخصوص لوگ تھے اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی دروازے کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ جناب مسلم بہت پیاسے تھے انہوں نے کہا ''تھوڑا سا پانی مجھے پلا دو'' مسلم بن عمرو نے بڑے سخت الفاظ میں پانی پلانے سے انکار کیا مگر عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ مسلم کو پانی پلا دے اس نے گلاس پانی سے بھر کر مسلم کے سامنے پیش کیا مگر جناب مسلم نے جب پانی پینا چاہا تو منہ سے خون بہنے لگا اور پانی کو رنگین کر دیا دو مرتبہ ایسا ہی ہوا تیسری دفعہ دو دانت ٹوٹ کر گلاس میں گر پڑے۔ جناب مسلم نے مایوس ہو کر گلاس ہاتھ سے دے دیا اور کہا معلوم ہوتا ہے پانی میری قسمت سے اٹھ چکا ہے'' اتنی دیر میں ابن زیاد کا آدمی آیا اور مسلم کو اندر جانے کے لئے کہا جب آپ ابن زیاد کے پاس پہنچے تو امیر کہہ کر اسے سلام نہیں کیا۔ ابن زیاد نے کہا ''مسلم اب تم بچ نہیں سکتے ابھی قتل کئے جاؤ گے''۔ جناب مسلم نے کہا ''میں اس کے لئے تو تیار ہی ہوں مگر مجھے اتنا موقع دیا جائے کہ میں کسی اپنے شناسا سے جو یہاں ہو کچھ وصیت کر لوں'' اس نے کہا ''اچھا جس سے چاہو وصیت کر دو'' مسلم نے گرد و پیش نظر ڈالی تو عمر بن سعد کو پہچانا۔ آپ نے اس سے کہا کہ تم ''قریش کے خاندان سے ہو مجھے اس وقت تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا ہیں ذرا انہیں سن لو'' حکومت وقت کا خوشامدی سننے کے لئے تیار نہ ہوا جس پر خود ابن زیاد نے کہا ''آخر سن لینے میں تمہارا کیا حرج ہے؟'' اس پر عمرو سعد اٹھا اور مسلم کے ساتھ تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں ابن زیاد کی نظر دونوں پر پڑ رہی ہو۔ جناب مسلم نے کہا ''مجھے ایک بات یہ کہنا ہے کہ جب سے کوفہ میں آیا ہوں سات سو درہم کا مقروض ہو گیا ہوں تم میرے بعد میری تلوار اور زرہ فروخت کر کے یہ قرضہ ادا کر دینا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے قتل ہونے کے بعد میری لاش ابن زیاد سے مانگ لینا اور اسے دفن کر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دینا۔ تیسرے یہ کہ امام حسینؑ کے پاس کسی کو بھیج کر اس کے ذریعہ سے میرے واقعہ کی اطلاع کرا دینا تاکہ وہ واپس چلے جائیں اور اہل کوفہ کے فریب میں مبتلا نہ ہوں''۔

مسلم نے بطور راز یہ باتیں کہی تھیں مگر بدعہد عمر سعد نے ابن زیاد کے پاس آکر کہا آپ جانتے ہیں مسلم نے مجھ سے کیا کہا؟ یہ یہ باتیں انہوں نے مجھ سے کی ہیں یہ ایسا شرمناک رویہ تھا جسے ابن زیاد نے بھی برا جانا اور عرب کی یہ مثل زبان پر جاری کی کہ لا یخونک الامین ولکن قد یوتمن الخائن۔ ''امانتدار آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا مگر کبھی کبھی غلطی سے خائن کو امانتدار بنا دیا جاتا ہے''۔[1] اس کے بعد اس نے ہر وصیت کے بارے میں اپنا فیصلہ سنایا کہا ''تمہارے مال سے ہمیں مطلب نہیں وہ فروخت ہو کر تمہارا قرضہ ادا کر دیا جائے اور حسینؑ کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف نہ آئے تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں ہے مگر لاش اس کے بارے میں ہم کوئی وعدہ کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ تم نے ہماری مخالفت کی اور رعایا میں انتشار پیدا کیا لہٰذا ہم تمہاری لاش کے متعلق کسی احترام کے ذمہ دار نہیں ہیں''۔[2]

اس وصیت اور اسکے جواب کے بعد جو گفتگو جناب مسلم اور ابن زیاد میں ہوئی ہے وہ خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ مسلم پر جو بغاوت کا الزام عائد کیا جاتا ہے اس کے بارے میں مسلم کیا جواب دیتے ہیں اور اپنے کوفہ آنے کی نوعیت کیا بتلاتے ہیں۔

ابن زیاد نے کہا ابن عقیل! تم یہاں آئے تھے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے اور آپس میں فساد کرانے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حملے کرے اور خانہ جنگی ہو''۔ مسلم نے جواب دیا اور وہ جواب جس نے آخر تک حسینی مقاومت کی نوعیت کو ظاہر کر دیا آپ نے فرمایا کہ نہیں میں اس لئے نہیں آیا تھا بلکہ اس ملک والوں نے یہ ظاہر کیا کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے خون بہائے اور ان میں (اسلام کی سادگی کو مٹا کر) وہ افعال و اعمال رائج کئے جو کسریٰ و قیصر کی سنت میں داخل تھے تو ہم آئے۔ اس

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۱۔۲۴۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۱۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لئے کہ ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان کو عدالت و انصاف اور تعلیماتِ قرآن پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔[1]

واقعتہ چونکہ مسلم کا کوئی طرز عمل ان کے اس بیان کے خلاف ظاہر بھی نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ صفائی بغاوت کے الزام سے ان کے بری ہونے کے لئے کافی تھی مگر استبداد کے سامنے دلیل و برہان کام نہیں دیا کرتا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں قصر کے بالا خانہ پر لے جایا جائے وہاں ان کی گردن قلم کی جائے اور پھر سر کے ساتھ ہی جسم کو نیچے گرا دیا جائے اور اس کے لئے وہی بکر بن حمران احمری[2] جس کی تلوار سے جناب مسلم کے لب و دہن پر زخم آیا تھا نامزد کیا گیا جناب مسلم انتہائی صبر و سکون سے تکبیر، استغفار اور صلوٰت کے اوراد کے ساتھ دارالامارہ کے کوٹھے پر تشریف لے گئے اور ان کے سر کو جدا کر کے جسم کو قصر سے نیچے پھینک دیا گیا۔[3] روز سہ شنبہ ۸/ ذی الحجہ ۶۰ھ جناب مسلم نے جنگ شروع کی[4] اور روز چہار شنبہ ۹/ ذی الحجہ کو شہادت پائی۔[5]

اس کے بعد سے شہر میں خوف و دہشت کی عملداری اور رعب و ہیبت کا پورا دور دورہ تھا لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اس لئے ہر طرف سناٹا تھا اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا یہ تھی کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے ہمراہ رکاب ۱۲ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کر دیئے جانے کی غلط خبر پر دارالامارۃ کھنچی ہوئی تلواروں کے حلقہ میں آ گیا تھا رسیوں میں جکڑ کر بازار میں لائے جا رہے تھے اور وہاں آواز دے رہے تھے کہ ''کہاں ہیں میرے قبیلہ بنی مذحج کے بہادر! ہائے افسوس کہ اس وقت بنی مذحج مجھے نظر نہیں آتے''۔ لیکن افسوس کوئی متنفس بھی ان کی طرف رخ کرتا نظر نہ آتا تھا۔

یہاں تک کہ ابن زیاد کے ترکی غلام نے اپنی تلوار سے ان کے سر و تن میں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۲۔ ارشاد ص ۲۲۵۔ [2] دینوری ن اس کا نام احمر بن بکیر لکھا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۴۲)۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۱۳۔ ارشاد ص ۲۲۶۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۱۵۔ [5] ارشاد۔ دینوری نے شہادت جناب مسلم کی تاریخ سہ شنبہ ۳/ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری درج کی ہے (الاخبار الطوال ص ۲۴۲) یہ درست نہیں معلوم ہوتی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جدائی کر دی۔[1]

ابن زیاد نے مسلم و ہانی کے سرہائے بریدہ ہانی بن ابی حبہ ہمدانی اور زبیر بن اروح تمیمی کے ہاتھ واقعہ کی مختصر روداد کے ساتھ روانہ کئے اور ان دونوں نے تفصیلات جا کر زبانی بھی بیان کئے۔ یزید نے جواباً اس کارنامہ پر بڑی شاباشی دی اور لکھا کہ تم نے وہی کیا جس کی ہمیں تم سے امید تھی اب خود حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں تمہاری کارگزاری دیکھنا ہے۔[2]

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۳۔۲۱۴۔ ارشاد ص ۲۲۶۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

انیسواں باب!

مکہ سے کربلا تک

سفر امام حسینؑ، منازل سفر اور کربلا میں ورود

کوفہ میں انقلاب، مسلم و ہانی کی شہادت یہ سب کچھ ہوگیا مگر ظاہر ہے کہ اس سب کی اطلاع بروقت مکہ میں کیونکر پہنچ سکتی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کو مسلم کا خط پہنچ چکا تھا کہ یہاں تشریف لائیے۔ سب آپ کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔ یہ خط جناب مسلم نے عابس بن ابی شبیب شاکری کے ہاتھ [1] اپنی شہادت سے ستائیس دن پہلے ۱۲ر ذیقعد کو لکھا تھا۔ [2]

اس خط کے پہنچنے کے بعد آپ کے لئے کوفہ کا سفر اختیار کرنا ضروری ہوگیا تھا پھر بھی عام حالات میں اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ حج کے دو ایک دن باقی رہنے کے باوجود حج کو ترک فرما دیں اور مکہ سے نکل کھڑے ہوں۔ یہ غیر متوقع صورت یقینی طور پر نہایت اہم ہنگامی اسباب کا پتہ دیتی ہے۔

آپ کی افتاد طبیعت اور ذوق عبادت کا لازمی تقاضا بھی یہ تھا کہ آپ اس سال کے حج کو جو آپ کی زندگی میں آخری تھا مکمل فرما کر روانگی کا ارادہ کرتے لیکن ایک دم ہوا یہ کہ حج کی تکمیل میں دو دن باقی تھے کہ آپ نے حج کو عمرہ سے بدل کر مکہ معظمہ سے روانگی اختیار فرمالی۔

اس کے اسباب عام طور پر لوگوں کے سامنے کچھ نہ تھے کیونکہ حرم الٰہی کے اندر کوئی فوج و لشکر نہ تھا جسے سب دیکھتے مگر حاجیوں کے لباس میں فوج کے سپاہی آئے ہوئے تھے اور انہیں یہ ہدایت تھی کہ حسینؑ جس حال میں بھی ہوں ان کو گرفتار کرلو۔ یہ راز اس وقت کھلا جب آپ مکہ سے باہر آچکے تھے اور فرزدق شاعر نے آپ سے راستے میں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۱۔ [2] ارشاد ص ۲۳۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ملاقات کی اور پوچھا کہ فرزند رسولؐ اتنی جلدی کس لئے کہ حج بھی نہ ہو سکا؟ امامؑ نے جواب دیا کہ ''اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کرلیا گیا ہوتا''[1] بس یہ چیز وہ تھی جس نے امام حسینؑ کو عراق کی طرف اس قدر تعجیل کے ساتھ روانگی پر مجبور کر دیا۔

نتیجہ آخر امامؑ کے پیش نظر تھا یعنی شہادت جس پر آپ کی وہ تقریر گواہ ہے جو آپ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت فرمائی تھی۔ آپ نے کہا تھا کہ ''موت فرزند آدم کے گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف کی ملاقات کا اشتیاق ہے۔ اتنا ہی جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور میرے لئے بہت اچھی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہو کر گروں گا گویا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ سماں کہ میرے جوڑ بند کو صحرائی درندے[2] جدا کر رہے ہیں کوئی چارۂ کار نہیں اس دن سے جو خط تقدیر میں گزر چکا۔ خدا کی مرضی میں ہم اہل بیت کی مرضی ہے ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں اور صابروں کے اجر کو حاصل کرتے ہیں۔ رسولؐ سے ان کے جسم کے ٹکڑے الگ نہیں ہو سکتے جو شخص ہمارے ساتھ اپنی جان کی قربانی پر آمادہ اور خدا سے ملاقات پر تیار ہو وہ ہمارے ساتھ سفر کرے میں کل صبح کو انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ تھی وہ تقریر جو آپ نے گردو پیش کے لوگوں کے سامنے کی تھی اس رات کو جس کی صبح ہوتے ہوتے آپ مکہ سے روانہ ہوگئے اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ ہے کہ اثنائے سفر میں آپ ہر منزل پر جناب یحییٰ اور ان کی شہادت کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا کی بے قدری کے لئے اللہ کے نزدیک یہ کافی ہے کہ اس دنیا میں یحییٰ بن ذکریا کا سر قلم ہو کر بنی اسرائیل کے زناکار کے سامنے بطور تحفہ بھیجا گیا۔[3]

یہ بھی حقیقت میں اپنے مستقبل کی طرف ایک اشارہ ہی تھا جو آپ بار بار فرما رہے تھے۔ پھر بھی آپ کے لئے اپنے عمل کو امکانی تحفظات کے حدود سے آگے بڑھنے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۱۸۔ [2] یعنی دشمنان انسانیت۔ [3] ارشاد ص ۲۶۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دینا روا نہیں تھا۔ آپ کے لئے مکہ سے فوراً علیحدگی اختیار کرنا ان خطرات کی بناء پر جو اس وقت یہاں پیدا ہوگئے تھے لازمی قرار پا چکا تھا اس کے بعد آپ کہاں جاتے؟ عقلاً اسی جگہ کہ جہاں کے لوگ انتہائی اصرار کے ساتھ آپ کو بلا رہے تھے۔

اس صورت میں کسی شخص کا یہ پہلو آپ کے سامنے لانا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے تحصیل حاصل اور فضول تھا۔

جان کا خطرہ تو تھا ہی مگر اس خطرہ کے ہوتے ہوئے کسی ایسی طرف جانا قرین مصلحت ہوسکتا تھا جہاں کا جانا ''ناخواندہ مہمان'' کی حیثیت رکھتا ہو یا ایسی جگہ جہاں کے لوگ الحاح و زاری کے ساتھ دعوت دے رہے تھے۔

خطرہ کے معنی کیا ہو سکتے تھے؟ یہی کہ جان جائے گی مگر جان جانا تو ناگزیر تھی پھر یہ جان ایک انسانی اور مذہبی فرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں کیوں نہ جائے جس کا نا ہے وعدہ وفائی۔ طالبان ہدایت پر اتمام حجت اور خلق خدا کی فریاد رسی اسی لئے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے ان لوگوں کے خیال کی کبھی رد نہیں کی جو اہل کوفہ پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے تھے اور یہ نہیں کہا کہ مجھے ان سے امید ہے کہ وہ اب کی اپنی بات پر قائم رہیں گے مگر اسی کے ساتھ آپ نے ہمیشہ اپنی روانگی کو ان کی طرف ضروری بتلایا جیسا کہ فرزدق سے گفتگو میں جس کا تذکرہ ابھی آئے گا آپ نے فرمایا خانہ کعبہ میں گرفتاری کا جو خطرہ تھا اس کا ایک حد تک یقینی قرینہ سامنے آگیا اس وقت جب آپ کی مکہ سے روانگی کے موقع پر حاکم مکہ عمرو بن سعید بن العاص کی طرف سے ایک فوجی دستہ نے یحیٰی بن سعیدی قیادت میں بیرون شہر آکر آپ سے مزاحمت کی اور آپ کو واپس لے جانا چاہا حضرت نے واپس جانے سے انکار کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین میں تھوڑی دیر آویزش بھی ہوئی مگر امام حسینؑ کے ساتھ والے پوری بہادری کے ساتھ مقابل جماعت کی مزاحمت کو روکنے پر تیار تھے اس لئے ان لوگوں کو ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور قافلہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

روانہ ہوگیا۔[1]

دینوری نے لکھا ہے کہ خود عمرو بن سعید نے اس اندیشہ سے کہ صورت حال کچھ نازک نہ ہو جائے اپنے پولیس آفیسر کو واپس آنے کی ہدایت بھیج دی۔[2]

یہ سہ شنبہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کا واقعہ ہے اور اسی روز کوفہ میں ابن زیاد کی فوج سے جناب مسلم بن عقیل کا مقابلہ ہو رہا تھا اور دوسرے دن جبکہ وہ شہید ہوئے حضرت امام حسینؑ مکہ سے نکل کر وادی غربت میں راستہ طے فرما رہے تھے۔[3]

آپ کے قیام مکہ کے دوران میں علاوہ آپ کے خاص خاص عزیزوں کے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے کچھ مخصوص افراد اہل حجاز میں سے اور کچھ اہل بصرہ میں سے آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تھے اب یہ سب آپ کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔[4]

مکہ سے کربلا تک کے سفر میں حضرت امام حسینؑ نے جن منزلوں میں قیام کیا تھا ان کی تفصیل کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے جہاں تک تاریخی واقعات کی مدد سے ثابت ہوتا ہے ان کی ترتیب واقعات کے ساتھ ساتھ حسب ذیل ہے۔

۱۔ صفاح:

یہ مکہ معظمہ سے روانگی کے بعد پہلی وہ جگہ ہے جس کا نام ملتا ہے یہاں قیام نہیں ہوا بلکہ رہ گزر ہی میں فرزدق بن غالب شاعر سے ملاقات ہوئی۔[5] اور فرزدق نے کوفہ کی حالت بیان کی کہ لوگوں کے دل آپ کی طرف مگر تلواریں ان کی بنی امیہ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ نے فرمایا ''تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر دن وہ ایک نیا کرشمہ قدرت کا دکھاتا ہے۔ اللہ کی تقدیر اگر ہماری دلی خواہشوں کے مطابق ہو تو ہم اس کا شکر کریں گے اور ادائے شکر کے لئے اسی سے مدد کے طالب ہوں گے اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب میں سدراہ ہوئی تو انسان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں سچائی اور اس کے ضمیر میں پارسائی ہو۔[6]

---

[1] طبری ۶ ص ۲۱۷۔۲۱۸۔ ارشاد ص ۲۲۹۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۴۔ [3] ارشاد ص ۲۲۸ دینوری کا بیان ہے کہ جس دن جناب مسلم کی شہادت ہوئی اسی دن امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے (الاخبار الطوال ص ۲۴۳)۔ [4] ارشاد ص ۲۲۸۔ [5] الاخبار الطوال ص ۲۴۵۔ [6] طبری ج ۶ ص ۲۱۸، ارشاد ص ۲۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے معنی یہ ہوئے کہ مقصد نیک ہو اور نیت بخیر اس کے بعد ''ہرچہ بادا باد''۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کسی کے وعدوں پر اعتماد کر کے منزل عمل میں گامزن نہیں ہوئے تھے بلکہ محض اللہ کے بھروسے پر اس کے عائد کردہ فرض کی تکمیل کے لئے امتحان گاہ عمل میں آ گئے تھے۔

۲۔ تنعیم :

اس جگہ یمن کا ایک قافلہ آتا نظر آیا جس سے حضرت نے کچھ اونٹ اپنے اسباب اور ساتھیوں کی سواری کے لئے کرایہ پر لئے اور ان کے مالکوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو عراق تک جانا چاہے گا اسے ہم اتنی دور کا کرایہ دے کر واپس کر دیں گے چنانچہ کچھ لوگ ان میں سے حضرت کے ساتھ عراق تک جانے کے لئے تیار ہوئے۔[1]

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ سے آپ کی روانگی اچانک بغیر کسی تیاری کے ہوئی تھی اس لئے آپ اپنے ساتھیوں کے لئے مکہ معظمہ سے بار برداری اور سواری کا سامان بھی پورا مہیا نہیں فرما سکے تھے۔

اسی منزل پر عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید بن العاص نے امام سے آ کر ملاقات کی۔ واقعہ یہ تھا کہ جب امام حسینؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہو رہے تھے اس وقت عبداللہ بن جعفر مدینہ میں تھے ظاہری حالات کی بناء پر امام کا مدینہ سے آنا اس خطرہ کے ماتحت ہوا تھا کہ وہاں کے حاکم کو یزید کا یہ فرمان پہنچ چکا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت نہ کریں تو ان کا سر روانہ کیا جائے اور اب مکہ سے روانگی اس اندیشہ کی وجہ سے ہو رہی تھی کہ وہاں کچھ لوگ حاجیوں کے لباس میں بھیج دیئے گئے تھے تاکہ جس طرح ممکن ہو حسینؑ کو قتل کر ڈالیں یا گرفتار کر کے شام کی سمت بھیج دیں اس موقع پر عبداللہ بن جعفر نے عون و محمد اپنے دونوں فرزندوں کے ہاتھ امام کے نام یہ خط بھیجا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی یہاں واپس آیئے کیونکہ اس طرف جدھر آپ کا قصد ہے مجھے آپ

---

[1] ارشاد ص ۲۴۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیتؑ کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر آپ دنیا سے اٹھ گئے تو زمین کی روشنی رخصت ہوگئی کیونکہ آپ طالبان ہدایت کے لئے نشان راہ اور مومنین کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ میں خود اس خط کے پیچھے آرہا ہوں۔ عون ومحمد یہ خط لے کر امام کے قافلہ سے راستے میں جا کر ملحق ہوئے اس کے بعد عبداللہ بن جعفر، حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن العاص کے پاس گئے اور اس سے گفتگو کر کے ایک امان کا پروانہ امام حسینؑ کے لئے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔[1] عبداللہ کی خواہش کے مطابق عمرو بن سعید نے اس پر مہر کی اور اپنے بھائی یحیٰی بن سعید کو عبداللہ کے ساتھ کیا۔ عبداللہ، یحیٰی کے ساتھ اس تحریر کو لئے ہوئے مدینہ سے روانہ ہوئے اور راستے میں امام سے ملحق ہو کر تحریر آپ کے سامنے پیش کی۔ آپ خوب جانتے تھے کہ مرکزی حکومت کی پالیسی کے خلاف ایک مقامی حاکم کے امان نامہ کی کیا وقعت ہے۔ آپ نے عبداللہ بن جعفر کی رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ مجھے اب یہاں قیام کرنا مناسب نہیں ہے اور عمرو بن سعید کے نام اس تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا۔[2] عبداللہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس سفر میں ساتھ نہ جا سکتے تھے۔ انہوں نے عون ومحمد کو حضرت کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود مدینہ واپس ہوئے۔[3]

۳۔ ذات عراق:

شیخ مفیدؒ نے عبداللہ بن جعفر اور یحیٰی بن سعید کی واپسی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ تیزی کے ساتھ عراق کی سمت راہ قطع کرتے رہے یہاں تک کہ ذات عراق میں پہنچ کر قیام فرمایا۔[4]

---

[1] عمرو بن سعید مکہ اور مدینہ کا مشترکہ حاکم تھا۔ بظاہر جس وقت امام روانہ ہوئے اس وقت عمرو بن سعید اور اس کا بھائی یحیٰی بن سعید دونوں مکہ میں موجود تھے اور یحیٰی کی قیادت میں ایک دستہ نے آکر امام کا راستہ روکا اس کے بعد امام عراق کے راستے پر روانہ ہوئے اور یہ دونوں مدینہ چلے گئے۔ وہاں عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید سے ملاقات کر کے یہ خط حاصل کیا اور یحیٰی بن سعید کے ساتھ امام سے منزل تنعیم پر آکر ملاقات کی۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۱۹۔ ارشاد ص ۲۳۰۔ [3] ارشاد ص ۲۲۹۔ [4] ارشاد ص ۲۲۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۴۔ بطن الرمہ اور حاجر:

''بطن الرمہ'' ایک وادی کا نام تھا جس کے ایک مقام کا نام ''حاجر'' ہے۔ اس منزل سے آپ نے قیس بن مسہر کو جو اہل کوفہ کے فرستادہ آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ اہل کوفہ کے نام خط دے کر روانہ فرمایا۔[1]

اس خط کا مضمون یہ تھا۔

''یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کا برادران ایمانی و اسلامی کے نام۔ بعد سلام اور حمد الٰہی کے معلوم ہو کہ مسلم بن عقیل کے خط سے مجھے تمہارے حالات کی درستی اور میری نصرت پر تم لوگوں کی ہم آہنگی کا علم ہوا جس پر میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ ہمارے معاملہ کو بہترین صورت پر انجام تک پہنچائے اور تم کو اس کے متعلق بہترین اجر عطا فرمائے۔ میں مکہ معظمہ سے روز شنبہ ۸/ذی الحجہ کو روانہ ہوگیا ہوں جب میرا خط تمہیں پہنچے تو انتظامات مکمل اور تیزی سے اپنا نظام درست کر لینا کیونکہ چند ہی روز میں تمہارے یہاں پہنچنے والا ہوں۔ انشاء اللہ۔ والسلام''۔[2]

بعض کا قول ہے کہ اس خط کو عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ بھیجا تھا۔[3]

اس خط کے مضمون اور نوعیت سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ سے نکلنے کے بعد یہ سب سے پہلی منزل ایسی منزل تھی جہاں اطمینان کی سانس لی جا سکتی تھی ورنہ اس خط کو پہلے ہی روانہ کر دیا جاتا۔

قیس اس خط کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے مگر جب قادسیہ پہنچے تو حصین کی فوج نے گرفتار کر لیا اور انہیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر جان بچانا چاہتے ہو تو منبر پر جا کر حسینؑ بن علیؑ کے خلاف تقریر کرو اور ان کی مذمت بیان کرو۔ قیس

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۵۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۷، طبری ج ۵ ص ۳۲۳۔ ارشاد ص ۲۳۰۔
[3] ارشاد ص ۲۳۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ سن کر منبر پر چلے گئے۔ مجمع ہمہ تن گوش تھا کہ دیکھیں حسینؑ کا قاصد حسینؑ کے خلاف کیا کہتا ہے مگر انہوں نے مقصد امام کی اشاعت کا یہ ایک ممکن موقع پیدا کیا تھا۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد مجمع کو مخاطب کیا اور کہا۔

''ایہا الناس! اس وقت خلق خدا میں بہترین شخص حسینؑ بن علیؑ ہیں جو رسولؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے فرزند ہیں میں انہی کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں تمہارا فرض ہے کہ ان کی نصرت کے لئے قدم آگے بڑھاؤ اور ان کی آواز پر لبیک کہو''۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ انہیں قصر کے اوپر سے زمین پر گرا دو۔ بے رحموں نے انہیں نیچے گرا دیا جس سے ان کے اعضا چکنا چور ہو گئے۔[1]

جب آپ اس منزل سے آگے بڑھے تو ایک چشمہ پر عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی جو عراق سے واپس ہو رہے تھے۔ انہوں نے بھی آپ سے مکہ چھوڑنے کا سبب دریافت کیا اور اہل کوفہ کی دعوت کا حال سن کر دوسرے تمام مشورہ دینے والوں کی طرح آپ کے کوفہ جانے سے اختلاف کیا۔[2]

۵۔ زرود:

اس منزل سے قریب جو چشمہ تھا اس پر زہیر بن القین کا خیمہ نصب تھا۔ یہ حج کر کے مکہ سے واپس ہوئے تھے اور کوفہ جا رہے تھے۔[3]

شروع میں ان کو خاندان رسولؐ سے کوئی عقیدت نہ تھی بلکہ عام طور پر وہ اہل شام کے ہم عقیدہ سمجھے جاتے تھے جس کو اس زمانہ میں ''عثمانی'' مسلک کہا جاتا تھا مگر امام حسینؑ کی نباض فطرت و بصیرت ان کی باطنی استعداد کو دیکھ رہی تھی۔ آپ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ خاندان رسولؐ سے جو وحشت عام طور سے اس گروہ میں پیدا کر دی گئی تھی اس کی بناء پر انہوں نے ملنے سے انکار کر دینا چاہا مگر ان کی بیوی نے جو ان کے ساتھ تھیں کہا کہ واہ کیا غضب کی بات ہے کہ رسولؐ کا فرزند

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۵۔ ارشاد ص ۲۳۰۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۶ طبری ج ۶ ص ۲۲۴۔
[3] الاخبار الطوال ص ۲۴۶ طبری ج ۶ ص ۲۲۴۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تمہارے پاس پیغام ملاقات بھیجے اور تم مسترد کر دو۔ اس بات سے متاثر ہو کر یہ امام حسینؑ کے پاس گئے اور کچھ اس طرح صفائی سے ان کے سامنے امام حسینؑ نے اپنے معاملہ کو پیش کیا کہ وہ ہمہ تن آپ کے موافق ہو گئے اور بڑے خوش خوش اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر انہوں نے حکم دیا کہ ہمارا خیمہ یہاں سے اکھاڑ کر اصحاب حسینؑ کے خیموں کے پاس لگا دیا جائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی جائیں پھر ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''میں نے امام حسینؑ کے ساتھ مرنے کا مضبوط ارادہ کر لیا ہے جو شخص تم میں سے ہمارے ساتھ شہید ہونا چاہے وہ میرے ساتھ رہے اور جو نہ چاہے وہ یہیں سے علیحدہ ہو جائے''۔ چنانچہ ساتھ والے سب علیحدہ ہو گئے۔[1]

صورت حال سے صاف ظاہر ہے کہ امام کی گفتگو زہیر سے کچھ خوش آئند توقعات یا امید افزا تصورات پر مبنی نہ تھی بلکہ صفائی کے ساتھ اس انجام کار کا انکشاف کر دیا گیا تھا جس پر ابھی تک عام نگاہوں میں توقعات کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر منزل عمل میں گامزن ہو رہے تھے۔

پھر بھی چونکہ عوام بالکل ظاہر بین ہوتے ہیں لہٰذا ان کے توقعات امام کی نسبت بہت خوش آئند تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ فرزند رسولؐ اپنے باپ بھائی کے پایہ تخت اور عراق ایسے مردم خیز صوبہ کے صدر مرکز کوفہ کی طرف خود وہیں کے باشندوں کے اصرار وطلب پر جا رہے ہیں وہاں پہنچ کر تخت و تاج، فوج و لشکر اور حشم و خدم سب کچھ مہیا ہوگا۔ حضرت شاہ عراق تسلیم کئے جائیں گے اور آپ کی ذات میں امامت و سلطنت دوش بدوش جمع ہوگی۔ ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر دنیا کے لالچی لوگ بھی جوق در جوق آپ کے ساتھ شامل ہو رہے تھے اور راستے میں آپ کا وہ مختصر قافلہ جو مکہ سے نکلتے وقت خاص خاص لوگوں پر مشتمل تھا اب ایک مختصر لشکر کی صورت اختیار کر چکا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے شک کوئی بادشاہ ہے جو اپنے مرکز سلطنت کی طرف جا رہا ہے لیکن زرود سب سے پہلا وہ مقام تھا جہاں سے روانہ ہونے پر پریشانی کا آغاز ہوا جبکہ عبداللہ بن سلیم اور مذری بن

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۴۔ ارشاد ص ۲۳۱۔۲۳۲۔ الاخبار الطوال ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مشعل دونوں اسدی شخصوں نے جو مکہ معظمہ سے فراغت حج کے بعد بہت تیزی سے روانہ ہو کر زرود میں حضرت سے ملحق ہو گئے تھے ایک شخص کو کوفہ کی طرف سے آتے دیکھا۔ امام اس کو دیکھتے ہی ٹھہر گئے تھے کہ کچھ حالات کوفہ کے معلوم کریں لیکن اس نے حسینی قافلہ کو دیکھ کر رخ دوسری جانب کر دیا لہٰذا امام آگے بڑھ گئے ان دونوں اسدی شخصوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس سے کچھ کوفہ کے حالات دریافت کرنا چاہئیں چنانچہ یہ دونوں قافلہ سے جدا ہو کر انتہائی تیز رفتاری سے اس جانے والے تک پہنچ گئے اور صاحب سلامت کے بعد اس کا قوم و قبیلہ اور نام و نسب دریافت کیا۔ معلوم ہوا بکیر بن مشعبہ اسدی ہے تو انہوں نے بھی اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ہم بھی قبیلہ بنی اسد میں سے ہیں۔ ذرا تم سے اپنے شہر کی حالت دریافت کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ ''ہاں سنو میں کوفہ سے باہر نہیں آیا تھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل کئے گئے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی لاش کے پاؤں میں رسی باندھ کر بازار میں گھسیٹا جا رہا ہے۔[1]

بڑی وحشت ناک خبر تھی دونوں آدمیوں نے سن لیا اور موقع شناسی سے کام لے کر اس وقت اسے دل میں رکھ لیا یہاں تک کہ وقت اس کے اظہار کی اجازت دے۔

۶۔ ثعلبیہ:

اس منزل پر دوسرے دن شام کے وقت جب امام حسینؑ نے قیام کیا تو دونوں اسدی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلیم بجا لائے۔ حضرت نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں ایک اطلاع دینا ہے حضور فرمائیں تو سب کے سامنے عرض کریں اور اگر ارشاد ہو تو علیحدہ تخلیہ میں کہیں؟ حضرت نے ایک نظر حاضر الوقت اشخاص پر ڈالی اور فرمایا۔ ''ان لوگوں سے کسی راز داری کی ضرورت نہیں ہے'' انہوں نے کہا کہ ''آپ نے اس سوار کو دیکھا تھا جو کل شام کے وقت آ رہا تھا؟'' فرمایا ''ہاں! اور میں نے اس سے کچھ حالات بھی دریافت کرنا چاہے تھے''۔ انہوں نے کہا کہ ''ہم نے حضور کی منشاء کے مطابق اس سے حالات دریافت کئے اور وہ ہمارے ہی قبیلہ کا آدمی ہے اور بہت سمجھدار، سچا اور دانش مند شخص ہے۔ اس نے ہم سے بیان کیا کہ وہ کوفہ سے باہر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۵۔ ارشاد ص ۲۳۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہیں آیا تھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے اور ان کی لاشیں بازاروں میں پھرائی گئیں"۔

بلاشبہ یہ خبر امام حسینؑ کے لئے بہت اندوہناک تھی۔ ایک طرف مسلم کی جدائی کا صدمہ جو آپ کے چچا زاد بھائی اور معتمد خاص تھے۔ دوسری طرف اپنے مستقبل کے متعلق ظاہری تمام امیدوں کا ختم ہو جانا لیکن ایک رئیس قوم اور سردار کی حیثیت سخت موقع پر بہت ذمہ دارانہ ہوتی ہے اس لئے کہ تمام لوگوں کی نظریں اسی پر ہوتی ہیں۔ اگر کہیں اس کو اضطراب ہوا تو پھر تمام رفقاء اور ساتھیوں پر مایوسی کا چھا جانا اور اضطراب کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے اسی لئے اس موقع پر جب یہ اچانک خبر امام حسینؑ کو پہنچی تو آپ نے صرف اتنا کیا کہ چند بار کہا انا للہ وانا الیہ راجعون . رحمتہ اللہ علیھما اور بس خاموش ہو گئے۔[1] دینوری نے کلمہ استرجاع کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ عند اللہ نحتسب انفسنا (یعنی) "ہم اللہ کے یہاں حساب کرتے ہیں اپنی جانوں کا"۔[2] مطلب اس کا یہ ہوا کہ اسی کی راہ میں ہم اپنی جانوں کو نثار کرتے ہیں اور وہی معاوضہ دینے والا ہے۔

اسدی جو ایک رات تک اس وحشت ناک خبر کو اپنے دل میں رکھ کر اس سے پورا پورا اثر لے چکے تھے اور نتائج کو ہر طرح سوچ کر دل ہی دل میں رائے قائم کر چکے تھے ان سے اپنے دل کی بات چھپائی نہ گئی اور وہ بے ساختہ بول اٹھے کہ "خدا کا واسطہ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالئے یہیں سے واپس ہو جایئے کیونکہ کوفہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہے نہ دوست بلکہ ہمیں خوف ہے کہ پورا کوفہ آپ کے خلاف ہی ہوگا"۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہنگامی اضطراب اور تاثر کے جذبہ سے جو ہمدردی کا مشورہ دیا جائے اس کا جواب زیادہ سنجیدہ دلائل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حضرت امام حسینؑ خود پہلے ہی سے انجام پر مطلع تھے اور آپ کا سفر جن نتائج کو پیش نظر رکھ کر تھا ان میں اس خبر کے آنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی لیکن دوسرے افراد کے لئے وقتی جذبات کے مقابل میں عقلی دلائل کے پیش کرنے کا محل نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے حضرت نے اس ہنگامی جذبہ

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ماتحت مشورہ کا جواب بالکل متضاد ایک فطری جذبہ کے احساس سے دینا چاہا اور اس کے لئے ایک نظر اولاد عقیل پر ڈالی اور فرمایا ''تمہاری کیا رائے ہے؟ مسلم تو شہید ہوگئے''۔ تمام عقیلی جوان کھڑے ہوگئے اور کہا ''خدا کی قسم ہم تو واپس نہ ہوں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا وہی موت کا ساغر ہم بھی نہ چکھ لیں جو مسلم نے چکھا''۔ حضرت متوجہ ہوئے دونوں اسدیوں کی طرف اور فرمایا ''جب یہ نہ ہوئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے''۔[1] حاضرین میں سے ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ ''آپ کی اور مسلم کی برابری نہیں آپ کوفہ میں پہنچ جائیں تو کوفہ کے لوگ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑیں گے''۔ حضرت نے اس خیال کی کوئی تائید نہیں کی اور خاموشی اختیار فرمائی۔[2] رات یہیں گزاری گئی۔ سحر کے وقت آئندہ کی منزلوں کے لئے کافی پانی ساتھ لینے کے بعد آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ زبالہ پہنچے۔[3]

۷۔ زبالہ:

اس منزل پر ایاس بن عمرو طائی جو شعراء میں سے تھا محمد بن اشعث کا بھیجا ہوا خط لے کر امام کے پاس پہنچا چونکہ جناب مسلم نے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے اور اپنی شہادت کا یقین ہو چکنے کے بعد یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دے دی جائے کہ کوفہ کی یہ حالت ہے اور آپ کے مددگار اب کوفہ میں موجود نہیں ہیں اس لئے آپ اب یہاں آنے کا ارادہ نہ کیجئے چنانچہ یہ خط بھیجا گیا اور منزل زبالہ پر امام کے پاس پہنچا۔[4] اس قاصد نے یہ بھی اطلاع دی کہ قیس بن مسہر قتل کر دیئے گئے۔[5]

قرائن بتلاتے ہیں کہ وہ افراد جن کی موجودگی میں جناب مسلم کی خبر شہادت بیان کی گئی تھی واقعی نہایت مخصوص راز دار ہستیاں تھیں اسی لئے اس مجمع کے روبرو مسلم کی خبر شہادت ظاہر ہونے کے بعد پھر بھی عام اہل قافلہ سے وہ راز ہی کی حیثیت سے مخفی رہی مگر حضرت نے اب ان واقعات کو اہل قافلہ سے مخفی رکھنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ راستے کے بہت سے عرب آپ کے ساتھ اس غلط خیال کے ماتحت ہوگئے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۶۔ طبری ج ۶ ص ۲۲۵۔ ارشاد ص ۲۳۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۵۔ ارشاد ص ۲۲۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۱۱۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۰۳۔ [5] الاخبار الطوال ص ۲۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں کہ آپ ایک ایسے ملک کی طرف جا رہے ہیں جہاں لوگ آپ کی سلطنت تسلیم کر چکے ہیں لہٰذا آپ کو یہ منظور نہ ہوا کہ وہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں اور حقیقت حال سے تاریکی میں رہنے کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیں۔ آپ کو یقین تھا کہ جب آپ صورت حال کا اظہار کر دیں گے تو بس وہی جان نثار آپ کے ساتھ رہ جائیں گے جو حقیقتاً آپ کے مقصد کے ساتھ ہمدردی رکھتے اور آپ کی نصرت میں جان تک سے ہاتھ دھونا پسند کرتے ہیں چنانچہ آپ نے حسب ذیل بیان کے ذریعے سے تمام اہل قافلہ کو صورت حال سے مطلع فرمایا۔

"ہمیں یہ دردناک خبر معلوم ہوئی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل کر ڈالے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا اس لئے جو شخص تم سے واپس جانا چاہے وہ واپس چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ واری نہیں ہے۔ والسلام"۔

نتیجہ وہی ہوا جو معلوم تھا کہ اس اعلان کے ساتھ ہی لوگ متفرق ہونا شروع ہوئے اور تقریباً سب دائیں بائیں روانہ ہوگئے یہاں تک کہ زیادہ تر وہی لوگ جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے باقی رہ گئے۔[1]

۸۔ بطن عقیق:[2]

اس منزل پر قبیلہ عکرمہ کا ایک شخص[3] عمرو بن لوذان[4] ملا اور اس نے بتایا کہ ابن زیاد کی طرف سے قادسیہ اور عذیب کے درمیان ناکہ بندی ہوگئی ہے اور اس نے کہا کہ برائے خدا واپس جائیے۔ آپ کے سامنے سوا تلواروں اور نیزوں کے کوئی چیز آنے والی نہیں ہے اور خطوط لکھنے والوں پر بھروسا نہ کیجئے۔ وہی لوگ سب سے پہلے آپ سے لڑنے کے لئے آئیں گے۔ امام حسینؑ نے اس کی خیر خواہی پر اسے دعائے خیر دی اور آگے روانہ ہوئے۔[5]

بظاہر یہ سننے کے بعد کہ قادسیہ کے ناکے پر فوجوں کا پہرہ ہے اور وہاں پہنچنا

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ طبری ج ۶ ص ۲۴۶۔ [2] شیخ مفید نے اس منزل کا نام بطن عقبہ لکھا ہے (ارشاد ص ۲۳۳) [3] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ [4] ارشاد ص ۲۳۳۔ [5] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ ارشاد ص ۲۳۳۔۲۳۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنے کو یقینی طور پر دشمن کے ہاتھ میں گرفتار کرا دینا ہے آپ نے سمت سفر میں ذرا تبدیلی فرمائی اور اسی لئے قادسیہ کہ جس کا ہر کوفہ جانے والے کے محل گزر میں واقع ہونا ضروری تھا اور جہاں قیس بن مسہر گرفتار کئے گئے تھے آپ کے منازل سفر میں واقع نہیں ہوا اور آپ کا اس فوج سے تصادم نہیں ہوا جو حصین کی سرکردگی میں قادسیہ کے حدود میں مقیم تھی۔

۹۔ سراۃ:

بطن عقیق سے روانہ ہو کر امام نے یہاں رات بسر کی۔[1]

۱۰۔ شراف:

طبری اور شیخ مفید کی تصریح کے مطابق ثعلبیہ و زبالہ کے بعد اس منزل پر امام نے حکم دیا کہ پانی بھر لو اور مشکیں اور چھاگلیں پر کرلو۔[2] اس منزل سے آگے بڑھے اور اب غالباً محرم ۶۱ھ کا چاند فلک پر نمودار ہو چکا ہے۔

پہلی تاریخ دوپہر کو امام حسینؑ کا قافلہ منزل شراف کے حدود سے آگے بڑھا تھا۔ قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر[3] کہ آپ کے اصحاب میں کسی نے کہا "اللہ اکبر" امام نے فرمایا بے شک اللہ سب سے بڑا ہے مگر اس وقت تکبیر کہنے کی وجہ؟ اس نے کہا مجھے خرمے کے درخت دکھائی دے رہے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی آبادی نزدیک ہے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ اس جگہ تو کبھی ہم نے درخت خرما دیکھے نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر تم ہی دیکھو کیا دکھائی دیتا ہے؟ انہوں نے کہا ہم کو تو گھوڑوں کی گردنیں[4] یا کنوتیاں[5] نظر آتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں بھی یہی دیکھتا ہوں۔

۱۱۔ ذوحسم:

مخالف فوج کو ادھر متوجہ پا کر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی محفوظ جگہ ہے جسے ہم اپنی پشت پر قرار دے کر دشمن سے سامنے کی جانب سے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۲۷ ارشاد ص ۲۳۳۔۲۳۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۲۰۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۲۷۔ [5] ارشاد ص ۲۳۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مقابلہ کریں۔ مطلب یہ تھا کہ چاروں طرف سے گھرنے کا امکان باقی نہ رہے لوگوں نے کہا یہ ذوحسم[1] پہاڑ موجود ہے جو آپ کے بائیں پہلو کی طرف ہے۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگر ہم دشمن سے پہلے اس حد تک پہنچ گئے تو مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور بائیں طرف کا رخ کیا۔ آنے والی سپاہ نے جو یہ دیکھا تو اس نے بھی اسی طرف کا رخ کر دیا۔ مگر امام وہاں پہلے پہنچ گئے تھے اصحاب کو حکم دیا کہ خیمے نصب کر دیئے جائیں فوراً تعمیل کی گئی۔ اتنی دیر میں وہ فوج بھی قریب پہنچ گئی۔ معلوم ہوا کہ حر بن یزید ریاحی ایک ہزار کی فوج کے ساتھ سدراہ ہونے کے لئے آیا ہے۔[2]

چونکہ امام کوفہ کے عام راستے پر نہیں جا رہے تھے جو قادسیہ سے ہو کر گزرتا تھا اس لئے حصین کی فوج سے تصادم نہ ہوا جو قادسیہ میں پڑی ہوئی تھی مگر جاسوسوں نے حصین کو آپ کے اس طرح بچ کر آگے بڑھ جانے کی اطلاع دے دی تھی اس لئے حصین نے حر کو اس ایک ہزار فوج کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے کے لئے آگے روانہ کیا۔[3]

دوپہر کا وقت اور گرمی کا موسم[4] اسکے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ناکہ بندی پر معین فوج کے حلقہ سے بہت دور دور جا رہے تھے اس لئے حر کو آپ تک پہنچنے کے لئے غیر معمولی تگ و دو کرنا پڑی اور ریگستان میں بغیر پانی ساتھ لئے ہوئے بہت تیز چلنا پڑا اس لئے یہاں پہنچتے پہنچتے فوج کے سوار اور گھوڑے سب ہی کی پیاس کے مارے حالت تباہ تھی۔

امام اپنے اصحاب سمیت عمامے سروں پر رکھے، تلواریں حمائل کئے کھڑے تھے کہ دشمن کے ہانپتے ہوئے گھوڑے اور سوار سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ آثار پیاس کی شدت کے گواہ تھے اور صورت سوال۔ حسینؑ ایک حساس دل رکھتے تھے جس میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ کے لئے دشمن کی موجودہ حالت ناقابل برداشت تھی آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ ان کو پانی پلاؤ اور تمام فوج کو پوری طرح سیراب کر

---

[1] دینوری نے ذوجشم لکھا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۴۷)۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ طبری ج ۶ ص ۲۴۷۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۸۔ [4] الاخبار الطوال ص ۲۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دو۔ حکم کی دیر تھی اطاعت امام پر کمر بستہ جوان کھڑے ہو گئے اور سب کو سیراب کیا۔[1]

حالت یہ تھی کہ پیالے، لگنیں، طشت پانی سے بھرتے تھے اور گھوڑوں کے پاس لے جاتے تھے۔ جب ہر گھوڑا تین، چار، پانچ دفعہ پی کر منہ ہٹا لیتا تھا تب دوسرے گھوڑے کے پاس لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ راکب و مرکب سب سیراب ہو گئے۔ علی بن طعان محاربی حر کا ایک ساتھی تھا وہ کہتا ہے کہ میری حالت پیاس سے بہت تباہ تھی اور سب سے آخر میں میں پہنچا۔ جب امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی پیاس کو دیکھا فرمایا ''راویہ (یعنی شتر آبکش کو) بٹھا لو''۔ میری زبان میں ''راویہ'' مشک کو کہتے تھے اس لئے میں اس کے معنی نہ سمجھا حضرت نے فرمایا ''جمل (یعنی اونٹ) کو بٹھا لو''۔ میں نے اونٹ کو بٹھایا حضرت نے فرمایا اب پانی پیو مگر میں اتنا بدحواس تھا کہ جتنا پینے کی کوشش کرتا پانی زمین پر بہتا اور مجھ تک نہ پہنچتا۔ امام نے کہا مشک کے دہانے کو اپنی طرف موڑ لو پھر بھی میری سمجھ میں نہ آیا تب حضرت خود اٹھے اور مشک کے دہانے کو ٹھیک کر کے مجھے دیا میں نے خود بھی پانی پیا اور اپنے گھوڑے کو سیراب کیا۔[2]

امام حسینؑ کی اس بلند ظرفی کا جو اثر مخالف سردار یعنی حر کے دل پر قائم ہوا اس کے ظاہر ہونے کا ابھی وقت نہ آیا تھا لیکن کم از کم وہ ششدر رہ گیا ہوگا کہ اس احسان کے بعد اب اس بزرگ فطرت انسان سے کس طرح گفتگو کروں امام نے بھی اپنے فطری استقلال و اطمینان کی وجہ سے اس وقت کچھ نہ پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کیا مطلب ہے؟ فوج حر کے سپاہی اپنے گھوڑوں کے سایہ میں باگیں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے بیٹھ گئے۔[3] یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آیا اور امام حسینؑ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کا حکم دیا اور انہوں نے اذان کہی جب نماز جماعت کی صفیں تیار ہو گئیں تو امام اپنے نماز کے لباس میں خیمہ سے برآمد ہوئے اور اقامت کا حکم دیا اس کے بعد آپ نے حر سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا اپنے ساتھیوں کو الگ نماز پڑھانا چاہتے ہو؟ حر نے کہا نہیں آپ نماز پڑھائیے اور ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ ایسا ہی

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۷، طبری ج ۶ ص ۲۲۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۲۷۔ ارشاد ص ۲۳۴۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوا اور دونوں جماعتوں نے امامؑ کے پیچھے نماز ادا کی۔[1]

نماز کے بعد حضرت نے اس جماعت کی طرف رخ کیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد حر اور اس کی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد کیا۔ ''اے گروہ مردم! میں خدا کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں۔ میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے شاید خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت پر مجتمع کر دے اب اگر تم اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ ہی گیا ہوں اپنے ارادہ پر قائم رہوں اور اگر تم میرے آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں وہیں جہاں سے آیا ہوں''۔ اس تقریر کے بعد خاموشی چھائی اور کوئی جواب نہیں ملا۔[2] آخر حضرت اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور آپ کے اصحاب آپ کے خیمہ میں جمع ہو گئے حر اس خیمہ میں جو اس کے لئے لگایا گیا تھا داخل ہوا اور اس کے کچھ ساتھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ متفرق طور پر اسی میدان میں اسی شان سے کہ سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں لے لیں ان ہی کے سایہ میں دوپہر کا وقت گزرنے تک بیٹھے رہے۔[3] عصر کا وقت ہوا تو امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ روانگی کی تیاری کرو۔ پھر آپ نے باہر آ کر عصر کی نماز کا اعلان کیا اور اسی صورت سے حضرت کی اقتداء میں دونوں گروہوں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے پھر مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا۔ ''اگر تقویٰ اختیار کرو اور حقدار کا حق پہچانو تو خدا کی رضا مندی حاصل کرو گے حقیقتاً ہم اہل بیتؑ امت اسلامیہ کی فرمانروائی کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو آج اس منصب کے غلط دعویدار ہیں اور مسلمانوں پر ستم ڈھاتے ہیں لیکن اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق کا اقرار نہیں رکھتے ہو اور اس رائے کے خلاف ہو جو تمہارے خطوط اور قاصدوں کو کے بیانات سے ظاہر ہو رہی تھی تو میں واپس چلا جاؤں گا''۔[4]

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۷۔ طبری ۶ ص ۲۲۸۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۸۔ طبری ج ۶ ص ۲۲۸۔
[3] طبری ج ۶ ص ۲۲۸۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۲۸۔ ارشاد ص ۲۳۵۔۲۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اب حر کی مہر خاموشی ٹوٹی اور اس نے کہا۔ ''ہمیں تو بخدا خبر بھی نہیں کہ یہ خطوط کیسے ہیں؟ جن کا آپ حوالہ دے رہے ہیں۔

امام نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا لاؤ وہ تھیلے جن میں ان لوگوں کے خطوط بھرے ہوئے ہیں۔ عقبہ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے لا کر سامنے رکھے اور ان میں سے خطوط نکال کر پھیلا دیئے۔ حر نے کہا کہ ہم تو ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں ہم تو مامور کئے گئے ہیں اس پر کہ جہاں بھی آپ مل جائیں پھر ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ یہ سننا تھا کہ امام نے زور سے کہا کہ ''موت تمہارے لئے اس سے قریب تر ثابت ہوگی''۔[1]

اور اس کے بعد آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کلیتہً ترک کر دیا یعنی اس کے پہلے راستہ بدلنے کے بعد بھی آپ کا رخ کوفہ ہی کی طرف تھا لیکن اب کوفہ جانے کے خیال ہی کو ذہن سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حمد و ثنائے باری کے بعد فرمایا۔ ''صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ نہیں رہ گیا ہے سوا ایسے تھوڑے حصہ کے جو پانی کے بہنے کے بعد کسی ظرف میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی کے جو مثل زہریلی گھاس کے ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علیحدگی نہیں اختیار کی جاتی۔ اس صورت میں مومن یقیناً خدا کی ملاقات کا آرزو مند ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان ظالموں کے درمیان وبال جان ہے''۔ اس خطبہ کا مقصد صرف اصحاب کو انجام کار کی طرف ایک مرتبہ پھر متوجہ کرنا اور اس طرح ان کو اپنے عزائم کی پختگی کا دوبارہ جائزہ لینے کی دعوت دینا ہی قرار دیا جاسکتا تھا اور اس لئے ضرورت تھی کہ اس تقریر کو سن کر اصحاب کی جانب سے خلوص نیت اور پختگی عزم کا قرار واقعی اظہار کر دیا جاتا چنانچہ امام کی تقریر ختم ہوتے ہی زہیر بن قین کھڑے ہوگئے اور اس احساس کی بناء پر کہ میں اس جماعت میں تازہ شریک ہوا ہوں اس لئے مجھے ایسے مواقع پر سبقت کرنے کا حق

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۸ طبری ج ۶ ص ۲۲۸۔ ارشاد ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حاصل نہیں ہے۔ دوسرے اصحاب سے ان الفاظ میں تقریر کی اجازت چاہی کہ آپ لوگ پہلے تقریر کریں گے یا میں کچھ کہوں ؟ سب نے کہا کہ نہیں تم تقریر کرو۔ زہیر نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا۔ ''اللہ آپ کو مقصد تک پہنچائے اے فرزند رسولؐ! ہم نے آپ کے ارشاد کو سنا بخدا دنیا اگر ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی مگر جدا ہونا اس محض آپ کی نصرت اور ہمدردی کی بناء پر ہوتا تو بھی ہم آپ کا ساتھ دینے کو دنیا میں ہمیشہ قیام پر ترجیح دیتے''

یہ سن کر امام نے زہیر کو دعائے خیر دی اور ان کے خلوص کی تعریف کی [1]

اس کے بعد نافع بن ہلال جملی کھڑے ہوئے اور انہوں نے حسب ذیل پر زور تقریر کی۔

''فرزند رسولؐ! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جد بزرگوار کے لئے بھی یہ ممکن نہیں ہوا کہ لوگوں کو اپنی محبت گھول کر پلا دیں اور لوگ حضرت کی اس طرح اطاعت کرنے لگیں جس طرح کہ حضرت چاہتے تھے اور حضرت کے ساتھ والوں میں بہت سے منافق تھے جو حضرت سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے مگر دماغ میں غداری کا خیال مضمر رکھتے تھے وہ باتیں تو ایسی بناتے تھے جو شہد سے زیادہ شیریں ہوتیں مگر کردار سے مخالفت کرتے ایسی جو انتہائی تلخ ثابت ہوتی یہاں تک کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ کو بھی اسی صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ ان کی نصرت پر متفق ہوئے اور انہوں نے ان کا ساتھ دیتے ہوئے ناکثین و قاسطین و مارقین (جمل صفین اور نہروان والوں) سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ حضرت کی وفات ہوگئی اور آج ہمارے سامنے آپ کے لئے وہی صورت درپیش ہے لہٰذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا اور نیت کو خراب کرے گا وہ خود اپنا برا کرے گا اور خدا آپ کو اس سے لاپروا

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کردے گا۔ بسم اللہ چلئے ہم کو لے کر خیر و سلامتی کے ساتھ چاہے مشرق کی طرف اور چاہے مغرب کی جانب ہم بخدا خدا کے مقرر فیصلہ سے خوفزدہ نہیں ہیں اور نہ اپنے رب کی ملاقات (موت) سے کراہت رکھتے ہیں۔ ہم اپنی نیتوں اور اعتقادوں پر قائم ہیں۔ مواصلات رکھتے ہیں اس شخص سے جو آپ کے ساتھ موالات رکھے اور دشمن ہیں اس کے جو آپ سے دشمنی کرے''۔

پھر بریر بن خضیر ہمدانی نے تقریر کی۔

''خدا کی قسم اے فرزند رسولؐ! یہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہم کو موقع دیا اس بات کا کہ ہم آپ کے سامنے جنگ کریں اور آپ کی نصرت کے سلسلہ میں ہمارے اعضاء و جوارح قطع کئے جائیں یہاں تک کہ آپ کے جد بزرگوار روز قیامت ہمارے شفاعت خواہ ہوں کیونکہ وہ جماعت کبھی نجات نہیں پاسکتی جس نے اپنے نبی کے نواسے کو تہ تیغ کیا ہو اور وائے ہوان کے لئے وہ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور ان کا کیا حال ہوگا اس دن جب وہ آتشِ جہنم میں نالہ وفریاد کرتے ہوں گے''۔[1]

اس گفتگو کے بعد امام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ اور سب لوگ یہاں تک کہ خواتین بھی اپنی عماریوں میں سوار ہوگئیں۔ آپ نے حکم دیا کہ چلو جس راستے سے ہیں اسی راستے پر واپس چلو جب اصحاب نے ارادہ پلٹنے کا کیا حر کی سپاہ سامنے آکر سدراہ ہوئی۔ اس پر امام نے دریافت کیا کہ ''تمہارا مطلب کیا ہے؟'' حر نے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں''۔ حضرت نے فرمایا ''خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا''۔ حر نے کہا ''پھر میں بخدا آپ کو چھوڑوں گا بھی نہیں'' یونہی تین مرتبہ ردو بدل ہوئی۔

آخر میں حر نے کہا کہ ''میں آپ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا ہوں۔ مجھے تو بس یہ حکم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچیں اب اس صورت میں کہ آپ کوفہ جانے سے ہی انکار کرتے ہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف بس میرے اور آپ کے درمیان انصاف کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اس وقت تک کہ جب تک مجھے حاکم کی رائے معلوم ہو'۔ حضرت کو حر کی یہ بات معقول معلوم ہوئی اور آپ قادسیہ و عذیب کے راستے سے بائیں سمت کی طرف متوجہ ہوگئے اور حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلا۔ تاریخ میں صراحت ہے کہ یہاں سے اور عذیب تک ۳۸ میل کا فاصلہ تھا۔[1]

راستے میں امام حسینؑ اور حر کے درمیان جو گفتگو ہوتی جاتی تھی وہ بھی بڑی معنی خیز تھی۔ حر نے کہا ''میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے اوپر رحم کریں اس لئے کہ اگر آپ نے جنگ کی تو یقیناً آپ قتل کر دیئے جائیں گے اور تباہ ہوں گے''۔ حضرت نے جواب دیا ''کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو؟'' اس کے بعد حضرت نے قبیلہ اوس کے ایک شاعر کا وہ شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''میں اپنے ارادہ پر قائم رہوں گا اور موت سے دوچار ہونے میں جوانمرد کے لئے کوئی عار و ننگ نہیں ہے جبکہ اس کی نیت میں سچائی ہو اور وہ راہ حق میں جہاد کر رہا ہو''۔

حر اس و انتہائی عزم و استقلال کا اظہار سن کر حسینی قافلہ سے کچھ دور ساتھ ساتھ ہو کر راستہ طے کرنے لگا۔[2]

۱۰۔ بیضہ:

اس مقام پر امام حسینؑ نے فوج حر اور اپنے اصحاب کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں اسلام کے تعلیمات کے حوالہ سے اپنے فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ''ایہا الناس پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے کہ وہ ظلم و جور کرتا ہے، محرکات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہے خدائی عہدو پیمان کو توڑ دیتا ہے، سنت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور بندگان خدا میں معصیت کا طرز اختیار کئے ہوئے ہے اور یہ شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور اصلاح کی کوشش نہ کرے، اپنے قول اور اپنے عمل سے تو وہ مستحق

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۸۔۲۴۹۔ طبری ج ۶ ص ۲۲۸۔۲۲۹۔ ارشاد ص ۲۳۶۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۲۹۔ ارشاد ص ۲۳۶۔۲۳۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوگا اس کا کہ اللہ اس کو بھی اسی بادشاہ کے درجہ میں محسوب کرے''۔

اس کے بعد موجودہ صورت حال پر تبصرہ کی حیثیت سے فرمایا۔ ''تمہیں معلوم ہوگا کہ ان بنی امیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنا لیا اور اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی ہے۔ مسلمانوں کے اموال کو اپنا لیا ہے اور حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام قرار دے لیا ہے۔ اس صورت میں مجھ سے زیادہ کس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے''۔[1]

۱۲۔ عذیب الہجانات:[2]

اس منزل پر امام حسینؑ اور حر کے لشکر نے ایک تیر کی مسافت کا فاصلہ درمیان میں چھوڑ کر الگ الگ قیام کیا۔[3] اسی اثناء میں کوفہ کے پانچ آدمی اپنے مرکبوں پر سوار وارد ہوئے جن کے ساتھ ایک کوتل گھوڑا تھا۔ ان کے راستہ بتانے والے طرماح بن عدی سناتھ تھے۔ یہ پانچ آدمی عمرو بن خالد اسدی صیداوی، ان کے غلام سعد، مجمع بن عبداللہ عائذی، ان کے فرزند عائذ بن مجمع اور جنادہ بن حارث سلمانی تھے۔ حر نے جو امام کی نقل وحرکت کا نگران تھا بڑھ کر کہا کہ ''یہ کوفہ کے لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ آنے والوں میں سے نہیں ہیں لہٰذا میں انہیں قید کروں گا یا کوفہ واپس کر دوں گا''۔ امام نے فرمایا ''اب جب یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان کی حفاظت میرے ذمہ ہے اور اب وہ میرے انصار واعوان کی جماعت میں داخل ہوگئے ہیں''۔ حر خاموش ہوگیا۔

حضرت نے ان سے اہل کوفہ کی کیفیت دریافت کی۔ مجمع بن عبداللہ عائذی نے کہا کہ بڑے آدمیوں کو رشوتیں دی گئی ہیں اور مال و دولت سے پر کر دیا گیا ہے اس لئے وہ سب آپ کے خلاف متفق ہیں۔ رہ گئے دوسرے لوگ ان کے دل آپ کی طرف مگر تلواریں ان کی آپ کے خلاف ہی بلند ہوں گی۔ انہوں نے قیس بن مسہر کی شہادت کے حالات بھی بیان کئے جس پر امام کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے اور آپ نے قرآن کی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۹۔ [2] یہ نام اس مقام کا اس لئے ہوا کہ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کی ہجائن یعنی اونٹنیاں اس مقام پر چرا کرتی تھیں (طبری ج ۶ ص ۲۳۰)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آیت پڑھی۔ فمنهم من قضىٰ نحبه و منهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اس راستے پر چلے گئے اور ہمیں بھی اسی راستے پر جانا ہے۔ طرماح نے امام سے ابن زیاد کی افواج کی کثرت بیان کی اور کہا ''کوفہ سے باہر نکلنے کے پہلے میں نے پشت کوفہ پر اتنا عظیم لشکر دیکھا ہے جتنا آج تک تو میری نظروں سے نہیں گزرا تھا اور میں نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سب اس لئے اکٹھے ہیں کہ ان کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر یہ حضرت امام حسینؑ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوں گے''۔

یہ بیان کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ''اس جماعت سے مقابلہ آپ کے لئے ممکن نہیں لہٰذا آپ میرے ساتھ کوہ اجا پر چلئے جہاں شاہانِ غسان وحمیر اور نعمان بن منذر ایسے زبردست بادشاہ تک ہم پر قابو نہیں پا سکے وہاں میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ قبیلہ طے کے بیس ہزار سپاہی آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں گے''۔

امام نے طرماح کی مخلصانہ پیشکش پر انہیں دعائے خیر دی لیکن ان کے مشورہ پر عمل کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی۔[1]

۱۳۔ قصر بنی مقاتل:

عذیب الہجانات سے امام حسینؑ کوفہ کے راستے کو چھوڑ کر داہنے ہاتھ کی سمت روانہ ہوئے یہاں تک کہ قصر بنی مقاتل پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اور ساتھ ہی ساتھ حر نے بھی قیام کیا۔[2] اسی منزل پر کوفہ کے بہادروں اور شاہسواروں میں سے ایک شخص عبید اللہ بن حر جعفی قیام پذیر تھا۔ حضرت نے اتمام حجت کے لئے اسے نصرت کی دعوت دی مگر اس کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی اور اس کی قوت ارادی ابھی اس پختگی تک پہنچی ہوئی نہ تھی اس نے حیلہ حوالہ کر کے اس موقع کو ہاتھ سے دے دیا۔[3] جس پر اسے عمر بھر افسوس رہا اور بعد میں خون امام کے انتقام لینے میں شریک ہوا۔

یہاں سے روانگی کے قبل رات کے آخری حصہ میں حضرت نے اپنے قافلہ کے جوانوں کو پانی بھر کر ساتھ لینے کا حکم دیا جس کی تعمیل ہوئی پھر سب آگے روانہ ہوئے۔[4]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۔۲۳۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۳۱، الاخبار الطوال ص ۲۴۹۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۳۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابھی تھوڑا راستہ طے ہوا تھا کہ امام پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی آنکھ کھلی تو آپ فرما رہے تھے ''انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین '' دو تین مرتبہ آپ نے یہی کلمات زبان مبارک پر جاری فرمائے۔

اس وقت آپ کے فرزند علی اکبر گھوڑا بڑھا کر آپ کے قریب آئے اور اس وقت ان کلمات کے زبان پر جاری کرنے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا ''ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ ''یہ لوگ تو راستے پر جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آ رہی ہے''۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہماری موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ علی اکبر نے عرض کیا کہ ''بابا خدا آپ کو رنج کی صورت نہ دکھلائے کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' امام نے فرمایا ''کیوں نہیں؟ یقیناً قسم اس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں''۔ علی اکبر نے کہا ''جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کی کیا پروا ہے''۔ امام نے فرمایا ''بیٹا تمہیں خدا جزائے خیر دے بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہو''۔[1] یہ عزت نفس، اطمینان قلب اور ثبات ضمیر کا عجب مرقع تھا۔

۱۳۔ نینوا:

قافلہ راستہ قطع کر رہا ہے۔ امام آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور حر کی طرف سے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی جا رہی ہے یہاں تک کہ نینوا کی زمین تک پہنچنا ہوا۔ یہاں ایک سوار مسلح کوفہ کی طرف سے آتا دکھائی دیا اور سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے جب وہ پہنچا تو اس نے حر اور اس کے اصحاب کو تو سلام کیا لیکن حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو سلام کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ یہ ابن زیاد کا قاصد تھا جو حر کے نام خط لایا تھا اس خط میں لکھا تھا کہ تم کو لازم ہے کہ جہاں پر تم کو یہ خط پہنچے وہیں پر حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انہیں ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی قلعہ یا جائے پناہ ہو اور میں نے اپنے فرستادہ کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تمہاری کارگزاری کی مجھے اطلاع دے۔[2] اور تم سے جدا نہ ہو جب تک کہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔ والسلام۔[3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۱۔۲۳۲۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۴۹۔۲۵۰۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۳۲۔ ارشاد ص ۲۳۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ حر کے روادارانہ برتاؤ کی اطلاع ابن زیاد کو ہوگئی تھی۔ اس کا امام کے پیچھے اپنی فوج سمیت نماز پڑھنا اور پھر کوفہ لے جانے کے مطالبہ سے دست بردار ہو کر یہ صورت تجویز کرنا کہ مدینہ اور کوفہ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ باتیں وہ ہوسکتی ہیں جن سے حر کی وفا داری ابن زیاد کی نگاہ میں مشکوک بن جائے اور شاید اسی بناء پر اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے حکم کی تعمیل میں حر کی نگرانی اپنے قاصد سے کرائے۔ حر جو کچھ بھی ہو ابھی تک دنیا کا بندہ تھا اس لئے ہزار ناچاری و مجبوری اور ناخواستگی طبع کے ساتھ سہی مگر اس نے امام اور آپ کے اصحاب کے رو برو آکر یہ اعلان کیا کہ یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی مجھے یہ خط پہنچے وہیں پر میں آپ کو اترنے پر مجبور کروں اور یہ ابن زیاد کا قاصد ہے جسے حکم ہے کہ وہ مجھ سے بغیر اس حکم کی تعمیل کرائے ہوئے الگ ہی نہ ہو۔ اس طرح حر نے واقعی صورت حال کو صفائی کے ساتھ پیش کر دیا۔ اس کے بعد امام نے نہ چاہا کہ اس کے ضمیر کی طاقت کا زیادہ امتحان لیا جائے۔ آپ نے اتنا کہا کہ اچھا ہم کو ذرا آگے بڑھ کر اس قریہ میں قیام کرنے دو جس کا نام غاضریہ ہے یا اس دوسرے قریہ میں جس کا نام شفیہ ہے۔[1]

مگر حر نے کہا کہ مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ مجھے تو حکم ہے کہ میں آپ کو ایسے خشک صحرا میں اتاروں جہاں آب و گیاہ نہ ہو اور یہ شخص مجھ پر نگران مقرر کیا گیا ہے کہ یہ میرے طرز عمل کی جا کر اطلاع دے اس جواب پر اصحاب امام میں جوش پیدا ہوگیا اور زہیر بن قین نے کہا کہ ''فرزند رسولؐ! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں سے جنگ کرنے کے جو ان کے بعد آئیں گے کیونکہ اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی کہ ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہ ہوگی''۔ مگر امام نے فرمایا کہ نہیں ''میں جنگ میں ابتداء کرنا نہیں چاہتا''۔[2]

آخر امام حسینؑ نے حر سے فرمایا کہ اچھا کچھ تو چلنے دو اور حر خاموش ہوگیا۔

کربلا:

امام ذرا بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا چلے تھے کہ سپاہ حر سامنے آکر سدراہ ہوگئی

---

[1] دینوری نے سقبہ لکھا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۵۰)۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۰۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۲۔ ارشاد ص ۲۳۸۔۲۳۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور کہا کہ بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے امام نے نام پوچھا معلوم ہوا کربلا۔ فرمایا ''اچھا کرب و بلا کی یہی منزل ہے'' یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔[1] یہ دوسری محرم ۶۱ھ پنج شنبہ کا دن تھا۔[2]

اب جبکہ امام کا سفر منزل آخر تک پہنچ گیا تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر کے مختلف پہلوؤں پر ایک سیر حاصل تبصرہ کر دیا جائے تا کہ اس کی اہمیت اور ضرورت کچھ اور واضح ہو جائے۔

یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام کا مقصد یزید سے اس طرح کی جنگ کرنا نہ تھا جیسی دنیا میں ہوا کرتی ہے۔ آپ کو نہ سلطنت کا حاصل کرنا مقصود تھا نہ براہ راست یزید کی سلطنت کا ختم کرنا بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دیں اور ان میں ایک ایسا انقلاب ذہنی پیدا کر دیں کہ وہ یزیدی کردار کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے لگیں اور اس کے ظاہری دعوئ اسلام سے دھوکا نہ کھائیں۔ اس کے لئے آپ نے مدینہ سے روانگی اختیار کی جہاں تک مدینہ سے نکلنے کا تعلق ہے پورے طور سے اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے اگر آپ مدینہ میں قیام کر کے اور وہاں رہ کر یزید کے مقابلہ میں جنگ کرتے یا قربانی پیش کرتے تو اس سے وہ نوعیت پیدا ہی نہ ہوتی جو آپ کو مدنظر تھی یا زہر کام کرتا اور یا تلوار مگر تلوار کیسی جس کی ذمہ واری کسی صورت سے سلطنت شام پر عائد نہ ہو سکتی بلکہ کوئی خارجی نکلتا ابن ملجم کا سا جس نے علیؑ کو شہید کیا تھا یا کوئی تیر آتا آدمی نہیں بلکہ جنوں کی طرف سے جیسا کہ اسلامی تاریخ میں سعد بن عبادہ کا شام میں خاتمہ ہوا تھا یہی ہوتی ہیں عام حکومتوں کی شعبدہ کاریاں جن کا نام دنیا نے ''سیاست'' رکھا ہے۔ حضرت امام اس طرح کی سیاست کے گروں کو خوب سمجھتے تھے چاہے خود اخلاقی و اسلامی پابندیوں کی وجہ سے اختیار نہ کریں۔ انہوں نے مدینہ اس لئے چھوڑا کہ ان کا واقعہ شہادت کوئی اچانک اور بے سان گمان کا حادثہ نہ سمجھا جائے۔ جا کر قیام کیا کہاں؟ مکہ معظمہ میں جو قلب جزیرۃ العرب تھا اور جہاں حج کے لئے بہر حال ہر طرف سے کھنچ کھنچ کر مسلمان جمع ہوتے تھے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۲۔ ارشاد ص ۲۳۹۔ [2] دینوری نے چہار شنبہ یکم محرم لکھا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۵۱)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع ہونا ضروری تھا وہ مشہور کانفرنسیں جو شعر و سخن اور خرید و فروخت کے لئے قائم ہوتی تھیں جن کو ''اسواق العرب'' کہا جاتا تھا۔ ذیقعد سے لے کر محرم تک مکہ و طائف اور مدینہ کے درمیان ہی قائم ہوتی تھیں۔ امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہوگئے تھے اور حضرت کو آپ کے پورے مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے تھے لیکن رسولؐ کے نواسے، سلطان حجاز و عراق کے فرزند، ملک عرب کے سب سے بڑے سخی جس کے در سے کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کے بزرگ خاندان اور اسلام کے سب سے بڑے عالم، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہیں تھا۔ حسینؑ نے یہی خاص زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے قیام کے لئے تجویز کیا۔ امام حسینؑ کا یہاں خاموشی کے ساتھ قیام بھی تمام اطراف ملک میں آپ کی بیعت یزید سے کنارہ کشی کے اعلان کے لئے کافی تھا اور یہی سب سے بڑی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر آپ کی زندگی سیاست وقت کے لئے یہاں بھی ناقابل برداشت ثابت ہوئی چنانچہ یزید کی طرف سے حاجیوں کے بھیس میں آدمی بھیجے گئے تاکہ وہ آپ کو گرفتار کرلیں یا قتل کر دیں۔

امام حسینؑ جیسا کہ آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت فرما دیا تھا یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ مکہ کے اندر شہید کئے جائیں جس کی بناء پر خانہ کعبہ کی حرمت زائل ہو۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ کے گردو پیش حج کے زمانہ میں ہر قسم کے لوگ ہر طرف سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور امام حسینؑ کے لئے یہ غیر ممکن تھا کہ آپ عرفات، منیٰ، مشعر، مقام ہر جگہ اپنے ساتھ محافظ رکھتے۔ ایسی صورت میں بہت آسان تھا کہ حجر اسود کے استلام کے وقت، عرفات میں وقوف کی حالت میں مشعر کی طرف واپسی کے دوران میں منیٰ میں قربانی کے موقع پر مقام ابراہیمؑ میں نماز پڑھنے کی حالت میں کسی وقت آپ پر قاتلانہ حملہ ہو جاتا اور قاتل موجودہ ہنگامہ و اژدہام کے اندر گم ہو جاتے۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ حسینؑ کا قاتل حقیقتاً یزید یا اس کا کوئی فرستادہ ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس شدید خطرہ کی بناء پر امام حسینؑ نے مکہ کو چھوڑا اس طرح کہ حج کو بھی مکمل نہ کیا جس کا سبب وہی ہنگامی صورت حال تھی جو پیدا ہوگئی تھی مگر جیسا کہ علامہ سید تبیہہ الدین شہرستانی نے ''نہضتہ الحسین'' میں لکھا ہے اس طرح دفعتہً ایسے موقعہ پر امام کی روانگی نے تمام قبائل عرب کے نمائندوں میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی مکمل اسی وقت قلمبند کی گئی ہوتی تو اس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟ آخر تمام اہل و عیال و اقرباء کے ساتھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟

''یزید کے خوف سے''۔

''کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟''

''حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے''۔

لاحول ولاقوۃ۔ بھلا ایسا کیونکر ہوسکتا ہے؟ فرزند رسولؐ ساحق آشنا یزید ایسے شرابخوار اور زنا کار کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی مکمل نہ کیا؟

''جان کا خطرہ تھا شاید مکہ میں حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے''۔ توبہ! توبہ! اس سے بڑھ کر سفاکی اور ظلم کیا ہوگا؟ ارے فرزند رسول کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا کم و بیش اس قسم کے تذکرے ہوں گے جو مکہ معظمہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اکثر باخبر حلقوں میں بڑی قوت کے ساتھ ہو رہے ہوں گے۔ اس زمانہ میں جب مراسلت و مخابرت کے طریقے محدود تھے اور تار، ٹیلی فون، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع نایاب، اس سے بہتر کوئی صورت واقعات کی اشاعت کے لئے نہیں ہوسکتی تھی اس لئے کہ بعد اختتام حج جو شخص بھی اپنے شہر میں واپس آتا اس کو تازہ واقعات کے ضمن میں حسینؑ کی نقل و حرکت اور اس کے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام کی موافقت میں کسی لشکر کے جمع ہونے کا امکان پیدا ہوگیا تھا بلکہ یہ کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کی وجہ سے آپ کی شہادت نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہیں دی جاسکتی اور حکومت شام کو اس کے متعلق

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنے سیاسی مفاد کے لحاظ سے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع نہیں مل سکا اور امام حسینؑ کی مظلومیت و حقانیت پر پردہ نہ ڈالا جاسکا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو سلطنت یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اور آئین و شعائر اسلام کے تحفظ کا وہ بلند مقام جو امام کے پیش نظر تھا اتنے کامیاب طریقہ پر حاصل نہ ہوتا مگر یہ امام کے انتہائی مدبرانہ طریقہ کار کا نتیجہ تھا کہ ادھر امام شہید ہوئے اور ادھر تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ آپ ناحق قتل کئے گئے شام کا حاکم اور اس کے وزراء اور ہوا خواہ کسی تہمت کے تراشنے کا موقع نہ پا سکے اس لئے کہ امام حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے اسباب کو اپنی شہادت کے پہلے ہی عالم اسلام میں شائع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دیں اور اپنی حقانیت کے سامنے دنیا کا سر خم کرالیا۔

نتیجہ کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ حسینؑ کا قافلہ جو مکہ سے نکل کر جا رہا تھا ایک خاموش مبلغ تھا اس لئے کہ حج کی وجہ سے عراق، یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ میں آ رہے تھے اور ادھر امام حسینؑ اپنے اہل و اقرباء، انصار و اصحاب کی جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ تمام اسباب ساتھ لئے ایک قافلہ کی صورت میں مکہ سے جا رہے تھے۔ عالم مسافرت میں زندگی گزارنے والے واقف ہیں کہ راستے میں چار پانچ آدمیوں کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں؟ اور کیوں؟ پھر کہاں امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و انصار کا شاندار قافلہ، حج کو صرف دو دن باقی رہتے ہوئے مکہ معظمہ کی طرف سے آ رہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے جا رہی ہو۔ یہ وجوہ یقیناً جاذب نظر اور باعث توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ناگزیر تھا کہ یہ کون جماعت ہے؟ اور کہاں جا رہی ہے؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر اسی قسم کا مکالمہ جیسا اوپر درج ہو چکا ہے ان کے درمیان لازمی طور پر شروع ہو جاتا ہوگا۔ چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں کہ فرزدق کی ملاقات امام سے یونہی ہوئی اور عبداللہ بن مطیع اور عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی کی بھی کہ وہ مکہ کی طرف جا رہے تھے اور امام مکہ کی طرف سے آ رہے تھے اس سے ظاہر ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانہ خدا کو بجبوری چھوڑ کر دشت غربت میں راہ پیما تھا دور دور کے لوگوں کو حالات کی تحقیق اور حقیقت کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سمجھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

مکہ سے نکلنے کے بعد آپ نے کوفہ کا رخ کیا۔ اس لئے کہ اہل کوفہ کے انتہائی اصرار کو عدم اعتماد کی بناء پر مسترد کر دینا اخلاقی و مذہبی حیثیت سے کسی طرح آپ کے نزدیک مناسب نہ تھا خصوصاً جبکہ آپ کے معتمد سفیر (مسلم بن عقیل) نے وہاں کے حالات کو قول و قرار کے موافق پا کر آپ کو اس کی اطلاع بھی دے دی تھی جس کے بعد امام کے لئے ان کے مطالبہ ہدایت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اتمام حجت کرنا ایک فریضہ تھا مگر اس ضمن میں اس انقلاب کے لئے جو حضرت کی شہادت سے پیدا ہونے والا تھا کچھ مزید اسباب کا اضافہ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ وطن سے بے بسی اور بے کسی کے ساتھ نکلے تھے۔ مکہ میں بھی کوئی قابل اطمینان حالت نہ تھی مگر مکہ سے آپ کا سفر اختیار کرنا اہل کوفہ کے مہمان کی حیثیت سے تھا اور عرب کی غیرت و حمیت کا تقاضا مہمان کے بارے میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ عین موقع پر اہل کوفہ کثرت کے ساتھ امام حسینؑ کی نصرت کے لئے نہیں پہنچ سکے یا نہیں پہنچے مگر انسانی اور عربی فطرت کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ امر یقینی تھا کہ بعد کو اہل کوفہ کے دل میں ایک عجیب بے قرار احساس پیدا ہوگا اس کا کہ ہم نے بلایا تھا اور مدد نہ کی اور یہی احساس آگے بڑھ کر اور پرورش پا کر ایک عظیم سیلاب کی صورت میں امڈے گا جو اس سلطنت کے بیڑے کو ہمیشہ کے لئے ڈبو کر چھوڑے گا جس کا نتیجہ ہوگا امام کی فتح اور دشمن کی شکست۔ بنی امیہ کی عداوت اور ان کے وسیع ذرائع حکومت کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ تو ملک عرب میں جہاں جاتے آخر میں شہید ہوتے لیکن ظاہری حیثیت سے یہ نتیجہ مرتب نہ ہوتا جو کوفہ کی طرف آنے کی صورت میں ہوا وہ لوگ جو مسلم کی شہادت کے بعد آپ کو واپسی کا مشورہ دے رہے تھے یقیناً نیک نیت اور اپنے نقطہ خیال کے لحاظ سے حق بجانب بھی ہوں گے مگر انہیں حسینی اقدام کی نوعیت کا اندازہ نہ تھا۔ عراق کا سفر اختیار کرنا اگر کچھ خوشگوار توقعات پر مبنی ہوتا تو بے شک اب اس ارادہ کو بدل جانا چاہئے تھا اس لئے وہ توقعات اب مایوسی سے بدل گئے تھے لیکن جبکہ امام کے سامنے کوئی امیدوں کا سبز باغ نہیں تھا بلکہ اس حد سے بڑھے ہوئے اصرار کی پذیرائی اور غیر معمولی طلب و دعوت کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قبولیت تھی جس سے اتمام حجت کا مقصد پورا ہوتا تھا تو اس ارادہ کو اتنے پر کہ آپ کو مسلم کی خبر شہادت مل گئی متزلزل نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ استقلال و ثبات قدم، کوہ آسا عزم اور پختگی ارادہ، وعدہ کی پابندی اور اصول کے تحفظ کا تقاضا یہ تھا کہ آپ عملاً اس کا ثبوت پیش کر دیتے کہ آپ اپنے وعدہ پر قائم رہے یہاں تک کہ آگے بڑھنے میں خونریزی اور نقص امن عامہ کے باعث ہونے کا اندیشہ ہوگیا اس کے علاوہ ابھی مسلم کی شہادت کے تفصیلی حالات بھی تو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہ تھے اور ظاہری اسباب کی بناء پر یہ ممکن تھا کہ وہ بڑی خونریز لڑائی کے بعد شہید ہوئے ہوں جس میں اہل کوفہ نے پورے طور پر داد شجاعت دی ہو لیکن سرکاری فوج کے مقابلہ میں سربرنہ ہوئے ہوں اور ممکن ہے ان کے دل میں یہ ارمان ہوتا یا بعد میں کہنے کا موقع ملتا کہ اگر امام حسینؑ آجاتے تو ہمیں تازہ قوت حاصل ہو جاتی اور حالات کا ورق بالکل پلٹ جاتا اس صورت میں آپ کا یہیں سے واپس ہو جانا جبکہ کوفہ کے بہت سے لوگ گویا آپ ہی کی خاطر سے ایک بڑی مصیبت اور کشمکش میں مبتلا ہو چکے، بڑی کمزوری اور کم ہمتی کا نمونہ سمجھا جاسکتا تھا۔ آپ نے ارادہ میں تبدیلی کی بس اس وقت جب حر کا لشکر آپ سے دوچار ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانے پر مامور ہے۔ اب امام نے اپنا ارادہ بدل دیا اس لئے کہ اب آپ کا آگے بڑھنا دو ہی صورتوں سے ہو سکتا تھا ایک تو یہ کہ آپ جنگ آزمایانہ صورت سے فوجوں کو درہم و برہم اور راستے کو صاف کرتے ہوئے کوفہ پر حملہ آور ہوتے اور ابن زیاد کو کوفہ سے نکال کر وہاں اپنی عملداری قائم کرتے، دوسرے یہ کہ آپ صبر و خاموشی کے ساتھ جس طرح اب تک آرہے تھے اسی طرح کوفہ کی طرف اپنی رفتار کو جاری رکھتے۔

دوسری صورت موجودہ حالات میں غیر ممکن تھی کیونکہ اب تک آپ کا آگے بڑھنا خود مختارانہ حیثیت سے اور خود اپنے ارادہ سے تھا مگر حر کی فوج کے اس قصد سے آنے کے بعد کہ وہ آپ کو کوفہ، ابن زیاد کے پاس لے جائے آپ کا خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنا اس فوج کے ہاتھ میں اسیر ہونے اور ابن زیاد کا قیدی بن جانے کا مترادف ہوتا کیونکہ ابھی یہ حر کی سپاہ ہے اور آگے بڑھ کر حصین کا فوجی مرکز ہے اور وہاں سے پھر افواج کے محاصرہ میں ابن زیاد کے پاس لے جایا جانا ہے جس کے بعد آپ کا معاملہ ابن زیاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ہاتھ میں ہے۔

اسی لئے آپ نے حر کے اس اظہار کا کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کے لئے آئے ہیں انتہائی ترش جواب دیا کہ موت تمہارے لئے اس سے قریب تر ثابت ہوگی۔

بے شک پہلی صورت باقی تھی اور وہ یہ کہ آپ کوفہ پر حملہ آور ہوتے اور غنیم کی فوج کو پسپا کر کے وہاں اپنا قبضہ جماتے مگر ایک تو ظاہری اسباب کی بناء پر آپ کے ساتھ موجودہ فوجی طاقت ایسی نہیں تھی کہ وہ یزید کی منظم افواج کا مقابلہ کر سکتی اور بغیر ایسی طاقت کے موجود ہوئے ایک جگہ گھیر لئے جانے کے بعد دفاعی حیثیت سے بہتر نفوس کو ساتھ لے کر تیس ہزار کا مقابلہ کر لینا تو عین شجاعت و ہمت اور قابل ستائش طریقہ کار ہے مگر اس قلیل تعداد کے ساتھ غنیم پر جارحانہ طرز پر حملہ آور ہونا سوائے تہوّر اور ناعاقبت اندیشی کے اور کچھ قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ دوسرے یہ آپ کے اس مسلک کے خلاف ہے جو آپ نے اختیار کر رکھا تھا کہ آپ کی اس مقاومت میں عوامی محاورہ کے لحاظ سے بغاوت اور شورش انگیزی کی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔ اسی لئے آپ نے اپنی گفتگو میں جو حر کے ساتھ ہوئی تھی اپنے اس نقطہ نظر کو واضح کر دیا تھا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں اگر میرا آنا ناپسند ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔

چنانچہ فوج حر کی اس مزاحمت کے بعد آپ نے کوفہ کا خیال ترک کر دیا اور حر کی معقول تجویز کے مطابق ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا جس نے آگے بڑھ کر آپ کو میدان کربلا میں پہنچا دیا۔

اور یہی آپ کا اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کرنے کا اصول اس کا بھی باعث ہوا کہ جب کربلا کی سرزمین پر پہنچ کر فوج حر نے سختی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روکا تو آپ نے وہیں پر خیمے نصب کرا لئے کیونکہ اب بغیر جنگ کئے ہوئے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا پھر آگے بڑھنے کی صورت میں اگر کوئی اہم مرکز آپ کے پیش نظر ہوتا جہاں جا کر آپ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں تو ان لوگوں سے اپنے مقصد میں سدراہ ہونے کی بناء پر جنگ بھی کر لی جاتی لیکن جب آپ کے پیش نظر ایسا کوئی خاص مرکز نہیں تھا تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صرف اس بات پر جنگ کرنا کہ ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے بلکہ کچھ آگے جا کر ٹھہریں گے ایک لاحاصل سی بات ہوتی۔

چنانچہ فوج مخالف کے مطالبہ پر آپ نے کربلا کی سرزمین پر فرات کے کنارے سے ہٹ کر خیمے نصب کر لئے جس زمین کو اب کربلا کہا جاتا ہے یہ حقیقتاً مجموعہ ہے چند زمینوں اور قریوں کا جو اس زمانہ میں بالکل پاس پاس واقع تھے۔ اس کی مثال زمینداریوں اور جاگیروں اور مواضعات کی حیثیت سے ہر ملک میں موجود ہے اور خصوصیت سے عرب میں ایسا پایا جاتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے قطعات ارض کے مستقل نام ہوتے تھے جنھیں اگر ایک کی خصوصیت کے لحاظ سے دیکھا جاتا تو وہ کئی مقام متصور ہوتے تھے اور اگر ان کے باہمی قرب پر نظر کی جاتی تو وہ سب ایک قرار پاتے تھے اور اس طرح ایک جگہ کا واقعہ دوسری جگہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا تھا۔

جیسا کہ علامہ سید ہلبتہ الدین شہرستانی نے ''تحفتہ الحسین'' میں لکھا ہے واقعہ کربلا کے محل وقوع کے ماتحت جو بہت سے نام گوش زد ہوتے ہیں کربلا، نینوا، غاضریہ، شط فرات انہیں ایک ہی جگہ کے متعدد نام نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ متعدد جگہیں تھیں جو باہمی قرب کی وجہ سے ایک ہی سمجھی جاسکتی تھیں اور اس لئے محل وقوع واقعہ کے اعتبار سے ہر ایک کا نام تعارف کے موقع پر ذکر کیا جانا صحیح قرار پاتا تھا۔

نینوا

یہ ایک قریہ تھا جسے موجودہ زمانہ کے سدۂ ہندیہ کے قریب سمجھنا چاہئے۔ اس کے پہلو میں ''غاضریہ'' تھا۔ یہ قبیلہ بنی اسد کی ایک شاخ بنی غاضرہ کی طرف نسبت رکھتا تھا اور ان ہی کا محل سکونت تھا۔ یہ غالباً وہ زمین ہے جو اب حسینیہ کے نام سے مشہور ہے اسی جگہ ایک قریہ شفیہ تھا اور یہیں پر ایک قطعہ زمین ''کربلّا''[2] پایا جاتا تھا وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی حصہ میں جنوب کی طرف واقع ہے اس کے متصل ''عقر بابل'' نام کا قریہ تھا جو غاضریات کے شمال مغرب میں واقع تھا وہاں اب کھنڈر ہیں جن میں بہت اہم

---

[1] نون کے کسرہ کے ساتھ۔ [2] تشدید نام کے ساتھ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آثار قدیمہ کے انکشاف کی امید کی جاتی ہے اور یہ بالکل دریائے فرات کے کنارے پر تھا اور اپنے قدرتی محل وقوع یعنی ٹیلوں میں گھرے ہونے کی وجہ سے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے مقابل عاضریات کے دوسری جانب ''نوا ویس'' کا مقام تھا جو مسلمانوں کے فتوحات کے قبل ایک عمومی قبرستان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے وسط میں زمین ''حیر'' تھی جو اب حائر کے نام سے معروف ہے اور جہاں حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک ہے۔ حیر ایک وسیع میدان کی حیثیت رکھتا تھا جو تین طرف سے متصل اور پہلو بہ پہلو ٹیلوں سے گھرا ہوا ہے ان ٹیلوں کا سلسلہ شمال مشرق کی طرف سے جدھر حرم حسینی کا ''باب السدر'' اور ''منارۂ عبد'' ہے شروع ہو کر غرب کی جانب ''باب زینبیہ'' کے حدود تک پہنچتا تھا اور وہاں سے پیچیدہ ہو کر جنوب کی طرف در قبلہ کے مقام تک آ کر ختم ہوتا تھا۔ ان متصل ٹیلوں کے اجتماع سے ایک نصف دائرہ کی شکل بنتی تھی جو ''ن'' کی صورت سمجھی جا سکتی ہے اس دائرہ میں داخل ہونے کا راستہ مشرقی جہت میں اس جانب سے تھا کہ جدھر روضہ حضرت عباس میں جانے کا راستہ ہے تحقیقاتی انکشاف سے اب تک یہ بات پائی جاتی ہے کہ ان مکانات کے آثار جو قبر امام حسینؑ کے گرد ہیں شمالی اور مغربی جانب زمین کی قدیمی بلندی کے قرینے موجود ہیں اور مشرقی جانب سوا نرم مٹی کے جو پستی کی طرف مائل ہے کچھ نظر نہیں آتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی قدیمی صورت ایسی ہی تھی کہ شرق کی جانب سے ہموار اور شمال اور مغرب کی جانب ہلالی شکل کے طور پر بلند تھی۔ یہی ہلالی دائرہ وہ تھا جس میں امام حسینؑ کو گھیر کر شہید کیا گیا تھا فرات کی اصلی نہر جسے ہماری زبان کے اعتبار سے دریائے فرات کہا جاتا ہے اس کا براہ راست کوئی تعلق کربلا کی زمین سے نہ تھا اس کا خط سیر محلّہ مسیّب وغیرہ مقامات سے ہوتا ہوا کوفہ کے بیرونی حصوں کی جانب جاتا تھا۔ کربلا اور اس کے درمیان بڑا فاصلہ تھا لیکن اس نہر یا دریائے فرات کی ایک چھوٹی شاخ مقام رضوانیہ کے پاس سے نکل کر جدا ہوتی جو کربلا کے شمال مشرق کی جانب کے ریگستانوں اور نشیبوں سے ہوتی ہوئی اس مقام سے ہو کر گزرتی تھی جہاں علمدار حسینؑ ابو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

الفضل العباس کی قبر ہے اور اس کے بعد موجودہ مقام ہندیہ کی طرف سے ہوتی ہوئی اس مقام کے شمال مغربی جانب جس کا نام ''قریہ ذی الکفل'' ہے اصل دریائے فرات سے مل جاتی تھی یہ چھوٹی نہر ''علقمہ'' کے نام سے موسوم تھی اور اسے اپنی اصل کے اعتبار سے فرات بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ ''طف'' کے معنی ہیں ''نہر کا کنارہ'' خصوصیت سے دریائے فرات کے اس کنارے کو جو جنوبی پہلو میں بصرہ سے ہبت تک تھا طف کہا جاتا تھا اور اسی مناسبت سے ''فرات صغیر'' یعنی نہر علقمہ کے اس کنارہ کو جس میں کربلا واقع تھا طف کہا جانے لگا اور اسی وجہ سے کربلا کے واقعہ کو ''واقعتہ الطف'' کہا جاتا ہے اور کربلا کو شط فرات کے نام سے بھی اسی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بیسواں باب

یزیدی حکومت کی سرگرمی اور کربلا میں فوجوں کی آمد

مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد کوفہ میں سخت گیری انتہا کو پہنچ گئی۔ ابن زیاد کو اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلم کی بیعت کرنے والے جو ان کی امداد سے قاصر رہے وہ اب اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے کوئی انقلاب پیدا کریں لہٰذا اس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص کو حضرت امام حسینؑ کا ہمدرد سمجھا جاسکتا تھا یا ان پر ایسا شبہ بھی ہوسکتا تھا انہیں قتل یا قید کرنا شروع کر دیا۔

میثم تمار اور رشید ہجری اسی دوران میں شہید کئے گئے۔

مختار بن ابوعبیدہ جو مسلم کے جہاد کے زمانہ میں کوفہ کے اندر موجود نہ تھے اور اسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلم شہید ہو چکے تھے اور عمرو بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص اس کے نیچے چلا آئے گا اس کا جان و مال محفوظ رہے گا چنانچہ مختار موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اس جھنڈے کے نیچے چلے گئے مگر انہیں اس پر بھی امان نہ مل سکی اور وہ پابزنجیر کر کے قید خانہ بھیج دیئے گئے اسی طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص۔

ادھر یزید کو دمشق میں جناب مسلم کے قتل کی خبر کے ساتھ ہی حضرت امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی کی اطلاع پہنچی تو اس نے ابن زیاد کو خط لکھا۔

''مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں لہٰذا تم کو لازم ہے کہ ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو مورچے مضبوط کرو اور کسی شخص پر وہم و گمان بھی ہو تو اس کا تدارک کرو اور فوراً گرفتار کر لو''۔

اب کیا تھا؟ جیل خانے قیدیوں سے چھلکنے لگے جس کا اظہار خود ابن زیاد نے اس کے بعد ان الفاظ میں کیا کہ ''کوئی ایسا شخص نہیں جس پر گمان ہوسکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے''۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شہر کے اندرونی حالات پر اس طرح قابو پانے کے بعد اس نے باہر کی طرف توجہ کی اس لئے کہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں بصرہ و مدائن اور دیگر اطراف کے لوگ امام حسینؑ کی مدد کے لئے نہ آجائیں اس کے لئے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز و عراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا چار ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو جو اب تک کوتوال شہر کی حیثیت رکھتا تھا مقرر کیا گیا اور واقصہ سے لے کر قطقطانہ، لعلع اور خفان اور اطراف و جوانب میں جو شام و بصرہ کے راستے تھے سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ جاسکتا تھا۔[1]

چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی جو امام حسینؑ کا فرستادہ خط اہل کوفہ کے نام لے جا رہے تھے اسی قادسیہ میں پہنچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور جب امام نے بطن عقیق کے بعد یہ سن کر کہ آگے فوج سدراہ ہے سمت سفر میں تبدیلی فرمائی تو حر ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ اسی فوج میں سے بھیجا گیا جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں موجود تھی جب حر نے ابن زیاد کے خط کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع دی۔ یہ وقت وہ تھا کہ ملک عجم میں بغاوت ہوگئی تھی اور ''دستبیٰ''[2] کے مقام پر قبیلہ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے مشہور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر بن سعد کو چار ہزار فوج کا سردار بنایا گیا تھا اور اس کے لئے رے اور سرحد دستبیٰ و دیلم کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا گیا تھا چنانچہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔ الاخبار الطوال ص ۲۴۳۔ [2] دستبیٰ کا نام تاریخ میں ہمدان اور رے کی فتح کے ساتھ ساتھ آتا ہے۔ نعیم بن مقرن نے ان مقامات کو ۲۲ھ یا ۲۳ھ میں فتح کیا۔ دستبیٰ چند اہل کوفہ میں تقسیم کر دیا گیا جن کے نام یہ ہیں۔ عصمہ بن عبداللہ ضبی، مہلہل بن زید طائی، سماک بن عبد عمی، سماک بن مخرمہ اسدی اور سماک بن خرشہ انصاری۔ یہ لوگ مسلمانوں میں سب سے پہلے دستبیٰ کی چھاؤنیوں کے والی ہوئے اور انہوں نے دیلم سے جنگ کی۔ ایک قول یہ ہے کہ رے کو قرظہ بن کعب نے فتح کیا (طبری ج ۴ ص ۲۵۱) دستبیٰ ہمدان کا جزو تھا اور وہاں کی چھاؤنیاں ہمدان تک پھیلی ہوئی تھیں (طبری ج ۴ ص ۲۵۲) نعیم نے فتح کرنے کے بعد رے کا قدیم شہر برباد کر دیا اور اس سے ہٹ کر نئے شہر کی بنیاد قائم ہوئی۔ (ص ۲۵۳)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ فوج ایران جانے کے لئے باہر نکل بھی چکی تھی۔[1] اور عمر بن سعد اس فوج کو ساتھ لئے کوفہ کے باہر مقام ''حمام اعین'' پر خیمہ زن تھا اور عنقریب آگے بڑھنے والا تھا۔[2] اب امام حسینؑ کی مہم جو درپیش ہوئی تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ پہلے اس مہم کو سر کر لے اور پھر ایران کی طرف روانہ ہو۔[3]

عمر سعد صحابی تو نہیں مگر عام مسلمانوں کی اصطلاح کے مطابق تابعی ضرور تھا۔ عین خلیفہ دوم عمر بن خطاب کے انتقال کے دن اس کی پیدائش ہوئی تھی۔[4] اور اس کے سن تمیز تک پہنچنے تک بہت سے صحابہ رسولؐ موجود تھے یقینی ان کی زبانی اس نے وہ احادیث بھی سنے ہوں گے جو پیغمبر اسلامؐ نے حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں فرمائے تھے نیز امام حسینؑ کے ساتھ رسولؐ کی انتہائی محبت کے واقعات بھی اس کے گوش زد ہوئے ہوں گے۔ پھر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے زمانہ خلافت میں جب کہ امام حسینؑ بھی کوفہ میں موجود تھے عمر بن سعد کا کچھ ایسا کم سنی اور بے شعوری کا دور نہ تھا۔ اسے یقینی قریب سے حضرت امام حسینؑ کے محاسن ذات اور بلند اوصاف و اخلاق کے مشاہدہ کا موقع ملا ہوگا اور جب سے آپ مدینہ تشریف لے گئے تھے تو اب تک بیس برس کی مدت میں آنے جانے والوں کی زبان سے اس نے امام کے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور خوش اخلاقی و سخاوت کے کتنے ہی واقعات ضرور سنے ہوں گے۔

شاید انہی امور کا نتیجہ تھا کہ وہ حضرت امام حسینؑ سے جنگ کو پسند نہ کرتا تھا اور اسے ایک گناہ خیال کرتا تھا چنانچہ اس نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے معاف کر دیجئے تو بہتر ہے۔ ابن زیاد نے جواب دیا کہ اچھا تو ہمارا پروانہ حکومت رے کا واپس کر دو۔ یہ معاملہ سخت تھا عمر سعد کو رے کی حکومت دل سے عزیز تھی۔ جاہ طلبی اور حق شناسی کے جذبوں میں کشمکش ہوئی یہاں تک کہ اسے یکسوئی حاصل کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت مانگنا پڑی۔ مہلت ملی اور عمر سعد نے اپنے مخصوص احباب و اعزہ سے مشورہ کیا۔ سب نے مخالفت کی اور اس مہم کے لئے جانے سے منع کیا۔ حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے جو اس کا

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۲۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۳۳۔ [4] تقریب التہذیب ص ۱۹۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھانجا تھا حسب ذیل تقریر کی ''آپ حسینؑ سے جنگ کرنے کو نہ جائیے اور گنہگار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتہ قرابت کو قطع کرنے کے مرتکب نہ ہوئیے۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا کا مال و دولت اور عالم بھر کی سلطنت آپ کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ نکل جائے تو بہتر ہے اس سے کہ آپ حسینؑ کے خون کا بار اپنی گردن پر لیں''۔[1]

یہ وہ پہلو تھا جسے اس کے سچے مشیر کار پیش کر رہے تھے لیکن دوسری طرف اس کا جاہ طلبی کا جذبہ رہ رہ کر رے کی حکومت کا خیال دلا رہا تھا وہ ایک دماغی کشمکش میں مبتلا تھا جسے شب کے تاریک پردہ میں اس کے یہ اشعار ظاہر کر رہے تھے۔

اترک ملک الری والری رغبته ام ارجع مذموما بقتل حسینؑ

وفی قتله النار التی لیس دونها حجاب وملک الری قرة عینی

(یعنی) ''کیا میں رے کی حکومت چھوڑ دوں درآنحالیکہ وہ مجھے دل سے پسند ہے یا میں حسینؑ کو قتل کر کے طوق مذمت میں گرفتار ہوں؟ ان کو قتل کرنے میں دوزخ کی آگ ہے جس کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور رے کا ملک میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے''۔[2]

بعض مورخین اس کے ساتھ مزید اشعار اور نقل کرتے ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حسینؑ کے قتل کا جو کچھ جرم ہے اس کا نتیجہ مرنے کے بعد نمایاں ہوگا جو معلوم نہیں صحیح بھی ہے یا نہیں پھر رے کی نقد حکومت کو چھوڑ کر آخرت کے راحت و آرام کی امید باندھنا کس سمجھدار آدمی کا کام ہوسکتا ہے؟

غالباً ان اشعار کی روایت صحیح ہے اس لئے کہ نتیجتاً عمر بن سعد کے عمل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے نتیجہ یہی تھا کہ دنیا کی وقتی دلفریبی غالب آئی اور اس نے فرزند رسولؐ سے جنگ کرنے پر کمر باندھ لی مگر ایک آخری بار ضمیر کی چٹکیوں نے اسے پھر آمادہ کیا کہ وہ ابن زیاد سے کمزور الفاظ میں سہی معذرت کر لے چنانچہ اس نے آکر کہا کہ آپ مجھ کو دستبیٰ اور دیلم کے حدود کی طرف جانے پر مامور کر چکے ہیں لوگوں کو اس کا علم بھی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۳۳۔ [2] کتاب البلدان ص ۲۷۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوگیا ہے اور میری فوج والوں نے بھی وہیں جانے کی تیاری کی ہے بہتر ہے کہ آپ مجھ کو ادھر ہی روانہ کیجئے اور حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے کسی اور کو اشراف اہل کوفہ میں سے جو کسی شخصیت و شہرت اور فن سپہ گری و مہارت جنگ میں مجھ سے کم نہیں روانہ کر دیجئے چنانچہ اس نے چند آدمیوں کے سرداران اہل کوفہ میں سے نام بھی لے دیئے مگر ابن زیاد برہم ہوگیا اور اس نے کہا کہ تمہیں سرداران کوفہ کے نام مجھے گنوانے کی ضروت نہیں ہے مجھے اگر کسی کو بھیجنا ہوگا تو تم سے مشورہ لے کر نہیں بھیجوں گا۔ تم تو اپنے متعلق کہو کہ تمہیں جانا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جانا ہے تو ہمارا پروانہ حکومت رے کا واپس کرو۔ عمر سعد نے سمجھ لیا کہ بغیر قربانی کے اس جرم سے چھٹکارا ملنا ممکن نہیں اور قربانی کے لئے اس کا نفس تیار نہیں ہوتا تھا آخر اس نے اقرار کر لیا کہ اچھا میں ہی جاؤں گا چنانچہ وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے پر کمر بستہ تھی کربلا کی طرف روانہ ہوگئی اور عمر سعد اس فوج کے ساتھ امام حسینؑ کے ورود کربلا کے دوسرے ہی دن[1] یعنی تیسری محرم کو یہاں پہنچ گیا۔

کربلا میں حر کے ساتھ ایک ہزار کی فوج پہلے ہی سے موجود تھی اب عمر سعد کی فوج ملا کر پانچ ہزار ہوئی۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کی مختصر جماعت کے لئے ظاہری حیثیت میں اتنا لشکر بہت تھا مگر امام حسینؑ کی خاندانی شجاعت اور ان کی سچائی کی طاقت کا ابن زیاد کے دل پر اتنا رعب تھا کہ وہ فوج کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو بھی کم سمجھتا رہا چنانچہ حصین بن تمیم کو توال شہر کوفہ کی سرداری میں قادسیہ کے ناکے پر جو باقی تین ہزار فوج تھی وہ پوری کی پوری کربلا کی طرف منتقل کر دی گئی اس کے بعد کوفہ میں عام بھرتی کا اعلان کر دیا گیا اور ابن زیاد خود کوفہ سے باہر نکل کر نخیلہ میں جو کربلا کے راستہ پر تھا آکر خیمہ زن ہوگیا تاکہ اپنے سامنے افواج کا معائنہ کر کے پے در پے کربلا کی جانب روانہ کرے اور بڑے بڑے سرداران کوفہ حجار بن ابجر، شبث بن ربعی، عمرو بن الحجاج وغیرہ کو مامور کیا گیا کہ وہ اپنی اپنی جماعت کے ساتھ کربلا روانہ ہوں ان میں سے ہر ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوتا تھا ان میں سے کسی ایک کا کوئی عذر بھی سنا نہیں جاتا تھا چنانچہ شبث

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۱۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے بیماری کا عذر کیا تھا لیکن ابن زیاد نے کہا تم بیمار بن رہے ہو اگر تم ہماری اطاعت میں ہو تو ہمارے دشمن سے جنگ کے لئے روانہ ہو مجبوراً شبث بھی روانہ ہوا بعض اشخاص ایسے تھے کہ ابن زیاد کو اپنی صورت دکھا کر پھر کوفہ واپس لے جاتے تھے جب ابن زیاد کو اس کا علم ہوا تو اس نے سوید بن عبدالرحمٰن منقری کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو شخص کوفہ میں نظر آئے اور وہ ابھی تک حسینؑ سے جنگ کرنے کو نہیں روانہ ہوا اسے گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ چنانچہ سوید نے کوفہ کے قبیلوں میں گردش کی اتفاق سے ایک شخص شام کا رہنے والا اپنے کسی متروکہ کے جھگڑے میں کوفہ آیا تھا سوید نے اسے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس کی گردن مار دی گئی اس واقعہ سے تمام لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی اور سب امام حسینؑ سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔[1]

اس کے بعد تاریخ کے لحاظ سے مردم شماری کی ضرورت نہیں اور نہ علماء کے اقوال دیکھنے کی حاجت کہ بیس ہزار تھے جسے ابن طاوس نے ترجیح دی ہے یا تیس ہزار جس کو علامہ مجلسی نے مانا ہے یا پینتیس ہزار جیسا کہ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے یا ایک لاکھ تک مطابق بعض اہل مقاتل کی تحریر کے بلکہ گزشتہ انتظامات ہی سے ظاہر ہے کہ کوفہ کی تمام قابل جنگ آبادی کربلا میں انڈیل دی گئی تھی جس کے بعد کربلا کی زمین فوجوں کی کثرت سے موجیں مارنے لگی تھی۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اکیسواں باب

انصار امام حسینؑ، ان کی قلت تعداد اور اسکے اسباب

سابقہ ابواب میں ان واقعات و حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کی اس جماعت میں سے جو حضرت امام حسینؑ کی ہمدردی تھی اور جنہیں آپ کی نصرت کا فریضہ محسوس ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد پابزنجیر کر لی گئی تھی نیز حدود کی ناکہ بندی[1] نے اطراف و جوانب کے رہے سہے اشخاص کے لئے حضرت تک پہنچنا دشوار سے دشوار تر بنا دیا تھا اور کوفہ سے اگر کوئی آنے کا قصد کرتا تو نخیلہ میں جہاں ابن زیاد نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا گرفتار کر لیا جاتا اور کسی دوسری طرف سے آنا چاہتا تو قادسیہ وخفان وقطقطانہ، لعلع وغیرہ کی کسی نہ کسی منزل پر وہ مقید ہو جاتا۔

اس کے علاوہ کربلا میں آپ کا ورود اچانک طور پر تھا اس لئے اطراف و جوانب میں اس کی اطلاع تک ممکن نہ تھی جبکہ بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ اس وقت تک بھی کہ جب امام حسینؑ شہید ہو چکے ہیں اور اسیروں کو کوفہ لے جایا گیا ہے بہت سے اشخاص ان واقعات سے بے خبر تھے ایسی صورت میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ کے پاس کوئی بڑی جمعیت نصرت کے لئے پہنچ جاتی۔ خصوصاً جبکہ آپ نے پہلے ہی سے اپنے ساتھ تعداد کے بڑھانے کی کوئی کوشش بھی نہ فرمائی تھی۔ پھر بھی مذکورہ بالا تمام مشکلات کے باوجود شیعان کوفہ کی وفاداری اور اولوالعزمی کا ایک بڑا تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ وہ افراد جو امام حسینؑ کے کوفہ کی طرف تشریف لانے کی تحریک کے ذمہ دار تھے جنہوں نے حضرت مسلم بن عقیل سے ان کے ورود کے موقع پر پہلے جلسہ میں وفاداری کا اقرار اور جانبازی کا عہد کیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ بن علیؑ تک پہنچ گئے اور اپنی جانیں آپ کے قدموں پر نثار کر دیں اور جو لوگ اس جماعت میں سے حسینؑ کی نصرت کے لئے نہ پہنچے یا نہ پہنچ سکے ان میں سے بھی کسی متنفس کی امام حسینؑ کے خلاف معرکہ کربلا میں موجودگی ہرگز پائی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہیں جاتی بلکہ کچھ کمزور عزم و ایمان رکھنے والے اشخاص جو بظاہر ضعیف العمر بھی تھے اس لئے ابن زیاد کی فوج میں جانے سے بھی مستثنیٰ ہو سکے تھے اس وقت جب کربلا میں جہاد ہو رہا تھا بیرون کوفہ ٹیلے پر کھڑے ہوئے آنسو بہا رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ خداوندا اپنی نصرت نازل فرما اہل بیت رسولؐ اور ان کے انصار پر جنہیں اس طرح دیکھ کر راوی کو غصہ آیا اور کہا اے کم بختو تمہارے جذبات یہ ہیں تو آخر خود جا کر نصرت کیوں نہیں کرتے ہو[1]

مگر یہ توقع ہر شخص سے کرنا کہ وہ عزم و ہمت میں مسلم بن عوسجہ اور حبیب بن مظاہر ہی ثابت ہو ایک دور از کار بات ہے بہرحال ان کمزور نفوس والے افراد کے بالمقابل ان پر جگر اور باوفا افراد کی تعداد جنہوں نے امام حسینؑ کا اس نازک موقف میں ساتھ دیا اور وہ کوفہ ہی کے باشندہ تھے بجائے خود قلیل ہونے کے باوجود تاریخ عالم کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ہرگز کم نہیں ہے۔

یہی وہ پہلو ہے جسے اہل کوفہ کی حمایت میں پیش کیا گیا اس وقت جب ابو العباس سفاح کے سامنے ابوبکر ہذلی بصری اور ابن عیاش میں بصرہ اور کوفہ کی باہمی فضیلت کے بارے میں مناظرہ ہوا اور ابن عیاش نے شجاعت کے تذکرہ میں کچھ شہسواران کوفہ کے نام لئے اور ابوبکر ہذلی نے دکھتی ہوئی رگ کو دباتے ہوئے کہا کہ ''کوفہ والوں کی بہادری کا کیا کہنا کہ ان میں جتنے بھی تھے وہ یا امام حسینؑ اور ان کے اقربا و انصار کے قاتل تھے یا عدم تعاون کرنے والے یا ان کا مال و اسباب لوٹنے والے یا ان کی لاشوں کو پامال کرنے والے''۔ یہ سن کر ابن عیاش نے کہا کہ جو فخر کا پہلو ہے وہ تم نے چھوڑ دیا اور طعنے دینے پر اتر آئے۔ تم نے امام حسینؑ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو قتل کیا (ابن ملجم بصرہ کا رہنے والا تھا) رہ گئے اہل کوفہ۔ ان میں سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ روز شہادت چالیس آدمی تھے جب کہ آپ کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد تقریباً ستر تھی اور کوفہ کے یہ جتنے آدمی تھے ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ واپس نہیں گیا بلکہ سب نے امام پر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۲۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنی جان نثار کی اور ہر ایک نے قتل ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ اپنے دشمنوں کو قتل بھی کیا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ فوج عمر سعد میں کوفہ کے عوام تھے اور اطراف و جوانب کے قبائل جن کا مسلک صرف اطاعت شیوخ تھا اور کچھ نہیں ان میں سے اکثر کا نصب العین قتل امام حسینؑ میں صرف حکم حاکم کی تعمیل اور اپنی فوجی ذمہ واری کا پورا کرنا اور جائزہ و انعام کی ہوس تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جو حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے پر خوشی سے رضامند نہ تھے مگر ان میں اتنی قوت ارادی نہ تھی کہ وہ حکومت کے خلاف اپنے اختیار سے کام لیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں بہت سے ایسے جوان اور نوعمر بھی ہوں جو حسینؑ کی شخصیت سے آگاہ ہی نہ ہوں اور وہ صرف سمجھتے ہوں کہ ہم کو حاکم کی طرف سے ایک باغی سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کوفہ کے جتنے آدمی تھے وہ وہاں کی خلقت کے دل و دماغ تھے وہ وہ تھے جو دنیا کے تمام محرکات کے مقابل میں اپنے شعور اور ارادہ کے مالک ثابت ہوئے اور یہ بہت بڑی بات ہے ان میں سے بہت سوں سے کوفہ کے عوام واقف بھی تھے اور ان کی شخصیت سے متاثر ہوتے تھے اور ان کے لئے یہ عجیب معمہ بن گیا تھا کہ ایسے عابد و زاہد اور پرہیزگار لوگ آج کس طرح میدان جنگ میں آگئے ہیں؟ ان شخصیتوں کا فوج مخالف کے افراد پر اتنا زبردست اثر پڑ رہا تھا کہ ان کے دلوں کی طاقت نے جواب دے دیا تھا۔ واقعہ کربلا کی جنگ میں بارہا تاریخ کے اوراق پر نظر آتا ہے کہ فوج مخالف نے حسینی مجاہدین کے سامنے سے فرار کیا۔ حقیقتاً یہ فرار مادی قوت کی کمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ان میں سب سے زیادہ ضمیر کی کمزوری کا دخل تھا۔

درحقیقت یہ ایک مارے باندھے کا سودا تھا جو کیا جا رہا تھا جس کے لئے آخر وقت تک فوج کی اکثریت سپرانداختہ ثابت ہو رہی تھی اور کچھ افسران فوج کی چیرہ دستیاں اور جائزہ و انعام وغیرہ کے ترغیبات اور عتاب حکومت کے تازیانے ہی تھے جو ان کے

---

[1] کتاب البلدان ص ۱۷۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جذبات صداقت کی کمزوری کے باعث ان کے رکتے ہوئے قدموں کو بار بار آگے بڑھاتے تھے اس کے برخلاف حسینی سپاہیوں کا ضبط و نظام ایک بے مثال نمونہ ہے یہاں نہ بڑھنے کے موقع پر قدم پیچھے ہٹنے کا امکان تھا نہ بے موقع قدم آگے بڑھنے کا سوال۔ ان کا کوئی اقدام جوش کے ماتحت نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ برابر اپنے سالار کے اشارہ کے منتظر رہے تھے اور جس وقت تک امام اتمام حجت کی منزلوں کو ختم کر کے جنگ کے اقدام کو حق بجانب نہ سمجھ لیں اس وقت تک ایک سپاہی بھی ایسا نہ تھا جو حسینی نظام کے خلاف خودرائی یا خودسری سے کام لے۔ یہ بات صرف اس لئے تھی کہ یہ جتنے افراد تھے سب عارف حق امام کے تربیت یافتہ اور صاحب اخلاق تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بائیسواں باب

صلح کی باتیں

عمر سعد چاہتا تو تھا ہی کہ کسی طرح اس جرم عظیم سے جس میں وہ حرص دنیا کی بدولت اپنے ہاتھوں گرفتار ہونے جا رہا ہے چھٹکارا حاصل کرے چنانچہ اس نے کربلا آ کر ایک کوشش معاملات کے سلجھانے کی شروع کی اس طرح کہ عزرہ بن قیس احمسی کو بلا کر یہ چاہا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس جا کر آپ کے مقصد تشریف آوری کو معلوم کرے مگر عزرہ یہ ان سات آدمیوں میں سے تھا جنہوں نے وقتی سیاست سے متاثر ہو کر جماعت شیعہ کے خطوط جانے کے بعد اپنی جانب سے امام حسینؑ کو ایک دعوتی خط لکھ دیا تھا اس لئے اس کو آپ کے پاس جانے اور اس قسم کی گفتگو کرنے سے حجاب دامن گیر ہوا اور اس نے انکار کر دیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔ دوسرے ایسے اشخاص کو بھی جو خطوط لکھ چکے تھے جانے میں اسی صورت سے توقف ہوا اور آخر کثیر بن عبداللہ شعبی ایک درشت خو اور سخت آدمی یہ کہتا ہوا سامنے آیا کہ میں جانے کے لئے تیار ہوں بلکہ مجھے حسینؑ کے قتل کرنے کے لئے کہا جائے تو اس میں بھی عذر نہیں ہے عمر سعد نے کہا نہیں یہ مطلب نہیں ہے تم بس جا کر اتنا دریافت کر لو کہ آپ اس ملک میں کس لئے آئے ہیں؟ کثیر خیمہ گاہ حسینی کی طرف روانہ ہوا بہادر ابو ثمامہ صائدی نے جو شاید اس وقت خیمہ امام حسینؑ پر پہرا دے رہے تھے اسے دور سے دیکھ لیا اور امامؑ سے عرض کیا کہ آپ کی طرف بدترین خلق اور انتہائی سفاک و خونریز شخص آ رہا ہے اس کے بعد وہ خود آگے بڑھ گئے اور انہوں نے کثیر کو روک کر ہتھیار کھول کر رکھ دینے کا مطالبہ کیا اس نے کہا نہیں یہ نہیں ہو سکتا میں پیغام لے کر آیا ہوں اگر مجھے موقع دو تو میں پیغام پہنچا دوں نہیں تو واپس جاؤں ابو ثمامہ نے کہا اچھا میں تمہاری تلوار قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا اور اس طرح تم کو امام کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ کثیر نے اسے بھی منظور نہ کیا اور کہا میری تلوار کو تو تم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ ابو ثمامہ نے کہا کہ اچھا پھر اپنا پیغام تم مجھ سے کہہ دو میں اس کا جواب امام سے لا دوں گا اس طرح گفتگو بڑھتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بڑھتے بالآخر سخت کلامی کی نوبت آ گئی اور کثیر نے واپس جا کر عمر سعد کو اپنی سرگزشت سے مطلع کر دیا۔

اب اس نے قرہ بن قیس حنظلی کو بلایا اور اس سے کہا تم جا کر حسینؑ سے دریافت کرو کہ وہ اس سرزمین پر کس لئے آئے ہیں؟[1] چنانچہ قرہ بن قیس روانہ ہوا۔ امام نے جو اسے آتے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تم لوگ اسے پہچانتے ہو؟ حبیب بن مظاہر نے کہا جی ہاں یہ قبیلہ حنظلہ کا ایک شخص ہے بنی تمیم میں سے اور ننھیال کی طرف سے ہمارا عزیز ہوتا ہے میں ایک عرصہ سے اس کو جانتا ہوں اور میرے خیال میں یہ سنجیدہ و فرزانہ شخص تھا۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ یہ اس موقع پر جنگ کے لئے ہمارے مقابل میں آئے گا اتنی دیر میں وہ آ گیا اور امام کی خدمت میں تسلیم بجا لاتے ہوئے اس نے عمر سعد کا پیغام پہنچایا وہی کہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا ''مجھ کو تمہارے شہر کے لوگوں نے لکھا تھا کہ میں آؤں لیکن اب جبکہ وہ میرا آنا ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا''۔ جواب اتمام حجت کے مقصد کا حامل اور صلح پسندی کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ بالکل صاف تھا قاصد واپس جانے لگا۔ حبیب ابن مظاہر کو موقع تبلیغ کا مل گیا۔ کہنے لگے ''اے قرہ بن قیس ظالم جماعت کی طرف کہاں واپس جاتے ہو آؤ اور اس مظلوم کی مدد کرو جس کے بزرگوں کی بدولت تمہاری اور ہماری ہدایت ہوئی ہے''۔ قرہ نے کہا میں جو پیغام لایا تھا اس کا جواب پہنچا دوں پھر غور کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے جا کر عمر سعد سے جواب امام حسینؑ کا بیان کیا اس جواب سے اسے توقع پیدا ہوئی کہ اب صلح ہو جائے گی لہٰذا اس نے عبید اللہ بن زیاد کے نام خط لکھا کہ ''میں نے یہاں پہنچ کر حسینؑ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور اس کے ذریعہ سے دریافت کیا کہ وہ ادھر کیوں آئے ہیں؟ کیا چاہتے ہیں اور کیا مطالبہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس ملک کے لوگوں نے مجھ کو لکھا تھا اور میرے پاس ان کے قاصد گئے تھے اور مجھے ادھر آنے کی دعوت دی تھی لیکن اب جبکہ وہ میرا آنا ناپسند کرتے ہیں اور ان کے خیالات میں تبدیلی ہوگئی ہے تو میں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۳۔ دینوری نے قرہ بن سفیان حنظلی درج کیا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۵۱)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جہاں سے آیا ہوں ادھر ہی واپس چلا جاؤں گا''۔

خط پہنچا۔ ابن زیاد نے پڑھا اور غرور و تکبر، فرعونیت اور ظلم و سفاکی کے جذبہ کے ماتحت اس نے یہ شعر پڑھ کر اپنی تاریک ذہنیت کا ثبوت دیا۔

الان اذ علقت بخالبنابه

یرجو النجاة ولات حین مناص

(یعنی) ''اب جبکہ ہمارے چنگل ان تک پہنچ گئے ہیں تو وہ نجات کے طالب ہیں ہرگز نہیں۔ اب وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے''۔

اس نے عمر سعد کو لکھا ''خط پہنچا اور حال معلوم ہوا تم حسینؑ کے سامنے یہ سوال پیش کرو کہ وہ اور ان کے تمام اصحاب یزید بن معاویہ کی بیعت کرلیں جب وہ ایسا کر چکیں گے تو پھر ہم رائے قائم کریں گے''۔[1]

اس خط سے عمر سعد کی امیدوں کی دنیا میں ایک دفعہ پھر تاریکی چھا گئی۔ اس خط کے عنوان میں ابن زیاد کی مفسد اور فتنہ پسند ذہنیت کا پورا پورا ثبوت موجود تھا اول بیعت یزید کا امام حسینؑ سے مطالبہ ہی ایسا تھا جس کا اثر قبول کرنا آپ کے لئے ناممکن تھا پھر اس پر طرہ یہ کہ بفرض محال بیعت کر لینے کی صورت میں بھی حکومت کی طرف سے کسی خوشگوار نتیجہ کا وعدہ نہ تھا بلکہ یہ کہا جا رہا تھا کہ ہم پھر رائے قائم کریں گے اس کے یہی معنی ہو سکتے تھے کہ اس کے بعد بھی حکومت امام حسینؑ کے گزشتہ انکار بیعت کی بناء پر آپ کے لئے کچھ سزا تجویز کرنے کا حق رکھے گی۔

خط کا انداز بتاتا ہے کہ ابن زیاد حضرت امام حسینؑ کے اتمام حجت پر مبنی جواب کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھا اور اس نے خیال کیا کہ فوج کی کثرت کو دیکھ کر آپ ڈر گئے ہیں اور اس لئے کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں گا مگر عمر سعد، حسینؑ اور ان کے اصحاب کے تیوروں کے قریب سے دیکھ رہا تھا اور سمجھتا تھا کہ آپ کا جواب صرف امن پسندی اور سلامت روی کا نتیجہ ہے کسی ہیبت اور خوف پر مبنی نہیں ہے اس لئے اس نے ابن

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

زیاد کے اس خط کو بالکل نامعقول سمجھتے ہوئے کہا ''مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ امیر ابن زیاد امن وسکون کے خواہاں نہیں ہیں''۔[1]

پھر بھی اس نے یہ کیا کہ ابن زیاد کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا۔ امام حسینؑ نے وہی کہا جو عمر سعد سمجھ چکا تھا یعنی ''یہ ہرگز نہیں ہوسکتا زیادہ سے زیادہ موت ہی تو ہے میں اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہوں۔[2] عمر سعد نے یہ جواب امام حسینؑ کا ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۵، ارشاد ص ۲۳۹۔۲۴۰۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۱۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تئیسواں باب

بندش آب اور غلبہ تشنگی

حقیقت امر یہ ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و اقرباء یہاں تک کہ اطفال خورد سال پر پانی بند کرنے کا انتظام دوسری محرم ہی کو ہوگیا تھا اس خط کے ذریعہ سے جو ابن زیاد نے حر بن یزید ریاحی کے پاس بھیجا تھا اور جس میں صاف صاف لکھا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور انہیں ایک ایسی جگہ قیام پر مجبور کرو جہاں پانی موجود نہ ہو اس حکم کے نفاذ میں اتنا اہتمام تھا کہ قاصد کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ حر سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک اس حکم کی تعمیل نہ ہو جائے چنانچہ حر نے امام کے سامنے اپنی مجبوری کا اظہار کر کے حضرت کو کربلا میں ایسے ہی بے آب مقام پر قیام کے لئے مجبور کیا۔[1]

اس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے۔

اس کے بعد اب صورت حال یہ تھی کہ امام حسینؑ آپ کے اصحاب و اعزہ مخدرات عصمت اور اطفال ان سب کے خیمے نہر سے دور جلتی ہوئی ریت پر تھے صحرائے عرب کا سورج دن بھر اپنی پوری قوت سے ان خیام پر چمکتا تھا جس کے اندر رہنے والے یقیناً تمازت آفتاب شدت کے ساتھ محسوس کر سکتے تھے نہر فرات فاصلہ پر رواں تھی اور وہاں دشمن فوج کا قیام تھا۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ابن زیاد کے خط کے جس جزو پر ہر دیکھنے والے کی نظر سب سے پہلے پڑتی ہے اور جسے حر نے بھی خاص اہمیت دی ''بے آب مقام'' اس کے مقصد کی طرف خود ابن زیاد کی فوج کے سپاہیوں کی نظر نہ گئی ہوگی جبکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ حکومت کے اقتدار اعلیٰ والے افراد فریق مخالف کے ساتھ جس سخت گیری کا حکم نہیں بھی

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۴۹۔۲۵۰، طبری ج ۶ ص ۲۳۲، ارشاد ص ۲۱۳، کامل ابن اثیر، ج ۴ ص ۲۶، ابوالفدا ج ۱ ص ۱۹۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دیتے چھوٹے درجہ کے عمال اور سپاہی بر بنائے تعصب اور نیز اپنے بڑوں کو ان کے مخالف کے ساتھ سختی کر کے خوش کرنے کے لئے اس کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ حاکم کی طرف سے شدت کے ساتھ سختی کرنے کا حکم اور پھر صاف صاف پانی سے دور رکھنے کا فرمان بھی ہوگیا ہو اس کے بعد یہ کسی طرح سمجھا ہی نہیں جاسکتا کہ اب حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے لئے پانی باطمینان وسکون اور بالکل بآسانی بغیر کسی رکاوٹ کے حاصل ہو جاتا ہوگا۔

ہاں ممکن ہے حر اپنی ذات سے سختی نہ کرتا ہو چونکہ وہ پہلے ہی امام کی حقانیت سے کچھ متاثر ضرور تھا مگر جب ابھی وہ ''بازمانہ بساز'' پر عامل تھا اور حکومت وقت کی مخالفت پر کھل کر آمادہ نہ تھا تو دوسرے سپاہیوں کو وہ صاف صاف سختی و درشتی سے باز بھی نہ رکھ سکتا تھا پھر یہ تو دو ایک دن کی بات تھی کہ حر سالار فوج تھا اس کے بعد عمر سعید آ گیا اور مزید فوجیں کربلا میں جمع ہوگئیں جس کے بعد حر کی کوئی اہم حیثیت باقی نہیں رہی تھی اور نہ اس کی آواز کوئی آواز سمجھی جاسکتی تھی اس لئے یقیناً ان دنوں میں بھی اصحاب امام کے لئے پانی تک پہنچنا اور پانی بھر کر لانا ہر مرتبہ ایک خطرہ اور کشمکش کا مقابلہ کرنا تھا جسے اسی وقت اختیار کیا جاتا ہوگا جب بچوں کی پیاس بہت بڑھ جائے یا پوری جماعت پر پیاس کا شدید غلبہ ہو چنانچہ اس سلسلہ میں بعض وقت جنگ بھی ہوگئی ہے اور جنگ کر کے پانی حاصل کیا گیا ہے۔[1]

ساتویں محرم کو وہ خاص تاریخ تھی جب ابن زیاد کا دوسرا خط عمر سعد کے پاس پہنچا اس کا مضمون یہ تھا کہ۔

''حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پانی بند کردو اس طرح کہ انہیں ایک قطرہ بھی پانی ملنے نہ پائے جیسا عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا''۔[2]

عمر سعد نے اس خط کو دیکھتے ہی عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے ساتھ گھاٹ پر مقرر کر دیا اور یہ تاکید کر دی کہ ایک قطرہ خیام حسینی کی طرف جانے نہ

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص ۱۸۷۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۲ طبری ج ۶ ص ۲۳۴ ارشاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پائے۔

تاریخ میں تصریح ہے کہ یہ امام حسینؑ کی شہادت سے تین روز قبل کا واقعہ ہے۔[۱] پانی کی اس بندش کے بعد جماعت حسینی کے تمام افراد اور بالخصوص صغیر اطفال پر پیاس کا شدید غلبہ ہوگیا۔[۲] پھر دشمن کی یہ تنگ ظرفی تھی کہ اس ظلم و تشدد کے ساتھ زخم زبان بھی لگائے جا رہے تھے جیسے یہ فقرہ کہ۔ ''حسینؑ ! دیکھتے ہو یہ پانی نیلا نیلا آسمانی رنگت کا کس طرح بہہ رہا ہے مگر تم مرتے دم تک اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پا سکتے''۔[۳] اور یہ کہ ''اے حسینؑ ! یہ پانی موجود ہے جس میں کتے تک منہ ڈالتے ہیں اور عراق کے سور گدھے اور بھیڑیئے تک اس میں سے پیتے ہیں مگر تم اس میں سے بخدا ایک قطرہ چکھ بھی نہیں سکتے''۔[۴]

بعید نہیں ہے کہ فوج یزیدی کا خیال یہ ہو کہ جماعت حسینی سے کسی جنگ کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ پیاس کی شدت ہی ان کے ختم کرنے کے لئے کافی ہوگی چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت نے اتمام حجت کے لئے خطبہ پڑھا اور پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کا اظہار کر کے ان نام نہاد مسلمانوں میں احساس فرض پیدا کرنے کی کوشش فرمائی تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ ''ہم یہ سب جانتے ہیں مگر اس کے باوجود تم کو چھوڑیں گے نہیں یہاں تک کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہی تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ''۔[۵]

حالانکہ حسینی اصحاب نے اپنی شجاعت سے یہ ثبوت دے دیا کہ ہم اب بھی جب چاہیں تمہیں گھاٹ سے ہٹا کر پانی حاصل کرلیں چنانچہ حضرت ابو الفضل العباس کے ساتویں کے بعد بھی جہاد کر کے پانی لانے کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے۔[۶]

غالباً آٹھویں شب کا واقعہ ہے اس کے بعد آٹھویں، نویں اور دسویں تین دن کی مسلسل پیاس پھر بھی مسلم طور پر قائم رہتی ہے۔

---

۱ الاخبار الطوال ص ۲۵۲۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔ ارشاد، کامل ابن اثیر، ج ۴ ص ۲۷۔ تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۱۴۰۔ ۲ لہوف سید ابن طاؤس ۔ ۳ طبری ج ۴ ص ۲۳۴، ابن اثیر، ج ۴ ص ۲۷۔ ارشاد۔ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۴۲۔ ۴ تذکرہ ص ۱۴۱ ۔ ۵ لہوف ابن طاؤس ۔ ۶ الاخبار الطوال ص ۲۵۲ طبری ج ۶ ص ۲۲۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ اقرباء و انصار حسینی کی یادگار وفاداری ہے کہ بغیر امام کے ان میں سے ایک نے بھی باوجود نہر تک پہنچ جانے کے لب تر نہیں کئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم پانی پئیں اور حضرت امام حسینؑ پیاسے رہیں۔[1] اور یہ امام کی بلند نظری تھی کہ پانی کے حاصل کرنے پر اپنی طاقت صرف نہیں کی بلکہ تین دن تک صرف اتمام حجت کے طور پر ان کے ضمیر کے بیدار کرنے کی کوشش ''سوالِ آب'' کی صورت میں کرتے رہے اور اصحاب کو بھی اسی کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ جب شدت عطش کا عالم دیکھتے ہوئے بریر ہمدانی نے اجازت چاہی کہ میں ابن سعد کے پاس جا کر پانی کے باب میں گفتگو کروں ممکن ہے کہ اس پر کچھ اثر ہو۔ حضرت نے فرمایا تمہیں اختیار ہے۔ بریر، عمر سعد کے پاس گئے اور کہا ''تم کیسے مسلمان ہو کہ آل رسولؐ کے قتل پر تیار ہو کر آئے ہو پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ آب فرات ہے جس میں سے عراق کے کتے اور سور تک پانی پیتے ہیں مگر یہ حسینؑ ہیں اور ان کے اہل حرم اور اعزا و اقارب کہ پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں اور انہیں فرات کے پانی تک پہنچنے نہیں دیا جاتا''۔

عمر سعد نے جواب میں گویا اقرار جرم کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ ''کیا کروں رے کی حکومت مجھ سے جاتی رہے گی اگر ابن زیاد کے خلاف کروں اور رے کی حکومت کا ترک کرنا میرے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے''۔[2]

صبح عاشور جب حر بن یزید لشکر شام سے جدا ہو کر جماعت حسینی کی طرف گئے تو انہیں سب سے زیادہ فوج یزیدی کے جس ظلم و تعدی کا احساس ہوا وہ پانی کا بند کرنا تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا اس لئے کہ امام حسینؑ نے اس کے پہلے حر اور اس کی جماعت کو انتہائی تشنگی کے عالم میں سیراب کیا تھا پھر یہ کہ اسی نے ابن زیاد کے حکم سے خیام حسینی کو نہر کے کنارے برپا نہ ہونے دیا اس لئے ایک طرح بندش آب کا وہ اپنے کو ذمہ دار سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے امام حسینؑ سے عفو قصور کرانے کے بعد فوج مخالف کے سامنے جو تقریر کی اس میں انتہائی پر اثر انداز میں جماعت حسینی اور بالخصوص خواتین و اطفال کی عطش کا بیان

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔ [2] کشف الغمہ ص ۱۸۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور بندش آب پر اعتراض کیا ہے۔

اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ آئے گا۔

جب اس تمام اتمام حجت اور موعظہ و نصیحت کا اس ستم گار اور قسی القلب فوج پر کوئی اثر نہ ہوا تو امام حسینؑ اور آپ کے ساتھ کے ہر بچہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ راہ حق پر ان کے قیام اور ثبات و استقلال میں کسی تشدد اور ایذا رسانی سے ذرہ بھر کمی نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے شدت تشنگی کی تکلیف کو برداشت کیا اور تین دن کی پیاس کے عالم میں فریضہ جہاد کو پورے طور سے ادا کرنے کے ساتھ شہادت کا خیر مقدم کیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چوبیسواں باب

صلح کی آخری کوشش اور اس کا انجام

حسینؑ اپنے دامن پر یہ دھبہ لینا نہیں چاہتے تھے کہ آپ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کو پسند کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے اتمام حجت کے لئے دوبارہ خود اپنی جانب سے صلح کی گفتگو کا آغاز فرمایا۔ اس طرح کہ عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا کہ آج شب کو مجھ سے دونوں طرف کے لشکروں کے درمیان مل لینا۔ چنانچہ عمر سعد کوئی بیس سوار اپنے ساتھ لے کر نکلا اور امام بھی اتنے ہی ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے مگر جب قریب پہنچے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا جس کے بعد ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کی۔ یہ مکالمہ بڑی رات گئے تک جاری رہا جس کے بعد امام اپنے خیام کی طرف واپس ہوئے اور ابن سعد اپنے لشکر گاہ کی طرف چلا گیا۔[1]

یہ تمام گفتگو صیغہ راز میں تھی۔ مختصر طور پر اتنا معلوم ہو سکا کہ امام حسینؑ اس پر آمادہ تھے کہ عراق میں قیام کے خیال کو ترک کر دیں گے اور اگر ضرورت سمجھی جائے تو عرب کا ملک بھی چھوڑ دیں گے اور کسی دور و دراز مقام پر چلے جائیں گے۔[2]

حقیقت کے لحاظ سے اس صورت میں بھی امام حسینؑ کی فتح تھی یعنی آپ کا ملک ترک کرنا بھی اس مقصد کا ایک اعلان تھا جس کی خاطر آپ کو جان دینا پڑی پھر بھی آپ کا رویہ اتنا نرم اور سلجھا ہوا تھا کہ یزیدی فوج کے افسر عمر سعد نے صاف اعتراف کر لیا کہ آپ صلح کے راستے پر گامزن ہیں اور اس نے بہت خوش ہو کر ابن زیاد کو خط لکھا اور حضرت امام حسینؑ کی اس شرط مصالحت سے اطلاع دی۔ ان الفاظ کے ساتھ کہ ''الحمدللہ فتنہ کی آگ فرو ہوگئی اور مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع رہنے کی صورت پیدا ہوگئی اور امت اسلامی کا معاملہ رو بہ اصلاح ہوگیا آخر میں اس نے اپنی رائے بھی لکھی کہ میرے نزدیک

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۵۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اب مخاصمت کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہئے''۔[1]

کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد نے بھی اس رائے کو منظور کرنا چاہا اور کہا کہ عمر سعد کا یہ خط بہت خیر خواہانہ ہے مگر شمر[2] بگڑ گیا اور کہنے لگا ''بھلا ایسا موقع جس کے ہاتھ آئے وہ اسے چھوڑ دے۔ حسینؑ آپ کے پاس پہلو میں آگئے ہیں اگر آج وہ چلے گئے اور انہوں نے آپ کی اطاعت اختیار نہ کی تو پھر یاد رکھئے کہ قوت و عزت ان ہی کا حق ہوگا اور کمزوری و عاجزی آپ کا حصہ۔ میری رائے میں ان کی یہ خواہش کبھی منظور نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ بڑی ذلت کی بات اور کمزوری کی نشانی ہے بے شک انہیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دینا اور آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ پھر اگر آپ انہیں ان کے جرم کی سزا میں قتل کرنا چاہیں تو آپ کو حق اس کا ہے اور اگر معاف کر دیں تو اس کا بھی اختیار ہے رہ گیا عمر سعد اس کا کیا ذکر میں نے تو سنا ہے کہ پوری پوری راتیں وہ حسینؑ کے ساتھ باتوں میں گزار دیتا ہے۔[3]

یہ خوشامد آمیز، غیرت انگیز، مفسدہ پرداز اور فتنہ پرور تقریر وہ تھی جس سے ایک طرف تو تفوق طلبی اور ظفر انجامی کے جذبہ میں حرکت پیدا ہوئی۔ دوسری طرف انانیت، غرور اور خود بینی کی رگ میں جنبش ہوئی اور تیسری طرف ابن سعد کی طرف سے بدگمانی ہوگئی اور وہ خلوص اور خیر خواہی کا قرینہ جو اس کی تحریر میں پایا جاتا تھا نیست و نابود ہوگیا۔ شمر بڑا خیر خواہ دوست اور سچا مشیر کار شمار کیا جانے لگا اور عمر سعد پر غصہ آنے لگا کہ وہ لڑنے گیا تھا اور رات رات بھر بیٹھ کر دشمن سے باتیں کرتا ہے، حسینؑ سے مل گیا ہے اور ہم کو خواہ مخواہ دھوکا دیتا ہے پھر ایسے مشتبہ شخص کا سردار لشکر باقی رکھنا کیسا؟ یقیناً شمر کو بھیجا جائے تاکہ ابن سعد کے طرز عمل کا تدارک اور حسینؑ کے ساتھ ہر قسم کی مصالحانہ گفتگو کا سدِ باب کر سکے چنانچہ ابن زیاد نے اسی دماغی الجھن کے عالم میں عمر سعد کے نام خط لکھا۔

''میں نے تم کو حسینؑ کی جانب اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم ان کے ساتھ مراعات کرو یا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۵۔۲۳۶۔ ارشاد ص ۲۴۱۔ [2] شمر کا اصلی نام تھا شرجیل بن عمرو بن معاویہ۔ وہ بنی عامر بن صعصعہ میں آل وحید کلابی میں سے تھا (الاخبار الطوال ص ۳۳۔۲۵۴) [3] طبری ج ۶ ص ۲۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان کے ساتھ معاملات کو طول دو یا ان کو زندگی کی امیدیں دلاؤ یا میرے پاس ان کی سفارش کرنے بیٹھو دیکھو اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور اپنے کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو ان کو خاموشی کے ساتھ میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کرو۔[1] انہیں قتل کردو اور ان کے اعظاء و جوارح کو قطع برید کرو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں"۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام کے نام کو بدنام انسانیت کی پیشانی کو عرق انفعال سے تر اور تاریخ کو ہمیشہ کے لئے انگشت بدنداں کرنے والے یہ الفاظ تھے جو کسی اور کی نسبت نہیں رسول اسلامؐ کے سب سے پیارے راست باز نواسے حسینؑ کی نسبت لکھے جا رہے تھے کہ اگر حسینؑ قتل ہو جائیں تو ان کے سینہ اور پشت کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرانا کیونکہ وہ سلطنت کے باغی، مخالف اور حریف ہیں میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے موت کے بعد ان کو کوئی نقصان پہنچے گا لیکن یہ زبان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر حسینؑ کو قتل کیا تو ان کے ساتھ یہ سلوک کروں گا۔ اگر تم نے ان احکام کا اجراء کیا تو خیر تمہیں معاوضہ ملے گا جو ایک وفادار فرماں بردار کو ملنا چاہئے اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو لشکر کی سرداری سے علیحدہ ہو جاؤ اور اس منصب کو شمر کے سپرد کردو جسے ہم نے پورے طور سے مناسب ہدایتیں کر دی ہیں"۔ اس نے یہ خط شمر کے سپرد کیا اور زبانی بھی اس سے کہہ دیا کہ اگر عمر سعد اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو وہ معزول تصور ہوگا اور تم اس کی جگہ سردار لشکر قرار پاؤ گے۔ تم حسینؑ سے جنگ کرنا اور عمر سعد کو بھی قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دینا۔[2]

یہ تعجیلی اور تنبیہی حکم نامہ شمر کے ہاتھ عمر سعد کے پاس بھیج دیا گیا اب جنگ کا التواء غیر ممکن سا ہو گیا خود عمر سعد کو اس کا خوب اندازہ تھا کہ حسینؑ، یزید کی بیعت یا ابن زیاد کی غیر مشروط اطاعت پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے اس لئے جونہی اسے ابن زیاد کا خط شمر کے ہاتھ پہنچا اور اس نے کھول کر اسے پڑھا فوراً شمر سے کہنے لگا "کم بخت یہ تو نے کیا

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۶، ارشاد ص ۲۴۱، ۲۴۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے خدا تجھے غارت کرے اور اس پیغام کو غارت کرے جو تو میرے پاس لایا ہے بخدا میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہی ابن زیاد کو میرے مشورہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور اس بات کو بگاڑ دیا جس کے بن جانے کی امید تھی۔ خدا کی قسم حسینؑ کبھی اپنے کو ابن زیاد کے رحم و کرم پر چھوڑنا پسند نہ کریں گے۔ یقیناً حسینؑ اپنے باپ کا دل اپنے سینے میں رکھتے ہیں''۔[1] شمر نے کہا ''ان باتوں کو جانے دو یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ اپنے امیر کے حکم پر عمل یا سرداری کو میرے سپرد کرو گے؟''۔

کمزور دل اور دنیا پر جان دینے والا عمر سعد اپنی تمام قلبی کیفیتوں اور ضمیر کی ہدایتوں کو اس وقت بھول جاتا تھا جب دنیا کے وقتی اعزاز اور جاہ و ثروت کے اس کے ہاتھ سے جانے کا سوال پیش ہوتا تھا اور اس طرح وہ دنیا کے عشق میں اپنی تمام وجدانی کیفیتوں کے پامال کر دینے پر اس حد تک تیار ہو جاتا تھا کہ اس کے ذیل میں اس کو بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب بھی گوارا ہو جاتا تھا۔ خطرہ بالکل قریب اور اس کا رقیب سرداری شمر سامنے موجود تھا اور صرف ایک ہاں یا نہیں کا جواب وہ تھا کہ جس پر تمام اس کی آئندہ زندگی کا دار و مدار تھا جس میں فقط سرداری رہنے یا نہ رہنے کا سوال ہی نہ تھا بلکہ ابن زیاد کے صریحی حکم کے مطابق جان جانے کا اندیشہ بھی تھا اس کے لئے تو ویسے ہی جذبہ حق پسندی کی ضرورت تھی جو راہ حق کے فداکاروں میں ہوا کرتا ہے مگر عمر سعد اس جذبہ سے عاری اور ثبات و استقلال سے خالی تھا لہٰذا شمر کے اس سوال پر اسے کہہ دینا پڑا کہ نہیں میں ہی اس مہم کو سر کروں گا۔[2] ہاں تمہیں پیادوں کا افسر بنائے دیتا ہوں۔[3]

اس کے بعد سے شمر کا وجود اس کے لئے سوہان روح ثابت ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کی بدگمانی اس کی نسبت ظاہر ہو چکی تھی لہٰذا اسے اپنی وفاداری اور خیرخواہی کا ثبوت فراہم کرنا تھا اس لئے اب جنگ میں ذرا بھی تاخیر اس کے نزدیک مناسب نہ تھی۔

چنانچہ اس نے اسی وقت حملہ کی تیاری کا حکم جاری کر دیا اور روز پنج شنبہ نویں تاریخ کی شام ہونے نہیں پائی تھی کہ امام حسینؑ پر حملہ کر دیا گیا۔ یہ حملہ بالکل بغیر اطلاع

---

[1] ارشاد ص ۲۴۲۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۳۶۔۲۳۷۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا۔ امام حسینؑ عصر کی نماز کے بعد خیمہ کے دروازے پر تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے اور آپ کی آنکھ لگ گئی تھی کہ ایک مرتبہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے غل کی آواز جناب زینبؑ کے کان میں گئی۔ آپ گھبرا کر پردے کے پاس آئیں اور امام حسینؑ کو مخاطب کیا کہ دیکھئے فوج دشمن کی آوازیں بہت نزدیک سے آ رہی ہیں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا میں نے ابھی خواب میں دیکھا رسول اللہ ؐ کو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم عنقریب ہمارے پاس آیا چاہتے ہو۔ ادھر اچانک دشمنوں کے حملہ سے زینبؑ کا دل پریشان تھا ہی۔ ادھر جو امام نے یہ خواب بیان کیا تو جناب زینبؑ مضطرب ہوگئیں دونوں ہاتوں سے منہ پیٹ لیا اور کہا ''ارے یہ غضب!'' امام نے بہن کو تسکین دی۔ فرمایا ''اے بہن غضب تمہارے دشمنوں کے لئے، خاموش رہو خدا مالک ہے'' ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ابو الفضل لعباس نے آکر اطلاع دی کہ فوج اعداء نے چڑھائی کر دی ہے۔ حضرت یہ سن کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ عباس سوار ہو جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اس وقت حملہ کا سبب کیا ہے؟ جناب عباس بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ نے فوج مخالف سے خطاب کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہاری رائے میں کیوں تبدیلی ہوئی اور اب تم کیا چاہتے ہو؟ جواب ملا کہ ''امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور نہیں تو پھر جنگ شروع کر دی جائے''۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر جلدی نہ کرو میں امام کے پاس جا کر تمہارا مطالبہ پیش کرتا ہوں اس کے بعد جیسا کچھ امام فرمائیں گے اس سے تم کو مطلع کر دوں گا۔ جناب عباس گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں واپس گئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی۔[1]

حضرت نے فرمایا اگر ممکن ہو تو آج کی شب کی ان سے مہلت حاصل کر لو تا کہ آج رات بھر ہم عبادت الٰہی اور دعا و استغفار میں بسر کر لیں۔ اللہ ہی واقف ہے کہ میں اس کی نماز و عبادت، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار سے کتنی محبت رکھتا ہوں۔[2] ادھر اس

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۷۔۲۳۸۔ ارشاد ص ۲۴۲۔۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوران میں حبیب بن مظاہر اور زہیر بن قین فوج مخالف سے گفتگو اور حضرت امام حسینؑ پر بلاوجہ ظلم و ستم کرنے پر ان کو قائل معقول کرتے رہے یہاں تک کہ جناب عباس واپس آئے اور امام کے ارشاد کے مطابق ان سے ایک رات کی مہلت طلب کی۔[1] عمر سعد گزشتہ واقعات کی بناء پر شمر کی موجودگی کو اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا اس لئے اب وہ امام حسینؑ کے متعلق خواہ مخواہ بھی تشدد سے کام لینا چاہتا تھا لہٰذا وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ شمر نے جواب دیا کہ جیسا آپ مناسب سمجھیں اس لئے کہ آپ افسر ہیں اور آپ کی رائے معتبر ہے۔

عمر سعد نے سمجھ لیا کہ شمر کا یہ جواب طنزیہ انداز کا حامل ہے اس نے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دی جائے'' مگر چونکہ دراصل اس کا ضمیر اس کے خلاف تھا اس لئے اب وہ متوجہ ہوا دوسرے سرداروں کی طرف اور ان سے دریافت کیا کہ کیوں تمہاری کیا رائے ہے۔ عمرو بن حجاج زبیدی، ہانی بن عروہ کے برادر نسبتی نے جو ان کے قتل کی خبر سن کر فوج لے کے دارالامارہ پر چڑھ دوڑا تھا کہا ''سبحان اللہ! اگر یہ لوگ قبیلہ ترک و دیلم سے بھی ہوتے اور اتنی مراعات کے طالب ہوتے تو تمہیں ان کے ساتھ یہ مراعات لازم تھی''۔ قیس بن اشعث نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مہلت دینی چاہئے۔[2]

حضرت عباس کے ضبط و صبر کا بے نظیر نمونہ تھا کہ یہ تمام گفتگوئیں آپس میں ہوتی رہیں اور آپ خاموش نتیجہ کے منتظر کھڑے رہے آخر کو مہلت کا مسئلہ طے پایا اور جناب عباس واپس آئے اس طرح کہ آپ کے ساتھ عمر سعد کی طرف کا ایک نمائندہ بھی تھا اور اس نے آکر کہا کہ ہم آپ کو کل تک کی مہلت دیتے ہیں اگر کل آپ نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہم آپ کو اپنے امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو پھر جنگ یقینی ہوگی۔[3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۳۸۔ ارشاد ص ۱۴۳۔ [3] ارشاد ص ۱۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پچیسواں باب

شب عاشور یعنی محرم کی دسویں رات

کوشش کے ساتھ اس رات کی مہلت اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ جنگ کی کوئی خاص تیاری کرلی جائے نہ یہ کہ کہیں سے کسی امداد کے آنے کی کل تک امید ہو اور نہ یہ کہ امام چاہتے تھے کہ اپنے اہل بیت اور پسماندگان کو آئندہ کے لئے کچھ وصیتیں فرما دیں اور انہیں آئندہ کے لئے تیار کر دیں یا اپنے بعد ان کی حفاظت کا کوئی سامان کرنا منظور تھا۔ ان میں سے کوئی بات نہ تھی بلکہ ایک تو مقصد اس مہلت کا وہی تھا جو خود آپ نے جناب عباس سے ظاہر فرما دیا تھا اس وقت جب انہیں مہلت لینے کے لئے بھیجا ہے وہ یہ تھا کہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کر لیں اور دعا و استغفار میں مصروف رہیں۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے اصحاب نے تمام شب اس عالم میں گزاری کہ وہ مسلسل نماز اور دعا اور استغفار اور بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری میں مصروف تھے۔[1]

دوسری بڑی مصلحت اس ایک شب کی مہلت میں یہ مضمر تھی کہ آپ خطرہ کے یقینی ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اپنی اپنی طبیعتوں کے تول لینے کا موقع دینا چاہتے تھے اور ایک بار اور یہ کہہ دینا چاہتے تھے کہ جو آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتا ہو وہ چلا جائے تاکہ عین موقع پر کوئی ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہنے پائے جو خطرہ کے ہنگامی ہونے کی وجہ سے بادل ناخواستہ آپ کا ساتھ دینے پر مجبور ہوا ہو چنانچہ آپ نے شام ہوتے ہوتے اپنے ساتھیوں کو مجتمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

''تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ راحت و تکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ بار الٰہا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو نبوت کی عزت عطا کی۔ قرآن کا علم دیا، دینی معلومات کا خزانہ مرحمت فرمایا اور ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل دانا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی نعمتوں سے مالا مال کیا''۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا ''معلوم ہونا چاہئے کہ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور ان سے بہتر نہیں جانتا اور نہ اپنے اعزا سے زیادہ نیکوکار اور ادائے حق کرنے والے اعزا کسی کے مجھے معلوم ہیں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ آگاہ ہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ میں بیعت کی ذمہ واری تم سے ہٹاتا ہوں۔ رات کا پردہ پڑا چاہتا ہے اسی کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ۔ تم ہی کو میں جانے کے لئے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک تم میں سے میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لے اور اپنے ساتھ لیتا جائے۔ اس لئے کہ یہ لوگ صرف میرے طالب ہیں اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے''۔[1]

اس تقریر کو سن کر سب سے پہلے حضرت ابوالفضل العباس کھڑے ہوئے اور کہا ''کس لئے ہم ایسا کریں؟ کیا اس لئے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں، خدا ہم کو یہ روز بدنصیب نہ کرے''۔ دوسرے تمام اعزا بھی حضرت عباس کے ساتھ ہم آواز ہوئے اور متفق اللہجہ ہو کر یہی الفاظ زبان پر جاری کئے جس کے بعد امام نے خاص طور سے اولاد عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''تمہارے لئے تو مسلم کا قتل ہو چکنا بہت کافی ہے تم چلے جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں''۔ ان سب نے متفق اللہجہ ہو کر کہا ''ہم ایسا نہیں کریں گے آپ کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں''۔

اس کے بعد اصحاب میں سے مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے کہا کہ ''ہم آپ کو چھوڑ دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا خدا کی قسم میں ان دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار چلاؤں گا جب تک کہ اس کا

---

[1] ارشاد ص ۲۴۳۔۲۴۴۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قبض میرے ہاتھ میں ٹھہر سکے اور میں آپ سے کسی طرح جدا نہ ہوں گا۔ اگر ہتھیار نہ ہوں گے کہ جن سے جنگ کروں تو میں انہیں پتھر ماروں گا اور آپ کی حمایت کروں گا یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر اس جان کو نثار کر دوں''۔ اس کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا ''بخدا ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ کرلیں کہ ہم نے رسالت مآبؐ کے غائبانہ حق کو آپ کے بارے میں ادا کر دیا۔ بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے گی اور ایسا ہی میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک کہ آخری مرتبہ بھی آپ کے قدموں پر موت نہ آجائے۔ چہ جائیکہ یہ تو ایک مرتبہ کا قتل ہونا ہے اور اس کے بعد وہ دائمی عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں''۔ زہیر بن قین نے کہا ''بخدا میری تو آرزو یہ ہے کہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ایسا ہی ہزار مرتبہ ہو مگر کسی طرح آپ سے اور آپ کے خاندان کے نوجوانوں سے یہ مصیبت دفع ہو جائے'' دیگر اصحاب نے بھی ملتے جلتے الفاظ میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا اور سب کا متفق اللہجہ مطلب یہی تھا کہ یہ غیر ممکن ہے کہ ہم آپ سے جدا ہو جائیں بلکہ اپنی جانیں آپ پر فدا کر دیں گے۔ ہاں جب ہم مر جائیں تو پھر چاہے جو ہو ہم تو اپنا فرض ادا کر چکے ہوں گے۔[1] امام نے دعائے خیر دی اور اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔[2]

یہ تھا مجاہد کربلا کی حقانیت کا ایک بے مثال مظاہرہ۔ آپ زور تقریر سے جوش و خروش پیدا کرنے والے بیانات اور خوش آئند و دلفریب توقعات سے اپنے ساتھ والوں کو ساتھ رکھنا نہیں چاہ رہے تھے بلکہ ان کے سامنے حقیقت حال کو واضح کر کے غلط فہمیوں کو دور کر رہے تھے یہ کوشش شب عاشور ہی تک نہیں رہی بلکہ اس کا آپ کی جانب سے مظاہرہ روز عاشور بھی ہوا۔ اس طرح کہ جب بشر بن عمرو حضرمی کو جو انصار امام میں سے ایک تھے یہ خبر پہنچی کہ ان کا فرزند عمرو رے کی سرحد پر قید ہوگیا ہے انہوں نے کہا کہ خدا پر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۹۔ [2] ارشاد ص ۲۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھوڑتا ہوں اس کو بھی اور اپنے آپ کو بھی۔ بے شک اگر مجھے زندہ رہنا ہوتا تو یہ پسند نہ کرتا کہ وہ قید میں رہے"۔ امام کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم میری بیعت سے آزاد ہو، جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو۔ وفادار مجاہد نے جوابدیا کہ "مجھے جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں یہ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے"۔ حضرت نے فرمایا "اچھا اپنے فرزند محمد کو بھیج دو اور یہ کپڑے اس کو دے دو کہ ان کی قیمت سے اپنے بھائی کی رہائی کا سامان کر سکے"۔ آپ نے پانچ کپڑے مرحمت کئے جن کی قیمت ہزار اشرفی کے قریب تھی اس کے بعد جتنے جان نثار امام کے ساتھ رہ گئے تھے وہ وہی ہو سکتے تھے جو موت کو اپنے لئے یقینی سمجھتے ہوئے دل و جان سے مقصد حسینؑ کی حمایت کے لئے آمادہ تھے اور ان کے کردار میں کمزوری کے شائبہ کا امکان بھی نہ تھا۔

تیسری مصلحت اس ایک رات کی مہلت میں یہ ہوسکتی تھی کہ آپ دشمن کو ایک موقع اور اپنے کردار کے جائزہ لینے کا دینا چاہتے تھے تاکہ اگر کسی میں صلاحیت راہ راست پر آنے کی ہو تو وہ آجائے چنانچہ عمر سعد کی فوج کا ایک بڑا افسر حر بن زید ریاحی کو سب سے پہلے حسینؑ کو گھیر کر کربلا میں لانے کا ذمہ دار تھا اپنے ضمیر کی ہدایت کی بناء پر فوج مخالف سے علیحدہ ہو کر اصحاب حسینؑ میں داخل ہوگیا اور اس نے بھی آپ کی نصرت میں اپنی جان دی اسی طرح اور بھی چند سپاہی نصرت باطل چھوڑ کر نصرت حق پر آمادہ ہوگئے۔

حقیقت میں ایک داعی حق کی بڑی کامیابی یہی قرار پا سکتی ہے کہ وہ کسی ایک متنفس کو ہی سہی حقیقی معنی میں راہ ہدایت دکھا سکے اور حضرت امام حسینؑ کی یہ ایک بڑی کامیابی اس رات کی مہلت کا نتیجہ تھی جو آپ نے دشمن سے مانگ کر حاصل کی تھی۔

گزشتہ خطبہ کے بعد تمام رات امام اور اصحاب امام نے عبادت خالق میں بسر کی۔ اس کے ساتھ آپ نے جنگ کے ہنگام کے لئے امکانی حد تک تحفظی تدابیر بھی کئے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو بالکل ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں اور ہر خیمہ کی طناب کو دوسرے خیمہ کے ساتھ باندھ دیں۔[1]

---

[1] ارشاد ص ۲۴۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے علاوہ آپ نے پشت کی جانب ایک ایسے نشیب کو جو ایک نالی کی طرح سے تھا کھدوا کر خندق تیار کرا دی اور اس میں لکڑیاں جمع کرا دیں کہ جب ان میں آگ دی جائے تو اس طرف سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ نہ رہے۔

یہ تیاریاں شب عاشور مکمل ہوگئیں اور صبح کو اس خندق میں آگ روشن کر دی گئی اس طرح فوج دشمن کو بالکل گھیر کر چاروں طرف سے حملہ کرنے کا موقع باقی نہ رہا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھبیسواں باب

دسویں محرم ۶۱ھ

اتمام حجت اور آغاز حرب

عاشور کی رات اپنی تمام کیفیتوں سمیت ختم ہوئی یقین کرنا چاہئے کہ اس شب کربلا کے میدان میں کسی کی آنکھ لگنے نہ پائی ہوگی۔ اس طرف عبادت خدا اشتیاق شہادت، بی بیوں میں بے تابی بچوں میں پریشانی اور سب سے بڑھ کر پیاس کا غلبہ اور اس طرف جنگ کی تیاری اسلحہ کی درستی تدابیر جنگ کے متعلق مشورے اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے صبح کا انتظار۔

بہرحال رات ختم ہوئی اور سپیدہ سحری نمودار ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے اصحاب واقرباء کے ساتھ نماز صبح بجماعت ادا کی وہ نماز جس کے تعقیبات میں کربلا کا جہاد تھا۔

عام انسانی دل وجگر کے معیار کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ظاہر بیں افراد خیال کرسکتے ہیں کہ اس وقت اصحاب حسینؑ پر عجیب ہراس کا عالم طاری ہوگا۔ سامنے نظر جاتی ہوگی تو ان کو دشمن کی فوج کا عظیم سمندر موجیں لیتا ہوا نظر آتا ہوگا اور اپنی ہستی اس میں حباب کی سی نظر آ رہی ہوگی مگر نہیں حقیقتاً ایسا نہیں تھا ان کے دل اطمینان سے معمور تھے ان کے سینوں میں خوشی اور مسرت کی لہریں تھیں اور ان کے چہروں پر فرحت وانبساط کی سرخی تھی وہ جیسے کبھی خوش نہیں تھے ویسے آج خوش نظر آرہے تھے جیسی پر مذاق باتیں کبھی نہ کرتے تھے ویسی آج کر رہے تھے۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن عبدار بہ انصاری اور بریر بن خضیر ہمدانی کا واقعہ ہے کہ بریر نے عبدالرحمٰن سے کچھ مزاح کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا ''چھوڑو ان باتوں کو یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے''۔ بریر نے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم میرے قوم وقبیلہ والے اچھی طرح واقف ہیں کہ مجھے جوانی سے لے کر اس عمر تک کبھی مذاق سے دلچسپی نہیں رہی مگر میرا دل اس وقت مستقبل کے تصور سے محفوظ ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم ہمارے اور سعادت ابدی کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

درمیان بس اب اتنا فاصلہ ہے کہ یہ دشمنان دین تلواریں لے کر ہم پر ٹوٹ پڑیں اور مجھے تو تمنا ہے کہ کسی طرح وہ وقت جلد آئے کہ ان کی تلواریں ہم پر پڑنے لگیں''۔[1]

بے شک یہ حقانیت پر اعتماد اور اخروی کامیابی کے کامل یقین ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے یہی چیز کمزور دل میں طاقت پیدا کرتی اور مایوسیوں کی ظلمت میں امید کی شمع روشن کرتی ہے۔

اتنی دیر میں فوج مخالف میدان جنگ میں آگئی، پرے جمائے گئے اور لشکر کی ترتیب ہوئی میمنہ پر عروج بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن، سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمسی اور پیادوں کا افسر شبث بن ربعی بربوعی اور علم عمر سعد نے اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔[2]

امام حسینؑ بھی میدانِ جہاد میں آگئے یقیناً تاریخ ایک ایسے سپہ سالار کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے ایسی چھوٹی سی جماعت کو کم از کم بیس تیس ہزار فوج کے مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑا کیا ہو۔

ایک تاریخی صراحت کے مطابق یہ بتیس سوار اور چالیس پیادوں سے زیادہ نہیں تھے۔[3] اور اسی لئے شہدائے کربلا کے لئے بہتر کی لفظ زبان زد خلائق ہے۔

مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم تھی۔[4] ممکن ہے کہ عام طور پر تاریخ میں جو تعداد درج اور عموماً زباں زدِ خلق ہے اور جو اس کتاب میں بھی بعض جگہ نظر آئے گی۔ ان جانبازوں کی ہو جو فوجی انداز پر تربیت یافتہ تھے لیکن سلسلہ جہاد میں بہت سے ایسے افراد بھی میدان میں آگئے جو فوجی حیثیت سے سپاہی نہ سمجھے جاسکتے تھے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۱۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۴ طبری ج ۶ ص ۲۴۱ ارشاد ص ۲۴۶۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۵۴ طبری ج ۶ ص ۲۴۱، ارشاد ص ۲۴۶۔ [4] عمار دہنی کی روایت ابوجعفر سے اس کے مطابق ہے اس میں ہے کہ جماعت حسینی ۴۰ سواروں اور سو پیادوں پر مشتمل تھی (طبری ج ۶ ص ۲۲۰)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میدان جنگ میں آنے کے بعد پہلے امام نے اپنے ہاتھ درگاہ احدیت میں بلند کئے اور یہ مناجات زبان پر جاری کی۔ کیا نسبت دی جاسکتی ہے نبی خدا حضرت عیسیٰؑ کی آواز کو جو بائیبل (عہد جدید) کی نقل کے مطابق صلیب پر بلند ہوئی تھی۔ اس انداز سے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی ''اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا'' فرزند رسولؐ امام حسینؑ کی اس مناجات کے ساتھ جو اس سیلاب مصیبت کے اندر آپ کے لبوں پر جاری ہو رہی تھی۔

خداوندا! تو میرا سہارا ہے ہر تکلیف میں اور میرا قبلہ امید ہے ہر سختی میں اور تجھ پر مجھے ہر مہم میں جو درپیش ہو بھروسا ہے۔ کتنے ہی صدمے ایسے ہیں جن کے برداشت کرنے سے دل کمزور ثابت ہوتا ہے اور حیلہ و تدبیر کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ دوست ان میں ساتھ چھوڑ دیتے اور دشمن ان میں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں میں ان کو تیرے حضور میں پیش کرتا اور تیری بارگاہ میں میں عرض معروض کرتا ہوں اس لئے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا ہی نہیں جانتا تو اس تکلیف کو دور کرتا اور اس کا تدارک کرتا ہے یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک اور احسان کا مرکز اور ہر مطلب کے لئے آخری جائے پناہ ہے''۔[1]

اس کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کو ترتیب دیا میمنہ پر زہیر بن قین، میسرہ پر حبیب بن مظاہر اور علمدار عباس بن علیؑ قرار دیئے گئے۔[2]

چونکہ امام حسینؑ کی جدوجہد کا مقصد یہ تھا کہ دین و آئین شریعت کی حقانیت کو ظاہر کرتے ہوئے اپنے دشمن کی سیرت و کردار کے متعلق دنیا کے سامنے اس حقیقت کو ثابت کر دیں کہ اسے اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اس کے لئے ضرورت تھی کہ ایک تو آپ کے کردار میں کوئی ایسا شائبہ بھی نہ آنے پائے جو آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی دلیل بن سکے۔ اسی لئے آپ نے مصالحت کی گفتگوئیں کیں۔ ملک عرب کو چھوڑنے اور در بدری کی زندگی بسر کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور اسباب اشتعال پیدا کئے جانے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں کو جنگ میں سبقت سے روکے رکھا اور لڑائی کی مکمل تیاری ہو چکنے کے بعد بھی اپنی طرف سے پہل نہ ہونے دی چنانچہ صبح عاشور ابھی جب

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۱۔ ارشاد ص ۲۴۶۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۱، ارشاد ص ۲۴۶۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خیام امام کے ساتھ خندق میں آگ بھڑک رہی تھی تو ادھر کا ایک سوار سر سے پیر تک لوہے میں غرق اس طرف سے گزرا اور اس خندق کی آگ کو شعلہ ور دیکھ کر ایک انتہائی اشتعال انگیز جملہ کہا۔ معلوم ہوا کہ شمر بن ذی الجوشن ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے امام سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس کو تیر کا نشانہ بنالوں کیونکہ یہ بڑا فاسق و فاجر شخص ہے اور اس وقت بالکل تیر کی زد پر ہے۔ حضرت نے فرمایا ''نہیں ایسا نہ کرو میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا''[1]

یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک تیر جو اس وقت کمان سے رہا ہو جاتا نوعیت جنگ کو تبدیل کر دیتا۔ امامؑ نے اس کا سختی کے ساتھ لحاظ رکھا۔

دوسرے اس کی ضرورت تھی کہ آپ کے خلاف دشمنوں کے طرز عمل میں تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے سب سے بڑی تاویل کسی ناروا عمل کے متعلق اس کا بے خبری اور ناواقفیت پر محمول کیا جانا ہے۔ بنی امیہ نے اپنے حدود مملکت میں یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور ہم ان کے وارث جائز ہیں اس کے لئے ضرورت تھی کہ امام حسینؑ اپنے نام و نسب اور خاندانی خصوصیات نیز اپنے بارے میں اسلامی روایات کو فوج مخالف پر اس طرح واضح کر دیں کہ ان میں سے کسی ایک فرد کے لئے بھی ناواقفیت کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہ جائے اور آپ کے خلاف جو ظلم ہو رہا ہے اس کے جرم کی اہمیت ہر ایک پر بالکل روشن ہو جائے تاکہ ان میں سے ہر ایک نہ خود اپنے نفس کو دھوکا دے سکے اور نہ دوسروں کو ان کی نسبت کسی ''حسن ظن'' یا ''حمل برصحت'' کا راستہ مل سکے۔ امام حسینؑ دیکھ چکے تھے کہ ان سے پہلے ان کے والد بزرگوار حضرت علیؑ کا مقابلہ کیا گیا اور اس مقابلہ کو ''خطائے اجتہادی'' کا پردہ ڈال کر قابل معافی سمجھ لیا گیا۔ حسینؑ کے خلاف تلوار اٹھانے والوں کے عمل میں اگر کہیں سے اس طرح کی گنجائش ہوتی تو سادہ لوح افراد یا ہوا خواہان بنی امیہ اس سے فائدہ اٹھانے سے چوکتے تھوڑے ہی اور اس سے مقصد اور مفاد دینی کو سخت نقصان پہنچ جاتا۔ اس سے تحفظ کے لئے امام حسینؑ نے وہ سب کچھ کیا جسے ''اتمام حجت'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے بعد دشمن کے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''اصرار گناہ'' یا باطل پر ضد کی حیثیت اتنی نمایاں ہوگئی کہ کسی تاویل یا حمایت کا موقع باقی نہ رہا۔

تاریخی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح عاشور دونوں طرف کی صف بندی ہو چکنے کے بعد کافی وقت تک آغاز جنگ نہیں ہوا اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اس کا موقع ڈھونڈ رہا تھا کہ کسی صورت سے حسینی جماعت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام ہو جو بنائے جنگ بن سکے اور امام حسینؑ کا منشاء یہ تھا کہ میری طرف سے آغاز جنگ ہونے نہ پائے بلکہ اس کے برخلاف آپ نے دشمن کو راہ راست پر لانے کی پرامن کوشش کر کے چاہا کہ اتمام حجت فرمائیں اس لئے آپ نے ناقہ طلب فرمایا اور اس پر سوار ہوئے قرآن اپنے سامنے رکھا۔[1]

پھر صفوف دشمن کے قریب آکر بلند آواز سے ارشاد فرمایا ''اے گروہ مردم میری بات سنو جلدی سے کام نہ لو یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے ماتحت تم کو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کر دوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقت حال بیان کر دوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا؟ اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے تسلیم کر لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہیں میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی اور اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے مجتمع کر لو اپنی طاقتوں کو اور اکٹھا کر لو جس جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے اور کوئی کوشش اٹھا نہ رکھو، پھر پوری طاقت سے بغیر ایک دم کی بھی مہلت دیئے ہوئے میرا خاتمہ کر دو میرے لئے وہ پروردگار کافی ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک اعمال بندوں کا مددگار ہے''۔ امام حسینؑ کی آواز خیمہ میں پہنچنا تھی کہ اہل حرم میں گریہ و بکا کا شور بلند ہوا۔ حضرت نے عباس و علی اکبر کو بھیجا کہ انہیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت بعد کو آئے گا جب آواز گریہ کی موقوف ہوگئی تو حضرت نے حمد الٰہی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ادا فرمائی اور خدا کے اوصاف ذکر فرمائے پھر جناب رسالت مآبؐ پر درود بھیجا اور آنحضرت کے اوصاف و فضائل دیر تک بیان فرماتے رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حسینؑ کے پہلے اور حسینؑ کے بعد کوئی متکلم نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت میں آپ سے بڑھا ہوا ہو۔ حمد وصلوٰۃ ادا کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا ''ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو اور دیکھو تو میں کون ہوں پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ غور کرو کہ تمہارے لئے میرے خون کا بہانا اور میری ہتک حرمت کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسا نہیں ہوں اور ان کے وصی، ان کے چچا زاد بھائی اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے کا فرزند؟ کیا حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا اور جعفر طیار خود میرے ہی چچا نہیں تھے؟ کیا یہ حدیث جو زبان زد خلائق ہے تمہارے گوش زد نہیں ہوئی کہ حضرت رسول خداؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقتاً وہ سچ ہی ہے اس لئے کہ کبھی میں نے غلط بات نہیں کہی پھر تو کوئی بات نہیں اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو اسلامی دنیا میں ابھی ہیں ایسے اشخاص جن سے اگر تم پوچھو تو وہ بتلا دیں گے۔ پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے، ابوسعید خدری سے، سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس بن مالک سے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسالت مآبؐ سے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے پھر کیا یہ تمھیں میری خونریزی سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہے۔[1]

اس موقع پر شمر آپ کا کلام قطع کرتے ہوئے بول اٹھا کہ ''میں اللہ کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں اگر میری سمجھ میں آتا ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو''۔ (قرآن میں منافقین کی نسبت آیا ہے ومن الناس من یعبداللہ علی حرف لہٰذا اس کا مقصود تھا کہ میں مسلمان نہیں منافق ہوں اگر کچھ سمجھتا ہوں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں)

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اصحاب خاموش کھڑے ہوئے امام کی تقریر سن رہے تھے انہیں شمر کی یہ بدتمیزی اور حضرت کے خطبہ میں مداخلت سخت ناگوار ہوئی۔ حبیب بن مظاہر نے پکار کر جواب دیا۔ ''بخدا میں جانتا ہوں کہ تو خدا کی عبادت ستر حرفوں پر کرتا ہے (یعنی انتہائی مکار اور عبادت کے معاملہ میں فریبی ہے) اور میں گواہی اس کی بھی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے تیری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ خدا نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے''۔ امام نے پھر سلسلہ تقریر جاری فرمایا، اگر تمہیں اس حدیث کی صحت میں پھر بھی شک ہے تو کیا اس میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے رسولؐ کا نواسا ہوں۔ خدا کی قسم مشرق و مغرب کے عالم میں کوئی بھی نبیؐ کا نواسا میرے سوا موجود نہیں ہے نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسرے اقوام میں اور میں تو خود تمہارے ہی نبیؐ کا نواسا ہوں ذرا بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل پر تم کس لئے آمادہ ہوئے ہو؟ کیا کسی اپنے مقتول کا قصاص لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کر دیا ہو؟ یا کسی اپنے مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کیا ہو؟ یا کسی زخم کا بدلہ چاہتے ہو جو میرے ہاتھ سے کسی کو لگا ہو؟'' ایک خاموشی سی چھائی رہی اور ان میں سے کسی سے کچھ جواب دیتے نہ بن پڑا۔[1] دیکھئے تو کہ ایک انسان ایک طرف اور ہزاروں زبانیں دوسری طرف۔ بے شک حق میں ایسی طاقت ہونا چاہئے اور ایک انسان اپنی سچائی اور حسن عمل پر اتنا اعتماد رکھتا ہو۔ حسینؑ اس وقت جبکہ اپنا کوئی گواہ نہ تھا اور مجمع دشمن تھا مجمع سے اپنی بے جرمی کا اقرار لے رہے تھے۔ تمام لشکر کو دعوت دی جا رہی تھی کہ کوئی شخص کسی جرم کا پتہ دے دے۔ ہوتا کوئی جرم کسی کی نگاہ میں تو اس تیس ہزار کے مجمع میں کوئی زبان کھولتا۔ کیا دنیا کی کوئی مادی طاقت زبانوں کو روکنے والی تھی؟ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی طاقت تھی جو دہنوں پر قفل اور زبانوں پر گرہ لگائی ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک یکہ و تنہا انسان ہزاروں آدمیوں کو مخاطب کر رہا تھا اور کسی کو اس کے خلاف زبان کشائی کی جرأت نہ تھی۔

فوج مخالف کے سکوت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ نے نام بنام ان لوگوں کو

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۳۔ ارشاد ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پکارا جن کے اس خط پر دستخط موجود تھے اور یہ لوگ معمولی درجہ کے سپاہی بھی نہ تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کم از کم ہزار پانچ سو آدمیوں کا سردار تھا آپ نے فرمایا ''اے شبث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں چشمے پانی سے چھلک رہے ہیں۔ آیئے لشکر آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں''۔[1]

اب معاملہ ان اشخاص کے لئے انتہائی نازک تھا چار آدمیوں کی بابت نام لے لے کر یہ انکشاف کیا جا رہا تھا کہ انہوں نے بھی آپ کو خط بھیجا تھا گویا یزیدی افواج اور ان کے سالار عمر سعد کے سامنے ان لوگوں کی سازش، دورنگی اور حکومت سے ایک طرح کی بغاوت کا ثبوت مہیا کیا جا رہا تھا حالانکہ وہ کوفہ کے سربرآوردہ اشخاص تھے اور ابن زیاد کی طرف سے بڑے بڑے معزز عہدوں پر فائز تھے۔ انہوں نے تو وہ خط جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے محض سازشی انداز میں ہوا کے رخ کو دیکھ کر لکھا تھا اس خیال سے کہ حسینؑ کے نام اتنی کثرت سے خطوط آ رہے ہیں اور بلایا جا رہا ہے اگر کہیں حسینؑ آ گئے اور فضا ان کے موافق رہی تو ہمارے لئے بھی جگہ باقی رہنا چاہئے اس لئے انہوں نے یہ خط لکھا مگر اس وقت اتنے گواہوں کے سامنے ان کی سازش منکشف ہو رہی تھی اور اندیشہ تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد ابن زیاد کے ہاتھ سے ان لوگوں کا فیصلہ ہو جائے اور سلطنت بنی امیہ کی جانب سے راندۂ درگاہ قرار پا جائیں اس لئے بربنائے ضرورت ان کو اس موقع پر بے غیرتی کے ساتھ بولنا ناگزیر تھا چنانچہ انہوں نے اپنی تحریروں سے انکار کیا اور کہا ''ہم نے اس طرح کے خطوط نہیں لکھے تھے'' امام نے فرمایا ''اللہ اکبر! اتنا کھلا ہوا حقیقت سے انکار! تم نے خط لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا اچھا اگر بفرض محال نہیں بھی لکھا تھا اور تم لوگ میرا آنا حقیقتاً نہیں بھی چاہتے تھے تو مجھے واپس چلا جانے دو کسی ایسی جگہ جہاں میں امن و امان کی زندگی گزار سکوں''۔

قیس بن اشعث نے (جس کی بہن جعدہ بنت اشعث نے حکومت شام کے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۳، ارشاد ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ساتھ سازش میں شریک ہو کر امام حسنؑ کو زہر دیا تھا اور جس کا بھائی محمد بن اشعث حضرت مسلم کے قتل کا ذمہ دار تھا) پکار کر کہا ''آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟'' حضرت نے فرمایا ''تم ایسا کیوں نہ کہو گے؟ تم محمد بن اشعث ہی کے تو بھائی ہو کیا تم اتنے کو کافی نہیں سمجھتے کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح خطرہ سے اپنی جان بچا کر بھاگوں گا''۔

فوج مخالف کے متاثر ہونے کی پہلے ہی سے امید نہ تھی اپنا فرض پورا کرنا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حضرت نے ناقہ کو بٹھا دیا اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دیں۔[1]

چونکہ اصحاب حسینؑ آپ کے مقصد سے واقفیت حاصل کر چکے تھے اس لئے وہ بھی مسلک حسینی ہی کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور افواج یزید کی اکثریت عوام اہل کوفہ کے ممتاز افراد کی تقریروں کا ان پر کافی اثر ہو سکتا تھا پھر ان میں بھی حبیب بن مظاہر وغیرہ جو ہمیشہ سے شیعہء علیؑ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے اور حضرت کوفہ کی جانب دعوت دینے والوں میں سے تھے ہواخواہان بنی امیہ کے لئے ان کی تقریر ایسی موثر نہ ہو سکتی تھی جیسی زہیر بن قین کی جو کہ ابھی قریبی زمانہ تک ''عثمانی'' گروہ میں شمار ہوتے تھے اور اب مکہ اور کربلا کے راستے ہی میں امام کے پاس آ کر شریک ہوئے تھے اس لئے فوج مخالف کے سامنے سب سے زیادہ تقریریں انہوں نے کی ہیں جن کا ظاہری حیثیت سے اس وقت کوئی نتیجہ مرتب ہوا ہو یا نہیں لیکن یہی نتیجہ کیا کم ہے کہ افواج مخالف پر ہر ممکن ذریعہ سے اتمام حجت ہو گیا۔ چنانچہ امام حسینؑ کے مذکورہ بالا خطبہ کے بعد زہیر بن قین گھوڑے پر سوار سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق صف سے باہر نکلے پکار کر کہا ''کوفہ والو! خدا کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان کی گردن پر اس کے اسلامی بھائی کا یہ حق ہے کہ وہ اسے خیر خواہانہ نصیحت کرے اور ہم آپس میں بھائی بھائی اس وقت تک ہیں اور ایک

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۳۔ ارشاد ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہی ملت کے تابع کی حیثیت رکھتے ہیں جب تک کہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار چلنے نہیں لگی ہے یعنی جب تک باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہو جاتی ہم میں اور تم میں رشتہ اخوت قائم ہے اور تم ابھی ہماری طرف سے نصیحت کے مستحق ہو۔ بے شک جب تلوار چلنے لگے گی تو یہ رشتہ خود بخود ٹوٹ جائے گا اور ہم علیحدہ علیحدہ ملتوں کے تابع قرار پا جائیں گے۔ یقیناً اللہ نے ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ذریعہ سے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور تم کیا سلوک کرتے ہو۔ ہم تم سب کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی مدد کرو اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑ دو۔ یزید اور ابن زیاد سے تم کو ان کی حکومت کے تمام دور میں کبھی سوا برائی کے کوئی اچھا سلوک نظر نہ آئے گا وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے تمہارے ہاتھ پاؤں قطع کراتے تم کو سولیاں دلواتے اور تمہارے نیک اعمال حفاظ قرآن مثلاً حجر بن عدی اور ان کے ہمراہیوں اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں''۔[1]

مضمون کے لحاظ سے امام حسینؑ کے خطبہ اور زہیر بن قین کی تقریر میں بہت نمایاں فرق ہے۔ اس کا انداز خاص طور پر انفرادی حیثیت سے حقیقت حال کو واضح کرنے اور اپنی شخصیت کے تعارف پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور اس میں موجودہ حکومت کے متعلق ایک سیاسی تبصرہ ہے جس میں یزید سے زیادہ ابن زیاد کی حکومت کردار پر تبصرہ کیا گیا اس مصلحت سے کہ مخاطب کوفہ کے باشندے تھے اور ان کو براہ راست ابن زیاد کے مظالم سے سابقہ پڑ رہا تھا غالباً یہی وجہ تھی کہ زہیر بن قین کو اپنی تقریر کے سلسلے میں سخت مزاحمت سے دوچار ہونا پڑا اس طرح کے ابن زیاد کے ہواخواہوں اور خوشامدیوں نے خود زہیر کی مذمت اور ابن زیاد کی مدح شروع کر دی اور کہا ہم اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمہارے سردار اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا گرفتار کر کے ان کو ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں۔ زہیر اس کے بعد بھی خاموش نہ ہوئے اور ان کو ہدایت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شمر نے تیر لگایا اور کہا ''بس خاموش۔ خدا تیری زبان کو چپ کرے'' مگر زہیر

---

[1] ج ۶ ص ۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے تیر کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور وہ شمر سے مصروف کلام ہو گئے۔ شمر کے اس کہنے پر کہ ''دیکھو تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہیں''۔ زہیر نے بڑی جگرداری اور قوت ایمانی کے ساتھ جواب دیا۔ ''تو مجھے موت سے خوف دلاتا ہے؟ خدا کی قسم ان کے ساتھ مرنا مجھے تم لوگوں کے ساتھ زندگی جاوید حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے''۔ اس کے بعد پھر وہ لشکر مخالف کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا ''اے اللہ کے بندو! ایسے بندگان زر کے کہنے میں نہ آؤ خدا کی قسم پیغمبر خداؐ کی شفاعت ان لوگوں کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی جنہوں نے پیغمبر خداؐ کی اولاد کا خون بہایا ہو اور ان کے مددگاروں کو قتل کیا ہو''۔ امام حسینؑ نے یہ دیکھ کر کہ باتوں کا جواب تیر سے دیا جا رہا ہے اور اتمام حجت کا فرض ادا ہو چکا ہے کسی سے پکار کر کہلوایا کہ زہیر! واپس چلے آؤ، اگر مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کر کے اپنے فرض کو ادا کر دیا تھا تو یقیناً تم بھی اپنا فرض پورا کر چکے اور نصیحت کا حق ادا کر دیا مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی فائدہ بھی تو ہو''۔[1] اس آواز کو سن کر زہیر واپس چلے آئے۔

ان مصلحانہ رجحانات، ان حقیقت ریز بیانات اور بصیرت افروز نصائح و اظہارات کا کوئی اثر ہو رہا تھا یا نہیں۔ یہ امر بالکل تاریکی میں تھا جب تک کہ حر کے باطن نے پردہ الٹ کر اپنے کو ظاہر نہیں کیا۔ ہماری کتاب کے ناظرین کے لئے یہ نام کوئی اجنبی حیثیت نہیں رکھتا یہی حر وہ تھا جس نے ایک ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ آ کر کوفہ کے راستے میں امام حسینؑ کو روکا تھا جو آپ کو گھیر کر کربلا لایا تھا اور جس نے ابن زیاد کا خط آنے کے بعد اتنی سختی برتی تھی کہ خیام حسینی کو دریا کے کنارے برپا نہ ہونے دیا تھا۔ اس کے بعد محرم کی دوسری تاریخ سے دسویں تک اس کی کیا حالت رہی تھی اس کا بعد کی صورت حال اور خود حر کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت وہ امام حسینؑ کو کربلا میں پہنچا کر ابن زیاد کو مطلع کر چکا اس وقت سے برابر خاموشی کے عالم میں مگر بے چینی کے ساتھ حالات کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۳۔۲۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے قبل اس نے راستے ہی میں اس طرح کی سلسلہ جنبانی کرنا چاہی تھی کہ کسی طرح امام حسینؑ اور یزید یا ابن زیاد کے درمیان کچھ خط و کتابت ہو اور معاملات روبہ اصلاح ہو جائیں اس کے بعد میدان کربلا میں پہنچنے کے بعد بھی اسے یہ توقع تھی کہ بیچ میں کوئی ایسا مشترک نقطہ پیدا ہو جائے گا جہاں امام اور ان کے مخالف مجتمع ہو جائیں اور جنگ کی صورت پیش نہ آئے۔ اسے کوفہ سے متواتر فوجیں آنے سے انتشار ضرور پیدا ہوتا ہوگا مگر عمر بن سعد کا طرز عمل اس کے لئے امید افزا تھا جو خود صلح کی گفتگوئیں کر رہا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ نہ ہو ایسا بھی وقت آیا جب سلسلہ گفتگو ایسے نقطہ پر پہنچا جہاں عمر سعد تک نے یہ طے کر لیا کہ اب معاملہ یکسو ہوگیا اور مقابلہ کی ضرورت باقی نہیں رہی پھر ایسی صورت میں حر کو یہ سمجھنے کی کیا وجہ تھی کہ جنگ ضرور ہوگی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ امام کا طرز عمل روادارانہ ہے آپ اپنی جانب سے معقول شرائط پیش کر رہے ہیں جن پر صلح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ توقعات تھے جو اس کے دل و دماغ پر نویں محرم کی سہ پہر تک چھائے رہے ہوں گے مگر ۹ محرم کی شام کو یہ سب امیدیں منقطع ہوگئیں۔ ابن زیاد کے اس خط سے جو شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر سعد کے پاس پہنچا جس کے بعد عمر سعد مجبور تھا کہ وہ اسی وقت حسینی جماعت پر حملہ آور ہو اور بدقت تمام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو صرف ایک شب کی مہلت عبادت خدا کے لئے دینا منظور کرے۔ یقیناً یہ وہ وقت تھا کہ جب حقیقتاً حر کے سامنے امام حسینؑ سے کھل کر جنگ کرنے اور آپ کے قتل ناحق میں شرکت کرنے کا سوال صریحی طور پر پیدا ہوگیا اور اس کو یہ نظر آنے لگا تھا کہ میں نے اس سے پہلے حسینؑ کے خلاف جتنے بھی اقدامات کئے تھے وہ اس مظلوم مقدس ہستی کو فنا کی منزل سے قریب کرنے کے سامان تھے اس کی ذمہ واری مجھ پر ہے اور اس کے بعد پھر اب کیا مجھ کو اس سے بڑے اقدامات میں شرکت کرنا چاہئے؟ کیا میں حسینؑ کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگین کرسکتا ہوں؟ اس کا ضمیر سختی سے انکار کرتا تھا کہ ہرگز نہیں۔ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا اسے اب سب کچھ یاد آتا ہوگا کہ حسینؑ وہ تھے جنہوں نے اس سخت موقع پر مجھے اور میری تمام فوج کو پانی سے سیراب کیا تھا اب ان پر اور ان کے ننھے ننھے بچوں تک پر پانی بند ہے اور یہ بڑی حد تک میری ہی وجہ سے اس لئے کہ میں نے ہی انہیں اس بے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آب و گیاہ مقام پر اترنے کے لئے مجبور کیا۔ یہ سوچ کر اس کے قلب میں خود اپنی ہستی سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا یا کم از کم اس کی کسی صورت سے تلافی کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے وہ خیال کرتا ہوگا کہ اگر میں حسینؑ کے پاس جا کر اپنی اس خطا کو معاف کرنے کی درخواست کروں تو کیا اتنا بڑا جرم دنیا میں معافی کے قابل بھی ہے؟ پھر اگر حسینؑ نے میری خطا کو معاف نہ کیا تو میں کہاں کا رہا؟ نہ دنیا ملی نہ آخرت۔ پھر بھی اس کا ضمیر کہتا ہوگا کہ چل کر معافی مانگنا تو چاہئے اپنا امکانی فرض تو بہرحال انجام دینا ضروری ہے پھر میں جب اپنی جان ان کے قدموں پر ڈال دوں گا تو وہ کریم النفس ہیں ضرور معاف کردیں گے۔ قرآئن کی بناء پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ خیالات تھے جو اس کے دماغ میں ایک تلاطم برپا کئے ہوئے تھے اور وہ شب عاشور ہی تھی جس کی سیاہی کے بے پناہ سمندر میں اس کے خیالات کی کشتی تھپیڑے کھا رہی تھی۔

ہو مارتا ہوا جنگل اور رات کا سناٹا! صفحہ تاریخ بھی سنسان ہے کون مورخ ہے جو اس معرکہ کی داستان قلم بند کرے جو حر کے دل و دماغ میں برپا تھا بے شک سچا شاعر اکثر حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے میر انیس علیہ الرحمتہ اور ان کے خاندان کے دوسرے باکمال مرثیہ گویوں نے جس طرح اس رات کو حر کی حالت کی خیالی تصویر کشی کی ہے۔ وہ یقیناً ایک ایسا بیان حال ہے جس کی روایت خاموش فطرت کے واسطہ سے شاعر کے دل تک پہنچی اور واقعات کے قرآئن اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

بہرطور رات کسی طرح گزری اور صبح ہوئی حر کو پھر بھی یہ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے کیا واقعی جنگ ہی ہوگی یا کوئی اور صورت رونما ہوگی اس نے انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ دیکھا کہ افواج کی ترتیب ہوئی اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک حصہ فوج کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ اس نے امام کا بے نظیر موثر خطبہ سنا جس نے اس کے دل میں گھر کر لیا مگر پھر اس نے انتظار کیا کہ اس کا اثر فوج مخالف پر کیا پڑتا ہے اسی اثناء میں زہیر بن قین نے بڑھ کر تقریر کی اور ناصحانہ انداز میں اہل کوفہ کو مخاطب کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد بھی اسے محسوس ہوا کہ افواج یزید کے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ جنگ پر آمادہ ہیں بس اس کے بعد حر کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک گیا اور وہ خیال جو اس کے دل میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پرورش پا رہا تھا اب رازداری کے حدود سے آگے بڑھ گیا۔ وہ عمر سعد کے پاس آیا اور کہا ''کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے؟''[1]

اسی ایک سوال کے انداز میں وہ سب کیفیتیں مضمر تھیں جن میں حر کئی روز سے دل ہی دل میں غلطاں و پیچاں تھا اسے یہ یقین آنے کے قابل بات ہی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ فرزند رسولؐ سے جنگ عملی شکل بھی اختیار کرے گی وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے آثار و قرآئن کو جنگ کے قطعی پا رہا ہے مگر پھر بھی اس کی آرزو رکھتا ہے کہ یہ سب نمائشی ہو اور اس کو واقعیت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ عمر بن سعد اس کے ضمیر کے اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا اس نے حر کے سوال کا فوجی انداز میں بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ ''ہاں قسم بخدا، ایسی جنگ جس کا بہت ادنیٰ نتیجہ یہ سمجھنا چاہئے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں''۔ حر نے کہا ''کیا اتنی صورتیں مصالحت کی جو حسینؑ نے پیش کیں ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے؟''۔[2]

اس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صلح کی گفتگو کو پورے غور سے نتیجہ کی جستجو کے ساتھ سن رہا تھا اور یہ یقین رکھتا تھا کہ ان صورتوں میں سے کوئی ضرور مان لی جائے گی۔ عمر بن سعد نے کہا کہ ''خدا کی قسم اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا''۔[3]

عمر سعد کا یہ جواب خود کمزوری کا پہلو لئے ہوئے تھا اور اس کا عنوان حر کی رائے اور خیال کو مزید تقویت دینے والا تھا اس لئے کہ وہ تسلیم کر رہا تھا کہ حسینؑ کا مسلک صلح جوئی کا حامل ہے اور ابن زیاد کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ قتل حسینؑ سے کم کسی بات پر رضامند نہیں اس کے بعد حر نے کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا اور اب یہ وقت آگیا تھا کہ وہ اپنے اس فیصلہ کو جو بہت مشکل سے اس کے دل و دماغ کے انتہائی کشمکش کے نتیجہ میں طے پا سکا تھا عملی لباس پہنائے۔

حر کو یہ اندیشہ قطعی تھا کہ اگر فوج سے نکلنے کے پہلے یہ ظاہر ہو گیا کہ میری نیت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کچھ اور ہے تو مجھے فوراً گرفتار کر لیا جائے گا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکوں گا اس لئے ظاہر ہے کہ وہ اس وقت بہت احتیاط سے کام لے رہا ہوگا۔ اس کے قبیلہ کا ایک شخص قرہ بن قیس اس وقت اس کے نزدیک تھا۔[1] غالباً یہ وہی شخص ہے جو عمر بن سعد کا پیغام لے کر امام کی خدمت میں گیا تھا اور حبیب بن مظاہر کے نصیحت کرنے پر اس نے کہا تھا کہ میں جو پیغام لایا ہوں جا کر اس کا جواب دے دوں تو پھر غور کروں گا کہ خود مجھے کس کا ساتھ دینا چاہئے۔ حر کو اس کا اپنے پاس رہنا ناگوار ہو رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح میرے پاس سے ہٹ جائے مگر کچھ بنتا نہ تھا آخر اس نے پوچھا کہ ''قرہ! تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟'' اس نے کہا ''نہیں ابھی نہیں'' کہا ''پھر پلاؤ گے نہیں؟''[2]

انسان کا چہرہ اس کی بات چیت اس کے چہرہ کا رنگ سب ہی اس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ حر لاکھ چھپائے مگر دل کا اضطراب چھپنے کی چیز نہیں قرہ کچھ نہ سمجھا ہو اتنا تو سمجھ لیا کہ یہ مجھے اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں بعد میں اس کا بیان تھا کہ اگر حر مجھ سے بتلا دیتے کہ میں امام حسینؑ کی طرف جا رہا ہوں تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ ہو لیتا اور نکل جاتا۔[3] مگر یہ کہنے کی باتیں ہیں اور خواہ مخواہ کے عذر ہیں جو احساس گناہ پر وقت نکلنے کے بعد پیش کئے جاتے ہیں اگر ایسی اخلاقی جرأت اس میں موجود ہوتی تو حر کے بے کہے چلے جانے پر بھی قرہ کے لئے راستہ نہیں بند ہو گیا تھا وہ جانا چاہتا تو چلا جاتا بہرحال یہ محسوس ہوتے ہوئے کہ حر کو میرا اپنے پاس رہنا ناگوار ہے اس نے اسکے پاس سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا حر نے اپنے خیال کے مطابق اس کو ہٹا کر ایک رکاوٹ کو اپنے راستے سے دور کر دیا اور آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا جماعت حسینی کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ نفسیاتی حیثیت سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت اس کا دل دھڑک رہا ہوگا اس کے سینہ میں طوفان برپا ہوگا اور یقیناً وہ محسوس کر رہا ہوگا کہ اب میں کہیں اور ہوں اس پر اس وقت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایک خود فراموشی اور مدہوشی کا عالم طاری ہوگا اس وقت کسی کا ٹوک دینا! معاذ اللہ۔

مہاجر بن اوس اس کے قبیلہ کا ایک شخص کہنے لگا ''کیوں حر! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟''[1] حر اس کا کیا جواب دیتا؟ اس نے پھر بھی سکوت کر کے پردہ داری کی کوشش کی۔ کچھ جواب نہیں دیا مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہوگیا۔ مہاجر نے کہا ''حر تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ میں نے تمہاری یہ کیفیت کبھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا مگر اس وقت میں تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں آخر اس کا سبب کیا ہے؟'' یہ سن کر حر نے مزید راز داری کی کوشش کو بے سود سمجھا کہا ''میرے سامنے اس وقت بہشت و دوزخ کا سوال ہے میں تو بہشت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور مجھے آگ میں جلا دیا جائے''۔ یہ کہتے کہتے اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور اصحاب حسینؑ کی طرف پہنچ گیا۔[2]

اس موقع پر شاید حر کو اندیشہ ہوا کہ اس کے اس طرح بے تحاشا گھوڑا اڑائے ہوئے آنے سے کہیں انصار امام کو پریشانی نہ پیدا ہو اور اس کی مزاحمت نہ کی جائے اس لئے اس نے ان کے قریب پہنچتے ہی اپنی سپر کو پلٹ کر ہاتھ میں لے لیا۔[3] یہ طرز عمل عرب کے دستور کے مطابق تھا اس لئے کہ جب کسی کو حملہ کرنا مقصود ہو تو اس کے ایک ہاتھ میں کھنچی ہوئی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں حفاظت کے لئے سپر ہوتی تھی لیکن اگر کوئی تلوار نیام میں رکھے اور پلٹی ہوئی سپر کو ہاتھ میں لئے آتا دکھائی دے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ امان کا طالب ہے یا کچھ پیغام لے کر آ رہا ہے۔[4] حر نے اس طرح اصحاب حسینؑ پر واضح کر دیا کہ وہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے چنانچہ بلا روک ٹوک وہ سیدھا امام کے سامنے آیا اور کہنے لگا، فرزند رسولؐ! میری جان آپ پر فدا، میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستے میں آپؑ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۲۲۔ [4] ابصار العین ص ۱۱۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو جو آپ پیش کریں گے مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا خرج ہے میں کسی حد تک ان لوگوں کا ساتھ دوں اور معلوم نہ ہو کہ میں ان کی اطاعت سے باہر ہوں پھر یہ لوگ ان شرائط کو تو قبول ہی کر لیں گے جو امام ان کے سامنے پیش کریں گے۔ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو آپ کے منظور نہیں کریں گے تو میں کبھی آپ کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا۔ اچھا اب میں حاضر ہوا ہوں انتہائی شرمساری کے ساتھ توبہ کرتا ہوں اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں اس غرض سے کہ جان و دل سے آپ کا شریک مصیبت رہوں۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو سکتی ہے''۔ حضرت نے بلا توقف فرمایا ''ہاں ہاں! خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا مبارک ہو۔ واقعی تم حر (آزاد منش) ہو۔ ویسے ہی جیسا تمہاری ماں نے نام رکھا ہے تم آزاد ہو انشاء اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔[1] گھوڑے سے تو اترو''۔ حر نے کہا ''میرا آپ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہنا نیچے اترنے سے بہتر ہے چاہتا ہوں تھوڑی دیر ان سے جنگ کر لوں پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے اترنا ہی ہے''۔ امام نے یہ دیکھ کر کہ حر کو جہاد کا ولولہ ہے فرمایا ''اچھا جو تمہاری خوشی ہو وہ کرو۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے''۔[2] وہ ضبط بہت کر چکا تھا امام سے خطا معاف کرا کے اس کا دل بڑھ چکا تھا اب اسے حق محسوس ہوتا تھا کہ وہ افواج یزید کے سامنے جا کر ان کو بھی حق کے راستے پر آجانے کی دعوت دے چنانچہ وہ فوراً میدان میں آگیا پہلے تو اس نے ملائم الفاظ میں صفوف اہل کوفہ سے تخاطب کرتے ہوئے کہا ''بھائیو! آخر حسینؑ کی ان باتوں میں سے جن کو وہ پیش کرتے ہیں کسی ایک بات کو تم کیوں نہیں منظور کر لیتے تاکہ تمہیں ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے سے نجات ملے''۔ لشکریوں نے کہا کہ میر عمر سعد موجود ہیں جو کچھ تمہیں کہنا ہے ان سے کہو حر نے عمر سعد سے مخاطب ہو کر پھر یہی الفاظ کہے اور ویسا ہی جواب ملا جو اس کے قبل مل چکا تھا کہ ''اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں ضرور

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۴، الاخبار الطوال ص ۲۵۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۴، ارشاد ۲۲۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایسا کرتا''۔ یہ سن کر حر کو غصہ آ گیا اتنے تلخ الفاظ میں جس کا اسے خود اسی فوج کے ایک نمایاں افسر ہونے کی بناء پر پورے طور سے حق حاصل تھا اس نے کہا ''اے کوفہ والو خدا تمہیں غارت کرے تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ آیا تو تم نے اسے دشمن کے سپرد کر دیا تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم ان پر جان نثار کرو گے پھر تم نے خود ان پر چڑھائی کر دی اور ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے تم نے ان کے نفس کی آمد و شد کو مسدود کر رکھا ہے اور گلا گھوٹنے پر آمادہ ہو اور چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے تم نے ان کو خدا کی چوڑی چکلی زمین میں جدھر وہ امن کا راستہ پائیں ادھر جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کے مثل ہو گئے ہیں اور بے بس کر دیئے گئے ہیں اور تم نے ان کو ان کے اہل حرم اور بچوں کو اور ان کے اصحاب کو فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے جس کو یہودی مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں مگر یہ لوگ ہیں کہ پیاس کی شدت نے ان کو جاں بلب کر رکھا ہے حقیقتاً کیا برا وہ سلوک ہے جو تم نے محمد مصطفیٰؐ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ جائز رکھا ہے تم کو خدا اس شدت والی پیاس کے دن سیراب نہ کرے اگر تم آج ابھی اسی دم توبہ نہ کر لو اور اپنے طرز عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آ جاؤ''۔

حر کی تقریر دشمن کے مفاد کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس لئے تیر اندازوں کو حکم دیا گیا اور انہوں نے کچھ تیر چلائے یہ دیکھ کر حر نے تقریر موقوف کر دی اور چونکہ جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی وہ واپس آ کر امام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔[1]

جیسا کہ شب عاشور کی مہلت پر بحث کے سلسلہ میں کہا جا چکا ہے یہ امام حسینؑ کی ایک بہت بڑی فتح تھی جو عین موقع جنگ پر خود آپ کی آنکھوں کے سامنے اور آپ کے دشمنوں کی نگاہوں کے سامنے ظاہر ہو گئی کیونکہ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قدر ہمت بڑھانے اور دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے مادی اسباب ہو سکتے ہیں سب فوج یزید کی طرف تھے کثرت تعداد طاقت و قوت، یقین کامیابی، آسائش و راحت، آب و غذا کا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اطمینان، پھر جائزہ و انعام اور بارگاہ حکومت میں تقرب کے توقعات اس کے برخلاف جتنے ہمت شکن اور جی چھڑانے والے اسباب ہوسکتے ہیں وہ سب اصحاب حسینؑ میں مجتمع تھے۔ قلت تعداد، بے کسی و بے بسی، یقین بربادی اور تین دن کی بھوک پیاس اور حکومت کا عتاب جس کا نتیجہ اپنے ہی لئے نہیں بلکہ اپنے بعد اپنے پسماندگان اور اولاد کے لئے بھی ہمت شکن اور طاقت ربا ہونے کے لئے کافی ہے اس سب کے باوجود تاریخ یہ بتانے سے عاجز ہے کہ ان میں سے کوئی ایک معمولی سپاہی بلکہ بچہ بھی الگ ہو کر فوج مخالف سے جا کر ملا ہو نہ حسینؑ کی زندگی میں اور نہ حسینؑ کے بعد۔ اس کے برخلاف فوج مخالف کا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ ایک نمایاں افسر جنگ شروع ہونے سے قبل ہی ادھر سے ٹوٹ کر ادھر آ گیا یہ وہ غیر معمولی فتح تھی جس نے فوج مخالف کو دنگ کر دیا اور شاید فوج کا رنگ بے رنگ پا کر ہی سالار فوج نے مزید تاخیر کو خطرناک پایا۔

اب دھوپ کافی چڑھ چکی تھی اور دن کا اچھا خاصا حصہ گزر گیا تھا عمر سعد نے لشکر کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام ورید کو جو علمبردار لشکر تھا آواز دی کہ جھنڈا اپنا میرے قریب لاؤ ورید رایت جنگ لئے اس کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا عمر سعد نے تیر اپنا چلہ کمان میں جوڑ کر فوج حسینی کی طرف رہا کیا اور لشکر یزید کو مخاطب کرتے ہوئے پکار کر کہا ''گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے لگایا ہے''۔[1]

سپہ سالار لشکر ان الفاظ کو اپنی زبان پر جاری کرتے ہوئے تیر رہا کرے اور لشکریوں میں جوش و خروش پیدا نہ ہو یہ ناممکن ہے یقیناً ہزاروں کمانیں کڑکیں، ہزاروں چلے کھنچے اور ہزاروں تیر روانہ ہوگئے۔

نہیں سمجھا جا سکتا کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ والی قلیل جماعت اس اچانک حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کس طریقہ پر تیار ہوسکتی تھی مگر انہیں تیاری کی ضرورت ہی کیا تھی ان کے تنے ہوئے سینے تیروں کے استقبال کے لئے موجود اور ان کے دل و جگر، شوق شہادت میں ناوکوں کو ہاتھوں ہاتھ لینے پر آمادہ تھے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۵۔ ارشاد ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یزیدی لشکر والوں کو اندازہ تھا اور خوب اندازہ کہ اگر حسینی جماعت سے وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ سہی دست بدست مقابلہ کیا گیا تو کربلا کی جنگ صرف عاشور کے دن ختم نہیں ہو سکے گی اور وہ اس کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جنگ کا طول کھینچنا ان کے لئے انتہائی اندیشہ کا باعث ہے اس لئے کہ امام کی مکہ سے روانگی کی اطلاع بصرہ میں ہو چکی ہے اور وہاں سے مدد پہنچنے کی توقع ہے۔ کوفہ کے بہت سے افراد جو ابھی تک نہیں پہنچ سکے ہیں یقیناً موقع کے منتظر اور نصرت حسینؑ کے لئے بے چین ہوں گے نیز یہ بھی کہ ایران کچھ دور نہیں ہے اور وہاں کے بھی کچھ افراد بھی امام حسینؑ کے لئے بے چین ہوں گے نیز یہ بھی کہ ایران کچھ دور نہیں ہے اور وہاں کے بھی کچھ افراد کا امام حسینؑ کے ساتھ عقیدت رکھنا یقینی ہے خصوصاً جبکہ ان کے ساتھ علیؑ بن الحسینؑ بھی موجود ہیں جو ننھیالی رشتہ سے مملکت ایران کے شہزادے کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا بہت امکان ہے کہ قومی تعصب ہی ایرانیوں کو حسینؑ کی حمایت پر آمادہ کردے یہ بھی خیال ہو سکتا تھا کہ اجا و سلمیٰ پہاڑ بھی بہت فاصلہ پر نہیں ہیں جہاں کا قبیلہ طے کافی اہمیت و طاقت کا مالک ہے اور طرماح بن عدی، امام حسینؑ سے یہ وعدہ بھی کر چکے ہیں اگر آپ اپنے کو وہاں پہنچا دیں تو آپ کی مدد کے لئے ہزاروں جوان قبیلہ طے کے بالکل تیار پائے جائیں گے پھر خود طرماح صحرائے کربلا کے قریب حضرت سے یہ کہہ کر رخصت ہوئے ہیں کہ میرا کچھ غلہ ہے اسے گھر پر رکھ آؤں تو آتا ہوں ممکن ہے وہ آئیں تو اپنے ساتھ کچھ جوانان طے کو لیتے ہوئے آئیں۔ بہرحال اسباب کچھ بھی ہوں مگر بظاہر فوج یزید کو بہت جلدی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ یہ مہم جلدی سر ہو جائے مگر تیروں کی اس ابتدائی بارش سے جماعت حسینی کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ بے شک وہ عملی طور پر ایک جنگ کا اقدام تھا جس کی ابتداء فوج دشمن کی طرف سے ہوگئی تھی اور یہ ایک آخری حجت تھی جس کے تمام ہونے کے امام منتظر تھے۔

چنانچہ بغیر کسی ہراس اور پریشانی کے امام متوجہ ہوئے اپنے اصحاب کی طرف فرمایا ''کھڑے ہو جاؤ موت کے استقبال کے لئے جو بہرحال ضروری ہے خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے یہ تیر نہیں بلکہ دشمن کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف روانہ کئے گئے ہیں''۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اصحاب حسینؑ جو حیرت انگیز ضبط و تنظیم کے ساتھ تیروں کی اس بارش کے بعد بھی اپنی اپنی جگہ برقرار تھے اور کسی قسم کا انتشار ان میں پیدا نہیں ہوا تھا امام کی جانب سے ان الفاظ میں اذن جہاد پاتے ہی فوراً مستعد ہو گئے اور انہوں نے تیروں کا جواب تیروں سے دیا جس کے معنی صرف مقابلہ کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہزاروں تیروں کے مقابلہ میں سو دو سو تیروں کے ادھر سے بھی چلے جانے سے افواج مخالف کو کوئی خاص نقصان پہنچ نہیں سکتا تھا ان کی یہ تیروں کی سخت بارش ان مٹھی بھر انسانوں کو مرعوب نہیں کر سکی اور انہیں بہرحال ان سے جان توڑ مقابلہ کرنا پڑے گا جس میں ہتھیاروں سے زیادہ دل کی طاقت کی ضرورت ہے اور ضمیر کے تزلزل سے یہی پہلو فوج یزید کا انتہائی کمزور ثابت ہو رہا تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ستائیسواں باب

انصار امام کے حالات اور حیرت انگیز قربانیاں

چونکہ آغاز جنگ کے ساتھ ساتھ انصار حسینؑ کے مجاہدانہ خدمات کا عملی سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لئے اس ذکر کے ساتھ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب و انصار کے مختصر حالات زندگی اور خصوصیات شخصی کا بھی جہاں تک علم ہو سکا ہے تعارف ہوتا چلے اس لئے واقعات کی تاریخی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے جن انصار کے کارنامے آنکھوں کے سامنے آئے ہیں ان کے مختصر حالات سلسلہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ انہی حالات کے ذیل میں جنگ کے تفصیلات اور واقعات کی ترتیب کا بھی بیان ہوتا جائے گا اگرچہ شہدائے کربلا کے حالات کے متعلق عربی میں ''ابصار العین فی انصار الحسینؑ'' اور اردو میں ''شہدائے کربلا'' کے تین حصے مطبوعہ امامیہ مشن لکھنو جامع اور مستند کتابیں موجود ہیں مگر اس غرض سے کہ زیر نظر کتاب اس حیثیت سے تشنہ نہ رہ جائے یہاں ان حالات کا لب لباب واقعاتی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جو لوگ مزید تحقیق و تفصیل یا مختلف روایات پر بحث و تبصرہ کے طلب گار ہوں وہ مذکورہ کتابوں کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن عمیر کلبی:

آغاز جنگ کے بعد اصحاب حسینؑ میں سے سب سے پہلے میدان کارزار میں یہی آئے تھے۔

ان کا پورا نام و نسب: ابووہب عبداللہ بن عمیر بن عباس بن عبد قیس بن علیم بن خباب الکلبی العلیمی تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ ہمدان کے بنو جعد نام کے کنویں کے پاس اپنے ذاتی مکان میں سکونت رکھتے تھے۔[1]

یہ مقام کوفہ کی گنجان آبادی سے بالکل باہر ان باغات خرما کے قریب تھا جو نخیلہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے حدود میں واقع تھے۔ ان کے ساتھ ان کی رفیقہ حیات رہتی تھیں جو قبیلہ نمر بن قاسط سے تھیں اور ام وہب بنت عبد کے نام سے یاد کی جاتی تھیں۔[1]

اہل سیر کا قول ہے کہ وہ بڑے سورما، بہادر اور شریف تھے۔ شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں ان کا اصحاب حضرت علیؑ میں تذکرہ کیا ہے کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی شہادت ہو چکنے پر جب ابن زیاد نے قتل حسینؑ کی تیاری شروع کی اس زمانہ میں عبداللہ بن عمیر بیرون شہر اپنے مکان ہی میں مقیم اور موجودہ صورت حال سے بالکل بے خبر تھے۔ جب امام حسینؑ کربلا میں پہنچ گئے اور ابن زیاد نے اپنا لشکر گاہ نخیلہ میں قرار دیا تاکہ وہاں فوجوں کا معائنہ کرنے کے بعد کربلا کی جانب روانہ کرے تو اس غیر معمولی صورت حال کی طرف عبداللہ بن عمیر کو بھی توجہ ہوئی اور انہوں نے لوگوں سے واقعات کی نوعیت دریافت کی انہیں بتایا گیا کہ یہ فوجیں دختر رسولؐ فاطمہ زہراؑ کے فرزند حسینؑ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجی جا رہی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بہادر عبداللہ کے ایمانی جذبہ میں تلاطم پیدا ہوا۔ انہوں نے خیال کیا کہ مجھے مشرکین سے جہاد کرنے کی حسرت رہی ہے ان لوگوں سے جہاد کرنا جو اپنے رسولؐ کے نواسے کے ساتھ جنگ کر رہے ہوں یقیناً اللہ کے نزدیک مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے کم درجہ نہیں رکھتا ہوگا۔ یہ بات دل میں ٹھان کر وہ اپنی زوجہ کے پاس گئے اور انہیں اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ پاک عقیدہ اور پر حوصلہ بی بی نے آتش شوق کو اور ہوا دی اس طرح کہ انہوں نے کہا تم بھی جاؤ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور کربلا پہنچ کر انصار حسینؑ کے ساتھ ملحق ہو گئے۔

اس وقت جب فوج عمر سعد کی جانب سے تیروں کی بارش ہو چکی تھی جو پیغام جنگ کی حیثیت رکھتی تھی تو یسار اور سالم دونوں زیاد اور ابن زیاد کے غلام میدان جنگ میں آنے اور مبارز طلب ہوئے۔ فوج حسینی میں سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر جوش میں بھرے ہوئے آگے بڑھے مگر امام نے ان کو روک دیا بس عبداللہ بن عمیر کو تو ولولہ جہاد تھا ہی وہ کھڑے ہو گئے اور اجازت جنگ چاہی۔ امام نے سر سے پیر تک ان پر نظر ڈالی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گندمی رنگ، لانبا قد، مضبوط کلائیاں اور بازو، کشادہ پشت اور سینہ ملاحظہ کرتے ہوئے بطور خود فرمایا ''بہادر اور جنگ آزما جوان معلوم ہوتا ہے''۔ پھر فرمایا ''جاؤ اگر تمہارا دل چاہتا ہے''۔ عبداللہ میدان جنگ میں آئے فریق مخالف نے نام ونسب پوچھا اور انہوں نے بتایا اس نے کہا ہم تم کو نہیں پہچانتے ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے۔ بس یہ سن کر عبداللہ کو غصہ آیا۔ اس کا جواب سخت الفاظ میں دیتے ہوئے انہوں نے حملہ کر کے پہلے وار میں یسار کا کام تمام کر دیا۔ عبداللہ اس کی طرف متوجہ ہی تھے کہ سالم نے تلوار کا وار کیا جو سر پر آچکا تھا جب ان کو خبر ہوئی بہادر نے بائیں ہاتھ کو سپر بنا دیا جس سے اس ہاتھ کی انگلیاں قطع ہوگئیں مگر عبداللہ نے اتنی دیر میں پلٹ کر ایک ضرب شمشیر میں اس کا بھی خاتمہ کیا۔[1] زخم خوردگی کے غصہ اور اپنے دونوں حریفوں پر فتح پانے کے جوش سے متاثر ہو کر عبداللہ بن عمیر رجز پڑھنے لگے جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اگر مجھے نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں قبیلہ کلب کا سپوت ہوں میرے حسب و نسب کے لئے اتنا کافی ہے کہ خاندان علیم میں میرا گھرانا ہے میں ایک سخت مزاج اور درشت خو انسان ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمتی سے کام لینے والا نہیں ہوں۔ اے ام وہب میں ذمہ واری کرتا ہوں تجھ سے کہ میں ان میں بڑھ بڑھ کر نیزے لگاؤں گا اور تلواریں ماروں گا اور اس طرح کی شمشیر زنی کروں گا جو خدا پر ایمان رکھنے والے جوان ہمت انسان کے شایان شان ہو''۔[2]

ممکن ہے کہ یہ بہادران عرب کی اس عام رسم کی بناء پر ہو کہ وہ اپنے کارناموں کا گواہ اپنی شریک زندگی خواتین کو بتایا کرتے تھے مگر عبداللہ کی زوجہ عام عورتوں کے مثل نہ تھیں وہ اپنے سینہ میں شیرانہ دل رکھتی تھیں اور اس دل میں ایمان کی غیر معمولی تڑپ کے ساتھ اپنے شوہر سے بے انتہا محبت تھی۔ ممکن ہے کہ جب انہوں نے اپنے شوہر سے فرمائش کی تھی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تو اسی وقت وہ یہ نیت رکھتی ہوں کہ میں بھی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۵۔۲۴۶۔ ارشاد ص ۲۵۰۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شوہر کے ساتھ میدان جنگ میں داد شجاعت دوں گی اور اس وقت تک شاید وہ اپنے قلبی جذبات کو انتہائی بے چینی کے باوجود روکتی رہی ہوں، اہل حرم اور ان کی ہمراہی خواتین کو دیکھ کر جو احکام اسلام کے تحت میدان جنگ سے کنارہ کش رہتے ہوئے خیموں میں جاگزیں تھیں۔

مگر عبداللہ بن عمیر کا میدان جنگ میں مذکورہ بالا اشعار پڑھنا جو ایک طرف ولولہ جنگ کے مظہر، دوسری طرف جوش ایمان کا مرقع اور تیسری طرف قلبی واردات اور تعلق روحانی کے ترجمان تھے اور ان سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اس حرب وضرب کے عالم میں بھی اپنی شریک حیات کی یاد اپنے دل میں اور اس کی تصویر اپنی آنکھوں میں لئے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی شجاعت اور سرفروشی کی داد اس سے لینا چاہتے ہیں بس یہ اسباب تھے جن کی بناء پر ان اشعار نے ام وہب کے ضبط وصبر کے لئے ''برق خرمن'' کا کام کیا اور وہ بے تحاشا ایک گرز ہاتھ میں لے کر میدان جنگ میں آگئیں اور پکار کر کہنے لگیں کہ ''میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار، اولاد رسولؐ کی نصرت میں کوتاہی نہ ہونے پائے''۔[1]

دلیر وغیور عبداللہ کے لئے یہ منظر انتہائی صبر شکن ثابت ہوا وہ فوراً زوجہ کے پاس آئے اور چاہا کہ انہیں خیمہ کی طرف پہنچا دیں مگر وہ باتوں میں آنے والی نہ تھیں۔ عبداللہ بن عمیر کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی تھیں جن سے خود لہو جاری تھا پھر بھی انہوں نے کوشش کی کہ وہ اپنی قوت سے انہیں خیمہ کی طرف واپس کر دیں مگر جوش میں بھری بہادر خاتون نے اپنا دامن عبداللہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور کہنے لگیں کہ ''میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں جب تک تمہارے ساتھ میں بھی قتل نہ ہو جاؤں''۔ امام حسینؑ نے یہ ملاحظہ فرما کر ان کو آواز دی کہ ''اللہ تم دونوں کو

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جزائے خیر دے اے مومنہ اہل حرم کے پاس واپس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھی رہو کیونکہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے"۔ ایمان اور اطاعت امام کا احساس تھا جو بے پناہ جذبہ الفت اور جوش قربانی پر غالب آیا اور ام وہب خواتین کے پاس خیمہ میں واپس چلی گئیں[1] اور اس کے بعد عبداللہ بن عمیر بھی صف مجاہدین میں واپس آگئے اس کے بعد وہ میسرہ کے حملہ میں شریک ہوئے اور مسلم بن عوسجہ کے بعد شہادت پائی جس کی تفصیل میں آئے گی۔

۲۔ حر بن یزید ریاحی:

نام ونسب: حر بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن ہرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی الیربوعی الریاحی۔ یہ خاندان عرب میں قدیمی عزت کا مالک تھا۔ عتاب جو حر کی چوتھی پشت میں ہے نعمان بن منذر ملک حیرہ کے مخصوصین میں وہ درجہ رکھتا تھا کہ گھوڑے پر اس کے "ردیف" کی صورت سے سوار ہوتا تھا۔ عتاب کے دو فرزند تھے۔ قیس اور قعنب، باپ کے انتقال کے بعد یہ منصب قیس کو حاصل ہوا۔ بنی شیبان نے اس سے منازعت کی جس کے نتیجہ میں "یوم الطخفہ" کی خونریز جنگ واقع ہوئی۔ قیس کے سلسلہ میں اخوص شاعر ایک صحابی تھے جن کا نام ونسب زید بن عمر بن قیس بن عتاب تھا۔ طبقہ کے لحاظ سے وہ حر کے باپ یزید کے چچا زاد بھائی اور حر کے رشتہ کے چچا ہوتے تھے۔

حر، کوفہ کے رؤساء میں سے تھے اور ابن زیاد کی فوج میں افسر کی حیثیت رکھتے تھے اور قادسیہ کی فوج جو ناکہ بندی کے لئے تعینات تھی اس میں یہ بھی داخل تھے اس کے بعد ان کا امام حسینؑ کو روکنے کے لئے بھیجا جانا، امام کا ان کی تمام فوج کو شدت سے پیاسا دیکھ کر اپنے ساتھ کا کل پانی پلانا اور امام سے ان کی گفتگو اور آپ کے ارادۂ روانگی کے موقع پر سدراہ ہونا اور آپ کو گھیر کر میدان کربلا تک لانا اور ابن زیاد کا خط پاکر آپ کو

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہاں قیام کرنے پر مجبور کرنا، اس کے بعد صبح عاشور ان کا لشکر یزید سے علیحدہ ہو کر اصحاب حسینؑ میں شامل ہونا یہ تمام واقعات اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

آغاز جنگ کے بعد جب عبداللہ بن عمیر کلبی ایک کارنمایاں انجام دے چکے یعنی دست بدست لڑائی میں انہوں نے یسار اور سالم کو قتل کر دیا تو اس شکست کے غصہ میں برافروختہ ہو کر عمرو بن الحجاج نے جو میمنہ لشکر یزید پر تھا مجموعی قوت سے حسینی جماعت پر حملہ کر دیا۔

اس سخت موقع پر حسینی مجاہدوں نے گھٹنے اپنے زمین پر ٹیک دیئے اور نیزوں کی انیاں سامنے کر دیں جن سے دشمن کے گھوڑے اپنی جگہ ٹھہر گئے اور آگے نہ بڑھ سکے اس کے بعد جب وہ لوگ واپس ہونے لگے تو انہوں نے ان کو تیروں کا نشانہ بنایا جس سے چند آدمی ان میں قتل اور چند زخمی ہوئے۔[1]

جنگ کی اس شدت کو دیکھ کر بظاہر حر کو خیال ہوا کہ کہیں کوئی ناصر حسینؑ مجھ سے پہلے نہ قتل ہو جائے یہ سوچ کر انہوں نے خدمت امام میں عرض کیا ''فرزند رسولؐ! چونکہ سب سے پہلے آپ سے لڑنے کو آیا تھا لہٰذا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ سب سے پہلے میں ہی آپ کے قدموں پر نثار ہوں اور اس طرح دنیا سے جا کر آپ کے جد بزرگوار کی دست بوسی کا شرف حاصل کروں''۔ امام نے اجازت دے دی اور حر میدان جنگ میں پہنچے اور کچھ اشعار رجز میں پڑھنے لگے جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں حر ہوں اور مہمانوں کا پناہ دینے والا ہوں میں تمہاری گردنوں پر تلواریں ماروں گا۔ اس امام کی جانب سے جو سرزمین مکہ کا سب سے بہتر رہنے والا ہے میں تم کو تہ تیغ کر دوں گا اور ذرا بھی اس کو ظلم نہیں سمجھوں گا اس رجز کے بعد انہوں نے حملہ کرتے ہوئے شمشیر زنی شروع کر دی اس کے پہلے جب حر لشکر عمر سعد سے جدا ہو کر اصحاب حسینؑ میں شامل ہوئے تھے تو یزید لشکر کے ایک سپاہی یزید بن سفیان تمیمی نے کہا تھا کہ ''بخدا اگر میں حر کو دیکھ لیتا اس وقت جب وہ لشکر سے نکل کر جا رہا تھا تو ایک نیزہ میں اس کا کام تمام کر دیتا''۔ اب جو حر تن تنہا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۶۔ ارشاد ص ۲۵۰۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ میں جنگ کر رہے تھے آگے بڑھ بڑھ کے تلواریں لگا رہے تھے اور عنترہ کا یہ شعر ان کی زبان پر تھا کہ۔

ماذلت ارمیھم ثبغرۃ نحرہ

ولبانہ حتی تسربل بالدم

(یعنی) ''میں برابر ان پر پھینکتا رہا اپنے گھوڑے کی گردن اور اس کے سینہ کو یہاں تک کہ اس گھوڑے نے سر سے پاؤں تک خون کی چادریں اوڑھ لیں''۔[1]

اور یہ شعر حقیقتاً ان کے حسب حال تھا کیونکہ ان کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا اس کے سر اور چہرے پر تلواریں پڑ چکی تھیں اور خون بہہ رہا تھا اس وقت حصین بن تمیم نے جو قادسیہ کی ناکہ بندی پر مامور فوج کا افسر تھا۔ یزید بن سفیان سے کہا کہ دیکھو حر یہی تو ہے جس کے قتل کرنے کی تم آرزو رکھتے تھے ان نے کہا ''اچھا'' یہ کہہ کر وہ باہر نکلا اور پکارا ''حر کیا مقابلہ منظور ہے؟'' حر نے کہا ''ہاں ضرور'' اور یہ کہتے ہی سامنے آگئے۔ خود حصین کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ بس یہ معلوم ہوا جیسے یزید کی جان حر کے قبضہ میں تھی چنانچہ وہ دم کے دم میں قتل ہوگیا۔[2]

یہ ایسا پر ہیبت منظر تھا کہ دشمن کا پرابند ہوگیا اور حر کے مقابلہ کو پھر کوئی نہ نکلا آخر وہ اپنے گھوڑے کو جو بری طرح زخمی ہو چکا تھا موڑ کر اپنے مرکز کی طرف واپس ہوگئے۔

اس کے بعد پھر وہ جنگ مغلوبہ میں شریک ہوئے اور ظہر کی نماز کا وقت آنے کے بعد شہید ہوئے تفصیل اس کی بعد میں درج کی جائے گی۔

۳۔ مسلم بن عوسجہ اسدی:

اصحاب حسینؑ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

نام و نسب: ابوجحل مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۸ ارشاد ص ۲۵۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۸۔۲۴۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسدی سعدی۔ ممتاز و معزز اشراف عرب میں سے سردار قوم، عابد و تہجد گزار تھے اور انہوں نے رسولؐ کی زیارت کی تھی شعبی ایسے محدث نے ان سے روایت احادیث کی ہے۔ ان تمام خصوصیات کے ساتھ وہ فارس بھی تھے اور میدان کارزار میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ ۲۰ھ میں جب حذیفہ بن یمان کی سرکردگی میں فوج اسلام نے ایران کے ترکستانی علاقہ آذر بائیجان کو فتح کیا تھا تو اس میں مسلم بن عوسجہ بھی شریک تھے اور انہوں نے اس جنگ میں بہت سے مشرکین کو قتل بھی کیا تھا میدان کربلا میں وہ سن رسیدہ اور ضعیف العمر ہو چکے تھے۔

مجاہدۂ حسینی سے متعلق ان کے خدمات کا سلسلہ عاشور محرم کے بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا چنانچہ جب ابن زیاد کے کوفہ پر مسلط ہونے کے بعد مسلم بن عقیل، ہانی کے گھر میں فروکش ہوئے اور انہوں نے بیعت کرنے والوں کی ازسرنو تنظیم شروع کی تھی تو مسلم بن عوسجہ ان کے نمائندہ خاص کی حیثیت سے ان کی بیعت اور اہل بیت رسولؐ کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان لیتے تھے مگر شہادت جناب مسلم بن عقیل کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گئے اور پھر کس طرح امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

شب عاشور حضرت امام حسینؑ نے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ تم سب مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھے تنہا ان سے مقابلہ کرنے دو اس کے جواب میں عزیزوں کے بعد سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ ہی کھڑے ہوئے تھے اور تاریخ انسانی کے لئے یادگار جوش اور خلوص میں بھرے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے کہ ''بھلا ہم اور آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور خدا کے سامنے جوابدہی کا سامان نہ کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا بخدا میں اتنا لڑوں گا کہ ان کے سینوں پر اپنے نیزہ کو توڑ دوں گا اور تلواریں لگاؤں گا جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں سنبھل سکے گا مگر آپ سے کبھی جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے جن سے جنگ کر سکوں تو انہیں پتھر ماروں گا آپ کی نصرت میں یہاں تک کہ آپ ہی کے ساتھ رہتے ہوئے دنیا سے چلا جاؤں گا''۔

صبح عاشور شمر نے خیام حسینی کی پشت پر خندق میں آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھ کر جو گستاخی کا تخاطب کیا تھا اس کے جواب میں بھی مسلم بن عوسجہ نے غیظ میں آکر اس کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اپنے تیر کا نشانہ بنانا چاہا تھا مگر امام کے مانع ہونے کی وجہ سے خاموش ہو گئے تھے۔

اب جنگ چھڑنے کے بعد کہاں ممکن تھا کہ معرکہ کارزار میں وہ کسی سے پیچھے رہ جاتے وہ بڈھے ضرور تھے مگر نصرت حسینؑ میں ان کا جوش و ولولہ جوانوں سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ اصحاب امام میں سب سے پہلے وہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس وقت جب عبداللہ بن عمیر دست بدست جنگ کر چکے اور حر بھی میدان جنگ میں داد شجاعت دے چکے تو نافع بن جلال جملی نے آگے بڑھ کر لڑنا شروع کیا اور وہ کہتے جاتے تھے کہ میں ''قبیلہ بنی جمبل سے ہوں میں علیؑ کے دین پر ہوں'' ان کے مقابلہ پر ایک شخص آیا جس کا نام مزاحم بن حریث تھا اس نے کہا کہ ''میں عثمان کے دین پر ہوں''۔ نافع نے غصہ میں بھرے ہوئے جواب کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔[1]

ان پیہم نقصانات سے جو افواج مخالف کو برابر ہو رہے تھے، سرداران لشکر یزید پریشان ہو گئے۔ عمرو بن الحجاج نے جو اس کے پہلے ہی ایک حملہ کر کے ناکام واپس جا چکا تھا زور سے اپنی فوج کو للکارا اور بلند آواز سے کہا'' بے وقوفو! تم جانتے بھی ہو کہ کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ ملک کے خاص شہسوار اور جانوں پر کھیلے ہوئے افراد ہیں تم میں سے کوئی شخص انفرادی طور پر ان سے جنگ کے لئے نہ نکلے ہاں چونکہ ان کی تعداد بہت کم ہے اس لئے یہ بہت تھوڑی دیر زندہ رہ سکتے ہیں اگر تم سب مل کر فقط پتھر ہی ان پر برساؤ تو بھی ان کو قتل کر سکتے ہو''۔

یہ مشورہ کہ دست بدست جنگ نہ کی جائے عمر سعد کو بھی پسند آیا اور تمام لشکر میں فرمان جاری کر دیا گیا کہ کوئی شخص مبارز طلبی کے لئے میدان میں نہ نکلے پھر عمرو بن الحجاج نے آگے بڑھ کر تمام لشکر میں جوش پیدا کرانے کے خیال سے ایک تقریر کی اور کہا ''اے اہل کوفہ اطاعت اور وفاداری کے پابند رہو اور اپنی جماعت سے الگ نہ ہو اور ذرا بھی شک و شبہ نہ کرو ان لوگوں کے قتل کے بارے میں جو دین سے نکل گئے ہیں اور امام

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۹ ارشاد ص ۲۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وقت (یزید) کے مخالف ہیں"۔

امام حسینؑ نے یہ گمراہ کن الفاظ سن کر جواب دینا ضروری سمجھا اور ارشاد کیا کہ "او عمرو بن الحجاج تو لوگوں کو میرے خلاف آمادہ کرتا ہے! کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اور تم دین پر قائم ہو؟ قسم بخدا عنقریب اس وقت جبکہ تمہاری جانیں ان جسموں سے جدا ہوں گی اور تم اپنے ان اعمال پر دنیا سے جاؤ گے معلوم ہوگا کہ کون دین سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں جلنے کا مستحق تھا"۔

بہرطور عمرو بن الحجاج نے اپنی فوج کو آمادہ ہو کر ہی لیا تھا چنانچہ اس نے پورے جوش و خروش سے میمنہ کی فوج کے ساتھ فرات کی جانب سے جماعت حسینی پر حملہ کیا اس جماعت کے چھوٹے سے میسرہ نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کو پھر واپس ہونا پڑا مگر غبار کا دامن چاک ہوا تو مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں غلطاں نظر آئے۔ امام حسینؑ فوراً مسلم بن عوسجہ کے سرہانے پہنچے جبکہ ان میں رمق جان باقی تھی۔ آپ نے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ فمنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينظر وما بدلوا تبديلا۔ (یعنی) "کچھ جانے والے گزر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں مگر کوئی اپنی بات سے ہٹا نہیں"۔

حبیب بن مظاہر جو امام کے ساتھ ساتھ تھے مسلم بن عوسجہ کے قریب گئے اور ان سے کہا کہ تمہارا ساتھ چھوٹنے کا بڑا صدمہ ہے مگر میں تمہیں جنت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ مسلم نے کمزور آواز میں جواب دیا۔ "تمہیں بھی ہر طرح کی خیر و برکت کی مبارکباد قبول ہو"۔ حبیب نے کہا "اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ میں بھی عنقریب تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو اور میں اس وصیت کو پورا کروں"۔[1]

مسلم نے جواب میں حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وصیت جو کچھ بھی ہے وہ اسی ذات سے متعلق ہے مطلب یہ تھا کہ تم بھی ان ہی پر اپنی جان نثار کرنا۔ حبیب نے کہا "ضرور خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا"۔

عمرو بن حجاج کے ساتھ کی بدحواس فوج اس مختصر سی جماعت کے مقابلہ کی تاب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہ لا کر بے تحاشا بھاگی تھی۔

اسے خبر بھی نہ تھی کہ کون قتل ہوگیا مگر مسلم بن عوسجہ کے ساتھ ان کے اہل و عیال موجود تھے۔ جب ان کی شہادت کی خبر خیمہ میں پہنچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا۔

''ہائے ابن عوسجہ! ہائے میرے آقا''! اس آواز کو سن کر مخالف لشکر میں خوشیاں ہونے لگیں کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کیا۔ اس پر شبث بن ربعی کو غصہ آگیا اور اس نے کہا ''غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہ کا سا شخص قتل ہو اور تم لوگ خوشیاں مناؤ بخدا میں نے خدمت اسلام میں اس شخص کے کارنامے دیکھے ہیں۔ آذر بائی جان کی جنگ میں میرا چشم دید واقعہ ہے کہ ابھی مسلمانوں کے لشکر کی پوری صف بندی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس بہادر نے چھ آدمی فوج مشرکین کے قتل کر دیئے تھے ایسا شخص تمہارے ہاتھ سے مارا جائے اور تم خوش ہو؟''[1]

ظاہر بین نگاہوں کو یہ باتیں معمولی معلوم ہوتی ہوں گی مگر حقیقتاً یہ امام حسینؑ کی حقانیت کے وہ صریحی علامات تھے جو دوران جنگ برابر آنکھوں کے سامنے آرہے تھے۔

عبداللہ بن عمیر کی شہادت

بہرحال اس دوسرے اجتماعی حملہ کی اس کامیابی نے جو قتل مسلم کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی لشکر مخالف کا دل بڑھا دیا تھا اس لئے اس کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ فوج کو لے کر حسینی میسرہ پر حملہ کیا اور اس طرف بھی اصحاب حسینؑ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اس موقع پر عبداللہ بن عمیر نے جن کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں بڑی جانفشانی سے کام لیا اور دو سپاہی دشمن کے قتل کر دیئے مگر اس کے بعد وہ ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی کے ہاتھ سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب حسینؑ میں دوسرے مقتول تھے۔[2]

زوجہ عبداللہ بن عمیر جنہوں نے اپنی زندگی کی تمام کائنات کو اپنے جذبہ ایمانی پر قربان کر دیا تھا یہ معلوم کر کے کہ ان کا عزیز شوہر ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو گیا اور وہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۴۴۹۔ [2] طبری ج ۶ ص ۴۴۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کربلا کی تپتی زمین پر اپنے خون کی سرخ چادر اوڑھے موت کی نیند سو رہا ہے ایک مرتبہ پھر بے چین ہو کر اس ارادہ سے نہیں کہ وہ جنگ کریں گی یا اپنے شوہر کے خون کا بدلہ لیں گی صرف اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش کو دیکھ لیں میدان میں پہنچیں۔ وہ شوہر کے سرہانے بیٹھ کر ان کے چہرہ سے گرد و غبار صاف کرتی اور کہتی جاتی تھیں کہ ''تمہیں جنت مبارک ہو بہشت کی سیر کرنا مبارک ہو مگر دشمن کا ظلم و تشدد اس حد پر تھا کہ شمر نے اپنے غلام کو جس کا نام رستم تھا آواز دی کہ اس کا بھی کام تمام کردے وہ بڑھا اور اس نے ان ستم رسیدہ اور خستہ دل خاتون کے سر پر ایک ایسا گرز مارا کہ وہ شہید ہو گئیں۔[1]

اور اس طرح کربلا کے خونین مرقع میں ایک قابل احترام خاتون کا مقدس لہو بھی شامل ہو گیا۔

۴۔ بریر بن خفیر ہمدانی:

سن رسیدہ تابعی، عبادت گزار اور حافظ قرآن، حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں سے کوفہ کے باشندہ اور قبیلہ ہمدان کے اشراف میں سے ابو اسحاق ہمدانی سبعی مشہور محدث و حافظ کے ماموں تھے مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے لوگ ان کو سید القراء (حفاظ قرآن کا سردار) کہتے تھے۔ راستے میں کہیں پر پہنچ کر حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور حر کی ملاقات کے بعد جو خطبہ امامؑ نے ارشاد فرمایا تھا اس کے جواب میں زہیر بن قین اور نافع بن ہلال کی تقریروں کے بعد انہوں نے بھی ایک مختصر سی تقریر کی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبدربہ سے ان کی اطمینانی گفتگو کا تذکرہ بھی اس کے قبل اس کتاب میں آچکا ہے۔ جب بریر نے کچھ مزاح کیا اور عبدالرحمٰن نے کہا یہ مذاق کا وقت نہیں ہے تو بریر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میرے قوم و قبیلہ والے اس سے واقف ہیں کہ مجھے جوانی سے لے کر اس عمر تک کبھی مذاق سے دلچسپی نہیں رہی مگر اس وقت تو اپنے مستقبل کے تصور سے میری خوشی کی انتہا نہیں کہ ادھر میدان جنگ میں تلوار چلی اور بس نتیجہ میں ہمارے لئے آخرت کی زندگی اور سعادت نصیب ہوئی۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس سے بریر کے شوق شہادت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اسی جذبہ بے قرار کا نتیجہ تھا کہ وہ جنگ میں سبقت کرنا چاہتے تھے چنانچہ سب سے پہلے جو دو غلام زیاد ابن زیاد کے لشکر یزید سے نکلے اور انہوں نے مبارز طلبی کی تو حبیب اور بریر کھڑے ہو گئے تھے مگر امام نے ان کو روک دیا تھا۔ جماعت حسینی میں ان کا نمایاں حیثیت رکھنا اس سے بھی ظاہر ہے کہ جب عبداللہ بن عمیر میدان میں گئے تھے تو ان دونوں غلاموں نے کہا کہ ہم تم کو نہیں جانتے ہمارے مقابلے کے لئے زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خفیر کو آنا چاہئے گزشتہ جنگ مغلوبہ کے بعد دست بدست مقابلے کے لئے یزید بن معقل لشکر یزید میں سے میدان جنگ میں آیا۔ اس سے اور بریر سے پرانی ملاقات تھی اور مذہبی نوک جھونک بھی ہوا کرتی تھی اس لئے اس نے میدان جنگ میں بریر کو آواز دی کہ ''دیکھا تم نے خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟'' بریر نے کہا ''خدا نے میرے ساتھ تو بڑا اچھا سلوک کیا ہاں تو اپنی کہہ کہ بڑا بدنصیب ثابت ہو رہا ہے''۔ یزید بن معقل نے جواب دیا جھوٹ کہتے ہو حالانکہ اس کے پہلے تمہیں جھوٹ بولنے کی کبھی عادت نہیں تھی خیر یہ بتاؤ کہ تمہیں یاد ہے ایک دن ہم اور تم بنی لوذان کے کوچہ سے ہو کر گزر رہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان گنہگار تھے اور معاویہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور امام برحق بس علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ بریر نے کہا کہ ''میں اب بھی اپنے اسی خیال پر قائم ہوں''۔ یزید نے کہا ''اچھا اس پر تیار ہو کہ میں تم سے مباہلہ کروں اور ہم تم دونوں مل کر خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اس کے ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کرا دے پھر میں تم سے جنگ کروں''۔ یزید بن معقل نے اس کو منظور کر لیا۔ دونوں فوجوں کی آنکھیں لڑی تھیں دونوں نے آمنے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا سے دعا کی پھر جنگ میں مشغول ہو گئے بس صرف دو ضربوں کی رد و بدل ہونے پائی اس طرح کہ پہلے یزید نے تلوار لگائی جو بریر پر اچٹتی ہوئی پڑی اور کوئی صدمہ انہیں نہیں پہنچا پھر بریر نے تلوار ماری جو خود کو کاٹتی ہوئی اس کے دماغ تک پہنچی اور وہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑا اس حالت سے کہ بریر کی تلوار اس کے کاسہ سر میں درآئی ہوئی تھی اور وہ اسے باہر کھینچ رہے تھے اسی حالت میں رضی بن منقذ عبدی نے ان پر حملہ کر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دیا وہ بریر سے لپٹ گیا اور کشتی لڑنے لگا بریر اس کو گرا کر سینہ پر سوار ہو گئے کمینہ اور بزدل دشمن چیخ اٹھا اور پکارنے لگا ''کہاں ہیں جنگ جو پہلوان کہاں ہیں مدافعت کرنے والے جوان''۔ دفعتاً کعب بن جابر بن عمرو ازدی بریر پر حملہ کے لئے آگے بڑھا لشکر یزید کے دوسرے سپاہیوں نے اس کو منع بھی کیا کہ یہ بریر حافظ قرآن ہیں جو مسجد میں حفظ قرآن کرایا کرتے تھے مگر اس نے نہ مانا اور پشت کی جانب سے بریر پر نیزہ کا وار کر دیا جو سینہ سے پار ہو گیا اور بریر زمین پر گر گئے پھر اس نے تلوار لگا کر بریر کا کام تمام کر دیا۔[1]

۵۔ منجح بن سہم:

جماعت حسینی میں آزاد افراد کے ساتھ ساتھ غلاموں کی نمائندگی بھی کافی تھی ان میں سب سے پہلے سلسلہ شہداء میں جن کا نام آتا ہے وہ منجح ہیں۔

شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں ان کا اصحاب امام حسینؑ میں شمار کیا ہے۔

زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ حسینہ حضرت امام حسینؑ کی کنیز تھی جسے آپ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خرید فرمایا تھا اور اس کی شادی سہم سے کر دی تھی اس طرح منجح کی ولادت ہوئی اور چونکہ یہ کنیز علیؑ بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) کے گھر میں خدمات انجام دیتی تھی اس لئے حضرت امام حسینؑ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ اپنے فرزند منجح سمیت آپ کے ہمراہ آئی کربلا میں ان کی شہادت اوائل جنگ میں ہی واقع ہوئی اور وہ حسان بن بکر حنظلی کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

۶۔ عمر بن خالد:

پورا نام عمر بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی تھا۔ کوفہ کے اشراف میں سے اور اہل بیت رسولؐ کے سچے محب تھے۔ شروع میں مسلم بن عقیل کی نصرت کے لئے نکلے تھے مگر جب اہل کوفہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آئی تو یہ بھی روپوش ہوگئے یہاں تک کہ امام حسینؑ عراق کے حدود میں پہنچے اور آپ نے قیس بن سھر صیداوی کو اپنی آمد کی اطلاع کے ساتھ کوفہ روانہ کیا۔ قیس راستے میں گرفتار ہوگئے اور ان کے قتل کا حکم ہوا مگر انہوں نے مرتے مرتے حسینؑ کی سفارت کے حق کو ادا کر دیا۔ اعلان کر کے امام حسینؑ مقام حاجر تک پہنچ گئے ہیں جس کو جانا ہو ان کے پاس چلا جائے۔ یہ خبر عمر بن خالد کو پہنچی تو وہ اپنے غلام سعد اور تین دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ غیر معروف راستے سے ہو کر بہت تیز رفتاری کے ساتھ منزل عذیب الہجانات پر امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

جب کہ حر بن یزید ریاحی امام کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے پہنچ چکا تھا چنانچہ حر نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں آئے تھے اس لئے یا تو میں انہیں گرفتار کروں گا یا کوفہ واپس مگر امام نے فرمایا ''اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے اور میری امان میں آگئے تو میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا''۔

روز عاشور جنگ چھیڑنے کے بعد یہ اور ان کے ساتھی وہ پانچ آدمی تھے جنہوں نے بیک وقت فوج دشمن پر حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے۔ لشکر یزید نے ان بہادروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور جماعت حسینی سے بالکل جدا کر دیا یہ دیکھ کر امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباس کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ آپ نے جا کر تن تنہا فوج پر حملہ کیا اور تلوار چلانا شروع کی یہاں تک کہ لشکر کو منتشر کر دیا اور ان زخمی بہادروں کو دشمن کے حلقہ سے نکال کر اپنی جماعت کی طرف واپس لے چلے۔ ابھی راستہ پورا طے نہیں ہوا تھا کہ دشمن تعاقب کے لئے آتے نظر آئے۔ عباس نے ان بہادروں کو اپنے آگے کیا اور آپ خود بغرض حفاظت پیچھے ہوگئے تا کہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ مگر دشمن کے قریب پہنچتے ہی زخمی بہادروں کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ عباس کی حفاظت سے نکل کر دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور باوجودیکہ زخموں سے بالکل بے حال تھے لیکن جان

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

توڑ کر شمشیر زنی کی اور آخر ایک ہی جگہ پر گر کر شہید ہوگئے۔[1] عباس نے مجبوراً امام کی خدمت میں واپس آکر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت نے چند بار ان بہادروں کے لئے درگاہ باری سے رحمت طلب کی۔

۷۔ سعد مولیٰ عمر بن خالد:

شریف النفس اور بلند ہمت غلام تھے جنہوں نے اپنے مالک عمر بن خالد صیداوی کا آخری وقت تک ساتھ دیا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ اس مختصر قافلہ میں آکر اصحاب حسینؑ سے ملحق ہوئے تھے جو منزل عذیب الہجانات پر خدمت امام میں پہنچا اور جنگ میں بھی وہ اپنے ہمراہیوں کے جتھے میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۔ مجمع بن عبداللہ:

نام و نسب: مجمع بن عبداللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبدمناۃ بن سعد العشیرۃ المذحجی العائذی۔ وہ تابعین میں سے تھے۔ رسول اللہؐ کے زمانہ میں متولد ہوئے تھے۔ ان کے باپ نے رسول اللہؐ کی صحبت کے شرف کو حاصل کیا تھا اور خود مجمع حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں داخل تھے۔ چنانچہ جنگ صفین کے واقعات کے ذیل میں ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ان پانچ اشخاص میں سے تھے جو منزل عذیب الہجانات پر امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جب آپ نے ان سے کوفہ کی حالت کے متعلق دریافت فرمایا تو مجمع نے حسب ذیل الفاظ میں اہل کوفہ کی تصویر کشی کی تھی۔ بڑے بڑے آدمیوں کو تو بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور گٹھڑیاں بھر بھر کر مال و دولت عطا کیا گیا ہے تاکہ وہ موافق رہیں اور خیر خواہی کرتے رہیں اس لئے وہ سب متفق ہیں آپ کے خلاف اور عوام ان کے دل تو آپ کی طرف جھکتے ہیں مگر تلواریں ان کی کل آپ کے خلاف کھنچی ہوئی ہوں گی۔

روز عاشور انہوں نے بھی اپنے جتھے کے ساتھ دشمن سے جنگ کی اور درجہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شہادت حاصل کیا۔

۹۔ عائذ بن مجمع:

مجمع بن عبداللہ عائذی کے فرزند تھے اپنے باپ کے ساتھ منزل عذیب الہجانات پر امام حسینؑ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا تھا اور انہی کے ساتھ اپنے جتھے میں رہتے ہوئے جنگ میں شرکت کی اور شہید ہوئے۔

۱۰۔ جنادہ بن حارث سلمانی:

سلمان قبیلہ مراد کی ایک شاخ اور مراد قبیلہ مذحج کا ایک شعبہ ہے۔ جنادہ بن حارث کوفہ کے باشندہ اور مشاہیر شیعہ میں سے تھے۔ عہد رسول اللہؐ کا ادراک کیا۔ پھر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ رہے اور جنگ صفین میں جہاد کیا۔ شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں ان کا نام اصحاب حسینؑ میں درج کیا ہے۔

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں امام حسینؑ کی بیعت لے رہے تھے تو جنادہ نے وفاداری کے ساتھ بیعت کی اور مسلم کے ساتھ جہاد میں شریک بھی ہوئے مگر جب فضا مسلم کے خلاف ہوگئی تو وہ بھی مثل دیگر اشخاص کے مخفی ہوگئے اور آخر اسی جتھے میں جو منزل عذیب الہجانات میں خدمت امام میں پہنچا تھا وہ بھی حاضر ہوئے اور اسی جتھے کے ساتھ رہ کر جنگ بھی کی اور درجہ شہادت حاصل کیا۔

۱۱۔ جندب بن حجیر کندی خولانی:

کوفہ کے باشندہ اور ممتاز شیعی افراد میں سے تھے۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے اور جنگ صفین میں کندہ اورازد کے رسالوں کے افسر تھے۔ جب امام حسینؑ کوفہ کی سمت راہ پیما تھے تو حر کی ملاقات سے پہلے ہی وہ خدمت امام میں پہنچ کر ہمراہی کے شرف سے بہرہ یاب ہوئے اور روز عاشور جنگ کے ابتدائی ہنگام میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۲۔ یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی بہدلی:

شیعان کوفہ میں سے شریف: بہادر اور جنگ آزما تھے۔ امام حسینؑ کی خدمت میں حر کی ملاقات سے پہلے حاضر ہوئے اور پھر ہمراہ ہمرکاب رہے تھے جب کربلا کی سرزمین کے قریب پہنچ کر حر کے پاس ابن زیاد کا قاصد یہ خط لایا تھا کہ جہاں یہ خط پہنچے وہیں حسینؑ کو اترنے پر مجبور کیا جائے تو ابو الشعثاء نے اس قاصد کو پہچانا تھا کہ وہ مالک بن نسر بدی ہے چونکہ وہ بھی قبیلہ کندہ سے تھا اس لئے ابو الشعثاء نے اس کو نصیحت کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اس سے کہا کہ یہ تو نے کیا غضب کیا اس کام کے لئے تو آیا؟ اس نے کہا ''میں نے اپنے امام کی اطاعت کے حق کو پورا کیا''۔ ابو الشعثا نے جواب دیا کہ ''تو نے خدا کی تو نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت یقیناً تو نے اس طرح اپنے نفس کی ہلاکت کا سامان کیا اور ہمیشہ کے لئے ننگ و عار اور آتش جہنم کا مستحق بنا۔ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ کچھ امام ایسے ہیں جو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت ان کی کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی۔ بے شک تیرا امام ایسا ہی ہے''۔

وہ بہت بڑے تیر انداز تھے۔ روز عاشور اپنے گھٹنے ٹیک کر وہ امام کے سامنے بیٹھ گئے اور آٹھ تیر لگائے جن میں سے پانچ تیر ٹھیک نشانہ پر پڑے اور پانچ آدمیوں کو دشمنوں میں سے ہلاک کیا جب تیر ختم ہوگئے تو وہ تلوار لے کر میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

> ''میں یزید ہوں اور میرے باپ مہاصر تھے میں شیر بیشہ سے زیادہ بہادر ہوں خداوندا گواہ رہنا کہ میں حسینؑ کا ناصر اور ابن سعد سے بے تعلقی اختیار کرنے والا ہوں''۔

آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ تاریخ میں تصریح ہے کہ وہ ابتداء جنگ کے شہداء میں سے ہیں۔[1]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حملہ اولیٰ

حقیقتاً تاریخ کا یہ یادگار اور حیرت انگیز واقعہ ہے کہ تیس ہزار فوج کے مقابلہ پر بہتر (۷۲) یا زیادہ سے زیادہ سو ڈیڑھ سو نفوس ہوں اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے اور اس کے باوجود وہ فوج کثیر اس جماعت قلیل سے نقصان پر نقصان اور شکست پر شکست اٹھائے اور اس کے بنائے کچھ نہ بنے۔ صبح سے دوپہر کے قریب تک کا وقت آجائے اور حسینی جماعت کی صف مثل ایک مضبوط و محکم آہنی دیوار کے سامنے موجود رہے۔ اس کے برخلاف افواج یزید میں اضطراب و بدنظمی کے آثار نمایاں ہوں اور وہ کسی ایک طریقہ جنگ پر قائم نہ رہ سکیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اصحاب حسینؑ نے سخت جنگ کی اور ان میں کے سواروں نے جو تعداد میں صرف بتیس تھے لشکر یزید پر تابڑ توڑ حملے کئے اور وہ جس صف پر حملہ کرتے تھے اس کو منتشر کر دیتے تھے۔[1]

چنانچہ جب عزرہ بن قیس نے جو لشکر یزید کے سواروں کی فوج کا افسر تھا یہ دیکھا تو اس نے عمر بن سعد کے پاس عبدالرحمٰن بن حصین کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''آپ دیکھتے ہیں کہ آج صبح سے اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھوں میری فوج کی کیا حالت ہے؟ اب آپ پیادوں کی فوج اور تیر اندازوں کے دستوں کو بھیجئے کہ وہ مقابلہ کریں''۔ لشکر یزید کے لئے کس درجہ شرم کا مقام تھا کہ اس کے سواروں کا افسر ہمت ہار چکا اور کھلے ہوئے الفاظ میں اقرار شکست کر لیا اس کے بعد پیادوں کی طرف رجوع کیا گیا اور شبث بن ربعی کو جو پیادہ فوج کا افسر تھا عمر سعد کا تہدیدی پیغام پہنچا کہ تم آگے کیوں نہیں بڑھتے مگر اس نے حقارت آمیز جواب یہ دیا کہ ''افسوس ہے اس مہم کو سر کرنے کے لئے سواروں کی اتنی بڑی فوج ناکافی سمجھی جائے اور میرے ایسے بڑے سردار کو زحمت دی جائے اور پھر تیر اندازوں کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی ہو کیا میرے سوا کوئی اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے نہیں ملتا؟ یہ سن کر مجبوراً عمر سعد نے حصین بن تمیم کو اسی فوج کے ساتھ جو قادسیہ کی سرحد میں ناکہ بندی کی غرض سے تعینات رہ چکی تھی پانچ سو تیر اندازوں کے اضافہ کے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰۔ ارشاد ص ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ساتھ مامور کیا کہ وہ آگے بڑھے اور خیمہ حسینی کے نزدیک جا کر پاس سے ان پر تیروں کا مینہ برسائے۔[1]

فن جنگ کے واقف کار اچھی طرح جانتے ہیں کہ تیروں کی زد کے لئے ایک محدود فاصلہ درمیان میں ہونا ضروری ہے مقررہ فاصلہ سے زیادہ پر تیر اندازی ایک طرح سے ہوائی فائروں کی حیثیت رکھتی ہے جس سے گزند نہ پہنچنے کا قوی امکان ہوتا ہے مگر تھوڑی مسافت سے تیروں کی ہنگامہ خیز بارش ایک بے پناہ حملہ ہے جس سے محفوظ رہنے کے لئے نہ فنون جنگ کام دے سکتے ہیں، نہ شجاعت و جرأت۔ اسی لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ بزدلانہ طریقہء جنگ ہے اور شجاعان روزگار کے لئے ننگ۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل لشکر گاہ دو متخاصم فریقوں کے ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہوتے ہیں یقیناً اسی صورت پر کربلا میں بھی تھے۔

دونوں لشکروں کی صف آرائی بھی اس طریقہ پر ہوتی ہے کہ درمیان میں کافی وسیع مصاف باقی رہے اور یہ مسافت بھی کچھ کم نہیں ہوتی ہے۔ پہلی مرتبہ کے تیروں کی بارش کا عنوان یہ تھا کہ عمر بن سعد نے اپنے لشکر ہی سے جس کی صف آرائی ہو چکی تھی تیر چلایا اور اسی کے ساتھ اس کے لشکر والوں نے بھی تیر رہا کئے لہٰذا ان تیروں سے جماعت حسینی کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا اور نہ ہونا چاہئے تھا سوا اس کے کہ ان کے ذریعہ سے اعلان جنگ ہوگیا اور عملی طور سے حرب وضرب شروع ہوگئی مگر اس وقت جس طریقہ سے تیر اندازی مقصود تھی اس کی نوعیت بالکل مختلف تھی اس لئے کہ اس مرتبہ پورے طور سے جماعت حسینی کو زد پر لاکر تیر برسائے جا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ تیر کی زد سے ڈھال یا نیزہ وشمشیر کے ذریعہ سے تحفظ ممکن نہیں ہے۔ البتہ تیر کو خالی دے کر اس سے بچا جاسکتا ہے مگر یہ اسی وقت کارگر ہوسکتا ہے جب ادھر ادھر تیروں کی زد سے خالی جگہ موجود ہو لیکن تصور میں اس منظر کو سامنے لایا جائے کہ صرف سو ڈیڑھ سو نفوس پر مشتمل جماعت حسینی صف باندھے ایستادہ اوران کے مقابلہ میں ہزاروں کی تعداد میں ایک فوج آکر کھڑی ہو جاتی

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے اور تیر برسانا شروع کرتی ہے تو وہ کتنی زیادہ دور تک پھیلی ہوئی ہوگی اور جب اس کی طرف سے ایک مرتبہ مجموعی طور پر یک جہت اور ہم آہنگ ہو کر ایک نشانہ پر ایک ہی مرکز کو سامنے رکھے ہوئے بہت دور سے نہیں بلکہ قریب سے تیر برسائے جا رہے ہیں تو کیا اس میں کوئی شک ہوسکتا ہے کہ ان تیروں نے ایک عظیم سیلاب ایک بڑے طوفان ایک تیز آندھی یا لوہے کی ایک چادر کی طرح چپ و راست ہر طرف سے اس مختصر جماعت کو ڈھانپ لیا ہوگا اور اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا باقی نہ ہوگا جو ان تیروں کی زد میں نہ آتا ہو مگر انصار حسینؑ نے اس بے پناہ تیروں کے سیلاب کا یوں مقابلہ کیا کہ تلواریں سونت لیں اور لوہے کی ان چادروں کو اپنے سینوں سے ریلتے ہوئے دشمن کی فوج پر جا پڑے اور اس میں در آ کر شمشیر زنی کرنے لگے۔

یہی وہ عظیم الشان حملہ اور گھمسان کی جنگ ہے جو تاریخوں میں ''حملہ ء اولیٰ'' کے نام سے مذکور ہے اور یہ ظہر سے ایک گھنٹہ قبل کا واقعہ تھا۔

اصحاب حسینؑ نے پھر دشمن کو شکست دی اور فوج کو پسپا کیا مگر اس حملہ کا نتیجہ خود جماعت حسینی کے لئے بھی بہت درد انگیز ثابت ہوا چنانچہ جس وقت میدان صاف ہوا اور گرد و غبار دور ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ مختصر تعداد اور زیادہ مختصر ہو چکی تھی اس لئے کہ پچاس آدمی انصار حسینؑ میں سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے جن میں سے بعض تیروں کا نشانہ بنائے گئے تھے اور بعض جنگ مغلوبہ میں شہید کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ جتنے گھوڑے اصحاب حسینؑ کی سواری میں تھے وہ سب بھی ختم کر دیئے گئے تھے اور چند اصحاب حسینؑ بھی جو سوار تھے اب پیادہ ہو گئے تھے۔[1]

چنانچہ حر بن یزید ریاحی بھی جن کا گھوڑا اس کے پہلے ہی زخمی ہو چکا تھا اب پیادہ ہو گئے جس کا تذکرہ ان کے دشمن ایوب بن مشرح خیوانی نے اس طرح کیا ہے کہ میں ہی وہ شخص تھا جس نے حر کے گھوڑے کو پے کیا۔ بس میں نے ایک تیر ایسا لگایا کہ فرس تھرا کر زمین پر گر گیا اور حر شیر کے مانند جست کر کے اس کی پشت سے علیحدہ ہوئے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰۔ ارشاد ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اور اس مضمون کا شعر پڑھ رہے تھے کہ ''اگر تم نے میرا گھوڑا پے کر ڈالا تو کوئی حرج نہیں میں ایک شریف انسان کا فرزند ہوں اور شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں''۔ دوسرے ایک مشاہد کا بیان ہے کہ ان کا سا میں نے دوسرا کوئی شمشیر زنی کرنے والا نہیں دیکھا۔[1]

اس حملہ کے ذیل میں جو پچاس انصار حسینؑ شہید ہوئے ان میں نہیں کہا جاسکتا کہ کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد کو، اس لئے ان کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۳۔ ادہم بن امیہ عبدی بصری:

قبیلہ عبد قیس سے بصرہ کے باشندہ تھے۔ بصرہ میں ایک خاتون تھیں ماریہ بنت منقذ عبدیہ جو شیعہء علیؑ اور محب اہل بیت نبوت تھیں اور ان کے مکان پر اکثر شیعان علیؑ کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ جب امام حسینؑ نے مکہ معظمہ سے کوفہ کی روانگی کا قصد کیا اور ابن زیاد بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر مامور ہوا اور بصرہ کے نئے گورنر کی جانب سے ناکہ بندی کا انتظام ہوا تا کہ کوئی شخص نصرت حسینؑ کی غرض سے کوفہ کی طرف جانے کا عزم ظاہر کیا چونکہ صریحی طور پر ان کا یہ مقصد خطرے سے خالی نہ تھا کچھ زیادہ اشخاص ان کے اس عزم سے ہم آہنگ نہ ہوئے پھر بھی یزید بن شبیط کے دو فرزند اور چار دوسرے افراد وہ تھے جنہوں نے ان کے ساتھ اتحاد عمل کیا چنانچہ ان سب نے اپنی جانوں پر کھیل کر مقام البطح پر جو کہ مکہ معظمہ ہی کے حدود میں تھا امام کی ہمراہی اختیار کی۔ ان ہی چار اشخاص میں ایک ادہم بن امیہ بھی تھے جو روز عاشور حملہء اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۴۔ امیہ بن سعد بن زید طائی:

قبیلہ طے کے بہادر، جنگ آزما اور شہسوار تھے۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں محسوب ہوتے تھے۔ آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت بھی کی تھی اور

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کارہائے نمایاں انجام دیا تھا اس کے بعد ان کا کوفہ میں قیام رہا جب امام حسینؑ کے کربلا میں پہنچنے کی خبر ہوئی تو گفتگوئے صلح کے دوران میں کسی عنوان سے کوفہ سے کربلا پہنچے اور امام کی ہمراہی اختیار کی یہاں تک کہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۱۵۔ جابر بن حجاج تیمی:

قبیلہ تیم اللہ بن ثعلبہ میں سے عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کوفہ کے باشندہ اور شہسوار تھے۔ پہلے مسلم بن عقیل کی حمایت کے لئے کمر بستہ ہوئے تھے مگر حالات کے ناسازگار ثابت ہونے کے بعد مثل دوسرے بہت سے افراد کے وہ بھی اپنے قبیلہ میں روپوش ہوگئے تھے۔ جب امام کے کربلا میں وارد ہونے کی اطلاع ہوئی تو وہ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور خفیہ طریقہ پر اس سے علیحدہ ہوکر انصار امام حسینؑ میں شامل ہوگئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۱۶۔ جبلۃ بن علی شیبانی:

کوفہ کے باشندہ، بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت مسلم بن عقیل کی نصرت کے لئے بھی کمر بستہ ہوئے تھے مگر حالات کی ناسازگاری کے بعد وہ بھی اپنے قبیلہ میں روپوش ہوگئے اور جب امام حسینؑ کربلا میں پہنچ چکے تو وہ بھی کسی نہ کسی صورت سے کوفہ سے آکر انصار حسینی میں شامل ہوئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۷۔ جنادہ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی:

امام حسینؑ کی ہمراہی میں مکہ معظمہ سے متعلقین سمیت آئے تھے اور حملہ اولیٰ میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔

۱۸۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی:

قبیلہ بنی تیم میں سکونت رکھتے تھے اس لئے اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتے تھے اور جب کوفہ کے تمام قبائل امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھیجے جا رہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھے تو وہ بھی قبیلہ بنی تیم کے ساتھ عمر سعد کی فوج میں شامل ہو کر میدان کربلا تک پہنچے اور جب امام حسینؑ کے پیش کردہ شرائط صلح نامنظور کر دیئے گئے اور جنگ کا ہونا قطعی قرار پایا گیا تو وہ اسی قبیلہ کے چند دوسرے افراد کے ساتھ شب کے وقت عمر سعد کی فوج سے جدا ہو کر رفقائے امام کی جانب آ گئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۹۔ حارث بن امراء القیس بن عابس کندی:

شجاعان روزگار میں سے اور عابد و زاہد تھے۔ اکثر لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے کارہائے ان کے مذہبی احساس اور ثبات و استقلال کا اس واقعہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ قلعہ بجر کا محاصرہ کرنے والوں میں شامل تھے جب مرتدین کو اس قلعہ سے باہر نکال کر قتل کیا جانے لگا تو حارث نے اپنے حقیقی چچا پر حملہ کیا۔ اس نے کہا ''میں تو تمہارا چچا ہوں'' حارث نے جواب دیا کہ ''مگر اللہ ہمارا پروردگار ہے اور اس کا حکم مقدم ہے''۔ یہ کہہ کر اسے قتل کر ڈالا۔

کربلا میں وہ بھی عمر سعد کی فوج میں داخل ہو کر پہنچے تھے لیکن شرائط صلح کے نامنظور ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو کر اصحاب حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۰۔ حارث بن بنہان:

ان کے والد بنہان حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے غلام، بہادر اور شہسوار تھے۔ جنگ احد میں حمزہ کی شہادت واقع ہوئی اس کے دو برس بعد بنہان نے دنیا سے رحلت کی اس کے بعد سے حارث نے جناب امیرؑ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خدمت میں رہے جب حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے ہجرت فرمائی تو حارث بھی ہمراہ رہے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۱۔ حباب بن حارث:

ابن شہر آشوب نے حملہ اولیٰ کے شہداء میں ان کا بھی نام درج کیا ہے حالات

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بالکل معلوم نہیں ہوئے۔

۲۲۔ حباب بن عامر بن کعب تیمی:

قبیلہ تیم اللات بن ثعلبہ میں سے کوفہ کے باشندہ شیعہء علی تھے اور مسلم بن عقیل کی بیعت کی تھی۔ جناب مسلم کی شہادت کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں پوشیدہ ہوگئے جب امام حسینؑ کی کوفہ کی جانب روانگی کی اطلاع ان کو ہوئی تو وہ خفیہ طور پر کوفہ سے باہر نکلے اور راہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر ہمرکاب ہوئے یہاں تک کہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۳۔ حبشہ بن قیس نہمی:

پورا نام و نسب: حبشہ بن قیس بن سلمۃ بن طریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ ہمدانی نہمی تھا۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کے دادا سلمہ بن طریف صحابہ پیغمبرؐ میں سے تھے اور خود حبشہ بن قیس راوی حدیث تھے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۴۔ حجاج بن زید سعدی تمیمی:

قبیلہ بنی سعد بن تیم میں سے بصرہ کے باشندہ تھے۔ امام حسینؑ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے موقع پر چند خطوط رؤسائے بصرہ کے نام روانہ فرمائے تھے جن میں سے ایک مسعود بن عمرو ازدی کے نام تھا۔ مسعود نے اپنے قبیلہ کے تمام اقوام بنی تمیم، بنی حنظلہ، بنی سعد اور بنی عامر کو مجتمع کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کو نصرت امام حسینؑ پر آمادہ کرنا چاہا جس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے نصرت امام کا وعدہ کیا۔ مسعود نے ایک خط امام کے نام تحریر کیا جس میں حضرت کی تشریف آوری عراق پر اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ میں نے بنی تمیم اور بنی سعد کو تمام تر آپ کی نصرت پر آمادہ کر لیا ہے اور وہ سب آپ پر اپنی جان نثار کریں گے یہ خط حجاج بن زید سعدی کے ہاتھ روانہ کیا گیا تھا چنانچہ وہ کربلا میں آکر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۵۔ حلاس بن عمرو ازدی راسبی:

اصحاب حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ میں سے تھے اور حضرت کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں پولیس کے افسر کی حیثیت رکھتے تھے وہ میدان کربلا میں عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے مگر گفتگوئے مصالحت کے ناکام ہونے پر مخفی طریقہ سے شب کے وقت اصحاب حسینؑ میں شامل ہوگئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۶۔ حنظلہ بن عمر شیبانی:

ابن شہر آشوب نے ان کا نام بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں ذکر کیا ہے۔ حالات معلوم نہیں۔

۲۷۔ زاہر بن عمرو اسلمی کندی:

اصحاب رسولؐ میں سے راوی حدیث تھے اور بیعت رضوان کے شرف سے بہر اندوز ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جنگ خیبر میں شریک جہاد بھی ہوئے تھے۔ شجاعت ان کی ممتاز صفت اور نمایاں جوہر تھا اور اہل بیت رسولؐ کی محبت ان کے لئے سرنامہ اعزاز۔ جب زیاد بن ابیہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور عمرو بن الحمق الخزاعی نے اس کی مخالفت کا علم بلند کیا تھا تو زاہر بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب معاویہ نے عمرو بن الحمق کی گرفتاری کا حکم بھیجا تو زاہر کے نام بھی وارنٹ جاری ہوا تھا مگر وہ روپوش ہوگئے اور قبضہ میں نہ آسکے۔

۶۰ھ میں حج بیت اللہ الحرام سے شرفیاب ہوئے۔ اسی سلسلہ میں امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی اور وہ اصحاب حسینؑ میں شامل ہوگئے یہاں تک کہ حضرت کی ہمراہی میں کربلا آئے اور روز عاشورہ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ اصحاب ائمہ میں سے محمد بن سنان زاہری متوفی ۲۲۰ھ جو امام رضاؑ اور امام محمد تقیؑ کے رواۃ میں سے تھے انہی زاہر کی نسل سے تھے۔

۲۸۔ زہیر بن بشر خثعمی:

حملہ اولیٰ کے شہداء میں ان کا بھی شمار ہے۔ حالات معلوم نہیں۔

۲۹۔ زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی:

شب عاشور جب لشکر یزید نے امام حسینؑ کو شہید کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہاں سے نکل کر اصحاب حسینؑ کی طرف آگئے اور آپ کی نصرت کرتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۰۔ سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی:

اپنے مالک کے ساتھ اسی قافلہ میں جو یزید بن شبیط قیسی کے ساتھ بصرہ سے مقام ابطح میں پہنچا تھا امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۱۔ سلیم:

امام حسنؑ کے باوفا غلام تھے اور کربلا میں نصرت امام حسینؑ کا حق ادا کرتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۲۔ سوار بن ابی عمیر نہمی:

پورا نام ونسب: سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الہمدانی النہمی راویان احادیث میں سے تھے۔ امام حسینؑ کے کربلا میں پہنچنے کے بعد گفتگوئے صلح کے دوران میں کربلا پہنچے تھے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں نصرت حسینؑ میں جنگ کا شرف حاصل کیا۔ یہاں تک کہ زخمی ہو کر گر گئے۔ دشمن ان کو گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس لے گئے اس نے چاہا کہ ان کو قتل کرا دے مگر ان کے ہم قبیلہ سپاہی مانع ہوئے اور انہیں بچا کر اپنے ساتھ لے گئے لیکن وہ زخمی اتنے ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور چھ مہینے تک انہی زخموں کی تکالیف میں مبتلا رہنے کے بعد انتقال کیا۔

۳۳۔ سیف بن مالک عبدی:

قبیلہ عبد قیس سے بصرہ کے باشندہ اور ان شیعان علیؑ میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ عبدیہ کے مکان پر مجتمع ہوا کرتے تھے۔ یزید بن شبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام حسینؑ کے لئے روانہ ہوئے اور مقام ابطح پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۳۴۔ شبیب بن عبداللہ:

حارث بن سریع ہمدانی جابری کے غلام، صحابی رسولؐ اور حضرت علیؑ بن ابی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طالبؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کی تینوں لڑائیوں میں شرکت کا شرف حاصل کئے ہوئے تھے۔ کوفہ کے باشندہ تھے اور کربلا میں سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع دونوں اپنے آقا زادوں کی معیت میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۵۔ شبیب بن عبداللہ نہشلی:

طبقہ تابعین میں سے حضرت علیؑ کے اصحاب میں محسوب ہوتے تھے اور آپ کے ساتھ تینوں لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ پھر امام حسنؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کے اصحاب میں اور آپ کے مخصوصین میں سمجھے جاتے تھے جب امام حسینؑ نے مدینہ کو چھوڑا اور سفر غربت اختیار کیا تو شبیب بن عبداللہ وہیں سے آپ کے ہمرکاب رہے یہاں تک کہ کربلا میں آپ کے ساتھ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۶۔ ضرغامہ بن مالک تغلبی:

انہوں نے کوفہ میں مسلم بن عقیل کی بیعت کی اور ان کے شہید ہونے کے بعد وہ بھی روپوش ہوگئے۔ پھر عمر سعد کی فوج کے ساتھ میدان کربلا میں پہنچے اور پوشیدہ طریقہ پر اصحاب حسینؑ سے ملحق ہوگئے یہاں تک کہ حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۳۷۔ عامر بن مسلم عبدی بصری:

بصرہ کے باشندہ انہی شیعان علیؑ میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ کے مکان پر جمع ہوا کرتے تھے۔ یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ وہ بھی نصرت امام کے لئے روانہ ہوئے اور مقام انبطح پر آپ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۳۸۔ عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی:

مکہ سے کوفہ کے راستے میں عرب کے ان صحرائی قبائل میں سے جن کی طرف سے گزر ہوتا تھا بہت سے لوگ خوش آئند دنیوی توقعات کے پیش نظر اس قافلہ کے ساتھ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ''میاہ جہینہ'' نام کے چشموں کے پاس سے قبیلہ جہینہ کے بہت سے لوگ اسی طرح آپ کے ساتھ ہو گئے تھے ان ہی میں سے عباد بن مہاجر بھی تھے۔ جب مسلم وہانی کے شہید ہو جانے کی خبر سننے کے بعد امام حسینؑ نے منزل زبالہ پر لوگوں کو حقیقی صورت حال سے مطلع فرماتے ہوئے انجام سے ناواقف افراد کو اپنے قافلہ سے جدا ہونے کی ہدایت فرمائی اور اس کے نتیجہ میں سوا ان جان نثاروں کے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے تقریباً سب منتشر ہو گئے تو عباد بن مہاجر ان گنتی کے باوفا افراد میں تھے جنہوں نے امام کا ساتھ چھوڑنا پسند نہیں کیا اور وہ حضرت کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ وہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۳۹۔ عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجی:

صحابہ رسولؐ میں سے حدیث غدیر کے راوی اور شاہد تھے۔[1]

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے مخصوص شاگرد تھے۔ حضرت نے خود ان کو قرآن کی تعلیم دی اور ان کی تربیت بھی فرمائی تھی۔ وہ امام حسینؑ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور میدان کربلا تک برابر ہمراہ رکاب رہے۔ صبح عاشور ان ہی سے بریرؓ کی مزاحیہ گفتگو ہوئی تھی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ انہوں نے بھی حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت حاصل کیا۔

۴۰۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی:

طبقہ تابعین میں سے معزز بہادر اور جنگ آزما تھے۔ کوفہ سے جو دوسرا وفد امام حسینؑ کے پاس بھیجا گیا تھا جس کے ساتھ تقریباً ۵۳ عرض داشتیں امام کی خدمت میں ارسال کی گئی تھیں جن میں سے ہر ایک دو دو تین اور چار دستخطوں سے تھی اس وفد میں قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بھی تھے۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا تو عمارہ اور عبدالرحمٰن کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عبداللہ کسی نہ کسی طرح کوفہ سے نکل کر میدان کربلا تک پہنچے اور امام

---

[1] جریدہ اصماد الصحابہ الذہبی ص ۲۷۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ کے اصحاب میں داخل ہوگئے یہاں تک کہ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۱۔عبدالرحمٰن بن مسعود:

وہ مسعود بن حجاج تیمی کے فرزند تھے جن کا تذکرہ سلسلہ شہداء میں بعد کو آئے گا۔ دونوں باپ بیٹے عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے اور محرم کی ساتویں تاریخ امام کی خدمت میں سلام کرنے کے قصد سے حاضر ہوئے پھر واپس نہیں گئے۔ عبدالرحمٰن روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۲۔عبداللہ بن بشر خثعمی:

پورا نام ونسب حسب ذیل تھا: عبداللہ بن بشر بن ربیعہ بن عمرو بن منارۃ بن ممیر بن عامر بن ریشہ بن مالک بن واہب بن جلیحہ بن کلب بن ربیعہ بن عفرس بن خلف بن اقبل بن انمار الخثعمی۔

ان کے باپ بشر بن ربیعہ اپنے زمانے کے مشہور روزگار اور میدان جنگ کے نبردآزما شہسواروں میں سے تھے۔ کوفہ کا مشہور احاطہ جو ''جبانہ بشر'' کہلاتا تھا ان ہی کے نام سے منسوب تھا۔ جنگ قادسیہ کے ذیل میں ان کا نام صفحات تاریخ پر نمایاں ہے۔ ان کے فرزند عبداللہ صفات شجاعت و جرأت و نام آوری میں ان ہی کے قدم بقدم تھے۔ میدان کربلا میں فوج عمر سعد کے ساتھ پہنچ کر خفیہ طریقہ پر انصار حسینؑ میں شامل ہوگئے یہاں تک کہ حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت حاصل کیا۔

۴۳۔عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی:

یزید بن ثبیط کے دس بیٹے تھے چنانچہ انھوں نے ان دسوں کے سامنے نصرت حسینؑ کا سوال پیش کیا لیکن ان میں سے صرف دو تھے جنھوں نے اس اہم ارادہ میں باپ کا ساتھ دیا۔ ان ہی دو میں ایک عبداللہ تھے چنانچہ وہ اپنے باپ کی ہمراہی میں بصرہ سے نکلے اور مقام ابطح پر پہنچ کر خدمت امام میں حاضر ہوئے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شہید ہوئے۔

۴۴۔ عبید اللہ بن یزید بن ثبیط قیسی:

وہ یزید بن ثبیط کے دوسرے فرزند تھے جنہوں نے نصرت حسینؑ کے تہیہ میں ان کا ساتھ دیا اور وہ بھی حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۵۔ عقبہ بن صلت جہنی:

''میاہ جہینہ'' کے اعراب میں سے جو اثنائے راہ سے قافلہ حسینی کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ایک وہ بھی تھے اور منزل زبالہ میں امام حسینؑ کے حقیقت حال کے اظہار پر مشتمل خطبہ کو سن کر جب سوا خاص جان نثاروں کے اور سب نے اپنی اپنی راہ لی تو وہ امام کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۶۔ عمار بن ابی سلامہ دالانی:

نام و نسب: عمار بن ابی سلامہ بن عبداللہ بن عمران بن راس بن دالان ہمدانی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انہوں نے رسالت مآبؐ کے زمانہ کا ادراک کیا تھا اور علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں شرکت کی تھی۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۷۔ عمار بن حسان طائی:

نام و نسب: عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمرو بن ظریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذہل بن جذعان بن سعد بن طے۔ مخصوص و ممتاز شیعان علیؑ میں سے مشہور بہادر و جنگ آزما تھے۔ ان کے باپ حسان بن شریح حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں آپ ہی کی نصرت میں شہید ہوئے۔ عمار، امام حسینؑ کے ساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ ان کی ولاد میں سے عبداللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن وہب بن عمار بن

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسان بن شریح طائی جلیل القدر عالم اور فقیہہ تھے جو اپنے والد کے ذریعے امام رضاؑ سے روایت کرتے تھے اور کتاب القضایا والا حکام کے مصنف تھے۔

۴۸۔ عمرو بن ضبیعتہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی:

بہادر، شہسوار اور جنگ کے میدان میں کارنمایاں انجام دیئے ہوئے تھے۔ عمر سعد کی فوج کے ساتھ میدان کربلا میں پہنچے۔ پھر انصار امام حسینؑ میں شامل ہوگئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۴۹۔ عمران بن کعب بن حارث اشجعی:

ان کا شمار بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں ہے۔ حالات معلوم نہیں۔

۵۰۔ قارب مولی الحسینؑ:

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دئلی۔ ان کی ماں فکیہہ امام حسینؑ کی حرم سرا میں رباب مادر سکینہ کی کنیز تھیں اور ان کی شادی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوئی اور اس طرح قارب کی ولادت ہوئی تھی وہ اپنی ماں کی ہمراہی میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر وہاں سے میدان کربلا تک پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۵۱۔ قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی:

وہ اور ان کے دو بھائی مقسط اور کردوس حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ پھر امام حسنؑ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ نے حجاز کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس کے بعد وہ تینوں بھائی کوفہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ جب امام کربلا میں وارد ہوئے تو وہ تینوں بھائی کسی نہ کسی طرح امام کی خدمت میں پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۵۲۔ قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی:

کوفہ کے شیعان علیؑ میں سے بہادر، دلیر اور شہسوار تھے۔ عمر سعد کی فوج کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ساتھ کربلا پہنچے پھر پوشیدہ طریقے پر امام کے انصار سے ملحق ہوگئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۳۔ کردوس بن زہیر بن حارث تغلبی:

وہ اور ان کے بھائی قاسط بن زہیر اور دوسرے بھائی مقسط تینوں اصحاب حضرت علیؑ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شرکت کی تھی۔ کربلا میں خفیہ طریقہ پر خدمت حسینؑ میں پہنچے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۴۔ کنانہ بن عتیق تغلبی:

کنانہ بن عتیق بن معاویہ بن جماعۃ بن قیس تغلبی کوفی شجاعان روزگار میں سے عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے لڑائی ٹھننے سے پہلے میدان کربلا میں خدمت امام میں پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۵۵۔ مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی:

''میاہ جہینہ'' کے اعراب میں سے تھے جو اثنائے راہ میں امام کے ساتھ ہوگئے تھے اور جب منزل زبالہ میں امام کے خطبہ کو سن کر سوا مخصوص جان نثاروں کے دوسرے تمام لوگ متفرق ہوگئے تو مجمع بن زیاد امام کے ہمراہ ہی رہے اور روز عاشور پہلے ان کا گھوڑا زخمی ہو کر پے ہوا پھر چند آدمیوں کو قتل کر کے وہ دشمنوں میں گھر گئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۶۔ مسعود بن حجاج تیمی:

کوفہ کے بڑے مشہور شیعہ علیؑ اور لڑائیوں میں کام کئے ہوئے تھے۔ اپنے فرزند عبدالرحمٰن بن مسعود کے ساتھ عمر سعد کی فوج میں میدان کربلا تک پہنچے اور ساتویں محرم کو امام کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو پھر واپس نہیں گئے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۵۷۔ مسلم بن کثیر صدفی ازدی:

قبیلہ ازدشنوہ میں سے اعرج یعنی لنگ تھے۔ انہوں نے رسالت مآبؐ کا ادراک کیا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی نصرت میں شریک جنگ تھے کہ پنڈلی پر تیر پڑا جس کا اثر رہا کوفہ سے نصرت امام حسینؑ کا تہیہ کر کے روانہ ہوئے اور کربلا میں پہنچ کر آپ سے قدم بوس ہوئے۔ حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۸۔ مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی:

وہ اور ان کے دو بھائی قاسط اور کردوس اصحاب حضرت علیؑ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے وہ سب میدان کربلا میں خفیہ طریقہ پر امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۹۔ منیع بن زیاد:

ان کا شمار بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں ہے۔ حالات معلوم نہیں۔

۶۰۔ نصر بن ابی نیزر:

ابونیزر، نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپنے میں دین اسلام سے مشرف ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچے اور مذہب اسلام اختیار کیا تو آنحضرتؐ نے ان کی تربیت فرمائی اور آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت کے کام پر مامور ہوئے۔

ان کے فرزند نصر نے اپنی کمسنی اور نوجوانی کا زمانہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ اور بقیہ زندگی کا دور امام حسینؑ کی خدمت میں گزارا۔ یہاں تک کہ سفر عراق میں آپ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا پہنچے۔ حملہ اولیٰ میں پہلے ان کا گھوڑا کام آیا پھر وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۶۱۔ نعمان بن عمرو ازدی:

کوفہ کے باشندہ اصحاب حضرت علیؑ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے تھے وہ اور ان کے بھائی حلاس بن عمرو ازدی کربلا میں عمر سعد کی فوج کے ساتھ پہنچے تھے اور شرائط صلح مسترد ہونے پر اصحاب حسینؑ سے ملحق ہوگئے۔ یہاں تک کہ حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۶۲۔ نعیم بن عجلان انصاری:

نام ونسب: نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق الانصاری الخزرجی، وہ اور ان کے دو بھائی نضر اور نعمان اصحاب حضرت علیؑ میں سے تھے اور جنگ صفین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور تینوں شجاعان روزگار اور شعراء میں شمار ہوتے تھے۔

نعمان بن عجلان کو حضرت علیؑ نے عمرو بن ابی سلمہ مخزومی کو معزول فرما کر بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا۔

نضر اور نعمان دونوں نے امام حسینؑ کی خلافت کے زمانہ میں انتقال کیا اور نعیم کوفہ میں مقیم رہے۔ جب امام حسینؑ سرزمین عراق پر پہنچے تو وہ کوفہ سے کسی نہ کسی طرح نکل کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

یہاں پر حملہ اولیٰ کے پچاس شہداء کی تعداد پوری ہوگئی۔ اب ان افراد کا تذکرہ کیا جائے گا جو حملہ اولیٰ کے بعد سے نماز ظہر تک شہید ہوئے تھے۔

خیمہ گاہ حسینی پر ہجوم

جب تک حسینی جماعت اپنی مختصر تعداد میں رہی سہی پوری موجود تھی۔ اس وقت تک دشمنوں کے لئے آگے بڑھنا ممکن نہ ہو سکا تھا لیکن اب جب حملہ اولیٰ کے ذیل میں پچاس نفوس اس جماعت کے یکبارگی شہید ہوگئے اور جتنے انصار حسینؑ باقی رہ بھی گئے ان میں سے کسی کے پاس سواری کے لئے گھوڑا نہ رہا تو اب لشکر مخالف کو جرأت ہوئی کہ وہ خیام حسینی کا رخ کرے۔ اس موقع پر اگرچہ حسینؑ کے اصحاب کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مگر پھر بھی ان کی شجاعت کا عالم یہ تھا کہ تاریخ کا بیان ہے ''انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہوگیا۔ دنیا کی سخت ترین جنگ جو خلق خدا میں کبھی کسی کی نظر سے گزری ہو''۔

یزیدی لشکر کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح پس پشت پہنچ کر ان بہادروں کو گھیرے میں لے لے۔ مگر پشت کی جانب ان کے خیمے تھے جنہیں امام کے حکم سے اس طرح ایک دوسرے سے متصل اور طناب اندر طناب کر دیا گیا تھا کہ انہوں نے ایک مضبوط دیوار اور حصار کی شکل اختیار کرلی تھی اس لئے اطرف سے حملہ غیر ممکن تھا۔ عمر سعد نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ طنابیں کاٹ کر خیموں کو ان کے چپ و راست سے گرا دیا جائے تاکہ پورے طور سے محاصرہ کرنا ممکن ہو سکے۔ اصحاب حسینؑ نے جو یہ دیکھا تو متفرق طور پر اپنے اپنے خیموں کے اندر داخل ہو کر منتظر رہے یہاں تک کہ جب کسی خیمہ میں کوئی داخل ہوتا کہ طنابیں کاٹ کر اس کو گرائے تو فوراً وہ قتل کر دیا جاتا اور لاش باہر پھینک دی جاتی۔ جب عمر سعد کو اپنی اس تدبیر میں بھی ناکامی ہوئی تو اس نے کہا کہ ''اچھا! کسی خیمہ کے اندر جا کر گرانے کی کوشش نہ کرو بلکہ ان سب خیموں میں آگ لگا دو''۔[1]

ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کا خیمہ اور حرم سرائے عصمت آپ کے اصحاب کے مسلسل خیموں کی قطار سے علیحدہ تھے۔ دشمن کے سپاہی جب ان خیموں میں آگ لگانے لگے تو امام نے فرمایا کہ آگ لگا لینے دو اس لئے کہ جب وہ آگ لگا دیں گے اور شعلے بھڑکنے لگیں گے تو پھر وہ بھی اس طرف سے تم پر حملہ نہ کرسکیں گے اور جو ان کا مقصد ہے وہ پورا نہ ہوگا۔ چنانچہ اصحاب حسینؑ نے مدافعت چھوڑ دی اور لشکر آگ لگانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر نتیجہ نے ظاہر کر دیا کہ عمر سعد نے تدبیر جنگ کے لحاظ سے غلطی کی اور امام حسینؑ کی رائے دشمنوں کے تجربہ میں بھی بالکل صائب ثابت ہوئی یعنی آگ لگا دینے سے دشمن کے لئے اس طرف کا راستہ بند ہوگیا اور اس کے بعد بھی مقابلہ سامنے ہی کی جانب سے کیا جاسکا اس تدبیر کے بھی ناکامیاب ثابت ہونے پر کمینہ طینت شمر برافروختہ ہوگیا اور اس نے حملہ کر کے خاص خیمہ امام حسینؑ پر نیزہ مارتے ہوئے کہا کہ آگ لاؤ تاکہ میں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس خیمہ کو اس کے رہنے والے سمیت جلا دوں۔ اس آواز کے سننے سے حرم سرائے عصمت میں ایک شور نالہ و فریاد کا بلند ہوا۔ امام حسینؑ نے اس کو للکار کر فرمایا کہ ''اے شمر تو آگ اس لئے منگا رہا ہے کہ میرے خیمہ کو میرے اہل و عیال سمیت جلا دے، خدا تجھے آگ سے جلنا نصیب کرے''۔ لشکر یزید کے دوسرے سرداروں نے بھی شمر کو منع کیا اور شبث بن ربعی نے شمر کے پاس جا کر کہا ''میں نے آج تک ایسی شرمناک بات نہیں سنی جیسی تم زبان سے نکال رہے ہو اور نہ اس سے بدتر اقدام دیکھا جس کا تم نے ارادہ کیا ہے۔ تم عورتوں کو خوفزدہ کرتے ہو؟'' ان سب کی مخالفت سے مرعوب ہو کر شمر اپنے ارادہ سے باز آ کر خیمہ کے دروازہ سے ہٹ گیا۔

اتنی دیر میں زہیر بن قین نے دس بہادر ساتھیوں کو ساتھ لے کر حملہ کر دیا اتنا سخت حملہ کہ شمر اور اس کے ساتھ والی فوج کو خیموں کے پاس سے دور کر دیا اور ابو عزۂ ضبابی کو جو شمر کا خاص آدمی تھا قتل کر دیا۔ افواج یزید نے جو اپنے ایک سربرآوردہ ساتھی کو اس حملہ میں قتل ہوتے دیکھا تو وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ ان دسوں آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر ان بہادروں نے بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کو شکست ہوئی۔

پھر بھی کثرت اور قلت کا مقابلہ ہی کیا؟ صورت یہ تھی کہ اس مختصر جماعت میں کے ایک دو بھی قتل ہوتے تھے تو اس سے نمایاں کمی ظاہر ہونے لگتی تھی برخلاف افواج یزید کے جو کثیر تعداد میں تھے اس لئے جتنے بھی قتل ہوتے کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔[1]

جو اصحاب حسینؑ اس کے بعد سے دوپہر کے وقت تک نماز ظہر کے ہنگامہ سے پہلے شہید ہوئے ان کے نام تاریخ میں حسب ذیل ملتے ہیں۔

۶۳۔ بکر بن حیّ تیمی:

عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر جنگ چھڑنے کے بعد توفیق الٰہی دستگیر ہوئی اور امام حسینؑ کی طرف آ کر شریک جہاد ہوئے اور حملۂ اولیٰ کے بعد درجہء

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شہادت پر فائز ہوئے۔

۶۴۔ عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی:

ان کے باپ جنادہ بن کعب کا تذکرہ حملہ اولیٰ کے مقتولین میں ہو چکا ہے۔ عمرو بن جنادہ کا واقعہ کربلا میں نو یا دس برس کا سن تھا۔ ان کی ماں بحریہ بنت مسعود تھیں جو اپنے شوہر کے ساتھ میدان کربلا میں موجود تھیں۔ جب جنادہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو ان کی بیوہ نے یتیم بچہ کو ہدایت کی کہ وہ بھی جائے اور امام حسینؑ کی نصرت میں جنگ کرے۔ بچہ نے پھر رخصت طلب کی۔ آپ نے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا ابھی تو اس کا باپ معرکہ جنگ میں قتل ہو چکا ہے اب اگر یہ بھی قتل ہو گیا تو اس کی ماں کے دل پر کیا گزرے گی۔ یہ سن کر بچہ نے کہا کہ آقا! میری ماں نے ہی تو مجھے بھیجا ہے اور انہوں نے ہی مجھے یہ جنگ کا لباس پہنایا ہے بہرطور اجازت حاصل کر کے بچہ میدان میں آیا اور لڑ کر قتل ہوا۔ افواج یزید میں کے کسی بے رحم نے بچہ کا سر کاٹ کر جماعت حسینی کی طرف پھینک دیا۔ شیر دل ماں نے بچہ کا سر اٹھا لیا اور کہا ''شاباش! بیٹا شاباش!! تو نے امام پر نثار ہو کر میرا دل خوش اور میری آنکھوں کو خنک کیا''۔ پھر اس نے سر کو فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود ایک گزر آہنیں لے کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئی مگر امام نے اسے گوارا نہ کیا اور اس کو خیمہ کی جانب واپس فرما دیا۔

ظہر کا ہنگام اور نماز ظہر کا ہنگامہ!

لشکر یزید کو اب یہ فکر تھی کہ کسی طرح مہم جلد سر ہو جائے۔ اسی عالم میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ ادھر ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ ''مولا یہ لوگ اب آپ کے بالکل قریب آ گئے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ آپ پر آنچ آنے سے پہلے میں قتل ہو جاؤں میں چاہتا ہوں کہ اس نماز کو کہ جس کا وقت آ گیا ہے آپ کے ساتھ پڑھ لوں اور اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں جاؤں''۔ امام نے آسمان پر نظر کرتے ہوئے فرمایا ''تم نے نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گزاروں اور یاد رکھنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں یہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نماز کا اول وقت ہے''۔ پھر آپ نے فرمایا ''ان لوگوں سے کہو کہ اتنی دیر جنگ سے ہاتھ روک لیں کہ ہم نماز پڑھ لیں''۔[1]

اللہ اللہ! رسول اللہؐ کا فرزند جس کے گھر سے نماز کی بنیاد قائم ہوئی وہ نماز کی خواہش کرے اور وہ پوری نہ کی جائے بلکہ مہلت کے سوال پر حصین بن تمیم صف سے باہر نکلے اور کہے کہ ''تمہاری نماز قبول نہیں ہے''۔[2]

۶۵۔ حبیب بن مظاہر اسدی:

نام ونسب: حبیب بن مظاہر بن رئاب بن اشتر بن خجوان بن فقعس بن طریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبۃ بن دودان بن اسد۔ کنیت ابو القاسم، عرب کے مشہور شہسوار ربیعہ بن خوط بن رئاب کے چچا زاد بھائی تھے۔ ابن کلبی کی روایت کے مطابق صحابی تھے اور رسول اللہؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ شیخ طوسی نے انہیں اصحاب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پھر اصحاب امام حسنؑ اور اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے۔

حبیب بن مظاہر، میثم تمار اور رشید ہجری کی طرح حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ان صحابہ بااختصاص میں سے تھے جنہیں آپ نے خاص طور سے علوم باطنی اور اسرار کی تعلیم دی تھی۔

سب سے پہلے جب معاویہ کے انتقال کی خبر کوفہ میں پہنچی تھی اور امام حسینؑ کو کوفہ کی طرف بلانے کا خیال بعض دماغوں میں پیدا ہوا تھا تو سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر شیعان کوفہ کا اجتماع ہوا تھا اس جلسہ کی روداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر حبیب بن مظاہر بھی موجود تھے صرف موجود ہی نہیں تھے بلکہ وہ اس جماعت میں نمایاں اور ذمہ وارانہ حیثیت رکھتے تھے چنانچہ جو پہلا خط امام حسینؑ کے نام شیعان کوفہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا اس میں سلیمان بن صرد وغیرہ کے ساتھ ان کا نام بھی خصوصیت کے ساتھ ثبت تھا اور جب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہو کر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان میں فروکش ہوئے تھے تو سب سے پہلا اجتماع شیعوں کا جو ہوا تھا اس میں جناب مسلم نے امام حسینؑ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا خط پڑھ کر سنایا تھا اس موقعہ پر سب سے پہلی تقریر عابس بن ابی شبیب شاکری نے کی تھی اور اس کی تائید حبیب بن مظاہر نے کی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم دوسرے لوگوں کے متعلق ذمہ واری نہیں لیتے مگر جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہر طرح امداد کے لئے آمادہ ہیں۔

میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچنے کے بعد سے وہ برابر ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے کہ دشمن کے ساتھ گفت وشنید کے ذریعہ نصیحت کے فرض کو انجام دے سکیں چنانچہ جب عمر بن سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو امام حسینؑ کے پاس بصیغہ مراسلت بھیجا تھا اور قرہ بن قیس نے امام کے پاس آ کر عمر سعد کا پیغام پہنچا کر واپس جانا چاہا تھا تو حبیب نے کہا تھا ''قرہ بن قیس، ظالم جماعت کی طرف کہاں جا رہے ہو اس بزرگ کی نصرت کرو جس کے نانا کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو اسلام کی عزت عطا کی'' قرہ نے کہا تھا ''میں جا کر پیغام کا جواب کہہ دوں تو پھر اس مسئلہ پر غور کروں گا''۔[1]

اس تقریر کا اثر قرہ کے دل پر ضرور ہوا تھا چنانچہ بعد میں کہ کہا کرتا تھا کہ اگر حر جاتے وقت اپنا ارادہ مجھ پر ظاہر کر دیتے تو میں بھی ان کے ساتھ نصرت حسینؑ کے لئے چلا جاتا۔[2]

اس تاسف اور اظہار رنج سے ظاہر ہے کہ دل اس کا احساس سے معمور ہو چکا تھا اور ضمیر آمادہ کر رہا تھا مگر اس میں قوت ارادی اتنی نہ تھی کہ وہ حر کی طرح اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکتا۔ وہ اس کے لئے سہارے کا محتاج تھا اور یہ اس کی عملی کمزوری تھی کہ سہارا نہ ملنے سے اس کے قدم رک گئے۔

نویں تاریخ کی شام کو جب افواج یزید نے دفعتہً جماعت حسینی پر حملہ کر دیا اور امام نے ابو الفضل العباس کو مقصد دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور جناب عباس بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے ان کے سامنے گئے اور پوچھا کہ اس بے وقت اقدام کا کیا منشاء ہے اور جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ

---

[1] ارشاد ص ۲۴۰۔ [2] ارشاد ص ۲۴۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یا تم سے بیعت لی جائے اور یا جنگ کی جائے۔

جناب عباس یہ کہہ کر کہ میں امام سے دریافت کرلوں تو آ کر تم کو جواب دوں۔ امامؑ کی خدمت میں واپس گئے اور دوسرے اصحاب وہیں کھڑے رہے تو اس وقفہ کو بھی حبیب نے بیکار نہ جانے دیا۔ زہیر بن قین سے کہا کہ ''ان لوگوں سے تم کچھ گفتگو کرو اور نہیں تو میں کچھ بات چیت کروں''۔ زہیر نے کہا ''نہیں آپ ہی گفتگو کیجئے''۔ اس وقت حبیب نے مخالف مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر کی۔ ''سوچو تو! کتنا برا انجام ہوگا پیش خدا اس جماعت کا جو اس کے سامنے جائے گی اس حالت میں کہ اس نے اولاد رسولؐ کا خون بہایا ہو اور ملک کے ان عبادت گزاروں کو قتل کیا ہو جو پچھلے پہر سے اٹھنے والے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے ہوں''۔

عزرہ بن قیس نے جو ایک خفیف الحرکات مسخرا انسان تھا، بات کاٹنے کے لئے پکار کر کہا ''حبیب! تم اپنی طرف ہر موقع پر اشارہ کرتے رہتے ہو کہ میں بڑا عبادت گزار ہوں''۔ یہ بے موقع مداخلت سن کر زہیر کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا ''عزرہ! اس میں شک ہی کیا ہے؟ بلاشبہ حبیب کا نفس ایسا ہے جس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اس کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا کی ہے''۔[1]

شب عاشور حبیب بن مظاہر نے امام حسینؑ سے اجازت چاہی کہ وہ جا کر قبیلہ بنی اسد سے جو اطراف میں مقیم ہیں آپ کی نصرت کی خواہش کریں چنانچہ امام نے اجازت دے دی اور حبیب نے بنی اسد کے مجمع میں جا کر وعظ و نصیحت کے ذریعہ انہیں نصرت امامؑ کے فریضہ کی طرف توجہ دلائی جس پر سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر اسدی نے لبیک کہی اور پھر دوسرے لوگ بھی آمادہ ہو کر حبیب کے ساتھ جماعت حسینی کی طرف روانہ ہوئے مگر یہ کہ اس واقعہ کی خبر عمر سعد کو ہوگئی اور اس نے پانچ سو سوار سد راہ ہونے کے لئے بھیج دیئے جن کے مقابلہ کی یہ جماعت تاب نہ لا سکی اور سب لوگ واپس چلے گئے ناچار حبیب خدمت امام میں تنہا واپس پہنچے۔

---

[1] طبری نج ۶ ص ۲۳۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صبح عاشورہ جب امام حسینؑ نے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد کیا تھا اور شمر نے انتہائی بے شرمی، بے حیائی اور کمینہ فطرتی سے آپ کی تقریر میں مداخلت کی اور کہا کہ ''میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں (یعنی صرف زبانی) اگر کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہو کہ آپ کیا کہتے ہیں''۔ تو حبیب بن مظاہر ہی تھے جنہوں نے اس گستاخی کا جواب دیا یہ کہہ کر ''بخدا میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حیثیت سے یک رنگ نہیں بلکہ ہفتاد رنگ ہے)۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ امام کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے''۔[1]

پھر جب امام نے اپنی مختصر جماعت کو ترتیب دیا تو میسرہ کا سردار حبیب بن مظاہر کو قرار دیا۔[2]

جب مسلم بن عوسجہ مجروح ہو کر گرے اور امام حسینؑ ان کے سرہانے تشریف لے گئے تو حبیب نے جو آپ کے ساتھ ساتھ تھے مسلم کو ان کی شہادت پر مبارکباد دینے کے بعد کہا کہ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں بھی بہت جلد تم سے آ کر ملتا ہوں تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو تا کہ میں اس وصیت کو پورا کروں اور اس طرح جو تمہاری قرابت اور مذہبی خصوصیت کا حق ہے اس کو ادا کروں۔ جواب میں مسلم نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اور تو کچھ نہیں وصیت بس یہ ہے کہ ان کی نصرت سے ہاتھ نہ اٹھانا''۔ ظاہر ہے کہ اس وصیت نے حبیب کے دہکتے ہوئے جذبہ قربانی کے لئے ہوا سے کچھ کم کام نہ دیا ہوگا۔

پھر کہاں ممکن تھا کہ حصین بن تمیم کے اس گستاخانہ کلام کو جو اس نے حسینؑ کی جانب سے نماز ظہر کے لئے التوائے جنگ کی خواہش پر کیا تھا وہ ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتے؟ چنانچہ انہوں نے بے تاب ہو کر کہا ''قبول نہیں ہے؟ رسول اللہؐ کے فرزند کی نماز

---

[1] ارشاد ص ۲۴۸۔ [2] ارشاد ص ۲۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تیرے خیال میں قبول نہیں ہے اور تیری نماز قبول ہے؟'' حصین نے یہ سن کر حملہ کر دیا اور حبیب بھی مقابلہ پر آ گئے اور انہوں نے اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری جس سے وہ الف ہوگیا اور حصین زمین پر گر گیا مگر اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر اسے اپنے حلقہ میں لے لیا اور حبیب کے ہاتھ سے بچا کر لے گئے۔

اب حبیب میدان جنگ میں آ ہی چکے تھے ایمان کا جوش اور شجاعت کی امنگ دشمن کی جرأت و جسارت کا غصہ اور اس کے زندہ نکل جانے کا رنج چنانچہ وہ اس مضمون کا شعر پڑھنے لگے۔

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر تعداد میں تمہارے برابر ہوتے یا تمہارے آدھے بھی ہوتے تو تم ہمارے سامنے سے یقینی بھاگ جاتے۔ اے بدترین خلائق حسب و نسب اور اخلاق کے لحاظ سے''۔[1]

پھر انہوں نے دوسرے شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا۔

''میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر ہے۔ میدان جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں تمہاری تعداد ہم سے زیادہ ہے اور لڑائی کا سامان تمہارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنی بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کرنے والے ہیں اس کے علاوہ حجت ہماری بالا، حقیقت نمایاں، فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے''۔[2]

ان اشعار میں حبیب نے اصحاب حسینؑ کے کردار اور ان نفسیاتی خواص کو جو ان کے ثبات و استقلال کے ذمہ وار تھے صاف طور پر بیان کیا ہے۔

حبیب نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ ایک تمیمی پہلوان نے جس کا نام بدیل بن صریم تھا حبیب پر حملہ کیا۔ حبیب نے ایک ضرب شمشیر میں اس کا کام تمام کیا لیکن اسی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۱۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ساتھ بنی تمیم کے ایک دوسرے شخص نے ان پر نیزہ کا وار کر دیا جس سے وہ زمین پر آرہے ابھی وہ اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ ان کے پہلے کے شکست خوردہ حریف حصین بن تمیم نے ان کے سر پر تلوار لگائی جس سے وہ بے جان ہو کر گر گئے۔ وہ تمیمی جس کے نیزہ کے وار نے حبیب کو زمین پر گرایا تھا ان کا سر کاٹنے کیلئے قریب آیا تو حصین نے کہا "مجھے اتنا کر لینے دو کہ میں ان کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر ایک دفعہ لشکر میں گردش کر لوں تا کہ لوگ دیکھ لیں کہ میں نے ان کے قتل میں شرکت کی ہے پھر تم اس کو لے لینا اور ابن زیاد کے پاس لے جانا۔ وہاں سے جو انعام ملے گا اس میں حصہ نہیں لوں گا"۔ پہلے تو تمیمی نے انکار کیا مگر لوگوں کے کہنے سننے سے راضی ہو گیا اس طرح گویا اس پہلی شکست کی خفت مٹائی جو اسے حبیب کے مقابلہ میں حاصل ہو چکی تھی۔

حبیب کی شہادت کا امام حسینؑ پر خاص اثر ہوا۔[1]

حر کی شہادت

حر بن یزید ریاحی نے جن کے حالات میں پہلے درج ہو چکا ہے کہ وہ حملہ اولیٰ میں اپنے گھوڑے کے پے ہونے کے بعد پیادہ ہو چکے تھے اور اس کے پہلے کئی مرتبہ لڑ بھی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۲۔ جب شہادت امام حسینؑ کے بعد فوج والے کوفہ واپس ہوئے تو حبیب کا سر ان کے تمیمی قاتل نے لے کر اپنے گھوڑے کی گردن میں آویزاں کر لیا اور اس طرح ابن زیاد کے محل کی طرف چلا۔ راستے میں حبیب کے فرزند قاسم کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس شخص کے ساتھ ہو لئے اور اس سے منت ساجت کے ساتھ کہا کہ یہ میرے باپ کا سر مجھے دے دو کہ میں دفن کر دوں اس نے انکار کیا اور کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے مجھے تو امیر ابن زیاد سے انعام لینا ہے بچہ بے بسی کے ساتھ رو کر رہ گیا اور وقت کا منتظر ہو گیا۔ مصعب بن زبیر کے عہد حکومت میں جب باجمیرا (مقام) پر فوج کشی ہوئی ہے تو یہ تمیمی ظالم بھی فوج میں تھا اس دوران میں ایک دن قاسم بن حبیب نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا (طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چکے تھے اب حبیب کی شہادت کے بعد مضبوط ارادہ کر لیا کہ وہ شرف شہادت کو حاصل کر کے رہیں گے چنانچہ انہوں نے میدان میں نکل کر یہ رجز پڑھنا شروع کیا ''میں قسم کھاتا ہوں کہ میں قتل نہ ہوں گا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کر لوں اور مارا نہ جاؤں گا مگر پیش قدمی کی حالت میں، میں آج تلواریں لگاؤں گا فیصلہ کن تلواریں نہ میرے قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ کمزوری کا اظہار ہوگا''۔ کبھی کہتے تھے ''میں شمشیر زنی کروں گا اس بہترین خلائق کی طرف سے جس کے قیام نے سرزمین حرم کو عزت بخشی''۔ معلوم نہیں امام کا اشارہ تھا یا خود اپنی خواہش سے زہیر بن قین نے حر کے ساتھ مل کر جہاد شروع کیا حالت یہ تھی کہ جب ایک گر جاتا تھا تو دوسرا بڑھ کر اس کو چھڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ تھوڑی دیر یہی صورت قائم رہی لیکن اس کے بعد پیادوں کی فوج نے حر کو سختی سے گھیر لیا۔[1] اور زہیر کی مدافعت ناکام رہی بہت سے لوگ ٹوٹ پڑے اور ایوب بن مسرح کے ساتھ ایک اور شخص نے کوفہ کے شہسواروں میں سے مل کر حر کو شہید کیا۔[2]

امام نے اپنے ناصر کی یہ قدر کی کہ جب اس کی لاش میدان سے اٹھا کر لائی گئی اور حضرت کے سامنے رکھی گئی تو آپ خاک و خون حر کے چہرے سے صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے ''تم بیشک حر ہو تمہارے والدین نے تمہارا نام بہت ٹھیک رکھا تھا تم دنیا میں بھی حر ہو اور آخرت میں بھی حر''۔ مطلب یہ تھا کہ انسان کی حریت و شرافت کا جوہر اس کے افعال ہی سے نمایاں ہوتا ہے دنیوی خواہشوں کی قید و بند میں گرفتار اور ہوا و ہوس میں اسیر ہو کر حق و ناحق کے امتیاز کو مٹا دینے والا ہرگز حریت ضمیر اور شرافت نفس کے جوہر کا مالک نہیں ہو سکتا یقیناً حر نے تمام دنیوی توقعات کو ٹھکرا کر حق کے راستے پر قدم رکھا تو وہ حر ثابت ہوئے اور حریت کے اصل جوہر کو انہوں نے اپنے عمل سے نمایاں کر دیا۔

۶۶۔ ابو ثمامہ صائدی:

نام و نسب: عمرو بن عبداللہ بن کعب الصائد بن شرجیل بن شراحیل بن عمرو بن

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۰۴۔ ارشاد ص ۲۱۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن ہمدان الہمدانی الصائدی ابو ثمامہ ان کی کنیت تھی وہ عرب کے شہسواروں میں سے شیعان علیؑ کے ممتاز افراد میں سے تھے۔[1]

حضرت علیؑ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے آپ کے بعد امام حسنؑ کی صحبت اختیار کی تھی مگر حسنؑ کی مدینہ کی روانگی کے بعد انہوں نے کوفہ ہی میں قیام باقی رکھا۔

جب مسلم بن عقیل امام حسینؑ کے نمائندہ کی حیثیت سے کوفہ آئے تو ابو ثمامہ نے گرم جوشی کے ساتھ ان کی تائید کی اور جب کوفہ پر ابن زیاد کا تسلط ہوا اور جناب مسلم کو خونریزی کے آثار نظر آئے تو انہوں نے ابو ثمامہ کی یہ خدمت سپرد کی کہ وہ زر اعانت اپنے پاس جمع کیا کریں اور اسلحہ جنگ خریدیں اس لئے کہ وہ اس امر میں بڑی واقفیت رکھتے تھے۔

جناب مسلم کی شہادت کے بعد ابو ثمامہ مخفی طور سے کوفہ سے نکل کر نافع بن ہلال کے ساتھ عراق کے راستے میں جماعت حسینی سے ملحق ہوئے۔

ان کی وفاداری اور فداکاری کا یہ یادگار واقعہ تھا کہ جب عمر بن سعد نے کثیر بن عبداللہ کو پیغام دے کر امام حسینؑ کے پاس بھیجا تو ابو ثمامہ نے اس سے کہا کہ اپنی تلوار باہر رکھ دو جب وہ اس پر تیار ہوتے دکھائی نہیں دیا تو انہوں نے کہا کہ اچھا میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا چونکہ اس نے یہ بھی منظور نہ کیا اس لئے اسے واپس جانا پڑا اور عمر سعد کو دوسرا قاصد بھیجنا پڑا جس نے پیغام رسانی کے فرض کو انجام دیا۔

ظہر کی نماز کا وقت آنے پر ان کی فرض شناسی کا بہترین نمونہ تھا کہ اس سخت موقع پر بھی ان کے دل میں یہ خواہش جاگزیں تھی کہ میں نماز جماعت امام کی اقتداء میں پڑھ لوں۔ پھر خدا کی بارگاہ میں جاؤں۔ امام حسینؑ اس پر اتنا خوش ہوئے کہ آپ نے ان کو دعا دی فرمایا کہ ''تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گزاروں میں محسوب

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۴۔ ارشاد ص ۲۱۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کرے"۔

اس کے بعد امام نے اصحاب سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ اتنی دیر جنگ سے ہاتھ روک لیں کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ اسی التواء کے سوال پر ہنگامہ ہو گیا تھا جس میں حبیب بن مظاہر اور حر درجہ شہادت پر فائز ہوئے جیسا کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے یہ سوچ کر نہایت تکلیف ہوتی ہے کہ ابو ثمامہ کی یہ تمنا کہ وہ نماز ظہر امام کی اقتداء میں ادا کرلیں پوری نہیں ہوئی بلکہ اسی ہنگامہ میں اپنے قبیلہ کے ایک شخص کے ہاتھ سے جو فوج یزید میں تھا وہ شہید ہوئے۔

نماز ظہر

جنگ ملتوی نہیں ہوئی تھی۔ ایسے موقع کے لئے شرع نے مخصوص حکم "نماز خوف" کا دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فوج کے دو حصے ہو جائیں ایک حصہ دشمن سے مقابلہ کرے اور دوسرا حصہ نماز میں شریک ہو۔ وہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور باقی نماز تخفیف کے ساتھ فرادیٰ پڑھ کر تمام کرے اور جب یہ نماز ختم کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے تو وہ پہلا حصہ فوج کا میدان جنگ سے آ کر نماز میں شریک ہو مگر یہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب فوج کی اتنی تعداد ہو کہ اس کے ایسے دو حصے ہو سکتے ہوں کہ ان میں کا ایک دشمن کے ساتھ اتنی دیر مقاومت کر سکے کہ دوسرا حصہ واپس آئے مگر یہاں تو جماعت حسینی کی مجموعی تعداد بھی افواج مخالف کی کثرت کو دیکھتے ہوئے گویا کہ نہ ہونے کے برابر تھی مگر امام نے ان کی شجاعت پر اعتماد کامل رکھتے ہوئے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی سے فرمایا کہ تم دونوں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں نماز ظہر پڑھ لوں چنانچہ یہ دونوں جان نثار اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے امام کے ساتھ سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہاں تک کہ حضرت نے نماز خوف ادا کی۔[1]

۶۷۔ سعید بن عبداللہ حنفی:

کوفہ کے معزز شیعان علیؑ میں سے تھے اور شجاعت و عبادت کی صفت سے موصوف تھے۔ اہل کوفہ کے جو دعوتی خطوط امام کے پاس مکہ بھیجے گئے تھے ان میں کے سب سے آخری خط کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچنے والے ہانی بن ہانی شبعی اور سعید بن عبداللہ حنفی تھے۔[2]

حضرت امام حسینؑ نے ان خطوط کا جواب بھی انہی دونوں کے سپرد کیا تھا چنانچہ اپنے خط میں ان کے ناموں کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اس طرح کہ ''ہانی اور سعید، میرے پاس تمہارا خط لے کر آئے اور یہ دونوں سب سے آخری تمہارے نمائندے تھے جو میرے پاس پہنچے''۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ''میں تمہاری جانب اپنے چچا زاد بھائی اور معتمد عزیز مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں''۔ یہ دونوں اس خط کو لے کر حضرت مسلم کے آگے روانہ ہوگئے۔[3]

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہو کر مختار کے مکان میں فروکش ہوئے اور کوفہ والے آپ کے پاس جمع ہوئے تھے اور آپ نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا تو عابس بن ابی شبیب شاکری اور حبیب بن مظاہر کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے بھی نصرت و وفاداری کا عہد کیا تھا۔

شب عاشور جب امام حسینؑ نے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد کیا تھا کہ میں اپنی بیعت سے تمہیں آزاد کرتا ہوں تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ تو اصحاب میں سے مسلم بن عوسجہ کے بعد سعید کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ جوش و ولولہ سے بھرے ہوئے الفاظ کہے تھے کہ ''خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑیں گے بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے اور میرے ساتھ ستر مرتبہ ایسا ہی سلوک ہو تو بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں تک کہ آخری مرتبہ بھی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۲۔ ارشاد ص ۲۵۲۔ [2] ارشاد ص ۲۰۹۔ [3] ارشاد ص ۲۱۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

موت مجھے آپ ہی کے قدموں پر آئے"۔

سعید کے لئے اپنی وفاداری و جان نثاری کے دعوؤں کے پورا کر دکھانے کا اب موقع آ گیا کہ جب امام حسینؑ نماز ظہر میں مصروف تھے اور آپ نے سعید اور زہیر بن قین کو بطور محافظ اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔ سعید نے یہ صورت اختیار کی کہ وہ خاص حضرت کے سامنے کھڑے تھے اور جو تیر آپ کی طرف آنے لگتا تھا اسے بڑھ کر اپنے اوپر روکتے تھے یہاں تک کہ زخموں کی کثرت سے زمین پر گر کر جاں بحق تسلیم ہوئے۔[1] اس حالت میں کہ تیرہ تیر ان کے جسم میں پیوست تھے۔

۶۸۔ زہیر بن قین بن قیس بجلی:

اشراف عرف میں سے کوفہ کے باشندہ، بہادر تھے اور متعدد لڑائیوں میں شریک ہو چکے تھے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں کے بعد سے مسلمان "عثمانی" اور "علوی" نام کی دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ جو لوگ معاویہ کے طرفدار تھے ان کو "عثمانی" کہا جاتا تھا اور حضرت علیؑ کی طرف تھے وہ "علوی" کہلاتے تھے۔ زہیر عام طور پر "عثمانی" جماعت سے متعلق سمجھے جاتے تھے اور بظاہر وہ اہل بیت نبوی کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ رکھتے تھے۔

زہیر ۶۰ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مناسک حج بجا لانے کے بعد کوفہ کی سمت جا رہے تھے کہ امام حسینؑ کا ساتھ ہو گیا اگرچہ زہیر بظاہر امام حسینؑ کے ساتھ کوئی خاص عقیدت نہ رکھتے تھے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی خاندانی وجاہت سے مرعوب ضرور تھے یعنی انہیں یہ احتمال تھا کہ اگر حسینؑ مجھ کو نصرت کی دعوت دیں گے تو میرے لئے رد کرنا اس کا ممکن نہ ہوگا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ حسینی قافلہ سے دور رہتے تھے مگر حسینؑ ان کی فطری صلاحیتوں سے واقف تھے اس لئے منزل زرود پر امام نے زہیر کو بلا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھیجا جس کے بعد سے زہیر بالکل حسینؑ کے ساتھ تھے۔[1]

ذوحسم کے مقام پر جب حر کا لشکر حسینی قافلہ کے سدراہ ہونے کی غرض سے آچکا تھا تو امام نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے جو خطبہ ارشاد کیا تھا اس کے جواب میں زہیر نے والہانہ انداز سے فداکارانہ جذبات کا اظہار کیا تھا۔

اس کے بعد جب حر نے امام کو کربلا پہنچ کر روکنا چاہا تھا اور نہر کے قریب خیمے برپا کرنے دینے سے بھی انکار کیا تھا تو زہیر نے کہا تھا کہ ہمیں اتنی فوج سے جنگ کر لینے دیجئے اس لئے کہ اس کے بعد اتنا لشکر آئے گا کہ اس سے مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت ہی نہ ہوگی اس کے جواب میں امام نے فرمایا تھا کہ میں جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا۔[2]

پھر نویں تاریخ کی شام کو افواج یزید کے غیر متوقع حملہ کے موقع پر جب ابو الفضل العباس بعد استفسار حال امام سے صورت حال بیان کرنے گئے تو حبیب بن مظاہر نے افواج مخالف کو وعظ و پند شروع کیا تھا اور عزرہ بن قیس نے بدتہذیبی کے ساتھ دوران کلام میں مداخلت کی تھی تو زہیر نے اس کا جواب دیا تھا کہ بے شک حبیب کے نفس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اس کی رہنمائی کی ہے۔ اے عزرہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس جماعت کے ساتھ شریک نہ ہو جو گمراہی کی حمایت کر رہی ہے اور پاک نفوس کو قتل کرتی ہے۔ زہیر کی یہ آواز تعجب کے ساتھ سنی گئی تھی اور عزرہ نے انہیں پہچان کر کہا تھا کہ زہیر تم اس گھرانے کے شیعہ نہیں تھے تم تو عثمانی گروہ میں سے تھے'' اور زہیر نے کہا تھا کہ ''اس وقت میرے یہاں کھڑے ہونے سے تو تم کو سمجھ ہی لینا چاہئے کہ میں شیعہ علیؑ ہوں۔ خدا کی قسم میں نے نہ حسینؑ کو کبھی خط لکھا تھا نہ کوئی قاصد بھیجا تھا اور نہ نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں اتفاق سے میرا اور ان کا ساتھ ہوگیا۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہؐ یاد آگئے اور ان کی خاندانی خصوصیت کا مجھے خیال آگیا اور مجھے احساس ہوا کہ حقیقتاً وہ دشمنوں کے ظلم و تعدی میں مبتلا ہیں بس میں نے طے کر لیا کہ

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ [2] تفصیل سابق میں بیان ہوئی ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مجھے ان کی مدد کرنا چاہئے اور ان کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی جان ان پر فدا کرنا چاہئے خدا اور رسولؐ کے اس حق کو ادا کرنے کے لئے جسے تم لوگوں نے ضائع و برباد کر دیا ہے''۔[1]

پھر شب عاشور جب امام حسینؑ نے اصحاب کو جمع کیا تھا اور انہیں اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنے کا اعلان کیا تھا تو اصحاب میں سے مسلم بن عوسجہ اور سعید بن عبداللہ کے بعد زہیر نے بھی تقریر کی تھی اور کہا تھا ''بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں یوں ہی ہزار دفعہ ہو لیکن آپ اور نیز آپ کے خاندان کے یہ جوان قتل ہونے سے محفوظ رہ جائیں''۔[2]

صبح عاشور جب امام حسینؑ نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تھا تو زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر مقرر کیا تھا اور زہیر نے میدان میں نکل کر فوج مخالف کے سامنے ایک معرکہ آرا تقریر بھی کی تھی پھر جب لڑائی شروع ہوگئی تھی اور افواج مخالف کے صفوف میں سے یسار اور سالم میدان جنگ میں آئے اور عبداللہ بن عمیر کلبی مقابلہ کے لئے نکلے تھے تو ان دونوں نے کہا تھا کہ ''ہم تم کو نہیں پہچانتے ہمارے مقابلہ کے لئے زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے''۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ زہیر فوج حسینی کے ان نمایاں افراد میں سے تھے جو دشمنوں کے نزدیک ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔

ان کی شجاعت کے کارنامے صبح عاشور سے ہنگام ظہر تک متعدد بار ظاہر ہو چکے تھے چنانچہ ظہر کے پہلے جب شمر نے مخصوص خیمہ حسینی پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمہ پر مار کر کہا تھا کہ ''آگ لاؤ میں اس خیمہ کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں تو زہیر نے اپنے دس

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۷۔ [2] ارشاد ص ۲۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کر کے اس کی فوج کو پسپا کر دیا۔[1]

پھر جب حبیب شہید ہو چکے اور حر میدان جنگ میں آئے تو زہیر نے حر کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے سعید بن عبداللہ اور زہیر کو مامور کیا کہ تم میری حفاظت کرو یہاں تک کہ میں نماز ظہر ادا کر لوں۔ چنانچہ سعید بن عبداللہ نماز تمام ہوتے ہوتے اتنے زخمی ہو گئے کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے اور زہیر کے بھی دست و بازو جواب دے چکے تھے پھر بھی نماز ظہر کے بعد جب دشمن بہت قریب آ گئے تھے تو زہیر بن قین نے اپنی آخری جنگ کی۔ اس وقت وہ بڑے جوش کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

''میں زہیر ہوں، قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے دشمنوں کو حسینؑ کے پاس سے دور کروں گا''۔ یوں ہی تھوڑی دیر تک وہ شمشیر زنی کرتے رہے آخر کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس دونوں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کیا اور انہی کے ہاتھ سے وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[2]

۶۹۔ سلمان بن مضارب بن قیس البجلی:

زہیر بن قین کے چچا زاد بھائی تھے زہیر کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کو گئے تھے۔ واپسی میں جب زہیر امام کی نصرت کے خیال سے آپ کے ساتھ ہو لئے تو سلمان نے بھی ان کا ساتھ دیا روز عاشور ظہر کے بعد شہید ہوئے۔

۷۰۔ عمرو بن قرظۃ بن کعب انصاری:

نام ونسب: عمرو بن قرظۃ بن کعب بن عمر بن عائذ بن زید بن مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری۔ ان کے والد قرظۃ بن کعب اصحاب رسول اللہؐ میں سے تھے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔

۲۳ھ میں خلیفہ دوم کے زمانہ میں ریہ ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر جب آپ جنگ صفین

---

[1] ارشاد ص ۲۵۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۲۔۲۵۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے لئے جانے لگے تھے تو ان کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور کوفہ کی حکومت ابو مسعود بدری کے سپرد کی تھی۔ قرظہ سب لڑائیوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ رہے اور آپ ہی کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں ان کا انتقال ہوا اور آپ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول یہ ہے کہ معاویہ کے ابتدائی زمانہ میں جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا حاکم تھا انہوں نے انتقال کیا۔

ان کے دو فرزند تھے۔ عمرو اور علی۔ کربلا میں عمرو امام حسینؑ کی طرف تھے۔ غالباً یہی بڑے تھے اس لئے کہ ان کے والد قرظہ بن کعب کی کنیت ان ہی کے نام پر ابو عمرو تھی اور ان کا چھوٹا بھائی علی لشکر یزید میں تھا۔

عمرو بن قرظہ کوفہ ہی میں رہتے تھے وہ امام کی خدمت میں میدان کربلا میں پہنچے تھے۔ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں جب جنگ ہونے کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا امام نے ان کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ ''تم مجھ سے شب کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات کرو''۔

روز عاشور نماز ظہر کے بعد جب تمام اصحاب میں جذبہ فداکاری تیز ہوگیا تھا اور شمع امامت کے پروانے جاں نثاری میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ عمرو بن قرظہ نے جنگ کرنا شروع کی وہ اس مضمون کے شعر پڑھ رہے تھے۔ ''تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمہ داری کے حدود کی حفاظت کروں گا ایسے جواں مرد انسان کی طرح شمشیر زنی کرتے ہوئے جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو حسینؑ پر میری جان اور میرا گھر بار سب فدا ہو''۔

کچھ دیر تلوار چلانے کے بعد پھر عمرو امام کے سامنے آ کر کھڑے ہوگئے جو تیر آتا اسے اپنے اوپر روکتے اور جو وار ہوتا خود سپر بن جاتے۔ آخر زخموں سے چور ہو گئے اور امام سے مخاطب ہو کر ''کیوں! فرزند رسولؐ میں نے فرض کو ادا کیا؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے۔ رسول خداؐ کو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں''۔ بہادر جانباز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرا اور جاں بحق تسلیم

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوا۔

ان کا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر سعد میں تھا صف سے باہر نکلا اور امام کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا''۔ امام نے فرمایا کہ ''خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اس کی ہدایت کی اور گمراہی میں تجھے چھوڑ دیا ہے''۔ اس نے کہا ''خدا مجھے غارت کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا اس کوشش میں خود ہلاک نہ ہو جاؤں''۔ یہ کہہ کر اس نے حملہ کیا۔ نافع بن ہلال نے آگے بڑھ کر اس پر نیزہ کا وار کیا جس سے وہ گر گیا۔[1]

۱۷۔ نافع بن ہلال جملی:

نام و نسب: نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرۃ بن مذحج، اپنے قبیلہ کے سردار اور بہادر شخص تھے۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں سے اور احادیث کے حامل تھے آپ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے تھے۔ عراق کی طرف امام کی روانگی کی اطلاع پا کر کوفہ سے روانہ ہوئے تھے اور راستے میں جماعت حسینی سے ملحق ہوئے تھے۔ اس وقت جبکہ جناب مسلم کی خبر شہادت بھی نہ آئی تھی ان کا ایک گھوڑا جس کا نام ''کامل'' تھا کوفہ میں رہ گیا تھا اور اس کے متعلق انہوں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ بعد میں ان کے پاس پہنچا دیا جائے چنانچہ عذیب الہجانات میں عمرو بن خالد صیداوی، مجمع بن عبداللہ عائذی اور جنادہ بن حارث سلمانی وغیرہ پانچ آدمیوں کا قافلہ حسینی جماعت سے ملحق ہوا تھا اس کے ساتھ یہ گھوڑا بھی تھا۔

حر سے ملاقات اور گفتگو کے بعد ذوحسم میں امام نے جو خطبہ پڑھا تھا اس کے جواب میں انہوں نے پرزور تقریر کی تھی۔

کربلا میں جب نہر پر دشمنوں کی مزاحمت شروع ہوئی اور امام اور ان کے ساتھیوں پر پیاس کا غلبہ ہوا امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباس کو پانی لانے پر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مامور کیا۔ جناب عباس بیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ بیس مشکیزے لے کر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہنچے تو نافع بن ہلال نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور سب سے آگے ہوگئے۔ عمرو بن حجاز زبیدی نے جو نہر کا محافظ تھا ٹوکا اور کہا کون ہے جو نہر پر جا رہا ہے؟ چونکہ عمرو بن الحجاج قبیلہ زبیدہ سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے اور قبیلہ جمل جس سے نافع تھے یہ بھی مراد کی ایک شاخ اس لئے نافع نے جب اپنا نام بتایا اور قبیلہ کا پتہ دیتے ہوئے کہا کہ ہم پانی پینے آئے ہیں تو عمرو نے کہا ''تم شوق سے پیو تمہیں پینا گوارا ہو''۔ نافع نے جواب میں کہا ''میں اکیلا تھوڑی پیوں گا درصورتیکہ حسینؑ اور ان کے سب اصحاب پیاسے ہوں''۔ یہ سنتے ہی فوج مخالف آگے بڑھی یہ کہتی ہوئی کہ ''یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ان تک پانی پہنچ سکے ہم یہاں مقرر اسی لئے کئے گئے ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ بھی جماعت حسینی تک نہ جانے دیں''۔ نافع ان لوگوں سے گفتگو کے لئے آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ تیزی سے مشکیں پانی سے بھرلو چنانچہ ساتھیوں نے جلدی جلدی پانی بھر لیا اور جب ادھر سے نگہبانوں کی فوج آگے بڑھی تو ابو الفضل العباس کے ساتھ نافع بن ہلال اور دوسرے بہادروں نے اس کا مقابلہ کرکے پیچھے ہٹا دیا اس دوران میں وہ لوگ جو مشکیں لئے ہوئے تھے ساحل سے اوپر آگئے تھے چنانچہ بہادروں نے ان کو خیام حسینی کی طرف روانہ کر دیا اور خود وہیں کھڑے رہے پاسبانوں کی فوج نے پھر بڑھ کر حملہ کیا۔

اس موقع پر نافع بن ہلال نے عمرو بن الحجاج کی فوج میں سے ایک شخص پر جو قبیلہ صدا سے تھا نیزہ کا وار کیا جس سے بعد میں وہ ہلاک ہوگیا۔ بہرطور اصحاب حسینؑ پانی لے کر خیام حسینی تک پہنچ گئے۔[1] جو اتنی بڑی جماعت کے لئے جن کے ساتھ گھوڑے بھی تھے صرف ذرا ہی دیر تک کے لئے تسکین عطش کا باعث ہوسکتا تھا۔

روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد ہی سے نافع کا ولولہ جنگ کام کرنے لگا تھا چنانچہ افواج مخالف کے ایک پہلوان مزاحم بن حریث کے ساتھ ان کا دست بدست

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔۲۳۵۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کامیاب مقابلہ ہوا تھا اس کے بعد عمرو بن قرظہ کی شہادت کے موقع پر جب ان کے بھائی علی بن قرظہ نے امام کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اور حملہ کیا تھا تو نافع نے اس کا مقابلہ کر کے اسے مغلوب کیا تھا۔

نافع تیراندازی میں بڑے مشاق اور یگانہ روزگار تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھ دیا تھا اور تیروں کو زہر میں بجھا لیا تھا چنانچہ ظہر کے بعد انہوں نے تیر لگانا شروع کئے وہ کہتے جاتے تھے کہ ''میں جملی ہوں اور علیؑ کے دین پر ہوں'' اور افواج مخالف کے بارہ آدمیوں کو اس طرح قتل کیا اور بہت سوں کو زخمی کیا یہاں تک کہ دشمنوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر مارنا شروع کیا جس سے دونوں بازو ان کے شکستہ ہو گئے اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔ شمر سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ ان کو پکڑ کر عمر سعد کے پاس لے گیا اس حالت میں کہ ان کی ڈاڑھی سے خون ٹپک رہا تھا ان کو دیکھ کر اس نے کہا ''نافع یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''۔ نافع نے کہا ''میرے ضمیر سے خدا واقف ہے خدا کی قسم میں نے بارہ آدمی تم میں سے جان سے مارے ہیں اور زخمیوں کی تعداد اس سے زیادہ ہے مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے اس طرح ہرگز گرفتار نہ کر سکتے''۔ شمر نے کہا کہ ''اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہئے''۔ عمر سعد نے جواب دیا کہ ''تم گرفتار کر کے لائے ہو تم کو اختیار ہے'' شمر تلوار کھینچ کر بڑھا تو نافع نے کہا ''اگر تو مسلمان ہوتا تو کبھی ہم لوگوں کے خون میں ہاتھ نہ بھرتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم لوگوں کی موت بدترین خلائق افراد کے ہاتھوں قرار دی''۔ شمر نے تلوار لگائی نافع شہید ہوئے پست حوصلہ اور کمینہ فطرت شمر اس زخمی اور مجبور مجاہد کو قتل کر کے فتح مندی کا احساس کرنے لگا اور رجز کے اشعار زبان پر جاری کر کے حسینؑ کے باقی ماندہ اصحاب پر حملہ آور ہوا۔[1]

۷۲۔ شوذب بن عبداللہ:

ہمدان کی ایک شاخ قبیلہ شاکر کے غلام زادوں سے اور عابس بن ابی شبیب

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۳۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شاکری سے وابستہ تھے۔ شیعان کوفہ میں اپنے اوصاف کی بناء پر نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور ایک طرف تو میدان جنگ کے شہسوار تھے دوسری طرف احادیث کے حافظ اور حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے استفادہ کئے ہوئے تھے اور کوفہ میں اس باب میں مرجعیت رکھتے تھے لوگ ان سے احادیث حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔

جب عابس، مسلم بن عقیل کا خط لے کر کوفہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے تو شوذب بھی ان کے ساتھ تھے اور امام حسینؑ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے پھر عراق آئے اور کربلا پہنچے تھے۔

روز عاشور عابس نے اپنے باوفا غلام سے کہا ''کیوں شوذب! تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' شوذب نے کہا ''ارادہ کیا ہے؟ یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں''۔ عابس نے کہا ''شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی اچھا تو پھر آگے بڑھو اور امام پر جان نثار کرو تا کہ امام تمہاری مصیبت بھی اسی طرح دیکھ لیں جیسے اپنے دوسرے اصحاب کی دیکھی اور میں بھی تمہارے غم کو برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں۔ یقیناً اگر اس وقت کوئی ایسا شخص میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا جتنا مجھے تم پر حاصل ہے تو میری خوشی یہ ہوتی کہ وہ میرے سامنے جائے تا کہ میں اس کے غم کو برداشت کروں کیونکہ آج وہ دن ہے جس میں انسان سے جتنا ہو سکے اتنا اجر ثواب حاصل کر لے اس لئے کہ آج کے دن کے بعد ہمارے عمل کا دفتر بند ہو جائے گا اور حساب کے سوا کچھ رہ نہیں جائے گا''۔[1]

یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں اطمینانی حالت میں شاعری کے طور پر ہر شخص کہہ سکتا ہے لیکن عین مصیبت کے موقع پر واقعی طور پر ان کا اس طرح کہنا کہ عمل سے ان کی تصدیق ہوتی ہو بہت مشکل ہے۔ الفاظ سے صاف ظاہر تھا کہ راہ حق میں مصائب اٹھانے کا ایک شوق ہے اور تکالیف کے برداشت کرنیکا ولولہ جو خود اختیاری طور پر عملی اقدامات کا محرک ہے۔

بہر طور شوذب آگے بڑھے۔ امام حسینؑ کو سلام کر کے رخصت ہوئے اور جنگ کر کے شہید ہوئے۔[2]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۴۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۴۳۔ عابس بن ابی شبیب شاکری:

نام و نسب: عابس بن ابی شبیب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معوتیہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الہمد انی شاکری۔ بنو شاکر قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ تھے اور ان ہی کی نسبت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے جنگ صفین کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر ان کی تعداد ایک ہزار ہو جائے تو خدا کی عبادت اس طرح ہونے لگے جس طرح کہ ہونا چاہئے۔

یہ لوگ بڑے شجاع اور جنگ آزما تھے اور ''فتیان الصباح'' کے لقب سے مشہور تھے جس کے معنی ہیں ''وقت صبح کے جواں مرد'' چونکہ غارت گری اور جنگ کا مقابلہ زیادہ تر اوقات صبح میں ہوتا تھا اس لئے اس وقت کی طرف نسبت دی گئی۔

ہمدان کی ایک دوسری شاخ بنو وادعہ کے پاس ان لوگوں نے جا کر قیام کیا تو یہ بھی ان کی طرف منسوب ہونے لگے اور اسی لئے عابس شاکری بھی کہا جاتا تھا اور دادعی بھی۔

عابس شیعان کوفہ میں سے رئیس قوم، بہادر، مقرر، عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے۔ متعدد لڑائیوں میں کارنمایاں انجام دے چکے تھے اور دلوں پر ان کی شجاعت کا سکہ قائم تھا۔

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہوئے تھے اور آپ نے پہلا جلسہ منعقد کر کے امام حسینؑ کا خط سنایا تھا تو اس وقت سب سے پہلے عابس ہی کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ''میں دوسروں کا ذمہ دار نہیں مگر جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے طے کرلیا ہے کہ آخری دم تک آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا''۔

ان کی تقریر اتنی جامع اور پر مغز تھی کہ حبیب بن مظاہر نے ان کی تعریف کی تھی اور ان ہی کی تائید میں اپنی نصرت و وفاداری کا عہد کیا تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جب کوفہ کے اٹھارہ ہزار آدمیوں نے مسلم کی بیعت کرلی اور آپ نے اس صورت حال سے مطمئن ہو کر امام حسینؑ کو اطلاع دینا چاہی تو آپ نے وہ خط عابس ہی کے ہاتھ مکہ بھیجا تھا چنانچہ وہ اس خط کو لے کر امام حسینؑ کے پاس پہنچے اور پھر آپ سے جدا نہیں ہوئے۔

ان کا غلام شوذب ان کے ساتھ تھا چنانچہ انہوں نے اپنے غلام کو اپنی طرف سے حسینؑ پر نثار کیا۔

جب شوذب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تو عابس نے امام کی خدمت میں عرض کیا ''بخدا روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز و محبوب ہو۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں اپنی جان سے زیادہ کوئی عزیز شے آپ کی خدمات میں پیش کروں تو ایسا ہی کرتا مگر اب تو بس میری جان باقی ہے بس اب اجازت دیجئے میں آخری سلام عرض کرتے ہوئے خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے اور آپ کے پدر بزرگوار کے دین پر قائم ہوں''۔

ان الفاظ کو کہہ کر امام سے رخصت ہوئے اور تلوار کھینچے ہوئے صفوف مخالف کے سامنے پہنچے۔ ان کی پیشانی پر اس وقت ایک زخم موجود تھا جو شاید پہلے کسی حملہ میں آ گیا تھا۔ فوج کوفہ کا ایک شخص ربیع بن تمیم جو واقعہ کربلا میں موجود تھا بیان کرتا ہے کہ میں نے عابس کو آتے دیکھا تو پہچان لیا۔ اس لئے کہ میں انہیں اس کے پہلے لڑائیوں میں دیکھ چکا تھا اور ان کی شجاعت سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''ایہا الناس! یہ شیروں کا شیر ہے۔ یہ ابن ابی شبیب ہے دیکھو کوئی ایک شخص تم میں سے اس کے مقابلہ کو باہر نہ نکلے''۔ عابس نے آواز دینا شروع کی کیا کوئی مرد میدان نہیں جو ایک مرد میدان کے مقابلہ کو نکلے؟''۔ مگر فوج یزید میں سے کوئی شخص بھی باہر نہ نکلا۔ عمر سعد نے کہا اس بہادر کو پتھروں سے مار لو۔ چنانچہ ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی یہ عجیب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طریقہ جنگ دیکھ کر عابس نے زرہ خود اور بکتر اتار کر پھینک دیا اور تلوار سونت کر صفوف مخالف پر ٹوٹ پڑے جس صف کی طرف رخ کرتے تھے سینکڑوں آدمی ان کے سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد فوج کے ایک بڑے حصہ نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دیا پھر ان کا سر قلم کیا گیا اور بہت سے آدمیوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کیا ہر ایک کہتا تھا کہ اس شخص کو میں نے قتل کیا ہے بالآخر عمر سعد نے اس کا یہ کہہ کر فیصلہ کیا کہ جھگڑا نہ کرو۔ اس شخص کا قاتل کوئی ایک نہیں ہو سکتا تم سب اس کے قاتل ہو اس طرح یہ نزاع برطرف ہوئی۔

۷۴ و ۷۵۔ عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندان عروہ[۲] بن حراق غفاری:

ابوذر غفاری کے قبیلہ سے حراق غفاری، اصحاب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک رہے تھے۔ ان کے دونوں پوتے عبداللہ اور عبدالرحمٰن اشراف و شجاعان کوفہ میں سے شیعان علیؑ میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے دونوں بھائی امام حسینؑ کے پاس میدان کربلا میں پہنچے اور آپ کے انصار میں شامل ہوئے تھے۔

ظہر کے بعد وقت سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اصحاب حسینؑ میں سے ہر ایک کی اب یہ کوشش تھی کہ میں اپنی جان پہلے نثار کروں۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے امام کی خدمت میں عرض کیا ''یا ابا عبداللہ! ہمارا سلام قبول کیجئے۔ دشمن اب آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور ہمارا بس نہیں چلتا [illegible] ہم چاہتے ہیں کہ خود آپ کے سامنے قتل ہو جائیں اور آپ کی نصرت کا حق ادا کریں''۔ امام نے فرمایا ''اللہ تمہیں جزائے خیر عطا کرے۔ آؤ میرے قریب آؤ''۔ یہ دونوں امام کے قریب ہی اس فوج سے جو بڑھ آئی تھی برسرپیکار ہو گئے وہ

---

۲ بعض کتابوں میں عزرہ ہے (طبری ج ۶ ص ۲۵۴)

۔ طبری ج ۶ ص ۲۵۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ:۔

''تمام بنی غفار اور خندف و بنی نزار کے قبائل اس بات سے واقف ہیں کہ ہم فاسق و فاجر گروہ پر حملے کریں گے۔ باڑھ دار براں شمشیروں کے ساتھ۔ اے میرے رفیقو! آل رسولؐ کی حفاظت میں شمشیر و نیزہ کے ساتھ جنگ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو''۔

آخر دونوں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔[1]

۷۶۔ حنظلہ بن اسعد شبامی:

نام و نسب: حنظلہ بن اسد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد بن ہمدان الہمدانی الشبامی۔

شیعان کوفہ میں سے نام آور اور خوش تقریر، بہادر اور حافظ قرآن تھے۔ امام حسینؑ کے پاس آپ کے میدان کربلا میں وارد ہونے کے بعد پہنچے تھے اور امام نے گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر ان کو عمر سعد کے پاس بسلسلہ نامہ و پیام بھیجا تھا۔

روز عاشور ظہر کے بعد جب حسینی مجاہدوں میں سے بہت سے شہید ہو چکے تو وہ امام کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے اور فوج کوفہ کو مخاطب کر کے باآواز بلند کہنے لگے۔

''اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس روز بد کا جو بہت سی قوموں کو نصیب ہوا جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود وغیرہ۔ اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا بلکہ ان کی بداعمالیوں ہی کا بدلہ دیتا ہے۔ اے میری قوم! میں تمہارے لئے اندیشہ رکھتا ہوں قیامت کے دن سے جبکہ تم اس دنیا سے پشت پھراؤ گے اور کوئی تمہارا بچانے والا خدا کے عذاب سے نہ ہوگا اور جس کی ہدایت سے خدا ہاتھ اٹھا لے پھر اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے۔ اے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۳۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میری قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو، نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ کہنے والوں کا انجام ناکامی ہے''۔[1]

دشمن پر ایسی تقریروں سے اثر ہی کب ہوتا تھا۔ امام نے پکار کر فرمایا ''اے ابن اسعد! خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال کرے۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اسی وقت ہو گئے جب انہوں نے حق بات کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں کے خلاف فوج کشی کی چہ جائیکہ اب! اب تو یہ تمہارے بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل بھی کر چکے ہیں''۔

حنظلہ نے کہا ''حضور سچ فرماتے ہیں حضور سے بڑھ کر ان باتوں کون سمجھ سکتا ہے اچھا تو اجازت دیجئے کہ ہم بھی جائیں خدا کی طرف اور اپنے ساتھیوں سے ملحق ہوں۔ امام نے فرمایا جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے''۔ حنظلہ نے رخصتی سلام کیا میدان جنگ میں گئے لڑے اور شہید ہو گئے۔[2]

۷۷، ۷۸۔ سیف بن حارث بن سریع و مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی:

دونوں چچا زاد بھائی اور ایک ماں کی اولاد تھے۔[3]

ان دنوں میں کہ جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی میدان کربلا میں پہنچ کر جماعت حسینی سے ملحق ہوئے تھے۔ ان کا غلام شبیب بھی ان کے ساتھ تھا اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا تھا۔

روز عاشور جب بازار شہادت گرم تھا تو یہ دونوں جوان امام کے نزدیک کھڑے ہو کر رونے لگے۔ یہ ان کے دل کی بے چینی تھی جس نے الفاظ کو سرشکِ غم کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا اور ان کے منہ سے رنج کی وجہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ ان کی اس حالت کا مشاہدہ کر کے امام نے فرمایا کہ ''کیوں! میرے بھائی کے فرزندو! روتے کیوں

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۴۔ ارشاد ص ۲۵۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۴ ارشاد ص ۲۵۲۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۲۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہو؟ دیکھو تھوڑی دیر میں تمہارے لئے خوشی ہی خوشی کے سامان مہیا ہوں گے''۔ دونوں نے عرض کیا ''ہماری جان آپ پر قربان! ہم اپنے لئے تھوڑی روتے ہیں ہمیں تو آپ کی بے کسی پر رونا آ رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور پورے طور پر ہم سے آپ کی حفاظت کا امکان نہیں رہا ہے''۔ امام نے فرمایا ''تمہیں اس صدمہ پر جو میری وجہ سے ہے اور اس ہمدردی پر جو میرے ساتھ ہے خدا بہترین جزا عطا فرمائے''۔[1]

حنظلہ بن اسد شبامی کی شہادت کے بعد وہ دونوں حسینؑ کی خدمت میں سلام آخر بجا لائے اور لڑ کر شہید ہوئے۔[2]

۷۹۔ جون (غلام ابوذر غفاری):

نام و نسب: جون بن حوی بن قتادہ بن اعور بن ساعدۃ بن عوف بن کعب بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری۔ حبشی نسل سے فضل بن عباس بن عبدالمطلب کے مملوک تھے۔ حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی کو انہیں خرید فرمایا تھا اور ابوذر غفاری کو ہبہ کر دیا تھا تاکہ ان کی خدمت کریں چنانچہ وہ ابوذر کے ساتھ رہے یہاں تک کہ ربذہ میں بحالت جلاوطنی بھی ان کے ساتھ رہے۔

جب ۳۲ھ میں ابوذر کا انتقال ہوا تو جون مدینہ واپس آ کر پھر حضرت علیؑ کی خدمت میں رہنے لگے اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔

روز عاشور جب جنگ کے شعلے بلند ہوگئے تو جون نے بھی امام حسینؑ سے اجازت جہاد طلب کی۔ آپ نے فرمایا ''تم ہمارے ساتھ راحت کے لئے تھے اب ہماری وجہ سے کیوں مصیبت میں مبتلا ہوتے ہو؟''۔ یہ سننا تھا کہ جون نے آپ کے قدموں پر گر کر عرض کیا۔ ''فرزند رسولؐ! یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ راحت کے زمانہ میں تو میں نے آپ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے یہاں کے پیالے چاٹے اور اب سختی کے وقت میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر چل دوں۔ خدا کی قسم میرے جسم سے بدبو آتی ہے میرا حسب و نسب پست اور رنگ سیاہ ہے آپ اپنے طفیل میں مجھے جنت کا مستحق بنا دیجئے کہ میری بو، خوشبو سے بدل جائے، میرا حسب نسب باوقار ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے۔ بخدا میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپ بزرگواروں کے نورانی خون میں مل نہ جائے"۔ بہرطور اجازت جنگ ملنے پر جون نے میدان جنگ میں آکر رجز پڑھنا شروع کیا۔

"ذرا کفار دیکھیں تو کہ ایک سیاہ غلام شمشیر و نیزہ سے کس طرح جنگ کرتا ہے۔ آل رسولؐ کی نصرت و حمایت میں"۔ اس کے بعد انہوں نے جہاد کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت امام حسینؑ کے دل میں جون کے وہ الاظ گھر کر چکے تھے اس لئے آپ جب ان کی لاش پر تشریف لائے تو دعا کی۔ "خداوندا! اس کے چہرہ کو روشن کردے اس کی بدبو کو خوشبو سے بدل دے اور اسے صالحین کے ساتھ محشور کر اور اسے محمدؐ و آل محمدؐ کی حقیقی معرفت رکھنے والوں میں محسوب فرما"۔

۸۰۔ غلام ترکی:

حافظ قرآن، حضرت امام حسینؑ کے غلام تھے جن کو آپ نے اپنے فرزند علیؑ بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) کو ہبہ کیا تھا۔ انہوں نے امام سے اجازت جہاد مانگی تو آپ نے فرمایا کہ خیمہ میں جا کر اپنے آقا سے اجازت حاصل کرو چنانچہ وہ اجازت حاصل کرنے کے بعد تمام اہل حرم کی خدمت میں سلام آخر بجا لا کر میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے۔ "سمندر میں میرے نیزہ شمشیر کی گرمی سے آگ لگ جاتی ہے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جاتی ہے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہے تو مغرور حاسد کا دل شگافتہ ہو جاتا ہے"۔

جنگ کر کے انہوں نے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا بالآخر زخمی ہو کر گر گئے۔ امام

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ ان کی لاش پر سرہانے تشریف لائے اور گلے میں باہیں ڈال دیں اور رخسارہ اپنا ان کے رخسارہ پر رکھ دیا انہوں نے آنکھیں کھولیں اور اس عزت افزائی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

۸۱۔ انس بن حارث اسدی:

نام و نسب: انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی، اصحاب رسولؐ میں سے حدیث کے راوی تھے۔ وہ پیغمبر خداؐ کی زبانی شہادت حسینؑ کی خبر سن کر نصرت کے ارادہ سے اس دن کے منتظر رہنے لگے۔

واقعہ کربلا کے موقع پر وہ بہت کبیر السن ہو چکے تھے مگر جذبہ ایمانی ایسا رکھتے تھے کہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلا پہنچے اور روز عاشورا اجازت جہاد حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عمامہ سے اپنی کمر چست باندھی اور بھوؤں کو جو آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اونچا کر کے رومال سے پیشانی پر باندھا۔ امام نصرت دین میں ان کا یہ اہتمام دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور فرما رہے تھے "شکر اللہ لک یا شیخ" یعنی "اے بڈھے مجاہد خدا تیرا حسن عمل کی قدر کرے"۔ بالآخر وہ جنگ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۲۔ حجاج بن مسروق جعفی:

جعف بن سعد العشیرہ کی نسل سے کوفہ کے معزز شیعہ تھے اور حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے۔ جب امام حسینؑ مکہ میں قیام گزیں تھے تو وہ کوفہ سے جا کر آپ کے ہمرکاب ہوئے اور اوقات نماز میں اذان کی خدمت انجام دینے لگے۔

جب امام مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ تھے چنانچہ اس موقع پر جب حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی تھی اور نماز ظہر کا وقت آیا تھا تو تاریخ میں یہ تصریح موجود ہے کہ حسینؑ نے حجاج بن مسروق کو اذان کا حکم دیا۔[1]

---

[1] ارشاد ص ۲۳۵۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

روز عاشور انہوں نے بھی اذن جہاد حاصل کیا میدان میں جا کر رجز پڑھا جنگ کر کے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور آخر جام شہادت نوش کیا۔

۸۳۔ زیاد بن عریب ہمدانی:

نام و نسب: ابو عامر زیاد بن عمرو بن عریب بن حنظلہ بن دارم بن عبداللہ بن کعب الصائد الہمدانی۔ ان کے باپ کو خدمت رسولؐ خدا میں حضوری کا شرف حاصل تھا اور خود زیاد بڑے عابد و زاہد، شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے اور شجاعت میں بلند پایہ رکھتے تھے روز عاشور سخت جنگ کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۴۔ سالم بن عمرو بن عبداللہ مولیٰ بنی المدینۃ الکلبی:

بنو المدینۃ قبیلہ کلب قضاعہ کی ایک شاخ تھے۔ زید بن حارثہ صحابی اور محمد بن سائب کلبی صاحب تفسیر بھی اسی نسل سے تھے۔

سالم اسی خاندان کے غلام تھے اور شیعان کوفہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مسلم بن عقیل کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے اور آپ کی شہادت کے بعد گرفتار کر لئے گئے تھے مگر کسی طرح موقع پا کر رہا ہو گئے اور اپنی قوم میں مخفی ہو گئے تھے۔ جب امام حسینؑ کے میدان کربلا میں وارد ہونے کی خبر سنی تو قبیلہ کلب کے لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچ کر آپ کے انصار میں داخل ہوئے اور روز عاشور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۵۔ سعد بن حارث مولیٰ امیر المومنین:

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے غلام تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ مدینہ سے کربلا تک آپ کے ساتھ آئے تھے اور روز عاشور انہوں نے بھی اپنی جان آپ پر نثار کی۔

۸۶۔ عمر بن جندب حضرمی:

شیعان کوفہ میں سے تھے۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ جمل اور صفین کے معرکوں میں شریک ہوئے تھے۔ ۵۱ھ میں جب حجر بن عدی کا حکومت بنی امیہ سے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تصادم ہوا تھا تو وہ حجر کے اعوان میں داخل تھے اور اسی لئے جب حجر کو گرفتار کر کے شام بھیجا گیا تو وہ روپوش ہو گئے تھے اور زیاد بن ابیہ کے ہلاک ہونے کے بعد کوفہ واپس آئے تھے جب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہوئے تھے تو وہ ان کے انصار میں شریک ہوئے تھے اور مسلم کی شہادت کے بعد مخفی طور پر امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے روز عاشور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۷۔ قعنب بن عمرو النمری:

شیعان بصرہ میں سے تھے۔ حجاج بن زید سعدی کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روز عاشور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۸۸۔ یزید بن ثبیط العبدی:

وہ شیعان بصرہ اور ابو الاسود دؤلی شاگرد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے مصاحبین میں سے تھے جب امام حسینؑ مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ابن زیاد نے اپنے نائب کو جو بصرہ میں تھا خط لکھا تھا کہ ''بصرہ کے لوگوں سے ہوشیار رہنا کوئی شخص نصرت حسینؑ کے لئے وہاں سے آنے نہ پائے''۔ مگر بصرہ میں عبد قیس کے قبیلہ کی ایک خاتون ماریہ بنت منقذ بڑی محب اہل بیتؑ تھیں اور ان کا مکان شیعان بصرہ کے اجتماع کا مرکز تھا چنانچہ انہی کے مکان پر ایک جلسہ کے دوران یزید بن ثبیط نے نصرت حسینؑ کے ارادہ کا اظہار کیا تھا اور اپنے دس فرزندوں کو بھی اس کی ترغیب دلائی تھی مگر ان میں سے صرف دو تیار ہوئے تھے۔ عبداللہ بن ثبیط اور عبید اللہ بن ثبیط (جن کا تذکرہ اس کتاب میں پہلے ہو چکا ہے) ان کے بہت سے ساتھیوں نے جو اس مکان میں جمع ہوا کرتے تھے ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا مگر انہوں نے ان کے مشوروں کی طرف کوئی اعتناء نہ کی اور چل کھڑے ہوئے۔ کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور بالآخر عراق کے راستے میں ابطح کی منزل پر امام وارد ہوئے تھے جب یہ لوگ اس مقام پر پہنچ کر امام کے خیمہ کی طرف شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے گئے تو امام خود ان کے آنے کی خبر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سن کر ان سے ملنے کے لئے دوسرے راستے سے ان کی جائے قیام پر تشریف لے جا چکے تھے اور جب انہیں نہ پایا تو وہیں انتظار کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ یہ لوگ امام کے ان کے خیمہ میں موجود نہ ہونے سے مایوس ہو کر واپس ہوئے تھے کہ امام کو اپنے ہی یہاں بیٹھا پایا۔ اس وقت کی ان کی خوشی کا اندازہ غیر ممکن تھا۔ انہوں نے آیت قرآن پڑھی کہ اللہ کے فضل و رحمت سے مومنین کو خوش ہونا چاہئے۔ اس کے بعد امام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور عزت نصرت کا اظہار کیا۔ امام نے دعائے خیر دی۔ روز عاشورہ وہ اپنے فرزندوں کے بعد جنگ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

۸۹۔ یزید بن مغفل جعفی:

اصحاب علیؑ بن ابی طالبؑ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے تھے۔ خریت بن راشد ناجی نے جب سرزمین اہواز میں خروج کیا تھا تو حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کی سرکردگی میں اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا تھا اس لشکر میں یزید بن مغفل میمنہ فوج کے سردار مقرر ہوئے تھے۔

مرزبانی نے معجم الشعراء میں ان کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ وہ تابعین میں محسوب ہیں ان کے باپ صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے روز عاشور امام حسینؑ کی نصرت کی۔ جنگ کے موقع پر وہ رجز پڑھ رہے تھے۔

''اگر نہ پہچانتے ہو مجھے تو پہچان لو کہ میں مغفل کا فرزند ہوں۔ میدان جنگ کا شہسوار اور مکمل اسلحہ رکھنے والا ہوں میرے ہاتھ میں تیز شمشیر رہتی ہے جس کو غبار جنگ کے اندر شہسوار دشمن کے سر پر بلند کرتا ہوں''۔ بالآخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۹۰۔ رافع بن عبداللہ مولیٰ مسلم الازدی:

مسلم بن کثیر اعرج کے غلام تھے۔ اپنے مالک کے ساتھ کربلا آئے تھے اور روز

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عاشور بعد ظہر جنگ کر کے شہید ہوئے۔

۹۱۔ بشر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی الکندی:

اصل میں حضر موت کے رہنے والے تھے لیکن کوفہ میں محلہ بنی کندہ میں قیام کرنے سے کندی کہے جانے لگے جب کربلا میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی اس زمانہ میں آکر انصار حسینؑ میں شامل ہوئے تھے۔

روز عاشور انہیں خبر ملی تھی کہ ان کا فرزند عمرو رے کی سرحد میں قید ہو گیا ہے اس وقت امام حسینؑ نے ان سے کہا تھا کہ تم خاص طور پر میری بیعت سے آزاد ہو، جاؤ اور اپنے بیٹے کی رہائی کا بندوبست کرو مگر ان کے جذبہ ایمانی نے ان کو اس کی اجازت نہ دی چنانچہ وہ امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑ کر نہ گئے اور اصحاب حسینؑ کے سلسلہ میں تقریباً بالکل آخر میں شہید ہوئے۔

۹۲۔ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی:

ضعیف العمر عابد و زاہد اور بڑے نماز گزار تھے متعدد لڑائیوں میں شریک ہو کر کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔

روز عاشور شریک جنگ تھے اور اصحاب حسینؑ میں سب سے آخر میں وہی ایک باقی رہ گئے تھے۔[1]

چنانچہ بشر بن عمرو حضرمی کے بعد انہوں نے میدان میں نکل کر جنگ کی اور بالآخر وہ اس درجہ زخمی ہو کر گرے کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ ان کی روح جسم سے مفارقت کر گئی ہے مگر حقیقتاً ان میں جان باقی تھی چنانچہ جب امام حسینؑ شہید ہو چکے تو انہیں ہوش آیا اور ان کے کان میں آواز گئی کہ حسینؑ قتل ہو گئے بس وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے ان کی تلوار لوگ لے جا چکے تھے ایک چھرا موجود تھا اس سے انہوں نے اپنے نزدیک کے دشمنوں پر حملہ کیا آخر دشمن ٹوٹ پڑے اور سر ان کا جسم سے جدا کر لیا۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اب جبکہ اصحاب حسینؑ کا (بنی ہاشم کے علاوہ) سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی نوعیت اور حیثیت پر ایک نظر پر ڈال لی جائے۔

ان اصحاب کے ان حالات سے جو سلسلہ وار پیش ہوئے ہیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ گمنام اور غیر معروف شخصیتوں کے مالک نہیں تھے بلکہ اعداد و شمار کے ذریعہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل اشخاص کو اصحاب رسولؐ ہونے کا شرف حاصل تھا۔

(۱) مسلم بن عوسجہ (۲) زاہر بن عمرو اسلمی کندی (۳) شبیب بن عبداللہ مولیٰ ہمدان (۴) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجی (۵) عمار بن ابی سلامہ دالانی (۶) مسلم بن کرصدنی (۷) حبیب بن مظاہر (۸) انس بن حارث اسدی۔

وفات رسول اللہؐ سے واقعہ کربلا تک پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا اس لئے ان میں سے کسی کی عمر پچپن یا ساٹھ برس سے کم نہیں قرار پا سکتی اور ان میں سے بعض کی عمر اس سے یقیناً زیادہ تھی جیسے انس بن حارث۔ عبدالرحمٰن بن عبدرب۔ حبیب بن مظاہر۔ مسلم بن عوسجہ۔ ان کے علاوہ سوید بن عمرو خثعمی۔ عام انسانی طبیعت کے تقاضوں کے لحاظ سے ان بوڑھے مجاہدین میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی وقتی جوش یا ولولہ جنگ کی وجہ سے تیغ آزمائی پر تیار ہو گئے تھے۔

حسب ذیل اصحاب حضرت علیؑ تھے جو اصلاحاً تابعین میں داخل ہیں اور تابعین کا مرتبہ صحابہ کے بعد سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

(۱) عبداللہ بن عمیر کلبی (۲) مجمع بن عبداللہ مذحجی (۳) جنادہ بن حارث سلمانی (۴) جندب بن حجیر کندی (۵) امیہ بن سعد طائی (۶) جبلہ بن علی شیبانی (۷) حارث بن نبہان (۸) حلاس بن عمرو ازدی (۹) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۱۰) قاسط بن زہیر تغلبی (۱۱) کردوس بن زہیر تغلبی (۱۲) مقسط بن زہیر تغلبی (۱۳) نعمان بن عمرو ازدی (۱۴) نعیم بن عجلان انصاری (۱۵) ابو ثمامہ صائدی (۱۶) شوذب بن عبداللہ (۱۷) جونا غلام

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابوذر غفاری (۱۸) حجاج بن مسروجعفی (۱۹) سعد بن حارث (۲۰) یزید بن مغفل جعفی (۲۱) عمر بن جندب حضرمی۔

ان میں سے اکثر جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں جنگ کر چکے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے زمانہ خلافت میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہ چکے تھے اور بعض شاگرد کی حیثیت سے آپ سے علمی استفادہ کر چکے تھے۔

حسب ذیل حفاظ قرآن تھے:۔

(۱) بریر بن خضیر ہمدانی جو سید القراء کے لقب سے ملقب تھے اور کوفہ میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے (۲) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری (۳) کنانہ بن عتیق تغلبی (۴) نافع بن ہلال جملی (۵) حنظلہ بن اسعد شبامی (۶) غلام ترکی۔

حسب ذیل علماء و راویان حدیث تھے۔

(۱) مسلم بن عوسجہ (۲) حبشہ بن قیس نہمی (۳) زاہر بن عمرو اسلمی (۴) سوار بن ابی عمیر نہمی (۵) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری (۶) مسعود بن حجاج تیمی (۷) زہیر بن قین بجلی (۸) عابس بن ابی شبیب شاکری (۹) زیاد بن عریب ہمدانی (۱۰) سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی۔

اس کے علاوہ عبادت اور زہد و تقویٰ میں تو ان میں سے اکثر افراد جن کے نام مندرجہ بالا مختلف عنادین کے تحت میں درج کئے جا چکے ہیں شہرۂ آفاق تھے بلکہ بعض اپنی مخصوص شجاعت کے ساتھ عبادت و ریاضت کے لئے بھی مشہور تھے جیسے عابس بن ابی شبیب اور زیاد بن عریب جن کے متعلق تاریخ میں صراحت موجود ہے کہ وہ شب زندہ دار تھے اور سعید بن عبداللہ حنفی جن کے اوصاف میں عبادت کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ سب کے سب مایہ ناز افراد تھے جن کی زندگیاں مکمل طور پر معیاری حیثیت رکھتی تھیں اور اسلامی اخلاق کی زندہ تصویریں تھیں۔

امام حسینؑ کو میدان کربلا میں ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی۔ آپ جانتے تھے کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کی وجہ سے کتنی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اسی لئے آپ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عوام کے مجمع کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہ سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے سفر عراق اور کربلا کے قیام کے دوران میں حتیٰ کہ روز عاشور تک برابر ہر ہر موقع پر یہ کوشش جاری رکھی کہ جن اشخاص میں کچھ بھی خامی ہو وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔

درحقیقت آپ ایک ایسے اہم مقصد کی تکمیل کے لئے جو آپ کے پیش نظر تھا عوام پر بھروسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔

حسینؑ کو جس طرح کا مقابلہ منظور تھا اس کی نوعیت سطحی نظریں کبھی سمجھ ہی نہ سکتی تھیں اس لئے کہ اس کے پہلے جتنی بھی لڑائیاں کبھی لڑی گئیں ان کا مقصد فریق مخالف کو مادی طور پر شکست دینا ہوتا تھا۔ اس مقصد کے حاصل ہونے میں خرابی واقع نہیں ہوتی اگر ایک ہزار آدمیوں میں سے سو بھی ثابت قدم رہیں بشرطیکہ وہ بہادری سے دشمن پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ثابت ہو جائیں۔ مگر امام حسینؑ کو طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا نہیں تھا بلکہ طاقت کا مقابلہ کردار سے، باطل کا مقابلہ حق سے، تشدد کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرنا تھا۔ آپ کو اپنے خون کے چھینٹوں سے ایک ایسی دنیا کو خواب غفلت سے جگانا مقصود تھا جس پر بے حسی اور بے ہوشی چھائی ہوئی تھی۔ آپ کردار کے ایسے نمونے پیش کرنا چاہتے تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔ یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ یہاں ساتھ والوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔

امام حسینؑ کو اگر طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو آپ نے ویسے انتظام کئے ہوتے مگر چونکہ آپ کا مقصد یہ نہ تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ بے ہوش اسلامی دنیا میں احساس و بیداری پیدا کریں۔ اس کے لئے آپ کے ساتھ ملک عرب کے چیدہ اور منتخب عابد، زاہد، متقی اور پارسا افراد ہی ہو سکتے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھ ایسے ضعیف لئے جن کی عمروں کا بیشتر حصہ محراب میں گزر چکا تھا کیونکہ ایسے ہی افراد کے کمریں کس کر تلواریں سونت کر میدان میں آنے سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل سکتی تھیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتے تھے کہ اسلام پر کیا ایسا وقت آپڑا ہے کہ ایسے ایسے عابد و زاہد بھی تلواریں کھینچ کر میدان جنگ میں آگئے ہیں۔

حسینؑ کے ساتھیوں کی شخصیت کا صرف دوسرے مسلمانوں پر نہیں جو غیر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جانبدار یا خالی الذہن تھے بلکہ خود افواج مخالف پر جو ہواؤ ہوس کے پنجوں میں اسیر اور حکومت کی کورانہ اطاعت کے شکنجہ میں گرفتار تھیں زبردست اثر پڑ رہا تھا جس کے مختلف شواہد واقعات کی صورت میں نظروں کے سامنے آرہے تھے مثلاً مسلم بن عوسجہ کی شہادت پر جب لشکر مخالف میں خوشیاں ہونے لگی تھیں تو شبث بن ربعی بول اٹھا کہ کیا غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہ کا سا شخص قتل ہو اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ میں نے بچشم خود خدمت اسلام میں اس شخص کے کارناموں کا مشاہدہ کیا ہے یا جب بریر ہمدانی جنگ کر رہے تھے اور لشکر یزید کی جانب سے ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک شخص بڑھا تھا تو اس پر فوج کے دوسرے لوگوں نے منع کیا تھا کہ ''ارے یہ تو بریز حافظ قرآن ہیں جو مسجد میں حفظ قرآن کرایا کرتے تھے''۔ یا جب عابس بن ابی شبیب میدان میں آئے تھے تو صفوف مخالف سے یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ ''یہ شیروں کا شیر ہے یہ عابس بن ابی شبیب ہے''۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے روایات دوسروں تک صرف مخالفین ہی کی زبانی پہنچ سکتے تھے اور اس لئے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نسبتاً اس قسم کے بہت کم واقعات ہم تک پہنچ سکے ہیں اور اس طرح ان سے اس عام اضطراب اور انتشار کا اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے جو حسینی مجاہدوں کے مقابلہ میں افواج یزید میں پایا جاتا تھا۔

ان اصحاب کی شرکت واقعہ کربلا کی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اگر امام حسینؑ صرف اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ کربلا کی سرزمین پر آگئے ہوتے تو یہ کہا اور سمجھا جاتا کہ یہ ایک خاندانی جنگ تھی جیسا کہ عام طور سے بتلایا جاتا ہے کہ امیہ اور بنی ہاشم ایک ہی خاندان کی دو شاخیں تھیں اور ان میں برابر خانہ جنگی رہا کرتی تھی۔ مگر امام حسینؑ کے ساتھ تقریباً ملک عرب کے ہر قبیلہ اور مختلف مقامات کے ممتاز اور سربرآوردہ افراد موجود تھے جن میں نقطہ مشترک صرف اصول کا احساس اور ایک وجہ خاص یعنی فریضہ دینی کا اتحاد ہی ہوسکتا تھا اور بس۔

چنانچہ اس اصول اور مقصد کی اہمیت کو زیادہ نمایاں کر دیا امام حسینؑ کے اس طریقہ کار نے کہ آپ نے ہر شخص سے یہ اصرار کیا کہ تم میرا ساتھ چھوڑ دو اور مجھے اس مہم کو یکہ و تنہا سر کرنے دو۔ یہ صورت اس لئے اختیار کی گئی کہ عام طور پر عوام صائب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

الرائے نہیں ہوتے جو بھی رائے ہوتی ہے وہ لیڈروں کی۔ اب اگر امام حسینؑ واقعات کی حقیقی نوعیت سے ہر ہر متنفس کو پورے طور پر آگاہ نہ کرتے تو یہ صرف آپ ہی کا اقدام سمجھا جاتا کیونکہ دوسروں نے صرف آپ کے اثر اور دباؤ سے اس معاملہ میں آپ کا ساتھ دیا ہوتا۔ مگر امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ ہر دماغ پر وزن ڈال کر اسے خود اس کے فعل کا محرک اور ذمہ وار بنا دیں۔ ایسا نہیں تھا کہ حسینؑ اپنے مقصد کے لئے ان سب کو نذر کر رہے ہوں بلکہ حقیقتاً ان میں سے ہر ایک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر حسینی مقصد پر خود نثار کیا اس لئے ان میں سے ایک کا محرک انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہر طرح خود اس کا ضمیر تھا اور درحقیقت یہی ان کے ثبات قدم اور استقلال کا بڑا راز تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اٹھائیسواں باب

اقربائے امام یعنی بنی ہاشم کی قربانیاں!

اصحاب کی شہادت کے بعد اب حسینؑ کے اعزہ یعنی بنی ہاشم کی باری تھی۔ حقیقت میں اصحاب کی وفا داری کا یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا کہ جب تک ان میں کا ایک بھی باقی رہا انہوں نے بنی ہاشم میں سے کسی ایک فرد کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچنے دیا حالانکہ اس درمیان میں جنگ مغلوبہ بھی ہوئی۔ تیروں کی بارش بھی ہوئی مگر اس سب میں کوئی ایک زخم بھی کسی ایک ہاشمی جوان یا بچہ کو لگنے کا تاریخ میں پتہ نہیں ہے۔

ان سب کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرنے لگے چنانچہ ان کے حالات بھی ترتیب شہادت کے مطابق درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ علی اکبرؑ:

آپ امام حسینؑ کے فرزند تھے اور سلسلہ بنی ہاشم کے شہداء میں سب سے پہلے آپ ہی کی ذات تھی۔[1] آپ کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معبد الثقفی تھیں اور ان کی ماں میمونہ بنت ابی سفیان بن حرب۔

اس طرح علی اکبر باپ کی طرف سے بنی ہاشم میں داخل اور ماں کی طرف سے قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے نیز آپ کی والدہ امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کی بھانجی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اس لحاظ سے آپ کو موافق اور مخالف سب ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا احساس رکھتے تھے یہاں تک کہ دربار شام میں آپ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ معاویہ نے اپنے حاضرین دربار سے پوچھا تھا کہ تمہارے نزدیک منصب خلافت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ درباریوں نے خوشامد میں کہہ دیا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا کہ ''آپ'' مگر خود معاویہ نے کہا ''نہیں! سب سے زیادہ مستحق خلافت حسینؑ کے فرزند علیؑ اکبر ہیں جن کے دادا رسول اللہؐ تھے۔ ان میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی خودداری کی صفتیں یکجائی حیثیت سے موجود ہیں''۔

اس دور کے اموی شعراء آپ کی تعریف و توصیف میں اشعار بھی نظم کیا کرتے تھے چنانچہ ابو عبیدہ اور خلف احمر نے جو دو بڑے ادیب ہیں ان اشعار کو نقل کیا ہے جو علی اکبر کی شان میں اس زمانہ میں کہے گئے تھے ان کا مضمون یہ ہے۔

''کوئی بھی زمین پر ان کے مثل آنکھوں سے دکھائی نہیں دیا۔ ان کے ضیافت خانہ میں مہمانوں کے لئے گوشت برابر پکتا رہتا ہے اور جب پک جاتا ہے تو مہمانوں سے عزیز نہیں کیا جاتا جب ان کے مہمان خانہ کی آگ روشن ہوتی ہے تو ان کی عزت اور بزرگی اس آگ میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس آگ کو مصیبت زدہ اور غریب لوگ دیکھیں یا کسی ایسے شخص کی نظر پڑ جائے جو بیکس اور بے بس ہو اور اسے دیکھ کر مہمان خانہ میں چلا آئے۔ آپ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ میرا روئے سخن لیلیٰ کے فرزند کی طرف ہے جو صاحب عطا وجود ہیں وہ جو بڑے حسب و نسب والی خاتون کے فرزند ہیں''۔

ممکن ہے کہ اموی سیاست کی بڑی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہوں اس کے منصوبے ہوں کہ آپ کی ننھیالی خصوصیت پر زور دیتے ہوئے آپ کے اوصاف و کمالات کو سراہ کر فطری حیثیت سے آپ کے دل میں یہ احساس جاگزیں کیا جائے کہ آپ بنی ہاشم میں ایک علیحدہ شان اور حیثیت کے مالک ہیں اور اس طرح خاندان بنی ہاشم میں پھوٹ پڑنے کے امکانات پیدا ہو جائیں۔

اگر علی اکبر کی جگہ کوئی کمزور نفس کا انسان ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ سیاست کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان چالوں کا شکار ہو جاتا مگر آپ کا بلند اور پاکیزہ نفس فریب میں آنے والا نہ تھا۔ آپ نے کبھی ان باتوں کی طرف اعتناء بھی نہ کی اور اموی فریب کاریوں کی شکست پر آپ نے میدان کربلا میں فرزند فاطمہ زہراؑ کی حمایت میں اپنا خون بہا کر کبھی نہ مٹنے والی مہر ثبت کر دی اور آپ کی والدہ گرامی لیلیٰ نے محبت آل رسولؐ میں ان تمام روح فرسا مصائب و آلام کو جو واقعہ کربلا کے دوران میں اور اس کے بعد اہل بیت نبوت کو متواتر پیش آتے رہے انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کر کے ان کے ساتھ اپنی روحانی یگانگی اور اتحاد کا اتنا مکمل ثبوت فراہم کر دیا کہ آج ان کے متعلق اس حقیقت کا بیان کرنا کہ انہیں خاندان بنی امیہ سے قریب کا تعلق تھا طبیعت پر بار گزرتا ہے۔ علی اکبر صورت و سیرت دونوں میں رسول اللہؐ کا نمونہ تھے اور بہت نمایاں شباہت رکھتے تھے اس لئے امام حسینؑ نے خواب میں ایک سوار کو دیکھا تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ اسے سن کر علی اکبر نے آپ سے سوال کیا تھا کہ بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے جواب دیا تھا کہ بے شک ہم حق پر ہیں اس پر علی اکبر نے خوش ہو کر کہا تھا کہ پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے۔[1] اسی ایک واقعہ سے علی اکبر کے استقلال اور حق کی راہ میں فداکاری کا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔ شیخ مفیدؒ کی تصریح کے مطابق علی اکبر کی عمر واقعہ کربلا میں انیس برس کی تھی اور حسن و جمال میں اپنی آپ مثال تھے۔[2] وہ اکبر اس لحاظ سے کہے گئے کہ واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے علی اصغر کے لحاظ سے بڑے تھے مگر اپنے باپ کی اولاد میں وہ امام زین العابدینؑ سے سن میں چھوٹے تھے اس لئے ان کے اعتبار سے ان کو علی اصغر کہنا درست ہے۔[3]

حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں اپنا ایک خاص گھوڑا جس کا نام لاحق تھا علی

---

[1] ارشاد ص ۲۳۷۔ [2] ارشاد ص ۲۵۳۔ [3] ارشاد ص ۳۶۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اکبر کی سواری کے لئے دیا تھا۔[1]

آپ صبح عاشور ہی سے بے چین ہوں گے کہ میدان جہاد میں جا کر ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائیں مگر حسینی تدبر نے جو نظام عمل قائم کر دیا تھا اس میں دراندازی کا کسی کو حق نہ تھا۔ جب سب اصحاب شہید ہو چکے تو سب سے پہلے علی اکبر نے اذن جہاد طلب کیا۔[2] امام نے اپنے فرزند کو نرغہء اعدا میں بھیجنے کے متعلق پس و پیش تو نہیں کیا مگر دل کی بے چینی نے جذبات میں تلاطم ضرور پیدا کر دیا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ ''خداوندا گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب جا رہا ہے ان کی طرف وہ نوجوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے''۔

کوئی شک نہیں کہ اس مختصر مناجات کے الفاظ اس بے پایاں اندوہ کی پوری تشریح کر رہے ہیں جو اس وقت امام کے دل پر غالب تھا مگر اسی کے ساتھ وہ اس عزت نفس اور بلندی نگاہ کے بھی حامل ہیں جو حسینؑ کی ذات سے مخصوص تھی ان کو زیادہ قلق ہے تو اس بات کا کہ اس وقت میرے جد بزرگوار رسول اللہؐ کی تصویر مجھ سے جدا ہو رہی ہے۔

یہی وہ امتیازی شان ہے جس سے حسینؑ حقیقتاً حسینؑ معلوم ہوتے ہیں۔ ''جا رہا ہے'' کے الفاظ میں اذن جہاد لازمی طور پر مضمر ہے چنانچہ اس مناجات کے عنوان ہی سے علی اکبر سمجھ گئے کہ مجھے میدان جنگ میں جانے کی اجازت حاصل ہے۔ اب میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے۔

''میں ہوں علیؑ، حسینؑ کا بیٹا اور علیؑ کا پوتا۔ رب کعبہ کی قسم سب سے زیادہ ہم کو رسول اللہؐ کی وراثت کا حق پہنچتا ہے۔ خدا کی قسم ہمارے بارے میں فیصلہ زنا زادہ کی اولاد ہرگز نہیں کر سکتی''۔[3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۲۔ [2] ارشاد ص ۲۵۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۳۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ رجز شہدائے کربلا میں سب سے الگ ایک خاص انداز کا حامل تھا۔ دوسرے شہداء کے رجز میں زیادہ تر شجاعان عرب کے معمول کے مطابق اپنی شجاعت کا اظہار مقصود تھا یا امام سے اپنے عہد وفا کی تجدید لیکن علی اکبر کا رجز ایک تبلیغی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مختصر الفاظ میں رسول اللہؐ کے ساتھ اپنی قرابتداری اور استحقاق وراثت اور اپنے مدمقابل کی پستی کو دکھاتے ہوئے اس کی اطاعت سے انکار پر زور دیا گیا تھا گویا امام حسینؑ کے مقاصد جنگ کا اعلان کیا جا رہا تھا۔

جناب علی اکبر نے کئی حملے کئے۔[1] اور برابر یہی اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس شدید جنگ میں آپ خود بھی بہت زخمی ہو گئے تھے مگر پھر بھی پے در پے حملے کئے جاتے تھے۔ فوج مخالف میں کے ایک سپاہی مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے پھر حملہ کیا اور میری طرف سے گزرا تو میں ضرور اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا کروں گا"۔ ایسا ہی ہوا۔ علی اکبر تلوار ہاتھ میں لئے دشمنوں پر حملہ آور ہو رہے تھے کہ مرہ نے پشت کی طرف سے نیزہ مارا جو سینہ کے پار ہو گیا۔

علی اکبر گھوڑے سے زمین پر گرے اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر آپ کے جسم کو تلواوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

فطری حیثیت سے علی اکبر کی شہادت کا حسینؑ پر بڑا اثر ہوا۔ آپ نے فرمایا "خدا فنا کرے اس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند کتنی جرأتیں بڑھ گئیں ان لوگوں کی خدا اور اس کے رسولؐ کے مقابلہ میں! تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے"۔[2]

آپ نوجوانان بنی ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "اٹھاؤ، اپنے بھائی کی لاش"۔ سب نوجوان آگے بڑھے اور انہوں نے علی اکبرؑ کی لاش کو لا کر اس خیمہ کے آگے رکھ دیا جو مرکز سپاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔[3]

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۵۴، طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل:

آپ کی والدہ رقیہ بنت علیؑ بن ابی طالبؑ تھیں جو ام حبیب بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن علقمہ تغلبیہ کے بطن سے تھیں جنہیں حضرت علیؑ نے جنگ یمامہ یا عین التمر کے اسیروں سے خرید فرمایا تھا اس اعتبار سے عبداللہ امام حسینؑ کے چچا زاد بھائی کے فرزند بھی تھے اور بھانجے بھی۔

مسلم بن عقیل کی عالم غربت میں شہادت بھی ایک تازہ سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا اثر امام حسینؑ کے دل پر بہت زیادہ تھا چنانچہ اسی لئے شب عاشور آپ نے اپنے اصحاب کو مجتمع کر کے جو تقریر فرمائی تھی اس کے آخر میں اولاد عقیل سے خاص طور پر یہ خطاب فرمایا تھا کہ ''تمہارے لئے مسلم کی شہادت کافی ہے تم چلے جاؤ میں تم کو اجازت دیتا ہوں'' مگر ان سب نے متفق ہو کر کہا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہم سب بھی آپ پر اپنی جانیں نثار کریں گے''۔[1]

ان میں سب سے پہلے شہید عبداللہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت کمسن تھے۔ علی اکبر کی شہادت سے خیمہ حسینی میں جو کہرام برپا ہوا تو کمسن بچے گھبرا کر باہر نکل پڑے۔ بے رحم دشمنوں کو موقع مل گیا۔ عمرو بن صبیح صدائی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر لگایا۔[2] جو آپ کی پیشانی کی طرف آیا آپ نے گھبراہٹ میں ہاتھ اپنا پیشانی پر رکھا تیر نے ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا پھر دوسرا تیر آیا جو سینہ پر پڑا اور اس نے کام تمام کر دیا۔[3] دوسری روایت یہ ہے کہ ایک ظالم نے نیزہ کا وار کیا اور سینہ پر مارا اس سے آپ نے شہادت پائی۔[4]

۳۔ محمد بن مسلم بن عقیل:

عبداللہ کے مختلف البطن بھائی تھے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ام

---

[1] ارشاد ص ۲۴۴۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ [4] ارشاد ص ۲۵۳۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ولد تھیں۔ عبداللہ کی شہادت کے بعد اولاد ابی طالبؑ نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ امام حسینؑ نے آواز دی۔ ''ہاں میرے چچا کے فرزندو، موت کے مرحلہ کو سر کر دو''۔ ان میں سے محمد بن مسلم ابومرہم ازدی اور یقیط بن ایاس جہنی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

۴۔ جعفر بن عقیل:

عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد جعفر بن عقیل نے جنگ کی آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ ''میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ طالب کے خاندان کا ہاشم کی نسل اور غالب کے گھرانے سے۔ یقیناً ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور حسینؑ تمام پاکیزہ اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ''۔

بالآخر آپ کو عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے تیر مار کر شہید کیا۔[1]

۵۔ عبدالرحمٰن بن عقیل:

آپ میدان جنگ میں آئے۔ رجز پڑھا اور جہاد کیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی دونوں نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔[2] دوسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن عروہ خثعمی نے تیر کا نشانہ بنایا۔[3]

۶۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل:

آپ نے میدان کربلا میں جہاد کیا اور لقیط بن یاسر جہنی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا جس سے آپ شہید ہو گئے۔

۷۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب:

آپ امام حسینؑ کے چچا زاد بھائی کے فرزند تھے آپ کی والدہ کا نام خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف تھا اور وہ قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔ آپ اور آپ کے بھائی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۳۵۶۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عون جو جناب زینب بنت علیؑ کے فرزند تھے دونوں اپنے والد بزرگوار عبداللہ بن جعفر کے بھیجے ہوئے آکر عراق کے راستے میں قافلہ حسینی سے ملحق ہوئے تھے۔ اس وقت جب امام مکہ سے باہر نکل چکے تھے۔

روز عاشور عبدالرحمٰن بن عقیل کے بعد آپ میدان میں آئے اور جہاد کیا اور بالآخر عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔[1]

۸۔ عون بن عبداللہ بن جعفر:

آپ زینب بنت علیؑ کے بطن سے تھے اور اس طرح امام حسینؑ کے حقیقی بھانجے تھے۔ اپنے بھائی محمد کے بعد آپ میدان کارزار میں آئے اور عبداللہ بن قطبہ طائی کے ہاتھ سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[2]

۹۔ قاسم بن الحسنؑ :

آپ امام حسینؑ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ کے فرزند تھے۔ ابھی آپ حد بلوغ کو نہ پہنچے تھے کہ معرکہ کربلا درپیش ہوا اور حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب میدان جنگ میں آئے تو فوج دشمن کے ایک سپاہی کا بیان ہے معلوم ہوا کہ جیسے چاند کا ایک ٹکڑا سامنے نمودار ہوگیا۔ ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ ایک پیراہن پہنے ہوئے تھے پیر میں نعلین ایسے تھے جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔[3] صاف ظاہر ہے کہ انہیں اسلحہ جنگ سے مسلح نہیں کیا گیا تھا۔ صرف ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے وہ نصرت امام کے جوش سے میدان میں آگئے اور حملہ کر دیا۔

عمر بن سعد بن نفیل ازدی کی نظر جو قاسم پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس بچہ کو میں قتل کروں گا۔ بعض لوگوں نے روکا بھی مگر وہ نہ مانا اور قاسم کے پاس آکر سر پر تلوار لگائی۔ قاسم منہ کے بل زمین پر گر گئے اور اپنے چچا کو مدد کے لئے پکارا۔ حسینؑ غضب

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۳۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۳۔۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ناک شیر کی طرح جھپٹ کر قریب پہنچے۔ عمر بن سعد بن نفیل جس نے قاسم کو قتل کیا تھا ابھی پاس ہی موجود تھا آپ نے اس پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ کر گر گیا۔ لشکر مخالف اس کے بچانے کے لئے حسینؑ پر ٹوٹ پڑا مگر اس طرح چاروں طرف سے بے تحاشا گھوڑے دوڑا کر وہ لوگ اس کی کمک کو آئے کہ وہ خود اپنے ہوا خواہوں کے گھوڑوں سے پامال ہو کر ہلاک ہو گیا۔

جب مجمع منتشر ہوا تو حسینؑ قاسم کے سرہانے کھڑے ہو کر حسرت و اندوہ کے ساتھ فرمانے لگے۔ ''تیرے چچا پر بہت شاق ہے یہ امر کہ تو اسے پکارے اور وہ تیری خبر نہ لے سکے یا تیری آواز پر آنے کے بعد بھی تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے''۔

اس کے بعد آپ نے خود قاسم کی لاش اٹھائی۔ اس طرح کہ سینہ سے سینہ ملا ہوا تھا اور پیر زمین پر خط دیتے جاتے تھے اور جہاں علی اکبر اور دوسرے عزیزوں کی لاشیں پہلے سے موجود تھیں قاسم کی لاش کو بھی وہیں لا کر لٹا دیا۔[1]

۱۰۔ ابوبکر بن الحسنؑ :

آپ امام حسنؑ کے فرزند تھے آپ کی والدہ کا نام ام اسحاق بنت طلحۃ التیمی تھا۔ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے تیر مارا جس سے آپ شہید ہو گئے۔[2]

۱۱۔ محمد بن علیؑ بن ابی طالبؑ :

آپ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزندوں میں محمد بن حنفیہ سے چھوٹے تھے اس لئے محمد الاصغر کہلاتے تھے۔ آپ کی والدہ بقولے اسماء بنت عمیس خثعمیہ اور بقولے ام ولد[3] اور تیسرے قول کے مطابق لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھیں۔[4]

محمد اپنے والد بزرگوار کے بعد اپنے بھائی امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور روز عاشور میدان جہاد میں بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر قبیلہ بنی ابان بن دارم

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۶۔ ارشاد ص ۲۵۴۔ [2] الاخبار الطوال ص ۳۵۴۔ ارشاد ص ۲۵۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۸۹۔ [4] ارشاد ص ۱۸۹۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ایک شخص نے آپ کو تیر مارا جس سے آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور وہ آپ کا سر جدا کر کے عمر سعد کے پاس لے گیا۔[1]

۱۲۔ عبداللہ بن علیؑ :

آپ کی والدہ ام البنین فاطمہ بنت ابو العجل حرام بن خالد بن ربیعۃ بن عامر الوحید بن کعب بن عامر بن کلاب تھیں۔[2] حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اپنے بھائی عقیل سے جو انساب عرب سے خوب واقف تھے یہ فرمائش کی تھی کہ ایسے خاندان کی لڑکی تجویز کیجئے جو بڑے بہادران عرب کی نسل سے ہو تا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ بھی بڑی بہادر اور جنگ آزما ہو۔ عقیل نے کہا تھا کہ ام البنین الکلابیہ سے عقد کیجئے جس کے باپ دادا بڑے شجاع و بہادر ہیں چنانچہ آپ نے ام البنین سے عقد کر لیا تھا۔

ان کے سلسلہ اجداد میں ملاعب الاسنہ ابو براء اور طفیل فارس قرزن اور عامر بن طفیل ملک عرب میں بہت مشہور سورما گزر چکے تھے۔

لبید بن ربیعہ شاعر جو ''معلقات'' میں سے ایک قصیدہ کا مصنف تھا وہ بھی اسی خاندان سے تھا چنانچہ اس نے اپنے خاندانی خصوصیات پر نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے بھرے ہوئے دربار میں ان الفاظ میں فخر کیا تھا۔

نحن بنو ام البنین الاربعه و نحن خیر عامر بن صعصعه

الضاربون الهام وسط المجمعه

اس آواز کو تمام قبائل عرب کے نمائندوں نے خاموشی کے ساتھ سنا تھا۔ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ام البنین اس سلسلہ میں پہلے بھی کوئی مشہور خاتون گزر چکی تھیں اور ان کے بھی چار بیٹے تھے جو بڑی شہرت کے مالک تھے''۔

ام البنین کے بطن سے حضرت علیؑ کے چار فرزند تھے۔

(۱) ابو الفضل العباس جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ (۲) عبداللہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۸۹ و ۳۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جن کے حالات یہاں درج کئے جا رہے ہیں (۳) عثمان (۴) جعفر جو سب سے چھوٹے تھے۔

عبداللہ بن ابی المحل بن خرام بن خالد بن ربیعۃ بن عامر الوحید، ام البنین کا بھتیجا تھا اور کوفہ کے بڑے عمائد میں شمار ہوتا تھا۔ اتفاق سے اس وقت جب شمر، عبید اللہ بن زیاد کا خط لے کر کربلا کی جانب روانہ ہو رہا تھا وہ بھی دربار ابن زیاد میں موجود تھا۔ اس نے ابن زیاد سے کہا کہ ''ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسینؑ کے ساتھ ہیں۔ آپ ان کے لئے امان نامہ لکھ دیجئے جسے عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے ایک غلام کرنان نامی کے ہاتھ کربلا روانہ کر دیا۔ وہ اس کو لے کر ان مجاہدوں کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ کے ماموں زاد بھائی نے ابن زیاد سے حاصل کر کے بھیجا ہے ان چاروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارے بھائی کو ہماری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو ابن زیاد کے امان نامہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی امان ہمارے لئے بہت کافی ہے۔[۱]

خود شمر بن ذی الجوشن بھی اسی خاندان یعنی آل وحید کلابی نسل عامر بن صعصعہ سے تھا۔[۲] چنانچہ کربلا پہنچ کر ابن زیاد کا خط عمر سعد تک پہنچانے کے بعد سب سے پہلا کام جو اس نے کیا وہ یہی تھا کہ جماعت حسینی کے سامنے کھڑے ہو کر آواز دی کہ ''کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے'' یہ سن کر عباس اور آپ کے تینوں بھائیوں نے سامنے آ کر پوچھا کہ ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ''تم لوگ امان میں ہو'' مجاہدوں نے تیور بدل کو جواب دیا کہ ''خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیری امان پر، ہمارے لئے امان ہے اور فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں ہے''۔[۳]

چونکہ روز عاشور انصار و اقربائے حسینؑ میں سے ہر فرد یہ چاہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے سے وابستگی رکھنے والی ہر عزیز ہستی کو خود اپنی زندگی میں راہ حق میں نثار کیا جائے اسی بناء پر جناب عباس نے بھی ایک ایک کر کے اپنے بھائیوں کو خود سے پہلے

---

۱ طبری ج ۶ ص ۲۳۶۔ ۲ الاخبار الطوال ص ۲۵۴۔ ۳ طبری ج ۶ ص ۲۳۷۔ ارشاد ص ۲۴۲۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میدان میں بھیجا اور فرمایا کہ ''بڑھو اپنے آقا پر نثار ہو[1] تاکہ تم کو قتل ہوتے ہوئے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور اس کو اپنے لئے توشہ آخرت سمجھوں کیونکہ تمہارے تو کوئی اولاد ہے نہیں''۔[2] مطلب یہ تھا کہ اگر تمہارے اولاد ہوتی اور قابل جنگ ہوتی تو تم اس کا انتظار کرتے کہ پہلے اس کو اپنے سامنے قتل ہونے بھیج دیں کہ خود جائیں۔ چنانچہ عبداللہ جو آپ کے بعد ان بھائیوں میں سب سے بڑے تھے میدان میں گئے اور شدید جنگ کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔[3]

۱۳۔ عثمان بن علیؑ :

آپ ابو الفضل العباس کے دوسرے بھائی تھے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو علیؑ بن ابی طالبؑ نے آپ کا نام عثمان رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اپنے دوست عثمان بن مظعون کے نام پر مولود کا نام رکھ رہا ہوں۔ یہ عثمان بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول اللہؐ کے سامنے ان کا انتقال ہوا تھا اور آپ نے ان کو جنۃ البقیع میں دفن کیا تھا۔

جناب عباس نے عبداللہ کے بعد عثمان کو میدان جنگ میں بھیجا چنانچہ آپ نے جہاد کیا اور بالآخر آپ خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے اور بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے آپ کا سر جسم سے جدا کیا۔[4]

۱۴۔ جعفر بن علیؑ :

آپ ام البنین کی اولاد میں سے سب سے چھوٹے تھے۔ عثمان کی شہادت کے بعد جناب عباس آپکی طرف متوجہ ہوئے اور کہا جاؤ! جیسے تمہارے دونوں بھائیوں کا صدمہ میں نے برداشت کیا ویسے تمہارا بھی برداشت کروں کیونکہ تم میں سے کسی کے بھی اولاد نہیں ہے''۔ چنانچہ جعفر نے بھی جہاد کیا اور بالآخر ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھ سے شہید

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۵۔ [2] ارشاد ص ۲۵۵۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ ارشاد ص ۲۵۵۔ چنیوری نے ہانی بن ثویب حضرمی لکھا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۵۵) [4] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ ارشاد ص ۲۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوئے۔[1] ایک روایت کے مطابق عبداللہ کے بعد جعفر اور جعفر کے بعد عثمان شہید ہوئے۔[2]

۱۵۔ ابوالفضل العباس بن علیؑ :

آپ کی ماں ام البنین کے خاندانی خصوصیات کا تذکرہ اس کے پہلے آپ کے بھائی عبداللہ کے حالات میں ہو چکا ہے۔

۲۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ چودہ برس آپ نے اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ ۴۰ھ میں حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد سے دس برس آپ اپنے بھائی امام حسنؑ کے زیر تربیت رہے اور ۵۰ھ میں امام حسنؑ کے زہر دغا سے شہید ہونے کے بعد سے عاشور محرم ۶۱ھ تک زمانہ آپ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کی رفاقت میں بسر کیا۔ واقعہ کربلا میں آپ کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔

آپ حسن و جمال اور قوت و شجاعت میں اپنے زمانہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے اور عام طور پر ''قمر بنی ہاشم'' ہی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ ایسے قد آور تھے کہ اسپ دوکابہ پر سوار ہونے کے باوجود آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔

یہ تو آپ کی ظاہری شان تھی اور باطنی اوصاف کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ ''ہمارے چچا عباس بن علیؑ بڑے دیندار اور کامل الایمان تھے۔ آپ نے حسینؑ بن علیؑ کا ساتھ دیتے ہوئے معرکہ کربلا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے''۔

نہر پر فوج مخالف کے قبضہ کے بعد جب اطفالِ حسینؑ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو ابوالفضل العباس نہر سے پانی لانے پر مامور ہوئے۔ امام حسینؑ نے تیس سوار اور بیس پیادے بیس مشکوں کے ساتھ آپ کے ہمراہ کر دیئے تھے چنانچہ جب نہر کے قریب پہنچے تو عمرو بن الحجاج جو نہر کا محافظ تھا مع اپنی سپاہ کے سدراہ ہوا۔ عباس نے سواروں کی جماعت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ ارشاد ص ۲۵۵۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور پیادوں سے فرمایا کہ تم تیزی سے اپنی مشکیں پانی سے بھر لو مختصر یہ کہ عباس کی قیادت میں مشکیں پانی سے بھر کر خیام حسینی میں پہنچا دی گئیں۔[1] اسی واقعہ کی بناء پر آپ کو ''سقاء'' کا لقب حاصل ہوا۔

ابن زیاد کا تحریری امان نامہ ٹھکرا دینا آپ کی وفا شعاری کا ایک بڑا کارنامہ تھا اس واقعہ میں اگر چہ تمام بھائی مشترک حیثیت رکھتے تھے مگر بہرحال آپ کے چھوٹے بھائی سب آپ کے مطیع تھے۔ اس لئے یہ سمجھنا بالکل درست ہے کہ دیگر بھائیوں کی وفاداری میں جناب عباس کی انتہائی پختگی اور جان نثاری بہت بڑی حد تک اثر انداز تھی۔

جب محرم کی نویں تاریخ سہ پہر کے وقت عمر سعد نے اپنی فوج کے ساتھ انصار حسینؑ پر دفعتہ حملہ کر دیا تھا تو عباس کو امام نے اس اچانک حملہ کا سبب دریافت کرنے پر مامور فرمایا۔[2]

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ عباس کی سنجیدگی، معاملہ فہمی، وفاداری اور شجاعت پر امام حسینؑ کو کتنا اعتماد تھا۔

چنانچہ عباس نے انتہائی صبر و سکون کے ساتھ اس نازک مرحلہ کو سر کیا اور ایک شب کے لئے جنگ ملتوی کرالی۔

شب عاشور جب امام نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا تھا کہ میں اپنی بیعت سے تم سب کو آزاد کرتا ہوں جس کا جدھر دل چاہے چلا جائے بلکہ تم میں کا ایک ایک میرے ایک ایک عزیز کو بھی اپنے ساتھ لیتا جائے تو عباس بے تاب ہو گئے تھے اور سب سے پہلے آپ نے اسی طرح اظہار خیال فرمایا تھا کہ ''ہم ایسا کس لئے کریں؟ کیا اس لئے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں، خدا وہ روز ہم کو نہ دکھائے''۔ آپ کے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۳۔ [2] ارشاد ص ۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بعد دوسرے اعزہ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔[1]

صبح عاشور جب حسینؑ نے اپنی اس مختصر سی جماعت کو بھی لشکر کے عنوان سے ترتیب دیا تو علمداری کا شرف ابوالفضل العباس کو عطا ہوا اور آپ نے اس آن بان کے ساتھ حسینی پرچم کی عزت کو قائم رکھا جو دنیا کی تاریخ میں یادگار ہے۔

میدان جنگ میں عباس وعلی اکبر سایہ کی طرح امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ رہے تھے چنانچہ اس وقت جب آپ نے اتمام حجت کی غرض سے ناقہ پر سوار ہو کر صفوف مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے تقریر فرمائی اور آپ کی آواز خیام اہل حرم تک پہنچی اور ان میں سے شور رونے کا بلند ہوا تھا تو آپ نے عباس وعلی اکبر کو بھیجا کہ انہیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت بعد کو آئے گا۔

عباس بن علیؑ کی شجاعت کا ایک بے نظیر موقع وہ تھا جب عمر بن خالد صیداوی وغیرہ چار مجاہد ایک ساتھ صفوف مخالف پر حملہ آور ہوئے تھے اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرتے ہوئے چاروں طرف سے گھر کر انصار حسینؑ سے بالکل جدا ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر حسینؑ نے عباس کو ان کی امداد کے لئے بھیجا تھا چنانچہ آپ نے تن تنہا حملہ کر کے ایسی تلوار چلائی کہ لشکر مخالف پراگندہ ہو گیا اور آپ ان زخمی مجاہدوں کو اپنے مستقر کی طرف واپس لے چلے تھے۔

حضرت ابو الفضل کی شہادت اصحاب و اعزہ میں سے سب کے آخر میں ہوئی ہے۔ دینوری کا بیان ہے کہ جناب عباس حضرت امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر تن تنہا آپ کی حفاظت میں مصروف ہو گئے اس طرح کہ جس طرف حضرت مڑتے تھے عباس بھی رخ موڑ دیتے تھے یہاں تک کہ آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد امام بالکل اکیلے رہ گئے۔[2]

دوسری روایت ہے کہ جب عباس اپنے تینوں بھائیوں کو امام پر نثار کر چکے اور سوا عباس اور حسینؑ کے کوئی ایسا باقی نہیں رہ گیا جو نصرت حسینؑ میں جہاد کرے تو

---

[1] ارشاد ص ۲۲۴۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابوالفضل العباس نے حسینؑ سے اذن جہاد طلب کیا۔

امام حسینؑ نے اپنے بھائی کے سراپا پر حسرت و یاس سے نظر کی اور فرمایا ''تم تو میرے علمدار ہو''۔ آپ نے عرض کیا ''اب مجھ کو بالکل تاب ضبط باقی نہیں اور زندگی میرے لئے بارگراں ہو رہی ہے''۔ امام نے فرمایا ''اچھا جاتے ہو تو پانی کی فکر کرنا''۔ عباس نے مشکیزہ لے لیا اور نہر کی طرف روانہ ہوئے فوج دشمن نے مزاحمت کی آپ نے حملہ کیا صرف اس لئے کہ نہر کا راستہ صاف ہو جائے۔

چنانچہ آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ نہر پر پہنچ کر مشکیزہ پانی سے بھر لیا اور چونکہ خود بھی آپ بہت پیاسے تھے اس لئے فطری طور پر ایک چلو پانی کا لے کر منہ کے قریب لے گئے اس طرح کہ جیسے پینا چاہتے ہیں مگر حسینؑ اور اطفال حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی اور آپ نے پانی چلو سے پھینک دیا اور اسی طرح بھرا ہوا مشکیزہ دوش پر سنبھال کر نہر سے نکلے اور خیمہ گاہ حسینی کی جانب روانہ ہو گئے۔ افواج مخالف کو ایک فرد واحد کے مقابلہ سے گریز کرنے پر غیرت دلائی جا چکی تھی اور ان کو اب یہ فکر تھی کہ پانی کسی طرح حسینؑ تک پہنچنے نہ پائے چنانچہ آپ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے اس وقت کے آپ کے مشکلات کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ دوش پر مشک واضح طور پر جنگ سے مانع تھی اور پھر ایک ہاتھ سے آپ کو حسینی علم بلند رکھنا بھی مقصود تھا مگر کیا کہنا آپ کی عدیم المثال جرأت و شجاعت کا کہ آپ نے اسی عالم میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ حملے کرنا شروع کر دیئے اور اس وقت آپ کی زبان پر یہ شعر جاری تھے۔ ''موت کتنے ہی نعرے لگائے میں موت سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ تلواروں کے سایہ میں زمین پر گرا دیا جاؤں۔ میرا نام عباس ہے مشک لے جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا اور ہنگام جنگ موت کی کوئی پروا نہیں کروں گا''۔

اس امر کو دشمنوں کی بزدلی کا مکمل اعلان سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے عباس کے ہاتھوں کی موجودگی اپنے لئے انتہائی خطرناک محسوس کی اور حکیم بن طفیل سنسبی نے آپ کے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی چونکہ عباس کو اپنی جان سے زیادہ علم کا خیال تھا اس لئے آپ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے علم کو گرنے نہیں دیا بلکہ بائیں شانے پر لے لیا اور فرمایا ''حالانکہ تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے دین کی حمایت نہ کر سکوں گا خدا کی قسم اس فرض کو تو میں ہمیشہ ہمیشہ انجام دیتا رہوں گا''۔

اس کے بعد زید بن ورقاء جہنی نے موقع پا کر آپ کے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی اور وہ بھی قطع ہو گیا عباس نے پشت فرس پر جھک کر علم کو سینہ سے روکنا چاہا ہی تھا کہ قبیلہ تمیم کے ایک شخص نے سر پر گرز کا وار کیا جس سے آپ زمین پر گر گئے اور بلند آواز سے پکارے کہ ''بھائی میری خبر لیجئے''۔

امام حسینؑ پر اس آواز کا جو اثر نہ ہوتا کم تھا۔ آپ مثل شاہین کے جھپٹ کر بھائی کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ عباس زخموں سے چور دونوں ہاتھ قطع، پیشانی شکستہ، ایک آنکھ میں تیر پیوست زمین پر دم توڑ رہے ہیں۔

امام عالم رنج و ملال میں سرہانے بیٹھ گئے یہاں تک کہ عباس کی روح نے جسد سے مفارقت کی اب کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا جسے امام اذن جہاد دیتے آپ لاش سے اٹھے اور آگے بڑھے تلوار نیام سے لی اور دائیں اور بائیں دشمنوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا جب وہ آپ کے سامنے سے بھاگتے تھے تو آپ فرماتے تھے ''بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بھائی کو مار ڈالا بھاگے کہاں ہو تم نے میرے بازو شکستہ کر دیئے ہیں''۔

اس کے بعد آپ اپنے مستقر پر واپس پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔

اب دشمنوں کی کثرت تھی اور اکیلے حسینؑ تھے۔ نصرت اسلام کا فریضہ تھا اور وہ متحکم عزم تھا جو اتنے مصائب اور عزیزوں کے داغ اٹھانے کے بعد بھی پہلے ہی کی طرح کوہ گراں کی صورت اپنی جگہ قائم و برقرار تھا۔

سطحی نظر سے مجاہدین کی یہ ترتیب خلاف قیاس سمجھی جا سکتی ہے اس لئے کہ عملی رہنمائی کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ خود میدان جہاد میں قدم رکھتے ہوئے عملی مثال پیش فرماتے۔ پھر آپ کے عزیز یکے بعد دیگرے جاتے اور آخر میں اصحاب کی نوبت آتی۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے نہج البلاغہ میں رسول اللہؐ کے طریقہ جنگ کے متعلق فرمایا ہے کہ آپ خطرہ کے موقعوں پر اپنے اہل بیت اور اعزہ کو آگے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رکھتے تھے اور انہیں اپنے اصحاب کی سپر بناتے تھے مگر میدان کربلا میں ترتیب اس کے خلاف رکھی گئی یہاں اصحاب پہلے میدان میں بھیجے گئے اور پھر اعزاء اور آخر میں خود امام حسینؑ تشریف لے گئے۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا اور دوسرے معرکوں کی نوعیت میں بڑا فرق تھا دوسرے ہر موقع پر یہ یقینی تھا کہ کچھ لوگ قتل ہوں اور کچھ صحیح و سلامت محفوظ رہیں۔ لہٰذا یہ کوشش کی جاتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خطرہ وہی برداشت کریں جو رسول اللہؐ کے ساتھ خاندانی تعلقات رکھتے ہوں اور وہ لوگ زیادہ سے زیادہ محفوظ رہیں جو غیروں کی حیثیت رکھتے ہوں مگر معرکہ کربلا میں عاشور کے دن یہ بالکل یقینی تھا کہ زندہ بچنے والا کوئی نہیں۔ بہرحال جتنے بھی ہیں ان سب کو شہید ہونا ہے جہاں تک خطرہ سے بچانے کی کوشش کا تعلق تھا وہ شب عاشورہ کی جا چکی تھی اور اس وقت حضرت امام حسینؑ نے باصرار تمام فرمایا تھا کہ ''مجھے تنہا اس خطرہ کو قبول کر لینے دو تم سب اپنی جانوں کو خطرہ میں مبتلا نہ کرو مگر ہر ایک نے اعزہ و اصحاب میں سے انکار کرتے ہوئے اپنی جانیں حسینؑ پر قربان کرنے کے عزم بالجزم کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے بعد اب یہ سوال تو باقی ہی نہیں رہا تھا کہ کون قتل ہو اور کون زندہ رہے۔ زندگی کی دلفریبیاں تو بہت پہلے ٹھکرائی جا چکی تھیں اب تو ہر ایک کے سامنے بس موت ہی تھی اب اس صورت میں سوال تھا تو صرف قبل اور بعد کا۔ مگر واقعہ کربلا کی نوعیت یہ تھی کہ جتنا وقت گزرتا جاتا تھا امتحان سخت تر ہوتا جاتا تھا پانی بند تھا ہی اور روز عاشور دن چڑھنے اور تمازت آفتاب میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ پیاس کی تکلیف لحظہ بہ لحظہ بہت بڑھتی جاتی تھی پھر اس حالت میں کثیر التعداد دشمنوں سے پیہم نبرد آزمائی، ساتھیوں کی جدائی اور ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جتنی بھی کسی مجاہد کی شہادت میں دیر واقع ہوتی تھی اس کا امتحان شدید تر ہوتا جاتا تھا۔

امام حسینؑ اپنے اصحاب اور اعزہ کی وفاداری پر کتنا ہی اعتماد کیوں نہ رکھتے ہوں مگر آپ ان پر اتنا بار نہیں ڈالنا چاہتے تھے جو ان کو قوت برداشت سے باہر ہوتا آپ کے لئے لازم یہی تھا کہ آپ دوسروں کے صبر و تحمل اور اپنی قوت برداشت کے امتیاز پر نظر رکھتے ہوئے نظام جنگ مرتب فرماتے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حقیقتاً حسینؑ کے لئے نسبتاً یہ بہت آسان ہوتا کہ سب سے پہلے آپ اپنی جان کا ہدیہ راہ حق میں پیش کر دیتے اس صورت میں آپ کی قربانی اپنی جان کی قربانی ہوتی اور اس کو کسی ایسے شہید کی قربانی سے بڑا درجہ نہ دیا جاسکتا جس نے کبھی بھی حمایت حق میں اپنے نفس کی قربانی پیش کی ہو۔

اس صورت میں آپ کی قربانی اس سے زیادہ وقیع نہیں سمجھی جا سکتی جتنی کہ بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کہ آپ دین حق کی تبلیغ کی وجہ سے سولی پر چڑھا دیئے گئے یا سقراط کی قربانی کہ ان کو اصول کی حمایت میں زہر کا جام پینا پڑا اور حسینؑ کے لئے اس منزل سے گزر جانا مشکل ہی کیا ہوتا جبکہ آپ اس باپ کے بیٹے تھے جس کا قول یہ تھا کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آپڑتی ہے یا موت پر میں جا پڑتا ہوں نیز یہ کہ موت سے اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا کہ بچہ پستان مادر سے مانوس ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ اس گھرانے کے بزرگ تھے جس کے بچوں کا یہ قول تھا کہ ''موت شہد سے زیادہ شیریں ہے'' بلکہ اس زمانہ میں ملک عرب کے ہر بہادر کا اصول زندگی یہ تھا کہ وہ موت کا تلواروں کے سایہ میں آنا اپنے لئے باعث مباہات سمجھتا تھا۔

مگر حسینؑ کی شہادت کو جو خاص امتیاز حاصل ہے وہ اسی لئے کہ آپ نے ایسے ہر ہر فرد کو جو آپ کی ذات سے دور کر یا قریب کا تعلق رکھتی تھی اپنی موجودگی میں راہ حق میں نثار کر دیا۔

انصاف سے دیکھا جائے تو تمام ساتھیوں کا ایک ایک کر کے جدا ہونا بھتیجوں کا آنکھوں کے سامنے دم توڑنا، جوان بیٹے کا خاک پر ایڑیاں رگڑنا اور جان نثار بھائیوں کا عالم جوانی میں موت کی نیند سو جانا یہ وہ مصائب تھے جن میں سے ہر ایک انسانی نفس کے لئے موت سے زیادہ ناقابل برداشت قرار پاسکتا ہے۔ حسینؑ کا کمال عمل محض یہی نہیں تھا کہ وقت اور موقع آنے پر آپ نے اپنی جان راہ خدا میں پیش کر دی بلکہ آپ کے نفس کا کمال یہ تھا کہ آپ نے جان سے عزیز تر ہستیاں رضائے حق کے راستے میں یکے بعد دیگرے قربان کر دیں اور جب تک صبر و تحمل کے ساتھ ان تمام دشوار گزار منازل کو طے نہ کر لیا اس وقت تک خود اپنی جان کا ہدیہ پیش نہیں کیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قوت برداشت کے اس خاص درجہ میں حسینؑ کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ عملی حیثیت سے اس بلندی نفس کی توقع کیا امام حسینؑ کے سوا کسی اور سے کی جاسکتی تھی جو اسے آپ اپنے بعد کے لئے چھوڑ دیتے؟

۱۶۔ طفل شیر خوار:

تمام اصحاب و اعزا کی شہادت کے بعد غالباً دشمنان دین یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ حسینؑ کے صبر و تحمل اور ان کے مقابلہ میں تشدد کی انتہا ہو چکی مگر ابھی ظالموں کے ترکش میں تشدد کا ایک زبردست تیر باقی تھا اور اس کے مقابلہ میں حسینؑ کو ایک زبردست قربانی پیش کرنا تھی جس پر ہر مذہب و ملت کا انسان یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ یزیدیوں کو انسانیت سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہ تھا۔

شیر خوار عبداللہ[1] جو "علی اصغر" کے نام سے مشہور ہیں اور آپ کی والدہ رباب بنت امراء القیس بن عدی کلبی تھیں جن کے بطن سے ایک صاحب زادی بھی متولد ہوئیں جن کا نام سکینہ بنت الحسینؑ تھا۔[2]

انسانیت لرزہ براندام تھی جب اس بچہ کو حسینؑ اپنے ہاتھوں پر لئے ہوئے تھے اور اس وقت ایک تیر ظلم نے باپ کے ہاتھوں پر بچہ کا کام تمام کر دیا۔[3] یہ تیر مارنے والا قبیلہ بنی اسد میں سے ایک ظالم تھا۔[4]

ایک روایت کے مطابق امام حسینؑ نے اس بچہ کو ہاتھوں پر بلند کر کے پانی کا سوال کیا اور اس وقت بجائے پانی پلانے کے سردار لشکر عمر سعد کے حکم سے حرملہ بن کاہل اسدی نے تیر لگا کر اس معصوم کو شہید کیا۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ ارشاد ص ۲۶۹۔ [2] ارشاد ص ۲۶۹۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۲۰ و ۲۵۷۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۵۷۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۵۔ ارشاد ص ۲۵۴۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

انتیسواں باب

جہاد آخر اور شہادت

یہ سب کچھ ہوا۔ اصحاب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ عزیز جدا ہو گئے بھتیجے قتل ہوئے بیٹا تلواروں سے ٹکڑے ہوا بھائی تہ تیغ ہوئے مگر امام حسینؑ نے کوئی ایسی جنگ نہیں کی جسے حسینؑ کی جنگ کہا جائے۔ ظاہری اسباب کی بناء پر ناواقف آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کو بذات خود جنگ کرنے کا حوصلہ نہیں، نبرد آزمائی کا ولولہ ہی نہیں حالانکہ حقیقت میں آپ کی جنگ کا لطف تو جب ہی تھا کہ جب آپ تلوار لے کر حملہ آور ہوتے اور ایک طرف عباس داد شجاعت دیتے ہوتے ایک طرف علی اکبر معرکہ جنگ میں جوہر دکھاتے ہوتے۔ ایک طرف اصحاب حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ ہوتے اس صورت میں جنگ کا منظر دوسرا ہی ہوتا مگر حسینؑ نے سب کو دنیا سے ایک ایک کر کے رخصت ہو جانے دیا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کی پھر اب جبکہ دن بھر کی دھوپ سر پر پڑ چکی ساتھیوں اور عزیزوں کے غم نے دل کو شکستہ کر دیا۔ کمر عباس کے مرنے سے ٹوٹ چکی اور آنکھوں کی بصارت علی اکبر کے ساتھ گویا جا چکی۔ یہ ستاون برس کی بڑھاپے کی عمر کا انسان اب اس عالم میں بھلا تلوار کھینچ سکتا ہے اور جنگ کر سکتا ہے؟ مگر حسینؑ کو تو کربلا میں صبر و برداشت کی منزلوں کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ فرائض کے حدود دکھلانا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن کے سامنے ''سپردگی'' آئین اسلام کے خلاف ہے حفاظت خود اختیاری کے لئے دفاع آخری امکان کے درجہ تک ہر انسان کا فرض ہے۔ حسینؑ نے اس فرض کو اس وقت انجام دیا جب کوئی دوسرا انسان اسے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

اب علی اصغر کو نذر راہ خدا کرنے کے بعد حسینؑ کے پاس کوئی ایسی قربانی نہ تھی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جسے وہ حق کی بارگاہ میں پیش کرتے۔ اب بس ایک آخری مرحلہ تھا جو آپ کے لئے پہلے ہی بہت آسان تھا۔ آپ نے اسے خود اب تک اپنے لئے مشکل سے مشکل تر بنایا تھا اب جبکہ یہ تمام مشکلیں ختم ہو چکی ہیں اب جبکہ منزل عمل کے درمیانی قلعوں کو تمام و کمال فتح کر چکے ہیں ظاہری طور پر آپ سے بڑھ کر اس وقت دل شکستہ کوئی نہیں مگر حقیقتاً آپ سے بڑھ کر اس وقت کامیابی کے احساس سے بالیدہ کوئی دوسرا نہیں۔ کسی کے قدم جن راستوں کے تصور سے ڈگمگا سکتے تھے انہیں آپ عملی طور پر استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ طے کئے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ سے بڑھ کر اس وقت فتحمندی کا احساس کسی دوسرے کو ہو نہیں سکتا تھا۔ اب آپ کے لئے اپنا سر شمشیر قاتل کے سپرد کر دینا تھا۔ یہ بالکل آسان تھا مگر وہ پیغمبر اسلامؐ کے نواسے اور علیؑ کے بیٹے نہ ہوتے اگر اپنا سر جھکا کے خاموشی سے دشمنوں کو دعوت دے دیتے کہ آؤ یہ سر قلم کر لو۔ ہونے والا ہے آخر میں یہی مگر ذرا میدان جنگ کو بدر و احد، خندق و صفین کا نمونہ بن جانے دو۔ ذرا بھولی ہوئی دنیا کو علیؑ کی یاد آ جانے دو۔ ذرا نہ دیکھی ہوئی آنکھوں کے سامنے حمزہ و جعفر کی تصویر کھنچ جانے دو۔

آج ہی تو موقع آیا ہے کہ حسینؑ اپنے نانا کے اس قول کو سچ کر دکھائیں کہ حسینؑ کو میری جرأت و سخاوت میراث میں ملی ہے۔ سخاوت کے مظاہرے بہت ہوئے تھے مگر جرأت کے عملی اظہار کا وقت اب آیا ہے اور سچ پوچھئے تو رسول اللہ کو میدان جنگ میں عام طور پر تلوار لے کر خود جہاد کا موقع نہیں ملا اس لئے کہ ساتھ والے موجود رہے۔ حسینؑ بھی جب تک ایک لائق جنگ مجاہد بھی ساتھ رہا اپنے نانا رسول اللہؐ کی بالکل تصویر بنے رہے مگر اب جب کہ آپ کی حمایت میں تلوار کھینچنے والا کوئی باقی نہیں رہا تو حسینؑ نے یہ دکھلا دیا کہ اگر ضرورت ہوتی تو میرے نانا رسول اللہؐ بھی عملی حیثیت سے کس پایہ کی شجاعت و جرأت کا مرقع کھینچتے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آپ رخصت کے لئے خیمہ میں آئے اور ایک یمنی چادر کو جا بجا سے چاک کر کے باقی لباس کے نیچے پہنا۔[1] شاید اس لئے کہ بعد شہادت جب لباس کو لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ کپڑا جسم پر رہ جائے اس کے بعد میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حسینؑ غمزدہ، دل شکستہ، تشنہ و گرسنہ ہونے کے باوجود تن تنہا جب تلوار کھینچ کر فوج مخالف پر حملہ آور ہوئے تو تمام گزشتہ بہادروں کے کارنامے محو ہو گئے اور انسانی حافظہ میں قیامت تک اس شجاعت و جرأت کی تصویر محفوظ رہ گئی۔

مگر یہ غیر مساوی جنگ ظاہری اعتبار سے اب عنقریب ختم ہونے والی تھی اس لئے کہ ایک کا ہزاروں سے مقابلہ کہاں تک جاری رہ سکتا تھا۔ تاہم آپ نے اپنے دشمنوں کے دلوں میں وہ دھاک بٹھا دی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی آپ کا مقابلہ کرنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ یزیدی افواج کی اس سراسیمگی کو دیکھ کر شمر نے فوج کو للکارا اور نئے سرے سے ترتیب لشکر کو درست کر کے سواروں کو پیادوں کے پیچھے کھڑا کیا اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر باراں کریں اتنی شدت سے تیر برسائے گئے کہ جسم حسینؑ ساہی کے کانٹوں کی طرح ہوگیا۔

اس وقت دوبارہ شمر نے چلا کر کہا ''خدا تم سے سمجھے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو انہیں قتل کرو خدا کرے تمہاری مائیں تمہیں روئیں''۔

اس طرح غیرت دلائے جانے کے بعد لشکر بے کراں حسینؑ پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا اور آپ پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسنے لگا جس سے یقین ہے کہ گھوڑا بھی کافی زخمی ہوگیا ہوگا اور اس سے مجبور ہو کر آپ پشت فرس سے زمین پر تشریف لائے مگر پیادہ ہونے کے بعد بھی آپ نے مقابلہ جاری رکھا۔

اثنائے جہاد میں ایک موقع ایسا آیا کہ حضرت تمام فوج کو بھگا کر نہر تک پہنچ گئے۔ دشمنوں کو اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں پانی سے سیراب نہ ہو جائیں اس وقت حصین بن

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۴۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تمیم نے تیر لگایا جو آپ کے دہن پر پڑا اور خون منہ سے ابلنے لگا۔ آپ نے چلو میں خون لیا آسمان کی طرف اچھال دیا اور پھر شکر خدا کا ادا کیا۔[1]

اسی اثناء میں بے حیا لشکر یزید کا ایک دستہ اپنی شکست کی خفت کو مٹانے کے لئے شمر کی قیادت میں خیام حسینی کی طرف جس میں اہل حرم تھے غارت گری کے ارادہ سے متوجہ ہوا اور آپ کے اور خیام کے بیچ میں حائل ہو گیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ آپ نے پوری فوج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''اگر تمہیں مذہب کا پاس اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے تب بھی دنیا میں اپنی قومی شرافت کا ثبوت دو ابھی میں زندہ ہوں میرے خیام سے تعرض نہ کرو شمر اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا اور خیام کی طرف سے پلٹ آیا۔[2]

اب شمر نے پیادوں کو اپنے ساتھ لے کر خود آپ کا محاصرہ کر لیا مگر عالم یہ تھا کہ جس طرف آپ رخ کرتے تھے ادھر کی جماعت منتشر ہو جاتی تھی۔[3]

غالباً اسی موقع کا تذکرہ فوج دشمن کے ایک سپاہی نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ میں نے کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا جو زخمی ہو چکا ہو اور اس کے اولاد، عزیز اور ساتھی سب قتل ہو چکے ہوں اور پھر وہ حسینؑ کا ایسا مطمئن اور ثابت قدم نظر آئے اور ان کی سی جرأت و ہمت سے مقابلہ کرے۔ حالت یہ تھی کہ پیادے چاروں طرف سے انہیں گھیرتے تھے اور وہ تلوار لے کر ان پر حملہ کر دیتے تھے تو وہ سب داہنے بائیں سے یوں ہٹتے تھے جیسے گوسفندوں کا غول بھیڑیئے کے حملہ کے وقت منتشر ہو۔[4]

اس وقت آپ کی زبان پر یہ تاریخی الفاظ تھے جن سے ایک طرف فریضہ ہدایت پورا ہو رہا تھا اور دوسری طرف نتائج کی طرف صاف اشارہ تھا۔

''یاد رکھو کہ اللہ میرے قتل سے انتہائی ناراض ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ تمہارے ذلت دینے سے اللہ مجھے عزت دے گا اور پھر میرا بدلا تم سے اس طرح لیا جائے گا جس کا تمہیں اس کے قبل تصور بھی نہ ہوگا۔ یاد رکھو کہ مجھے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۸۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۵۹۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۵۹۔ ارشاد ص ۲۵۶۔ ۲۵۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قتل کرنے کے بعد خود تمہارے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا۔ خانہ جنگیاں ہوں گی اور بالآخر تمہارا خون بھی بہایا جائے گا۔ پھر اس کے بعد آخرت کی سزا وہ اس سے بھی زیادہ ہے''۔[1]

اس کے بعد آپ پر ہر جانب سے شدت کے ساتھ حملے ہونے لگے اور آخر زخموں سے چور ہو کر آپ زمین پر گر گئے اور کھڑے ہونے کی قوت باقی نہ رہی۔

۱۷۔ عبداللہ بن الحسینؑ:

آپ حسنؑ بن علیؑ کے فرزند تھے۔ آپ کا سن اپنے بھائی قاسم سے بھی کم تھا اور آپ کی والدہ ام الرباب بنت امراء القیس، رباب مادر سکینہ و علی اصغر کی بہن تھیں۔

جب امام حسینؑ زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے اس وقت آپ خیمہ سے برآمد ہوئے اور امام کی طرف چلے۔ جناب زینب بنت علیؑ نے آپ کو روکنا چاہا مگر آپ کسی طرح نہ رکے اور دوڑتے ہوئے امام کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت بحر بن کعب بن عبید اللہ تیمی حضرت پر تلوار کا وار کرنا چاہتا تھا آپ نے اس سے کہا ''زن خبیثہ کے بیٹے کیا تو میرے چچا کو قتل کرے گا؟'' مگر اس پر بھی جب اس نے تلوار کا وار کر ہی دیا تو آپ نے اسے ہاتھ پر روکا۔ ہاتھ جلد کے آخری حصہ تک کٹ کر لٹکنے لگا اور آپ کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔ ''یا اماہ'' امام حسینؑ نے آپ کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ بیٹے صبر کرو، اس مصیبت پر اور اس کے اجر و ثواب کے منتظر رہو۔ تم بھی اپنے بزرگوں یعنی رسول اللہؐ، علیؑ بن ابی طالبؑ، حمزہؓ، جعفرؓ، اور حسنؑ کی خدمت میں پہنچا چاہتے ہو۔[2]

ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ حرملہ نے چلہ کمان میں جوڑ کر تیر مارا جس سے عبداللہ کی شہادت واقع ہوئی۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۔ [2] ارشاد ص ۲۵۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۸۔ امامؑ کی شہادت:

دیر تک حضرت امام حسینؑ خستہ و مجروح بر سر خاک باقی رہے جب کہ آپ کو شہید کر دینے سے بظاہر کوئی امر مانع نہ تھا مگر ہر شخص اس جرم عظیم کے ارتکاب سے بچنا چاہتا تھا۔[1] شمر للکارا کہ آخر اب کیا انتظار ہے؟ آخر مالک بن نسر بدی آگے بڑھا اس نے آپ کے سر پر تلوار لگائی جو کاسہ سر تک پہنچ گئی۔[2] بالآخر زرعہ بن شریک کی تلوار[3] سنان بن انس کا نیزہ[4] اور پھر شمر بن ذی الجوشن کا خنجر وہ تھا جس نے اس مجسمہ حق کی شمع حیات گل کر دی، سچائی کی گردن قلم ہوئی اور شہید حق، شہید انسانیت، شہید راہ خدا کا سر نیزہ پر بلند کر دیا گیا۔

۱۰ محرم ۶۱ھ کی وہ یادگار تاریخ جمعہ کا دن ہے کہ انسانی تاریخ کا یہ سب سے اہم واقعہ رونما ہوا۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۵۔ ارشاد ص ۲۵۷۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۰ نے مالک بن بشر کندی لکھا ہے الاخبار الطوال ص ۲۵۵۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۵۵۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۶۰۔ الاخبار الطوال ص

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تیسواں باب

شہادت کے بعد

حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اقرباء و انصار کے شہید کئے جانے پر مظالم کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ آپ جو لباس پہنے ہوئے تھے وہ بھی اتار لیا گیا۔[1]

اسحاق بن حیوۃ حضرمی نے قمیص لی۔ بحر بن کعب نے زیر جامہ۔ اخنس بن مرثد نے عمامہ۔ بنی دارم کے ایک شخص نے تلوار[2] اور قیس بن اشعث نے قطیفہ (چادر یمانی) جو خز کی تھی لے لی۔ اسی لئے کوفہ میں وہ ''قیس قطیفہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔[3] اس کے بعد یزیدی فوج نے خیام اہل بیت نبوی پر چھاپہ مارا اور ان میں کا تمام اسباب و سامان لوٹ لیا۔[4] حتیٰ کہ مخدرات عصمت کے سروں سے چادریں تک اتار لیں۔[5]

اس کے بعد خیموں میں آگ لگا دی گئی اور عمر سعد نے اپنی فوج میں آواز دی کہ کون کون ایسے ہیں جو لاش حسینؑ کو گھوڑوں سے پامال کرنے کے لئے تیار ہوں اس پر دس آدمی آمادہ ہوئے جنہوں نے لاش مطہر کے ساتھ اس ظلم کو بھی انجام تک پہنچایا۔[6]

سر امام حسینؑ جو تن سے جدا کیا جا چکا تھا خولی بن یزید اصبحی کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس پہلے روانہ کیا گیا۔[7]

پھر کچھ شہداء کے سر قطع کر کے اس کے بعد شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث،

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۹۔ [2] ارشاد ص ۲۵۷۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۶۰۔ ایک روایت میں اس شخص کا نام عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث ہے اور لکھا ہے کہ وہ ''عبدالرحمٰن قطیفہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ (کتاب البلدان ص ۱۷۲)۔ [4] الاخبار الطوال ص ۲۵۶۔ [5] طبری ۶ ص ۲۶۰۔ [6] طبری ج ۶ ص ۲۶۱۔۲۶۲۔ ارشاد ص ۲۵۸۔ [7] الاخبار الطوال ۲۵۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عمرو بن الحجاج اور عزرہ بن قیس کے ساتھ روانہ کئے گئے۔[1]

امام حسینؑ کے پسماندگان میں صرف ایک بیمار فرزند علیؑ بن الحسینؑ پردہ نشین خواتین اور کچھ چھوٹے بچے رہ گئے تھے جو رات بھر خیموں کے جلنے کے بعد اسی کھلے ہوئے صحرا میں مقیم رہے۔

۱۱ محرم کو عمر بن سعد نے اپنی فوج کے کشتوں کو جمع کیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔[2] مگر شہدائے راہ خدا کی لاشیں اسی طرح بے دفن چھوڑ دیں اور شام ہوتے ہوتے اہل بیت رسول کو بطور قیدیوں کے ساتھ لے کر ابن سعد کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا اور بقیہ شہداء کے سروں کو جو تعداد میں بہتر تھے نیزوں پر بلند کر کے ساتھ لے گئے۔[3]

لاشہائے بے سر کو لشکر یزید کے کربلا سے چلے جانے کے بعد قبیلہ بنی اسد نے جو کربلا سے تھوڑی دور پر غاضریہ میں رہتا تھا آ کر دفن کیا۔[4]

حضرت امام حسینؑ کو اسی مقام پر جہاں کہ اس وقت ضریح موجود ہے اور آپ کے پائین پا علی اکبر کو[5] جناب عباس کو غاضریہ کے راستہ پر نہر فرات کے قریب جہاں کہ آپ شہید ہوئے تھے اور دوسرے اعزاء اور اصحاب کو ایک گڑھا کھود کر یکجا دفن کر دیا جن کے قبور کا وثوق کے ساتھ معین کرنا موجودہ ماخذوں کے لحاظ سے غیر ممکن ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ امام حسینؑ کے گرد و پیش ہی دفن ہیں اور حائر کا احاطہ ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔[6] شہداء کے سر جب کوفہ پہنچ گئے تو شمر نے ان سروں کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔[7]

اس موقع پر ابن زیاد نے سر امام حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی جسارت کی اور وہ ایک چھڑی سے آپ کے لب و دنداں پر ضرب لگانے لگا یہ گستاخی دیکھ کر زید بن ارقم صحابی رسول کو تاب نہ رہی۔ انہوں نے کہا ارے یہ لب وہ ہیں جن پر میں نے خود رسول اللہؐ کے لبوں کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا اور یہ کہہ کر رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا اگر تم

---

[1] ارشاد ص ۲۵۸۔ [2] طبری ج ۶ ص۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۵۶۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۶۰ ارشاد ص ۲۵۸ الاخبار الطوال ص ۲۵۷۔ [5] ارشاد ص ۲۵۸۔ [6] ارشاد ص ۲۶۵۔ [7] الاخبار الطوال ص ۲۵۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بوڑھے نہ ہوتے اور عقل نہ جا چکی ہوتی تو میں ابھی تمہاری گردن مارنے کا حکم دے دیتا۔ زید بن ارقم اٹھ کر ابن زیاد کو برا کہتے اور مسلمانوں کو اس کی حکومت تسلیم کرنے پر لعنت ملامت کرتے چلے گئے۔[1]

ادھر اہل بیت نبوت کا لٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی شکل سے اسی شہر کوفہ میں کہ جہاں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے دور حکومت میں زینبؑ و ام کلثومؑ شاہزادی کی حیثیت سے رہ چکی تھیں لایا جا رہا تھا مگر قبل اس کے کہ وہ خود شہر میں داخل ہوں حاکم کی طرف سے یہ منادی کر دی گئی تھی کہ اس موقع پر کوفہ میں کوئی شخص سلاح جنگ کے ساتھ گھر سے باہر نہ نکلے نہ کوئی شخص ہتھیار لگائے ہوئے کوفہ کی سڑکوں پر دکھلائی دے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ پر کسی خاص دہشت کے سبب سے سوار اور پیادوں کے بڑی تعداد میں پہرے بٹھلا دیئے گئے۔ تماشائیوں میں سے بعضوں کو اصل واقعہ کی خبر تھی اور بعض بے خبر حکومت کے بیان پر اعتبار کرتے ہوئے یہی سمجھتے تھے کہ مخالفین اسلام کی جماعت پسپا ہوئی ہے اور ان کے اہل و عیال گرفتار ہو کر آ رہے ہیں۔ سہل شہر زوری حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر عین اسی وقت کوفہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ بازار سجا ہوا ہے تماشائیوں میں سے اکثر کے چہروں پر مسرت کے آثار نمایاں ہیں مگر ان ہی میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے چہرے اداس ہیں۔ انہوں نے بڑھ کر ایک بوڑھے سے حال دریافت کیا وہ ان کو ایک گوشہ میں لے گیا اور بچشم گریاں خاندان رسالت کی تباہی پر مندرجہ ذیل اشعار پر مشتمل مرثیہ پڑھ کر ان کو حقیقت حال سے مطلع کیا۔

الم تران الشمس اضحت مریضه　　لقتل الحسین والبلاد اضمحلت

وکانو غیاثاثم اضحوازیة　　لقد عظمت تلک الرزایا وجلت

و ان قتیل الطف من ال هاشم　　اذل رتاب المسلمین و ذلت

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قتل حسینؑ سے سورج کو گہن لگ گیا اور تمام آبادیاں مغموم ہو گئیں۔ ہائے افسوس خاندان رسالت تو لوگوں کے لئے فریاد

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۰۔ طبری ج ۶ ص ۲۶۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رس تھا لیکن آج وہ خود مبتلائے مصیبت ہو گیا اور سچ تو یوں ہے کہ یہ مصیبتیں بڑی عظیم اور سخت تھیں۔ بہ تحقیق شہید کربلا کی شہادت سے مسلمانوں کی گردنوں میں رسوائی اور ذلت کا طوق پڑ گیا اور دراصل وہ ذلیل ہو گئے"۔

ابھی یہ مرثیہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ شادیانوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ اہل بیت رسولؐ کا تباہ حال قافلہ شہر میں داخل ہو گیا آگے آگے نیزوں پر شہداء کے سر تھے اور ان کے پیچھے اسرائے آل محمدؐ تھے۔ ایک عورت جو اس منظر کو دیکھنے کے لئے اپنے کوٹھے پر بیٹھی ہوئی تھی قیدیوں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگی کہ "تم کس قوم و قبیلہ سے ہو؟ جواب دیا گیا کہ "ہم اسرائے آل محمدؐ ہیں"۔ یہ سننا تھا کہ ایک کہرام برپا ہو گیا گریہ و زاری کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہل بیت نبوت کے لئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہنچ گئی اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔

اگر چشم حقیقت بین سے دیکھا جائے تو ایک طرف نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدہء خالق کا نشان پڑا ہوا اور چہرے سے نور ساطع تھا اور دوسری طرف مخدرات عصمت جو نامحرموں کے مجمع میں چادر و مقنع سے محروم کر دیئے جانے کے بعد بھی غیرت و حیاء کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر بنی ہوئی جاہ و جلال کی چادروں میں پنہاں طہارت و عفت کے لباس میں ملبوس تھیں۔ دونوں نے سچائی کے پیکر میں روح پھونک دی اور دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینک یا۔

اس موقع پر جبکہ آلؑ رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ سے اس بے کسی کے عالم میں گزر رہا تھا کہ اس کو دیکھ کر پتھر کا دل بھی پگھل جاتا۔ زنان کوفہ نے فطری طور پر بے چین ہو کر رونا شروع کیا تو علیؑ بن الحسینؑ (سید سجادؑ) نے ضعف و ناتوانی کے باعث تھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ "تم ہی نے تو ہمارا خون بہایا اب تمہاری عورتیں ہمارے حال پر رو رہی ہیں؟ ہمارا اور تمہارا فیصلہ خدا کے سپرد ہے"۔ پھر ذرا غم و الم کی تاثیر میں اضافہ ہوا اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مرد و زن سب مل کر رونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ ''تم لوگ ہماری مصیبت پر نالہ وشیون کر رہے ہو۔ پھر آخر ہم کو تباہ و برباد کس نے کیا ہے؟'' بشیر بن خزیم اسدی ناقل ہے کہ اس وقت زینبؑ بنت علیؑ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور موعظہ فرمانا شروع کیا۔ میں نے کبھی ایک پردہ نشین خاتون کو آپ کی طرح پرزور تقریر کرتے نہ سنا تھا۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی زبان سے آپ کے پدر بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ بول رہے ہیں۔

آپ نے لوگوں کی طرف سکوت اختیار کرنے کا اشارہ کیا جس سے ہر طرف خاموشی چھا گئی آپ نے فرمایا کہ ''حمد کا سزاوار اللہ ہے اور صلوٰۃ وسلام میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰؐ اور ان کی عترت سے مخصوص ہے۔ اے اہل کوفہ اے اہل مکر و دغا، تم روتے ہو؟ خدا کرے تمہارے آنسوؤں کو تھمنا نصیب نہ ہو اور تمہاری نوحہ و فریاد کی آوازوں میں سکون پیدا نہ ہونے پائے''۔ پھر آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا۔

''کیا تم لوگ سچ مچ آنسو بہا رہے ہو؟ اور چیخیں مار مار کر رو رہے ہو؟ حقیقتاً تمہارے لئے ہے بھی یہی بہتر کہ زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ تم نے سمجھنے کی کوشش بھی کی کہ کس طرح تم نے رسولؐ خدا کے جگر کو چاک کیا؟ ان کے محترم اہل حرم کو بے پردہ کیا اور ان کی ہتک حرمت کی؟ کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ آسمان نے خون برسایا؟ یہ تو کچھ نہیں آخرت کا عذاب بہت سخت ہو گا اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا اس چند روزہ مہلت سے خوش نہ ہونا، خدا کو جلد بازی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کو موقع کے ہاتھ سے جانے کا اندیشہ نہیں۔ بلاشبہ وہ تمہیں ایک وقت تک تمہارے حال پر چھوڑے رہے گا''۔ راوی ناقل ہے کہ آپ کی اس دل ہلا دینے والی تقریر کے دوران میں میرے گرد و پیش تمام سامعین حالت اضطراب میں دانتوں میں انگلیاں دبائے ہوئے رو رہے تھے اور ایک بوڑھے کو میں نے دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ ''میرے ماں باپ تم پر نثار تمہارے بوڑھے تمام دنیا کے بوڑھوں سے تمہارے جوان تمام جوانوں سے تمہاری عورتیں تمام عورتوں سے اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تمہاری نسل تمام نسلوں سے افضل و بہتر ہے نہ وہ کبھی ذلیل کی جاسکتی ہے نہ رسوا"۔

آپ کے بعد فاطمہ بنت الحسینؑ، ام کلثوم بنت علیؑ اور زین العابدینؑ (علیؑ بن الحسینؑ) نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے جن سے اہل کوفہ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ گئے اور حکومت نے بے خبری اور عوام فریبی کا جو طلسم قائم کیا تھا ٹوٹ گیا۔

حسینی شخصیت کا اثر اتنا زبردست تھا کہ خود حسینؑ کے قاتلوں میں سے ایک جب سر حسینؑ لئے ہوئے دربار ابن زیاد میں پہنچا تو اس کی زبان پر حسینؑ ابن علیؑ اور آپ کے شخصی اور خاندانی خصوصیات کے تذکرہ میں مندرجہ ذیل اشعار جاری ہوئے۔

املا رکابی فضة و ذهبا　　فقد قتلت الملک المحجبا

ومن یصلی القبلتین فی الصبا　　رخیرهم اذیذکرون النسبا

قتلت خیر الناس اما و ابا

(یعنی) "میرے پالان شتر کو طلاء و نقرہ سے بھر دیجئے کیونکہ میں نے (آپ کی خاطر سے) ایک بڑے ذی عزت بادشاہ کو قتل کیا ہے۔ اسے جو بچپنے میں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھ چکا تھا اور حسب و نسب میں دنیا بھر سے بہتر تھا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ دنیا میں سب سے بہتر تھے"۔

اس کے ضمیر کی آواز اضطراری طور پر اس کے منہ سے باہر نکل رہی تھی درآنحالیکہ اس نے محسوس نہ کیا کہ اس کے یہ الفاظ سیاست بنی امیہ کے لئے کس درجہ مضر ثابت ہوسکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن زیاد نے غضب ناک ہوکر اس سے کہا کہ "اگر تو انہیں ایسا ہی سمجھتا تھا تو پھر ان کے قتل میں شریک کیوں ہوا؟ تجھے مجھ سے کسی اچھے سلوک کی توقع نہ رکھنا چاہئے بلکہ میں خود تجھے بھی ان ہی کے پاس بھیج دوں گا"۔ چنانچہ وہ شخص اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے دربار میں پسماندگان حسینؑ کی حاضری کا حکم دیا چنانچہ خاندان

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رسالت کو قیدیوں کی حیثیت سے لا کر ابن زیاد کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اس نے ان کا دل دکھانے کے لئے امام حسینؑ کے دندان مبارک کو چھڑی سے ضرب لگانا شروع کیا۔ یہ بے ادبی دیکھ کر یزید بن ارقم صحابی رسولؐ نے کہا کہ یہ وہ لب و دندان ہیں جن کے رسولؐ بوسے لیا کرتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق انس بن مالک دربار میں موجود تھے وہ روئے اور کہنے لگے کہ حسینؑ سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ تھے۔[1]

اس موقع کے لئے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ نے پہلے ہی لباس میں تبدیلی کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ بہت پست اور معمولی درجہ کے کپڑے پہن لئے تھے اور اب اس وقت کنیزوں نے آپ کے گرد حلقہ باندھ لیا تھا۔[2] مگر خلقی عظمت و جلال چھپانے سے نہیں چھپتے چنانچہ ابن زیاد نے زینب کبریٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ کون عورت ہے؟ تین دفعہ اس نے یہی کہا مگر کچھ جواب نہ ملا آخر ایک کنیز نے کہہ دیا۔ ارے یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں یہ سن کر ابن زیاد نے جو فتح و ظفر کے نشہ میں چور تھا آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''خدا کا شکر کہ اس نے تم لوگوں کو رسوا کیا تمہیں قتل کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا''۔

''تم لوگوں'' کے خطاب کے ساتھ اس فقرہ میں کہ ''تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا''۔ بڑی وسعت تھی اس میں قرآن، حدیث، رسالت اور وحی سب کا انکار مضمر تھا۔ اب اسلامی اصول پر حملہ ہو رہا تھا جس پر حضرت زینبؑ نے خاموش رہنا اپنے لئے روا نہ جانا، فرمایا۔

''حمد ہے اس خدا کے لئے جس نے ہم کو عزت دی محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اور ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ اس طرح جو حق ہے پاکیزہ قرار دینے کا نہ وہ کہ جو تو کہتا ہے، رسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو اور جھوٹ اس کا کھلتا ہے جس کے مدنظر ہمیشہ سچائی نہ رہے اور وہ ہم نہیں ہیں ہمارا غیر ہے''۔

اگر غیرت ہوتی تو ابن زیاد کو منفعل ہونا چاہئے تھا مگر وہاں تو اقتدار کا نشہ اور

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۸۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۶۲۔ ارشاد ص ۲۵۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سلطنت کا غرور تھا اسے خواہ مخواہ جناب زینبؑ کا دل دکھانے کا خیال پیدا ہوا اور یہ کہنے لگا ''دیکھا تم نے اللہ نے تمہارے بھائی اور دیگر عزیزوں کے ساتھ کیا کیا؟''

یہ طنزیہ فقرہ ایک عورت کے دل پر جو اثر کرسکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر جناب زینبؑ نے متانت کے ساتھ جواب دیا ''میں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھا وہ خاصان خدا وہ تھے جن کے لئے شہادت کا درجہ خط تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا اور وہ اپنے پیروں سے چل کر قربان گاہ کی طرف گئے او وہ دن بھی دور نہیں کہ جب پیش خدا تیرا اور ان کا مقابلہ ہوگا اور تجھ کو اپنے کرتوت پر جواب دہی کرنا ہوگی''۔[1]

اس پر ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور اس نے آپ کو تازیانہ سے ایذا رسائی کا ارادہ کیا مگر عمرو بن حریث وغیرہ کے سمجھانے سے باز رہا۔ پھر بھی اس نے آپ کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ ''خدا نے میرے دل کی مراد پوری کر دی تمہارے سرکش بھائی اور گھرانے کے دوسرے نافرمان اور باغی اشخاص کو قتل کر کے'' اس کے اس طرز کلام سے زینب کبریٰؑ کے دل پر چوٹ لگی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر آپ نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اس کے جواب میں کہا کہ ''ہاں بے شک تو نے میرے عزیزوں کو قتل کیا ہے، میری شاخوں کو کاٹ ڈالا ہے اور میری جڑ کو اکھاڑ کر پھینکو یا ہے۔ اگر تیری مراد اس سے بر آ گئی ہے تو خوش ہو لے''۔

اس نے کہا ''یہ بڑی قافیہ باز عورت ہے اور اس کے باپ بھی تو شاعر اور قافیہ باز تھے''۔

جناب زینبؑ نے پھر سکوت مناسب نہ سمجھتے ہوئے فرمایا ''بھلا ایک عورت کو قافیہ بندی اور شاعری سے کیا تعلق؟ اور میں تو اس عالم میں ہوں کہ مجھے قافیہ بندی کا ہوش کہاں لیکن دل کی آواز تھی جو میرے دہن سے نکل گئی''۔[2]

اس کے بعد وہ حسینؑ کے بیمار فرزند کی طرف مخاطب ہوا اور آپ کا نام دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا ''علیؑ بن الحسینؑ''۔ وہ کہنے لگا ''کیا اللہ نے علیؑ بن الحسینؑ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۲۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو قتل نہیں کیا؟'' آپ نے سکوت کیا۔ ابن زیاد نے کہا ''کیوں کچھ بولتے کیوں نہیں؟'' آپ نے فرمایا کہ ''میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علیؑ تھا جن کو لوگوں نے قتل کر دیا''۔ اس نے کہا ''نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا''۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ اللہ یتوفی الانفس حسین موتھا. یعنی ''اللہ ہی موت کے وقت قبض روح کرتا ہے''۔ یہ اور بات ہے۔ وہ بولا کہ ''یہ بچہ نہیں ہے سمجھدار ہے لے جاؤ اس کو بھی قتل کرو'' یہ سننا تھا کہ جناب زینب کبریٰؑ دوڑ کر بھتیجے سے لپٹ گئیں اور کہا مجھے بھی ان ہی کے ساتھ قتل کیا جائے۔ جناب زینبؑ کی اس بے تابی سے وہ ظالم بھی متاثر ہوگیا اور کہا ''رہنے دو! ان عورتوں کو لے کر یہی جائے گا''۔[۲]

لیکن موت پانے والے بیمار نے نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ فرمایا کہ۔

''ابن زیاد! تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت''۔

یہ وہ پرشکوہ آواز تھی جو دربار ابن زیاد میں گونجی اور ہر شخص نے سہم کر اس کو سنا ابن زیاد عرق انفعال میں ڈوب گیا۔

اس نے دربار برخاست کر دیا لیکن قیدیوں کو اس وقت تک کے لئے قید خانے میں رکھے جانے کا حکم دیا جب تک کہ دمشق سے ابن زیاد کا قاصد اس کے تہنیت نامہ کا جواب لے کر واپس نہ آجائے۔

اس کے بعد ابن زیاد نے تمام اہل کوفہ کو مسجد جامع میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

جب لوگ جمع ہوگئے تو عبید اللہ بن زیاد نے منبر پر جا کر بطریق اعلان عام یہ ناروا کلمات اپنی زبان پر جاری کئے کہ۔

''الحمد اللہ الذی اظھر الحق واھلہ و نصر امیر المومنین یزید بن معاویۃ وجزبہ و قتل الحسین بن علی و شیعۃ''

ان الفاظ میں اپنی فتح کا اعلان کرتے ہوئے جناب امیرؑ اور حضرت امام حسینؑ

---

۱ طبری ج ۶ ص ۲۶۳ ۲ طبری ج ۶ ص ۲۶۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے لئے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے جن کے سنتے ہی عبداللہ بن عفیف ازدی کھڑے ہو گئے یہ شیعان علیؑ میں سے ایک تھے جن کی بائیں آنکھ جنگ جمل میں جناب امیرؑ کی نصرت میں کام آئی تھی اور پھر صفین میں سر پر ایک تلوار پڑی اور دوسری ضرب ابرو پر پڑی جس سے داہنی آنکھ بھی جاتی رہی اب ان کا دستور یہ ہو گیا کہ یہ صبح کو مسجد جامع میں آ جاتے تھے اور رات تک نمازوں میں مصروف رہتے تھے پھر واپس جاتے تھے۔ انہوں نے ابن زیاد کے ان الفاظ کو رد کرتے ہوئے کہا ''اور پسر مرجانہ! تو جھوٹا اور تیرا باپ جھوٹا اور وہ جھوٹا جس نے تجھ کو حاکم بنایا اور اس کا باپ جھوٹا اور مرجانہ کے لڑکے! پیغمبرؐ کی اولاد کو قتل کرنے کے بعد راست بازوں کی طرح کلام کرنا چاہتا ہے؟'' ابن زیاد نے غضب ناک ہو کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان کو گرفتار کر لیں مگر عبداللہ نے اپنی قوم آزدی کو آواز دی جس کے سات سو جنگی جوان کوفہ میں موجود تھے چنانچہ کچھ بہادر ازدی ان کی امداد کے لئے آگئے اور سپاہیوں کے ہاتھ سے ان کو چھڑا کر نکال لے گئے اور ان کے مکان پر پہنچا پا مگر رات و مخفی طور سے ابن زیاد نے پھر انکے گھر سے انہیں گرفتار کرایا اور بے رحمی کے ساتھ ان کو قتل کرا دیا اور ان کی لاش کو دوسروں کی عبرت کے لئے دار پر کھینچا۔[1]

دوسرے دن ابن زیاد کے حکم سے سر امام حسینؑ کو کوفہ کے کوچہ و بازار اور تمام قبائل میں گردش دی گئی اور پھر دروازہ قصر پر آویزاں کرا دیا گیا۔[2]

جس زمانہ میں اہل بیتؑ اطہار کوفہ میں اسیر تھے عام خیال یہ تھا کہ یزید تمام قیدیوں کے قتل کر دیئے جانے کا حکم دے گا اسی دوران میں کہ جب اسرائے آل محمد کوفہ میں قید تھے۔ ایک دن کسی نے قید خانے میں ایک پتھر پھینکا جس میں اس مضمون کی ایک تحریر بندھی ہوئی تھی کہ آپ کے معاملات کے لئے ایک خط یزید کے پاس بھیجا گیا ہے قاصد اس تاریخ کو جا رہا ہے اور اس تاریخ تک پلٹے گا۔ اگر نادقت تکبیر کی آواز سنائی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ارشاد ص ۲۶۰۔ [2] ارشاد ص ۲۶۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دے تو اپنے متعلق حکم قتل کا یقین کر لیجئے گا اور اگر تکبیر نہ سنائی دے تو سمجھ لیجئے گا کہ انشاء اللہ امان ہے۔ لیکن قاصد کے آنے پر تکبیر کی آواز بلند نہیں کی گئی کیونکہ یزید نے حکم دیا تھا کہ قیدیوں کو دمشق روانہ کردو۔[1]

ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سر کو نوک نیزہ پر بلند کر کے تمام شہر میں گردش دی جائے۔ پھر تمام شہداء کے سروں کو زجر بن قیس وغیرہ چند آدمیوں کے سپرد کیا اور انہیں دمشق کی طرف روانہ کیا اور ان کے عقب میں بیمار و ناتواں علیؑ بن الحسینؑ کی گردن میں طوق ڈال کر اور اہل حرم کو اونٹوں پر سوار کر کے محضر بن ثعلبہ عائذی اور شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں روانہ کیا۔[2]

خاندان رسولؐ کی تاراجی اور اپنی کامیابی کو نمایاں کرنے کے لئے عراق سے دمشق جانے کا وہ راستہ اختیار کیا گیا جس میں آبادیاں زیادہ پڑتی تھیں راستے بھر امام زین العابدینؑ کا عالم یہ تھا کہ کسی سے کلام نہیں کرتے تھے بالکل خاموش چلے جا رہے تھے[3] لیکن پسماندگان حسینؑ کے اس طرح تشہیر کئے جانے سے عام طور پر اموی حکومت کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا جانے لگا اور بہت سے مقامات پر بے چینی اور برہمی کے آثار نمودار ہوئے بہرحال طرح طرح کے اندوہ و مصائب کو برداشت کرنے کے بعد یہ پسماندگان دمشق میں داخل ہوئے۔ اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے گئے تھے اور مجمع کی یہ کثرت تھی کہ آفتاب نکلنے کے ساتھ ہی داخل ہونے کے باوجود کہیں زوال کے وقت دربار یزید میں پہنچ سکے تھے۔ جب خاندان رسالت کا یہ لٹا ہوا قافلہ بازار سے گزر رہا تھا تو ابراہیم بن طلحہ بن عبداللہ نے علیؑ بن الحسینؑ سے طنزاً پوچھا کہ ''اے فرزند حسینؑ فتح کس کی ہوئی؟'' آپ نے جواب میں فرمایا ''تم کو اگر معلوم کرنا ہے کہ فتح کس کی ہوئی تو نماز کے وقت جب اذان و اقامت کہنا اس وقت معلوم کر لینا کہ کس کو فتح ہوئی اور کس کو شکست؟''۔

جب اہل بیت نبوت حالت اسیری میں دروازہ مسجد دمشق پر پہنچے تو ایک بوڑھا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۶۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۷، طبری ج ۶ ص ۲۶۴ ارشاد ص ۲۶۰۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۶۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سامنے آیا اور اس نے ان کو دیکھ کر کہا ''حمد ہے اس خدا کی جس نے تم کو قتل اور ہلاک کیا اور ملکوں اور شہروں کو تمہارے مردوں سے خالی اور پر امن بنایا اور امیر المومنین یزید کو تم پر غلبہ عطا فرمایا''۔ اس بوڑھے سے یہ کلمات سن کر بیمار کربلا علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا ''اے شیخ کیا تو نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے؟'' ''قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی''۔ (یعنی) ''کہہ دو (اے ہمارے حبیب) کہ میں سوا اپنے ذوی القربیٰ (اہلبیت) کی مودت و محبت کے تم سے اور کوئی اجرو معاوضہ اس تبلیغ رسالت پر نہیں مانگتا''۔ بوڑھے نے کہا کہ ''ہاں یہ آیت میں نے پڑھی ہے''۔ آپ نے فرمایا وہ رسولؐ کے ذوی القربیٰ ہم ہی ہیں جن کی محبت تم پر فرض کی گئی ہے۔ پھر فرمایا کیا یہ آیت بھی پڑھی ہے؟ واعلموا انما غنمتم من شیء فان الله خمسه و الرسول ولذی القربی (یعنی) ''یاد رکھو کہ جو تم کچھ منفعت حاصل کرو اور جو مال بغیر مشقت پاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ، رسولؐ اور ان کے ذوی القربیٰ کا حق نکالدو'' اس نے عرض کیا کہ ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ذوی القربیٰ ہم ہی ہیں جن کا یہ حق خمس میں نکالنا واجب ہے اور کیا یہ بھی پڑھا ہے کہ انما یریدالله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا''۔ اس نے عرض کیا کہ بیشک پڑھا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ اہل بیت نبوت ہم ہی ہیں جن کو خدا نے برائی سے پاک رکھا اور معصوم بنایا ہے بوڑھا یہ سن کر حیران ہو گیا اس نے تصدیق کے طور پر دریافت کیا کہ ''خدا کی قسم سچ مچ تم وہی ہو؟'' آپ نے زور دے کر فرمایا کہ ''ہاں قسم بخدا ہم وہی آلؑ رسولؐ اہل بیت نبوت، ذوی القربائے رسالت ہیں۔ بلاشک و شبہ اور اپنے جد رسولؐ اللہ ہی کی قسم کہ ہم وہی ہیں''۔ یہ سننا تھا کہ بوڑھے نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ عمامہ سر سے پھینک دیا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا کہ ''خداوندا گواہ رہنا کہ میں ہر دشمن آلؑ محمدؐ سے چاہے وہ جن ہو یا انس بیزار ہوں اور ان سے دوری چاہتا ہوں''۔ پھر بیمار کربلا کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگا کہ ''کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں اگر تم توبہ کرو تو قبول ہو گی اور تم ہمارے اصحاب میں شمار ہو گئے۔ اس نے عرض کیا ''میں توبہ کرتا ہوں اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گستاخی سے جو میں نے عدم معرفت کی بناء پر آپ کی شان میں کی تھی"۔

اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنی امیہ کے پچاس برس کے پروپیگنڈے کے نتیجہ میں عام مسلمان خصوصاً اہل شام کس حد تک آل محمدؐ سے ناآشنا ہو چکے تھے۔

ابن القفطی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جس وقت اسرائے آل محمدؐ اور سرہائے شہداء دمشق میں داخل ہو رہے تھے اس وقت یزید اپنے محل کے بالاخانہ پر جو مقام جیرون میں تھا اس منظر کا مشاہدہ کرنے کے لئے موجود تھا اور جونہی سرہائے شہداء نیزوں پر دور سے نظر آئے اس نے یہ اشعار پڑھے۔

لما بدت تلک الحمول و اشرفت　　تلک الروس علی ربی جیرون

نعب الغراب قل اولا تقل　　قلقد قضیت من الرسول دیونی

"جب وہ سواریاں نظر آئیں اور ان سروں کا سایہ جیرون کے ٹیلوں پر پڑا تو کوا کائیں کائیں کرنے لگا (جو کہ نحوست کی نشانی سمجھی جاتی تھی) میں نے کہا تو بول یا نہ بول میں نے بہرحال پیغمبرؐ سے اپنے قرضے وصول کر لئے ہیں"۔

ان دو شعروں سے ہی یزید کی غلط ذہنیت کا انکشاف صاف طور پر ہو جاتا ہے یعنی امام حسینؑ آپ کے انصار اور اہل حرم کے خلاف جو جو مظالم کئے گئے تھے ان کو وہ حضرت محمد مصطفیٰ قرضہ وصول ہونے کے برابر سمجھتا تھا۔

شہر دمشق میں داخل ہونے کے بعد یہ قافلہ اس دروازے کے پاس جو دربار شاہی سے قریب تھا روک دیا گیا اور وہاں کافی دیر تک ٹھہرائے رکھنے جانے کے بعد اس کو اذن حضوری ملا اور اس دربار میں جو خصوصیت کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا خاندان رسالت مثل غلامان حبش و کنیزان ترک و دیلم اور طشت طلاء میں حسین مظلومؑ کا سر مبارک یزید کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔

زجر بن قیس نے غلط طور سے بڑھا چڑھا کر اپنی جماعت کی بہادری اور اصحاب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ کی بے بسی کا نقشہ کھینچتے ہوئے روداد جنگ یزید کو سنائی جس کا مضمون یہ تھا کہ سرکارِ ولا حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف آئے اٹھارہ آدمیوں کو لئے ہوئے اپنے اہل بیت میں سے اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے شیعوں میں سے تو ہم ان کے مقابلے کے لئے گے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ غیر مشروط طریقہ پر اپنے کو امیر عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کر دیں یا جدال و قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ کو سپردگی کے مقابلہ میں ترجیح دی تو سورج نکلنے کے بعد ہی ہم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر اس طرح حملہ کر دیا جس طرح کبوتروں پر شکرے حملہ کرتے ہیں جس سے ان کو کسی طرف پناہ نہ ملتی تھی۔ چنانچہ زیادہ دیر گزرنے نہ پائی کہ ان کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا گیا اور ان کے جسم بے لباس خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دیئے گئے۔[1]

اس موقع پر یزید اپنے ندماء کے ساتھ بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا اور شراب کے نشہ میں یہ شعر گا رہا تھا۔

ادر کاسا ونا ولها　　الایا ایها الساقی

پھر کیف و سرور کے ساتھ ساتھ بے دینی کا پارہ اور اونچا ہوا اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا۔

لیت اشیاخی ببد رشهدوا　　جزع النحزرج من رقع الاسل

لاهلوا واستحلوا فرحاً　　ولقالوایا یزید لاتشل

لعبت بنو هاشم بالملک ولا　　خبر جاء ولا وحی نزل

یعنی کاش میرے جنگ بدر والے بزرگ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ دین محمدی کے انصار کس طرح نیزوں کے پڑنے سے گھر گئے ہیں تو وہ اس صورت میں خوش ہو کر مجھے دعائیں دینے لگتے۔ بنی ہاشم نے حصول سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا حقیقت میں نہ

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۴ ارشاد ص ۲۶۱۔ دینوری نے اس تقریر کو شمر کی طرف منسوب کر کے درج کیا ہے (الاخبار الطوال ص ۲۵۷۔۲۵۸)

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کوئی خبر آئی تھی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی"۔

یہ سننا تھا کہ جناب زینب کبریٰؑ کھڑی ہو گئیں اور آپ نے معرکتہ الآراء تقریر شروع کی جس نے یزید کے جاہ و جلال کی تمام بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ "کتنا سچا ہے میرے پروردگار کا ارشاد کہ" آخر میں ان لوگوں کو جو برے اعمال کرتے ہیں یہ نوبت پہنچی کہ وہ آیات خداوندی کی تکذیب کرنے اور ان کی ہنسی اڑانے لگے تو نے اے یزید! کیا یہ گمان کیا ہے کہ چونکہ تو نے ہم پر زمین و آسمان کے تمام راستوں کو بند کرتے ہوئے ہم کو اس حالت پر پہنچا دیا ہے کہ آج ہم تیرے سامنے قیدیوں کی طرح لائے جا رہے ہیں تو اس سے خدا کے نزدیک بھی ہم حقیر اور تو باعزت قرار پا گیا؟ یا یہ کہ تجھے یہ ظاہری کامیابی تیرے مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کی جہلت سے حاصل ہوئی ہے۔ اسی خیال کے ماتحت تو خوش ہو ہو کر اپنے شانوں پر نظر ڈال رہا ہے اس لئے کہ اس وقت تجھ کو یہی دکھائی دے رہا ہے کہ دنیا تیرے حکم کی پابندی اور امور مملکت منظم و مرتب ہیں اور سلطنت و حکومت تیرے لئے تمام خطرات سے پاک و صاف ہو گئی ہے کیا تو بھول گیا خدا کے قول کو کہ نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے کہ ہم جو ان کو مہلت دیتے ہیں وہ ان کے لئے کسی بہتری کا باعث ہو گی ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر گناہ کر لیں بالآخر تو ان کے لئے حقارت آمیز سزا مقرر ہی ہے۔ کیا اسلامی غیرت و حمیت اسی کی متقاضی ہے کہ تو اپنی عورتوں بلکہ کنیزوں تک کے لئے پردہ کا اہتمام کرے اور رسولؐ کی نواسیوں کو قید کر کے در بدر پھرائے اور پھر اس پر یہ کہنے کی جرأت کرے کہ" لاھلوا و التھلوا فرحا" گویا تو اپنے مشرک بزرگوں سے داد کا طالب ہے گھبرا نہیں تھوڑے ہی دنوں میں تو بھی اسی گھاٹ اتارا جائے گا اور اس وقت تو آرزو کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل اور زبان گنگ ہوتی اور تو نے جو کچھ کہا اور کیا وہ نہ کہا اور نہ کیا ہوتا۔ تیرے لئے اس سے بدتر کیا ہو سکتا ہے کہ روز حشر خدا تیرا فیصلہ کرنے والا، محمد مصطفیٰؐ تیرے مقابل میں مدعی اور جبرائیلؑ ان کی طرف سے دعویٰ کے گواہ ہوں گے اس وقت ان لوگوں کو بھی جنہوں نے تیرے افعال کی تائید کی ہے اور تیرا ساتھ دے کر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر رکھا ہے معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں کو کیسا برا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اگر چہ انقلاب زمانہ نے یہ نوبت پہنچا دی ہے کہ میں تجھ سے بات کر رہی ہوں میری نظروں میں تیری کوئی وقعت نہیں حتیٰ کہ تیری توبیخ و سرزنش کو بھی میں اپنے لئے ایک بڑی مصیبت خیال کرتی ہوں لیکن کروں کیا کہ دل بھرا ہوا ہے اور کلیجے میں آگ لگی ہے۔ خدا کی شان کہ خدا پرست افراد شیطانی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوں اچھا (اے یزید تجھ کو قسم ہے) تو کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھ اور اپنی پوری کوشش صرف کرے گا اپنی تمام جدوجہد ختم کر دے لیکن خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو اور ہماری زندگی کو فنا نہیں کر سکتا اور نہ ہمارے اصلی مقصد کو تو پہنچ سکتا ہے اس خون ناحق کا دھبہ تیرے دامن پر قیامت تک باقی رہے گا اور تو کبھی اس کو دھو نہیں سکتا تیری رائے یقیناً غلط، تیری زندگی بہت محدود اور تیرے ارد گرد کا مجمع بہت جلد تتر بتر ہونے والا ہے۔ وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی ندا کرے گا کہ ''ظالموں پر خدا کی لعنت ہے'' شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے پیش رو بزرگوں کا انجام سعادت کے ساتھ اور ہمارے آخری بزرگ کا انجام شہادت و رحمت کے ساتھ مقرر کیا اور وہی ہمارے لئے کافی اور بہترین ناصر و معین ہے''۔

اب یزید نے امام زین العابدینؑ کی دل آزاری کرنا چاہی اور آپ کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم**۔ ''جو مصیبت تم پر آئی وہ تمہارے ہاتھوں آئی''۔ امام نے دوسری قرآنی آیت پڑھتے ہوئے بتایا کہ ہم پہلی آیت کے مصداق نہیں ہیں بلکہ اس آیت کے مصداق ہیں۔ **ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب مبین من قبل. ان نبراھا[1] ذلک علی اللہ یسیر**۔

مطلب یہ ہوا کہ ہماری مصیبت ایک عہد و پیمان کے مطابق ہے جو ازل سے قلمبند ہو چکا تھا اور جس کی تکمیل ضروری تھی۔

پیہم حق کے اعلانات نے حاضرین کی نگاہوں سے باطل کے پردے بھی ہٹائے

---

[1] کافی ج ۱ ص ۵۰۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور جرأت اظہار بھی پیدا کی چنانچہ جب یزید نے بھی لب و دندان حسینؑ کے ساتھ اس بے ادبی کا اعادہ کیا جو کوفہ میں ابن زیاد کر چکا تھا غالباً اس خیال کے ماتحت کہ کوفہ شیعان علیؑ کا مرکز رہ چکا تھا لہٰذا زید بن ارقم، ابن زیاد کو برسر دربار ٹوک دینے کی ہمت کر سکے، بھلا دمشق میں کس کی مجال ہو گی کہ مجھ پر معترض ہو سکے مگر ہوا یہاں بھی وہی۔

ابو برزہ اسلمی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ارے تو اپنی چھڑی اس لب و دنداں پر لگاتا ہے جسے میں نے اکثر دیکھا کہ اس پر رسول اللہؐ اپنا منہ رکھتے تھے یاد رکھ کہ اب قیامت کے دن بس تیری شفاعت ابن زیاد ہی کرے گا۔[1]

باوجود اس کے یزید کی ان جسارتوں اور گستاخیوں کو دیکھ کر اہل دربار کی ہمتیں بڑھ گئیں چنانچہ ایک سرخ رنگ شامی کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دیجئے اور اشارہ کیا اس نے فاطمہؑ بنت الحسینؑ کی طرف۔ یہ سننا تھا کہ آپ کانپنے لگیں اور اپنی پھوپھی جناب زینبؑ کبریٰ سے لپٹ گئیں۔ جناب زینبؑ نے بچی کو تسلی دی اور بلند آواز سے اس شامی سے کہا کہ کیا بکتا ہے؟ بخدا تو مر بھی جائے تو یہ نہیں ہو سکتا نہ یزید ایسا کر سکتا ہے۔ آپ کے آخری فقرہ پر یزید کو طیش آ گیا اور وہ کہنے لگا ''تم غلط کہتی ہو۔ مجھے اس کا اختیار حاصل ہے اور اگر میں چاہوں تو ایسا یقیناً کر سکتا ہوں'' جناب زینبؑ نے فرمایا۔ ''جب تک اسلام کا دعویٰ رکھتا ہے تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا یہ اور بات ہے کہ علی الاعلان تو ہمارے مذہب سے خارج ہو کر کوئی دوسرا دین اختیار کرے''۔ اس پر یزید کا غصہ اور بڑھا اور وہ کہنے لگا ''مجھ سے تم ایسی باتیں کرتی ہو دین سے خارج تو تمہارے باپ اور بھائی تھے''۔ جناب زینبؑ نے جواب دیا کہ میرے باپ اور بھائی کے دین ہی کو بظاہر اختیار کر کے تو اور تیرا باپ اور دادا مسلمان کہلائے''۔ یزید اس کے بعد اور زیادہ سخت کلامی پر اتر آیا۔ ناچار زینب کبریٰؑ کو یہ کہنا پا کہ ''یزید تو ایک ظالم حاکم ہے اور اپنے جبر و تشدد سے ہم کو دبانا چاہتا ہے''۔ آپ کے اس جواب سے یزید کو کچھ شرم دامنگیر ہوئی اور وہ خاموش ہو گیا اس کے بعد جب شامی نے پھر اپنی درخواست کو دہرایا تو

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یزید نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا اور کہا کہ ''دور ہو خدا تجھے غارت کرے''۔[1]

ایک دفعہ دربار میں یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا ''اے علی بن الحسین تمہارے باپ نے میری قرابتداری کا خیال نہ کیا میرے حقوق کو نظر انداز کیا اور میری سلطنت میں منازعت کی تو اللہ نے ان کے ساتھ وہی کیا جو تم دیکھ رہے ہو''۔ امام نے اس کے جواب میں وہی آیت پڑھی کہ **ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الافی کتاب من قبل ان نبراھا**۔ مطلب یہ تھا کہ یہ تو عالم امکان میں لیل و نہار رہتا ہی ہے کسی کی فتح اور کسی کی شکست۔ اس کو دلیل حقانیت نہیں سمجھنا چاہئے۔

اب یزید کو فتح کی ترنگ اور بڑھی۔ یہ اس کی نفسیاتی خلش کا اثر تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ خود میرے دربار میں ہر شخص مجھے مجرم سمجھ رہا ہے۔ وہ صفائی کی کوشش کرنے لگا جو مزید اس کے خبث نفس کا ثبوت بن گئی۔ وہ اپنے خاندان کی مدت دراز کی اس سیاست کو کہ آل رسولؐ سے عوام کو ناواقف رکھا جائے فتح کے نشہ میں خود شکستہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا ''تم لوگ جانتے ہو ان پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ صرف اس لئے کہ یہ اپنی جگہ سمجھتے تھے کہ میرے باپ علیؑ اس (یزید) کے باپ سے بہتر اور میری ماں اس کی ماں سے بہتر اور میرے نانا اس کے نانا سے بہتر تھے اور میں خود اس سے بہتر اور خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں حالانکہ ان کا یہ خیال کہ ان کے باپ میرے باپ سے بہتر تھے۔ اس کا تصفیہ یوں ہو جاتا کہ میرے باپ اور ان کے درمیان جھگڑا ہوا تو دنیا کو معلوم ہے کہ اس کا فیصلہ کس کے موافق ہوا۔ بیشک ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں اور یہ بھی کہ ان کے نانا میرے نانا سے بہتر تھے یقیناً درست ہے اس لئے کہ کوئی مسلمان رسولؐ کا مدمقابل دوسرے کو نہیں سمجھ سکتا مگر قرآن کی یہ آیت ان کے پیش نظر نہ تھی کہ سلطنت کا مالک اللہ ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کرتا ہے اور جسے چاہتا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۵۔ ارشاد ص ۲۶۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ اوصاف امتیازی کے مقابلہ میں یزید نے اپنی شکست کا اقرار کر لیا مگر آخر میں دلیل وہی قہر و غلبہ کی پیش کر دی جس کی بناء پر نمرود، فرعون اور شداد تک بے جرم و خطا ثابت کئے جا سکتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ یہ معیار حقانیت نہیں ہے نہ قرآن کی آیت کا یہ مطلب ہے۔

خاندان بنی امیہ کا ایک شخص یحییٰ بن الحکم ان حالات سے اتنا متاثر ہوا کہ علانیہ اس نے اپنے اشعار میں حسینؑ کی شہادت پر اظہار رنج و ملال اور ابن زیاد کو برا کہنا شروع کر دیا اس پر یزید نے یحییٰ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا خاموش نہیں رہتے ہو؟[1]

اتنا ہی نہیں بلکہ یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر بن کریز تو دربار میں نکل آئی کہ ارے رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ کے لال کا سر اور اس طرح؟ [2]

پھر بھی ایسا نہیں ہوا کہ اہل بیت نبوت کو فوراً مدینہ روانہ کر دیا جاتا بلکہ وہ عرصہ تک زنداں میں قید رہے بے شک جب ملک میں بے چینی کے آثار نظر آئے اور سیاسی طور پر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اب اس نے اہل بیت رسولؐ کو رہا کر دیا اور ان کے لئے ایک مکان خالی کرا دیا جس میں دمشق کی خاص خاص گھرانوں کی عورتوں نے آکر اہل بیت حسینؑ کو حسینؑ کا پرسہ دیا اور تین دن تک امام مظلومؑ کا ماتم برپا رہا۔ [3]

نعمان بن بشیر انصاری کو جو جناب مسلم بن عقیل کے ساتھ تشدد نہ کرنے کے جرم میں کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیئے گئے تھے اور اس کے بعد سے وہ دمشق میں گویا نظر بند رکھے گئے تھے آل محمدؐ کا ہمدرد سمجھ کر ہدایت کی گئی کہ وہ پسماندگان حسینؑ کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچانے کا انتظام کریں۔ [4]

اب یزید قتل حسینؑ سے اپنے کو بری ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اس لئے اس نے امام زین العابدینؑ کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور کہا کہ خدا ابن مرجانہ پر

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۵۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۶۷۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۶۷۔ [4] طبری ج ۶ ص ۲۶۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لعنت کرنے۔ اگر براہ راست آپ کے والد کا اور میرا سامنا ہو جاتا تو جو کچھ وہ فرماتے میں منظور کر لیتا اور کبھی ان کو قتل کرنا گوارا نہ کرتا۔ بہرطور خدا کو جو منظور تھا وہی ہوا اب آپ مدینہ تشریف لے جائیے اور وہاں سے مجھے خط لکھتے رہئے گا اور جو بھی ضرورت ہو اس سے مجھے مطلع کیجئے گا۔[1]

اس کے بعد تیس آدمی نعمان بن بشیر کے ساتھ کئے گئے اور نعمان نے حسب ہدایت اہل بیت رسالت کے ساتھ راستے بھر پورے احترام کا برتاؤ رکھا اور ان کو مدینہ تک پہنچایا۔[2]

اس لٹے ہوئے قافلہ کے پہنچنے سے مدینہ میں ایک کہرام برپا تھا۔ پردہ نشین خواتین تک بے تابانہ گھروں سے نکل آئیں۔ چنانچہ خاندان عبدالطلب کی ایک خاتون کا یہ عالم تھا کہ وہ بال بکھرائے ہوئے درد انگیز نوحہ پڑھ رہی تھیں جس کا مضمون یہ تھا کہ روز قیامت رسول خداؐ کو کیا جواب دو گے جب وہ پوچھیں گے کہ تم نے میرے بعد میرے اہل بیتؑ سے کیا سلوک کیا جن کا عالم یہ ہے کہ کچھ ان میں سے قیدی بنائے گئے ہیں اور کچھ خاک و خون میں آغشتہ ہوئے کیا میری خدمات کا یہی صلہ تھا کہ تم میری اولاد کے ساتھ میرے بعد یہ سلوک کرو۔[3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۶۔ ارشاد ص ۲۶۳۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۸۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۲۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اکتیسواں باب

اسیری اہل حرم کے واقعات پر ایک جامع تبصرہ

گزشتہ واقعات کی روشنی میں پورے طور پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یزید کو انکار بیعت کے بہانے صرف قتل حسینؑ ہی مقصود نہ تھا بلکہ حقیقتاً وہ اس روحانی مرکز کو فنا کرنا اور عوام کی نظروں سے گرانا چاہتا تھا جو تعلیمات اسلامی کا محافظ ہوتے ہوئے ناجائز اقتدار کے تصرفات میں کسی بھی جماعت کے ساتھ تعاون نہ کر سکتا تھا اور اس کی تمام ذمہ داری دمشق کی مرکزی حکومت پر تھی جس نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مدینہ فرمان بھیجا۔ حاکم مدینہ کو بدلا، مکہ میں حاجیوں کے لباس میں فوج کے سپاہی بھیجے۔ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے اس مہم کو سر کرنے کا پورا اختیار دیا۔ اگر یہ سب باتیں حکم یزید سے نہ ہوئی ہوتیں تو ابن زیاد اہل بیت کو دمشق نہ بھیجتا، کوفہ میں ہی قید رکھتا پھر اس کے اطلاع دینے کے بعد اگر یزید کو اہل بیت رسالت کی تذلیل و توہین مدنظر نہ ہوتی تو قید کر کے شام بلانے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ کربلا یا کوفہ ہی سے وہ مدینہ روانہ کر دیئے جاتے۔ شہادت امام حسینؑ تک تو بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یزید کو اطلاع نہ تھی اور وہ ابن زیاد کا ذاتی فعل تھا مگر شہادت حسینؑ کے بعد تو ابن زیاد نے پس ماندگان حسینؑ کو اسی غرض سے کوفہ میں ٹھہرائے رکھا کہ ان کے متعلق یزید سے ہدایت حاصل کئے جائیں چنانچہ اس کے بعد سے جو کچھ عملدرآمد ہوا وہ تو صراحتہً یزید کے احکام کے بعد ہوا۔ پھر بھی کیا اس خیال کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے کہ سرہائے شہداء اور اہل حرم کا قید کر کے دمشق بھیجنا بھی ابن زیاد کا ذاتی فعل تھا۔

پھر اگر یزید کو خواہ مخواہ ان حضرات کی توہین منظور نہ ہوتی تو کوئی مکان پہلے سے مہیا کیا جاتا اور اسی میں اہل بیت رسالت کو اتارا جاتا اور یزید نے پہلی ہی بار عزت و احترام کے ساتھ سید سجاد علیؑ بن الحسینؑ سے ملاقات کی ہوتی مگر تاریخیں متفق ہیں کہ اہل حرم شام بلوائے گئے۔ یزید نے دربار عام اور نامحرموں کے مجمع میں اُسرائے آل محمد کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طلب کیا اور کچھ نہ ہوا ہوتا تو اہل بیت کی یہی کیا کم بے حرمتی تھی جو بلاواسطہ یزید ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی نہ کہ مزید برآں چوبِ خیزران اور سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی! یہ وہ قیامت خیز منظر تھا کہ جس پر مسلمان تو مسلمان عیسائی بھی احتجاج کرنے پر مجبور ہو گئے۔

خیال کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام مظالم کا موقع خود امام حسینؑ نے دیا۔ اہل حرم کو اپنے ساتھ رکھ کر، اسی لئے یہ امام کے عمل کا نازک ترین پہلو سمجھا گیا ہے جس سے مشورہ دینے والے منع کر رہے تھے مگر حسینؑ نے ان کا اپنے ساتھ رکھنا ضروری سمجھا تھا۔

حالانکہ عام طور پر میدان جنگ میں عورتوں اور بچوں کا کسی فریق کے ساتھ موجود ہونا اس کے حفاظتی اور مدافعتی مشکلات بہت بڑھا دیتا ہے اور فریق مخالف کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

الهفي بقري سجل حين احليت　　علينا الولايا و العد و المباسل

(یعنی) ''افسوس ہے کہ اس جنگ کے میدان میں ہمارے خلاف فوج کشی کی ہمارے ساتھ کی عورتوں اور سخت دشمن دونوں نے مل کر''۔

اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام حسینؑ اپنے ساتھ اہل حرم کو لے کیوں گئے جہاں تک کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے امام حسینؑ نے کسی مشورہ دینے والے کے ان خیالات کو رد نہیں کیا جو آئندہ کے خطرات کے متعلق وہ پیش کرتے تھے۔ پھر بھی آپ نے ان کا ساتھ لے جانا ناگزیر بتایا۔ کبھی یہ کہہ کر کہ ''منظور الٰہی یہی ہے کہ یہ قید ہوں'' اور کبھی یہ کہہ کر کہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ تمام خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل حرم کا اپنے ساتھ لے جانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے ساتھ رکھنے کو آپ کے مقصد کی تکمیل میں بڑا دخل تھا اور وہ یہ کہ براہ راست حضرت امام حسینؑ کو مادی ذرائع اختیار کرتے ہوئے کسی سلطنت سے متصادم ہونا مقصود نہ تھا۔ آپ کا نقطہ نظر یہ نہ تھا کہ خود تخت حکومت پر بیٹھ کر مال و منال اور لذت حیات دنیا سے متمتع ہوں بلکہ آپ محض حقانیت

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے تحفظ میں حمایت باطل سے بچتے ہوئے یزید کی بیعت سے انکار فرما رہے تھے اور اس انکار پر اپنی آخری سانس تک قائم رہنے کا تہیہ کر چکے تھے تاکہ آپ کا یہ انکار دنیا کی آنکھوں کے سامنے حقیقت کے واضح ہونے کا ایک ذریعہ بنے اور وہ یزید کے افعال و اعمال کو آج اور کبھی شریعت اسلام کا جزو نہ سمجھ لے۔ اس کے لئے بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کی مقاومت کے کسی عنصر کے متعلق غلط توجیہوں کی اشاعت کرنا فریق مخالف کے لئے ناممکن ہو جائے اور آپ کی شہادت عظمیٰ کو کسی ''پر اسرار حادثہ'' کی شکل نہ دی جا سکے اس لئے کہ اس صورت میں حقانیت کے دوامی تحفظ میں رخنہ پڑنے کا پورا پورا امکان باقی رہ جاتا۔ یہ مقصد امام حسینؑ کا اہل حرم کے ذریعہ سے انتہائی کامیابی کے ساتھ پورا ہوا اور آپ کی حقانیت و مظلومیت اتنی نمایاں ہوگئی کہ بنی امیہ کی کوئی تاویل، کوئی ملمع کاری اور سیاسی شعبدہ بازی اس کو مشتبہ نہ بنا سکی۔

تاریخ کی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بنی امیہ نے ایک زبردست چال بنی ہاشم کے مقابلہ میں یہ چلی تھی کہ عثمان کو بحیثیت مظلوم پیش کیا اور اس خون کی ذمہ واری غلط طور پر بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پر عائد کر دی اس کے لئے عثمان کا خون بھرا کرتا اور ان کی زوجہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں مدت تک مسجد جامع دمشق میں مجمع کے سامنے پیش کی جاتی رہیں اور مجمع ان کو دیکھ کر آہ و زاری کرتا اور سروسینہ پیٹتا تھا۔ اس طرح ایک بہت بڑی جماعت کے دلوں کو اہل بیت رسولؐ سے منحرف کیا گیا اور آل ابو سفیان نے مقتول کے ورثاء بن کر لوگوں کی ہمدردی حاصل کی۔ یہ پروپیگنڈا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ آل بنی ہاشم میں اولاد ابوسفیان کے ہاتھوں ایک ایسا غم انگیز حادثہ نہ ہو جائے جو ہمدردی کے اثرات کو معکوس کر دے۔ حقیقتاً امام حسینؑ کو شہید کر کے دشمن خود قہری طور پر اس کام کے انجام پانے کا ذریعہ بن گیا جس کا بنی امیہ اپنے جوش ظریابی میں ابتداءً اندازہ بھی نہ کر سکے وہ روز عاشور تک اپنے اقدامات کے جواز میں قتل عثمان کے واقعہ کا حوالہ دیتے تھے مثلاً حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند کرنے کی سند جواز اسی کو قرار دیا کہ ان سے پہلے عثمان پر پانی بند کیا جا چکا ہے اس لئے یہ اس کا بدلا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے حالانکہ عثمان پر پانی بند کرنے میں بنی ہاشم کا کوئی ہاتھ نہ تھا مگر پروپیگنڈا تو یہی کیا گیا تھا لیکن پہلے تو خود کربلا ہی میں جوانوں، نوجوانوں اور سب سے آخر میں ششماہہ بچہ کی شہادت سے مظالم کا درجہ اتنا اونچا ہوگیا کہ اب عثمان کا نام لینا بھی انسانی انصاف کی نگاہ میں غیر متوازن بات ہوگئی اور پھر اہل بیت اطہار کی اسیری نے تو آل رسولؐ کی مظلومیت کو اس نقطہ معراج تک پہنچا دیا جس کے بعد ہوا خواہان بنی امیہ کی زبانیں بند ہوگئیں اور انہیں پھر عثمان کے واقعہ قتل کا نام لیتے ہوئے بھی شرم دامنگیر ہونے لگی۔ لطف یہ ہے کہ عثمان کی قمیص خون آلود اور ان کی زوجہ مکرمہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش تو خود مقتول والی جماعت کے ہاتھوں سے ہوئی تھی جس کے ساتھ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا کہ اس کا مرتکب کون ہوا ہے لیکن حسینؑ کے سربریدہ اور ان کے اہل بیت اطہارؑ کی اسیری کی نمائش خود ان ہی ظالموں کے ہاتھ سے ہو رہی تھی جو اس ظلم کے مرتکب تھے اس لئے اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو کہیں اور ڈھونڈنے کی ضرورت نہ تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دنیا کی بھی جو اس کے پہلے جناب عثمانؓ سے ہمدردی رکھنے کی وجہ سے آل ابوسفیان کے ساتھ اور بنی ہاشم سے منحرف تھی ہمدردیاں منقلب ہوگئیں وہ اب بنی ہاشم کی غم خوار بن کر آل ابو سفیان سے منحرف ہوگئی اگر امام حسینؑ اہل حرم کو ساتھ نہ لاتے تو حقیقت واقعہ اور اموی ذہنیت کا اس درجہ انکشاف غیر ممکن تھا۔

تاریخ اسلام میں یہ مثال موجود ہے کہ اس کے پہلے حسنؑ بن علیؑ زہر سے شہید کر دیئے گئے مگر اس وقت تک حکومت بنی امیہ کے زور حکومت سے مرعوب یا سیاسی چالوں سے فریب خوردہ تاریخوں میں یہ مسئلہ مشتبہ بنا رکھا گیا ہے کہ اس سازش کی پوری ذمہ داری کس پر ہے؟ اسی طرح کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں بہتر یا سوا سو آدمی جنہیں چاروں طرف سے فوجی آہنی حصاروں میں اس طرح محصور کر لیا گیا تھا کہ کسی آدمی کا آنا جانا بلکہ خبروں تک کی آمد و رفت ناممکن تھی۔ جب قتل ہو جاتے تو کسی کو کیا خبر ہوتی بس ادھر قاتلوں کی زبانیں ہوتیں اور اپنی بے جرمی کی داستانیں اور ادھر سے کوئی جواب دینے والا نہ ہوتا۔ اس طرح حسینی مسلک مشتبہ بنا دیا جاتا اور نوعیت شہادت بالکل ہی بدل دی جاتی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس صورت میں حسینؑ اپنے جان و مال اور اولاد سب کو حقانیت کے احیاء میں صرف تو کرتے لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ تاریخ اور اوراق اور کتب سیر کے صفحات میں یزید کے لئے مثل دیگر جنگ آزما ہستیوں کے غازی اور مجاہد کا لقب استعمال کیا گیا ہوتا اور پیکرِ حقانیت حسینؑ بن علیؑ کے لئے (معاذ اللہ) مفسد اور باغی کے سے غلط الفاظ صرف کئے گئے ہوتے۔ اس طرح صرف امام حسینؑ ہی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ حقانیت و صداقت بھی قتل ہو جاتے جس سے بڑھ کر حسینؑ کی شکست نہ ہو سکتی تھی۔

امام حسینؑ کے نزدیک آپکی شہادت کے بعد آپ کے فلسفہ شہادت اور حقانیت و صداقت کی تبلیغ کا قابل اطمینان کوئی ذریعہ ہو ہی نہ سکتا تھا سوا ان ہی بے والی و وارث مخدرات عصمت کے جو قیدی بنا کر شہر بشہر پھرائی جارہی تھیں جن کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی جن کی رگوں میں علوی اور فاطمی خون جوش دکھا رہا تھا جن کی زبانوں پر اظہار حق کی خاطر نبوی بلاغت اور علوی فصاحت الفاظ کی صورت میں موج زن تھی یا پھر علیؑ بن حسینؑ جن کو مشیت باری نے شدت مرض کی بناء پر نصرت حسینؑ سے روز عاشور میدان جہاد میں حصہ لے سکنے سے شاید اسی غرض سے باز رکھا تھا۔

امام حسینؑ خوب واقف تھے کہ بنی امیہ حدود انسانیت سے کتنا ہی گزر جائیں پھر بھی وہ بے والی وارث خواتین کو قتل کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے جن کا قصور زیادہ سے زیادہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انتہائی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں حکومت کے مظالم پر صدائے فریاد بلند کی۔

یہ صحیح ہے کہ روز عاشورا دشمنوں کے ہاتھ سے بعض عورتیں اور بچے بھی شہید ہوئے تھے مگر معرکہ جنگ کے خصوصیات دوسرے مواقع پر بطور سند پیش نہیں کئے جا سکتے بلکہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ یزید و ابن زیاد اپنے تمام ظلم و جور اور پست فطرتی اور بہیمیت کے باوجود اس پر قادر نہ تھے کہ وہ معرکہء کربلا کے بعد اہل حرم حسینؑ میں سے کسی ایک فرد کو بھی قتل کرا دیتے۔ ہرگز ان میں اتنی جرأت و ہمت باقی نہ تھی اور نہ ان کے گرد و پیش کی فضا اس کی متحمل ہو سکتی تھی چنانچہ کوفہ میں جب جناب زینب کبریٰؑ نے اپنی باطل شکن تقریر سے اموی حکومت کے فسق و فجور اور خبث و شقاوت کو طشت از بام کر دیا تھا تو ابن زیاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے چاہا بھی تھا کہ آپ کو تازیانہ سے اذیت دے مگر اسی کے دربار والوں میں سے عمرو بن حریث سامنے آگیا تھا اور مزاحم ہوا تھا۔

بعد کو یزید کا قتل حسینؑ کی ذمہ واری ابن زیاد پر عائد کرنا خود احساس شکست کی بناء پر تھا مگر چونکہ اہل حرم حسینؑ کے ساتھ بھی انتہائی بدسلوکیاں کی جا چکی تھیں لہٰذا اس کے افعال کی بابت کسی تاویل کی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی جس کی بناء پر مورخین کو یہ سمجھنا پڑا کہ اگر اس کے دل میں قبل اسلام کے کینے اور بدر کی عداوتیں نہ ہوتیں تو وہ سرامام حسینؑ کا احترام کرتا اس کے کفن و دفن کا حکم دیتا اور اہل بیت رسالت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بتیسواں باب

اُسرائے اہل بیتؑ کے مختصر حالات

اب جبکہ اسیری کے حالات بھی بیان ہو چکے اور اس کے نتائج پر بھی تبصرہ ہو گیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے قبل کے باب میں شہدائے کربلا میں سے ہر ہر فرد کے حالات پیش کئے جا چکے ہیں اسی طرح یہاں اسیران کربلا میں سے نمایاں افراد کے حالات بھی علیحدہ علیحدہ درج کر دیئے جائیں۔

۱۔ علیؑ بن الحسینؑ :

زین العابدینؑ اور سید سجاد آپ کے مشہور القاب تھے۔ آپ امام حسینؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کے ذریعہ سے قدرت کو عرب اور عجم کے کمالات کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا اس لئے کہ شہربانو یعنی آپ کی والدہ گرامی یزدجرد آخری بادشاہ ایران کی بیٹی تھیں۔ ۳۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔[1]

جب کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کوفہ میں مسند خلافت پر متمکن تھے اور ابھی آپ کا سن پورے تین سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ پھر آپ پورے بارہ سال کے نہ ہوئے تھے کہ ۲۸ رصفر ۵۰ھ کو آپ کے چچا حسن مجتبیٰؑ زہر دغا سے شہید کر دیئے گئے۔

۶۰ھ میں آپ کی عمر ۲۲ سال سے کچھ زائد تھی جب ۲۸ رجب کو اپنے والد بزرگوار امام حسینؑ کے ساتھ عراق کے لئے روانہ ہوئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ راستے میں یا کربلا پہنچنے کے بعد کہاں آپ بیمار ہوگئے۔ بہرصورت ۱۰ رمحرم ۶۱ھ کو امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر آپ اس قدر بیمار تھے کہ نشست و برخواست مشکل تھی اور ظاہر ہے کہ ساتویں محرم کو پانی بند ہونے کے بعد پھر آپ کو بھی تشنگی کی مصیبت اٹھانا پڑی

---

[1] کافی جلد ۱ ص ۲۹۶۔ ارشاد ص ۲۰۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جس سے ضعف و اضمحلال میں اضافہ ہو ہی جانا چاہئے تھا اس کا نتیجہ تھا کہ آپ نصرت حسینؑ میں اس طرح شرکت نہ کر سکے جس طرح آپ کے دوسرے بھائیوں نے کی مگر قدرت کو آپ کا امتحان دوسری طرح لینا منظور تھا۔ عاشور کے بعد آپ دشمنوں کے ہاتھوں، بہنوں، پھوپھیوں اور دیگر عزیز خواتین کے ساتھ پابہ زنجیر ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جائے گئے۔ دربار ابن زیاد میں آپ کی گفتگو اور یزید کے روبرو آپ کے پرزور احتجاج کا تذکرہ اس کے پہلے کیا جا چکا ہے۔ شام سے رہائی کے بعد آپ مدینہ میں رہے اور پوری زندگی عبادت خدا میں گزار دی۔ آپ کی عبادت کے متعلق وارد ہے کہ جب آپ نماز کے لئے وضو کرتے تھے تو چہرہ آپ کا زرد ہو جاتا تھا اور کوئی اس کا سبب دریافت کرتا تو آپ فرماتے تھے تم کو نہیں معلوم کہ کس کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔[1]

ترک دنیا اور سادگی میں آپ کی زندگی حضرت امیرؑ کی سیرت کا نمونہ تھی اس کے ساتھ مدت العمر آپ احکام شرع اور علوم اہل بیت نبوت کی خاموشی کے ساتھ تعلیم بھی دیتے رہے پھر پوشیدہ طریقہ پر راتوں کو غریبوں اور مسکینوں کے لئے کھانا بھی پہنچایا کرتے تھے۔ اس طرح کہ خود انہیں بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون دے گیا ہے جب آپ کی وفات ہوئی اور لوگوں کو آزوقہ پہنچنا بند ہوا اس وقت پتہ چلا کہ وہ آپ تھے جو دے جاتے تھے۔[2]

فرزدق کا قصیدہ آپ کی شان میں جو مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر انہوں نے نظم کیا تھا۔[3] ادب عربی کا ایک مخصوص شاہکار ہے خود آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ''صحیفہ کاملہ'' کے نام سے عالم اسلامی میں مشہور و معروف ہے جس میں معارف کا دریا موجیں مارتا نظر آتا ہے اس کو ''زبور آل محمدؐ'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کی اس خاموش اور خالص روحانی زندگی کو بھی طاغوتی

---

[1] ارشاد ص ۲۷۲۔ [2] کافی ج ۱ ص ۴۶۸، ارشاد ص ۲۷۵۔ [3] ارشاد ص ۲۷۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سلطنت نے برداشت نہ کیا اور آپ نے ۹۴ھ[1] یا ۹۵ھ میں زہر سے وفات پائی اور جنۃ البقیع میں اپنے چچا حضرت امام حسنؑ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔[2]

۲۔ زینبؑ بنت علیؑ :

آپ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ بنت محمد مصطفیٰؐ کی بڑی بیٹی اور پیغمبر اسلامؐ کی بڑی نواسی تھیں۔ اس حیثیت سے آپ پسماندگان حسینؑ میں سب سے نمایاں شخصیت کی حامل تھیں۔ جب آپ کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ اور والدہ گرامی جناب فاطمہ زہراؑ کی وفات ہوئی تو آپ بہت کمسن تھیں۔ ان کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سایہ تربیت میں پروان چڑھیں اور حضرت نے آپ کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے عبداللہ بن جعفر کے ساتھ کی۔

حضرت علیؑ محبت و شفقت کے لحاظ سے زینبؑ کے ساتھ تقریباً حسنؑ و حسینؑ کے برابر برتاؤ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی شہادت کے قبل ماہ رمضان میں آپ نے افطار کے دنوں کو جو اپنی اولاد پر تقسیم فرمایا وہ اس طرح کہ ایک رات امام حسنؑ کے یہاں افطار فرماتے تھے۔ ایک رات امام حسینؑ کے یہاں اور ایک رات عبداللہ بن جعفر کے مکان پر۔ یعنی اپنی صاحب زادی جناب زینبؑ کے یہاں۔

واقعہ کربلا تک کم و بیش پچاس برس کی طولانی مدت میں غیر معمولی واقعات پیش آئے اور ان میں آپ نے غیر معمولی قوت برداشت کے مناظر کا کم از کم تین زندہ مثالوں میں برابر مشاہدہ فرمایا یہی وہ بنیاد تھی جس پر آپ کے کردار بلند کی وہ مستحکم عمارت قائم ہوئی جسے کربلا کے مصائب بھی ذرہ بھر متزلزل نہ کر سکے۔

مدینہ سے لے کر کربلا تک زینبؑ ہر منزل میں بالکل حسینؑ کے ساتھ تھیں اور اس لئے اب تک کے جتنے واقعات اس کتاب میں درج ہوئے ہیں ان سب کو زینب کبریٰؑ ہی کی روئیداد حیات سمجھنا چاہئے۔

---

[1] طبری ج ۸ ص ۹۵۔ [2] ارشاد ص ۲۷۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان میں سے بعض واقعات میں آپ کا ذکر صفحہ تاریخ پر نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ قیام کربلا کے بعد ایک موقع وہ ہے جب بہن نے بھائی کی زبانی وہ حسرت آمیز اشعار سنے جن کا مطلب یہ تھا کہ زمانہ کا انداز صبح و شام یہی ہے کہ کوئی نہ کوئی لقمہ اجل ہوتا ہے اور ہر ذی روح کو اسی راستے پر جانا ہے۔ ان اشعار سے زینب کبریٰؑ نے محسوس کیا کہ بھائی خود اپنی سنانی سنا رہے ہیں۔ آپ ہی تو اب ان سب کے جانشین ہیں۔ امام حسینؑ نے بہن کو تلقین صبر فرمائی۔ زینبؑ نے کہا کیوں بھائی کیا بالکل آپ مرنے پر تیار ہو گئے ہیں؟ حضرت نے ایک عربی کی مثل زبان پر جاری فرمائی کہ لو ترک القطالیلا لنام۔ مطلب یہ تھا کہ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے یہ سن کر جناب زینبؑ کی بے چینی اور بڑھی اور کہا ''ہائے غضب! اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو زبردستی ہم سے چھین لیا جائے گا''۔ یہ کہہ کر اپنے منہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کیا اور غش کھا کر گر پڑیں۔ امام کسی طرح بہن کو ہوش میں لائے اور بصیرت افروز الفاظ میں بہن کو صبر کی ہدایت فرما کر قسم دی کہ میرے بعد گریباں نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا اور واویلا کہہ کر نوحہ نہ کرنا۔ پھر بہن کو لے جا کر اس جگہ بٹھا دیا جہاں زین العابدینؑ بیماری کے عالم میں لیٹے ہوئے تھے۔[1] تاکہ پھوپھی بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف ہو جائیں اور ان کی توجہ اسی طرف مرکوز رہے۔

زینب کبریٰؑ نے اپنے بھائی کی اس وقت کی ہدایتوں کو سخت سے سخت مواقع پر بھی پیش نظر رکھا اور مصائب کی انتہائی شدت کے باوجود ایسی بے تابی کا مظاہرہ نہیں کیا کہ دشمنوں کو شماتت کا موقع ملے۔

پھر نویں محرم کی عصر کو جب فوج دشمن نے حملہ کیا ہے تو جناب زینب ہی تھیں جنہوں نے پاس آ کر امام حسینؑ کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیا۔

روز عاشور جب امام رخصت کے لئے تشریف لائے تو آپ نے جناب زینبؑ ہی سے وہ پیراہن لے کر پہنا جسے جا بجا سے چاک کر لیا تاکہ دشمن لوٹنے کے وقت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے شاید اس پیراہن کو نہ لیں اور لاش آپ کی برہنہ نہ ہو۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۹۔۲۴۰۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے بعد زینب کبریٰؑ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش آئے جن کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کے لئے کافی تھا۔ بھائی کی شہادت، خیموں کی لوٹ اور پھر آتش زدگی اور اس کے بعد اسیری، ان تمام مراحل کو جناب زینبؑ نے ضبط وصبر کے ساتھ طے کیا۔

۱۱محرم کی صبح کو جب پس ماندگان حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواج یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد شہدائے راہ خدا کی لاشیں بے غسل وکفن خاک وخون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علیؑ ابن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر جناب زینبؑ بے تاب ہوگئیں اور دریافت کیا کہ اے یادگار رفتگاں، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟ بھتیجے نے جواب دیا اے پھوپھی اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پدر بزرگوار اور چچا اور بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں اپنے خون میں نہائے بے دفن وکفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگراں ہے نہ پرساں۔ اس نازک موقع پر جناب زینبؑ ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدینؑ کو تسلی اور دلاسا دیا۔

اس کے بعد کوفہ کا بازار، حالانکہ اس سے پہلے آپ نے کسی مجمع میں کوئی تقریر نہ کی تھی مگر جب آپ نے ماحول کے انتہائی خلاف ہونے کے باوجود تقریر شروع کی (جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے) تو جتنا مجمع آپ کے حد نظر میں تھا آپ کے ایک اشارے پر خاموش ہو گیا۔ اس تقریر میں آپ نے اپنی اندوہناک حالت کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس بناء پر ان سے کسی رحم وکرم کی التجا کی بلکہ ان کی بداعمالیوں پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے ہوئے ان کو اپنے نفوس کا جائزہ لینے اور ان کے متعلق خود فیصلہ کر لینے کی طرف متوجہ کیا چنانچہ وہ آنکھیں جو قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کی اٹھی تھیں زمین میں گڑ گئیں اور مجمع میں ہر متنفس اپنے کو مجرم محسوس کرنے لگا۔

پھر دربار عام میں جب خاص طور پر ابن زیاد نے گفتگو کی تو وہاں بھی آپ نے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

علوی فصاحت و بلاغت کے وہ جوہر دکھائے جن کا اپنے طریقہ پر ابن زید کو بھی اعتراف کرنا پڑا اور جن کا اس کے پاس سوا ارادہ تشدد کے کوئی جواب نہ تھا۔

اس کے بعد پھر دربار یزید میں آپ کی گفتگو جس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے کوئی شک نہیں کہ ایسے سخت اور ناخوشگوار ماحول میں اپنے سکون دماغ کو قائم رکھنا اور اپنے محسوسات کے پورے اظہار پر قادر ہونا بس زینب کبریٰؑ کا کام تھا۔ رہائی کے بعد ظالم کے دارالسلطنت میں مظلوم کا ماتم برپا کرنا بھی آپ ہی کا کارنامہ تھا اور یہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پہلی مجلس عزا تھی جو اسی سوگوار بہن نے برپا کی تھی۔

۳۔ ام کلثوم بنت علیؑ :

زینب صغریٰ نام اور ام کلثوم کنیت تھی۔[1] حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ بنت محمد مصطفیٰؐ کی چھوٹی بیٹی۔ رسول اللہؐ کے زمانہ کے آخر میں متولد ہوئی تھیں اور تقریباً دو سال کی عمر میں اپنے نانا رسول خداؐ اور اس کے چند ہی مہینے کے بعد اپنی والدہ گرامی کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئیں۔ اپنے چچا زاد بھائی محمد بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ آپ کا عقد ہوا تھا۔

بیوہ ہونے کے بعد سے آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ رہیں اور اسی دوران اپنے شفیق باپ کی شہادت سے انتہائی درجہ دل شکستہ ہوئیں۔ آخری رات جس کی صبح کو حضرت علیؑ کے سر پر ابن ملجم نے تلوار لگائی حضرت اپنی اسی بیٹی کے مہمان تھے اور اس رات کے تمام حالات جناب ام کلثوم ہی کی زبانی وارد ہوئے ہیں۔ جب علیؑ بن ابی طالبؑ کے سر مبارک پر ضرب لگ چکی ہے اور آپ بیت الشرف میں لائے گئے ہیں اور اس کے بعد زہر کی تاثیر بڑھ رہی ہے تو خصوصیت کے ساتھ ام کلثوم شدت سے گریہ کر رہی تھیں۔[1]

---

[1] ارشاد ص ۱۸۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دینوری نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ مدینہ کی سکونت ترک فرما کر مکہ تشریف لے گئے تھے تو آپ کی دونوں بہنیں زینبؑ اور ام کلثومؑ آپ کے ساتھ تھیں۔[۲]

بازار کوفہ میں زینب کبریٰؑ کے خطبہ کے بعد آپ نے بھی بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی۔

۴۔ رقیہ بنت علیؑ بن ابی طالبؑ :

آپ عمر بن علیؑ کی حقیقی بہن بلکہ انہیں کے ساتھ توام پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ تھیں۔[۳]

آپ کا عقد مسلم بن عقیل کے ساتھ ہوا تھا۔ مدینہ سے اپنے شوہر کی معیت میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ چلی تھیں۔ جب مسلم مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ کر دیئے گئے تھے تو آپ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ گئیں۔ مکہ سے روانگی کے بعد راستے میں آپ کو اپنے شوہر کی شہادت کی اطلاع ہوئی تھی اور کربلا پہنچ کر روز عاشور آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو امام پر نثار کر دیا تھا۔ پھر اسیری میں اپنی دونوں بہنوں زینبؑ و ام کلثومؑ کے ساتھ روح فرسا مصائب و آلام کا مقابلہ کرتی رہیں اور رہائی کے بعد ان ہی کے ساتھ مدینہ واپس گئیں۔

۵۔ لیلیٰ ثقفیہ :

آپ علی اکبرؑ (ابن الحسینؑ) کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ کے نام و نسب اور خاندانی خصوصیات کا تذکرہ علی اکبرؑ کے حالات میں ہو چکا ہے۔ آپ معرکہ کربلا میں موجود تھیں اور اسیری میں دختران علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ مگر اس کے بعد سے آپ کے

۱؎ ارشاد ص ۸۔۹۔ ۲؎ الاخبار الطوال ص ۲۲۰۔ ۳؎ ارشاد ص ۱۸۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حالات زندگی کا تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

۶۔ رباب بنت امراء القیس کلبی:

آپ علی اصغر اور سکینہؑ بنت الحسینؑ کی والدہ گرامی تھیں۔ آپ میدان کربلا میں موجود تھیں اور اسیری میں بھی شریک لیکن رہائی کے بعد آپ نے مدینہ جانے سے انکار کر دیا اور ایک سال تک قبر حسینؑ پر خیمہ لگا کر مجاور کی حیثیت سے مقیم رہیں جس میں شب و روز مجلس گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔[1]

ایک سال کے بعد مدینہ واپس ہوئیں۔ یہاں بھی آپ نے امام حسینؑ کا ماتم برپا کیا اور عرصہ دراز تک وہ ان کی کنیزیں اور ان سے وابستگی رکھنے والی خواتین نوحہ و زاری میں مصروف رہیں۔[2]

۷۔ فاطمہ بنت الحسینؑ:

آپ کی والدہ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبداللہ تیمیہ تھیں۔[3]

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے فرزند حسنؑ (مثنیٰ) نے اپنے چچا حضرت امام حسینؑ سے آپ کی دو صاحبزادیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عقد کی خواستگاری کی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ تم کہو تمہارا عقد کیا جائے۔ حسنؑ نے شرم سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا میں خود تمہارے لئے اپنی لڑکی فاطمہ کو منتخب کرتا ہوں کیونکہ وہ میری مادر گرامی فاطمہؑ بنت رسولؐ سے زیادہ مشابہ ہے۔[1]

حضرت امام حسینؑ کو اپنی صاحب زادی پر اتنا اعتماد تھا کہ جب آپ میدان

---

[1] اصابہ مصرح ۱ص ۱۱۳۔ [2] کافی ج ۱ص ۲۹۶۔ [3] ارشاد ص ۲۶۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کربلا میں بعزم جہاد تشریف لے جا رہے تھے تو چونکہ آپ کے فرزند امام زین العابدینؑ شدت بیماری سے غش میں تھے آپ نے مخصوص تحریری امانتیں ایک سربمہر بند لفافہ میں اور وصیت نامہ دونوں کو فاطمہ کے سپرد فرمایا بعد میں فاطمہ نے یہ چیزیں اپنے بھائی کو سپرد کیں۔[۲]

آپ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں اور راویان احادیث میں آپ کا شمار ہے آپ کے صاحب زادے عبداللہ المحض آپ کے واسطہ سے نقل حدیث کرتے تھے۔[۳]

آپ اپنے بھائی حضرت امام زین العابدینؑ کے ساتھ خلوص و محبت رکھتی تھیں اور اپنی اولاد کو حضرت کے پاس بیٹھنے اور استفادہ کرنے کی ہدایت کرتی تھیں۔[۴]

آخر میں آپ کو اپنے شوہر حسنؑ بن حسنؑ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ آپ نے ایک سال تک ان کی قبر پر اپنا خیمہ برپا رکھا۔[۵]

اور برابر دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر نمازیں پڑھتی تھیں جب ایک سال کامل ہو چکا تو خیمہ ہٹایا گیا اور آپ مدینہ واپس گئیں۔[۶]

۸۔ سکینہ بنت الحسینؑ :

آپ رباب مادر علی اصغرؑ کے بطن سے تھیں۔ واقعہ کربلا میں آپ بہت کم سن تھیں واقعہ کربلا کے بعد آپ کی زندگی کے جو حالات ملتے ہیں وہ معتبر و مستند طریقہ سے ثابت نہیں ہیں۔

جب کہ خواتین اہل بیت رسالتؐ کا تذکرہ ہو رہا ہے تو بعض ایسی خواتین کا بھی یہاں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو میدان کربلا میں خود تو موجود نہ تھیں مگر کربلا

۱؎ ارشاد ص ۲۰۱۔ ۲؎ کافی ج ۱ ص ۱۷۹ و ۱۸۸۔ ۳؎ کافی ج ۱ ص ۳۹۴۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۳۔ ۴؎ ارشاد ص ۲۰۲۔ ۵؎ بخاری ج ۱ ص ۱۴۷۔ ۶؎ ارشاد ص ۲۰۳۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے واقعات سے اہم تعلق رکھتی تھیں۔

۱۔ ام المومنین ام سلمہؓ زوجہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰؐ :

آپ ازواج رسالت مآبؐ میں انتہائی نیک نہاد اور مقدس و محترم بی بی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر کے بعد آپ سے عقد کیا تھا۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد بھی ام سلمہؓ کو حضرت کے اہل بیت یعنی علیؑ بن ابی طالبؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ خاص الفت و محبت رہی۔ چنانچہ جنگ جمل کے موقع پر جب ام المومنین عائشہ نے حضرت علیؑ بن ابی طالب کے خلاف صف آرائی کی تھی اور اس کی خبر مدینہ پہنچی تھی تو ام المومنین ام سلمہ نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے کہا کہ اگر میرے لئے گھر سے نکلنا شرعاً ممنوع نہ ہوتا اور مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ اسے کبھی گوارا نہ کریں گے تو میں خود آپ کے ساتھ جنگ میں چلتی مگر کیا کروں مجبور ہوں کہ نکل نہیں سکتی۔

بہرحال اپنے فرزند عمر کو جسے میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں میں آپ کے ساتھ بھیجتی ہوں۔ وہ آپ کی نصرت میں جنگ کرے گا۔ چنانچہ یہ برابر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہمراہ رکاب رہے یہاں تک کہ آپ نے حکومت بحرین ان کو تفویض فرمائی جس پر وہ ایک عرصہ تک قائم رہے۔[1]

ترمذی کی روایت ہے کہ ام سلمہ نے روز عاشور رسول اللہؐ کو خواب میں اس حالت سے دیکھا کہ آپ رو رہے تھے اور آپ کے سر و ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ ام سلمہ نے سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''ابھی ابھی میرا حسینؑ قتل کر دیا گیا ہے''۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ام سلمہ کا وجود ۶۳ھ تک معلوم ہوتا ہے مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے اسی روز یعنی ۶۱ھ عاشور محرم کو انتقال فرمایا۔

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۶۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۔ ام البنین زوجہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ :

آپ کے نام و نسب اور خاندانی خصوصیات کا تذکرہ ابو الفضل العباس اور ان کے بھائیوں کے حالات کے ذیل میں آ چکا ہے۔

جس ماں کے ایسے چار بیٹے ہوں اور وہ سب کے سب ایک ساتھ قتل ہو جائیں اس کے تاثرات زبان قلم سے کہاں ادا ہو سکتے ہیں۔ شرح کامل میں ابو الحسن اخطش عرب کے ایک بڑے ادیب کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ واقعات کربلا سے مطلع ہونے کے بعد ام البنین روزانہ بقیع کی طرف عباس کے کم سن فرزند عبید اللہ کو ساتھ لے کر چلی جاتی تھیں اور وہاں عباس کا مرثیہ پڑھتی تھیں جو اتنا درد ناک ہوتا تھا کہ مدینہ کے لوگ وہاں جمع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ مروان بن الحکم کا سا خاندان نبوت کا دشمن بھی اکثر اس مجمع میں دکھائی دیتا تھا اور آپ کے پر درد اشعار کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

آپ کے یہ اشعار پر درد ہی نہیں بلکہ اس قوت نفس کے بھی حامل ہوتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ عباس ایسے مجاہد راہ خدا کی ماں ہیں۔

چنانچہ آپ کے اشعار میں سے بعض تاریخ کے اوراق تک پہنچ کر ہماری نظر سے بھی گزرے ہیں جن کا مفہوم درج ذیل ہے۔

''کہاں ہیں اس منظر کے دیکھنے والے کہ جب میرا شیر دل عباس حملہ آور ہو رہا تھا، بھیڑوں کے گلے پر اور اس کے پیچھے تھے حیدر صفدر (علیؑ بن ابی طالبؑ) کی اولاد میں سے کئی باہمت شیر۔ ہائے افسوس کہ میرے فرزند کا سرگرز گراں سے شگافتہ کیا گیا اس وقت کہ جب اس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔ اے عباس! مجھے یقین ہے کہ اگر تلوار تیرے ہاتھ میں رہتی تو کسی کی ہمت نہ تھی کہ تیرے قریب آ سکتا''۔

اے لوگو! اب مجھے ''ام البنین'' (فرزندوں کی ماں) نہ کہو اس لئے کہ اس سے مجھے میرے شیر یاد آ جاتے ہیں۔ میرے کبھی کئی بیٹے تھے جن کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طرف نسبت دے کر میں پکاری جاتی تھی۔ اب تو میرے بیٹے ہی نہیں رہتہ گئے۔ وہ چاروں جو مثل بازہائے شکاری کے تھے موت کے گلے میں باہیں چلے گئے۔ نیزوں نے ان کے ٹکڑے کر دیئے اور وہ سب زمین پر بے جان ہو کر گر گئے۔ کیا صحیح ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عباس کے ہاتھ بھی قطع کر دیئے گئے تھے"۔

.....

جبکہ خواتین متعلقہ کربلا کا تذکرہ ہو رہا ہے تو اصحاب حسینی سے نسبت رکھنے والی ان خواتین کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا واقعات کربلا میں کوئی کارنامہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے تا کہ واقعہ کربلا کی ہمہ گیری کے سلسلہ میں اس کا پورا اندازہ ہو سکے کہ طبقہ خواتین کا اس معرکہ میں کتنا حصہ ہے۔

.....

۱۱۔ دلہم بنت عمرو:

یہ زہیر بن القین کی زوجہ تھیں۔ ان کا ذکر حضرت امام حسینؑ کے سفر عراق کے سلسلہ میں منزل زرود کے حالات میں آچکا ہے۔

یہ محترمہ خاتون اپنے شوہر کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کو گئی ہوئی تھیں ان کے شوہر زہیر اب تک خاندان رسولؐ سے کوئی خاص ربط و ضبط نہ رکھتے تھے بلکہ عام طور سے عثمانی جماعت میں سمجھے جاتے تھے مگر واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاتون کے دل میں مخفی طور پر سہی اہل بیت رسولؐ کے ساتھ عقیدت موجود تھی۔ اسی بناء پر جب منزل زرود میں حضرت امام حسینؑ نے زہیر کے بلانے کو آدمی بھیجا اور زہیر کو جانے میں تامل ہوا تو اس خاتون نے کہا کہ سبحان اللہ فرزندِ رسولؐ تمہارے بلانے کو آدمی بھیجیں اور تم نہ جاؤ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بڑے غضب کی بات ہے ذرا جا کر سنو تو کہ حضرت کیا فرماتے ہیں۔ اسی بصیرت افروز فقرہ کا اثر تھا کہ زہیر گئے اور واپس آئے تو جان و دل سے امام کی نصرت پر آمادہ ہوئے۔ بے شک اس خاتون کو خود واقعہ کربلا میں شرکت کا موقع نہیں ملا اس لئے کہ زہیر نے اسے اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا بلکہ اسی منزل پر اسے طلاق دے کر اس کے میکے بھجوا دیا اور خود امام حسینؑ کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے مگر اس کی محرک یہی خاتون تھی اس لئے اسے واقعہ کربلا کے تذکرہ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۱۲۔ ام وہب بنت معبد :

قبیلہ نمر بن قاسط میں سے عبداللہ بن عمیر کلبی کی زوجہ تھیں۔ کوفہ میں قبیلہ ہمدان کے مقام بئر الجعد کے پاس ان کا مکان تھا جو کوفہ کی گنجان آبادی سے باہر نخیلہ کے حدود میں باغات خرما کے قریب تھا۔ جب امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ابن زیاد کو پہنچی اور اس نے اپنا لشکر گاہ نخیلہ میں قرار دیا اور عبداللہ نے اس فوج کشی کا سبب معلوم ہونے پر یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کی مدد کو جائیں گے تو انہوں نے اپنے اس مبارک ارادہ کا ذکر اپنی اسی قابل اعتماد اور وفادار بیوی ام وہب سے کیا۔ اس نے بغیر کسی تردد اور ہراس کے اپنے شوہر کی ہمت افزائی کی اور کہا ''تم نے بالکل ٹھیک ارادہ کیا ہے۔ خدا تمہارے ارادہ میں برکت عطا کرے۔ ضرور ایسا ہی کرو اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور انصار حسین کے ساتھ کربلا میں جا کر ملحق ہو گئے۔

اس کا تفصیلی تذکرہ عبداللہ بن عمیر کلبی کے حالات میں ہو چکا ہے۔ طبقہ خواتین میں بھی وہ خاتون ہے جس کے بے گناہ خون نے شہدائے کربلا کے ساتھ کربلا میں جلتی ریت پر بہہ کر اس مرقع کی دلدوزی اور درد انگیزی میں ایک موثر اضافہ کیا۔

سلام ہو اس خاتون پر جس سے مظلوم کی نصرت میں اپنے گھر بار اپنے سہاگ اور پھر اپنی جان کو بھی نثار کر دیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۳۔ زوجہ مسلم بن عوسجہ:

فاضل سماوی نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم کے علاوہ جتنے انصار امام حسینؑ تھے وہ کربلا میں اپنے اہل وعیال کو ساتھ نہ لائے تھے اس لئے کہ جو افراد مدینہ سے ساتھ آئے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت بیعت یزید سے بچنے کے لئے کیسے غیر اطمینانی طریقہ پر تشریف لئے جا رہے ہیں تو وہ اپنے ساتھ متعلقین کیوں لاتے اور جو لوگ راستے میں پہنچے یا کربلا میں آکر شریک ہوئے وہ دشمنوں کی ناکہ بندی سے بچتے ہوئے خود ہی کتنی مشکلوں سے جان بچا کر آئے تھے پھر وہ اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو کیونکر لا سکتے تھے۔

بس صرف تین آدمی تھے جو کربلا میں اپنے متعلقین کے ساتھ آئے تھے۔ ایک عبداللہ بن عمیر کلبی (جن کا ذکر ابھی ہو چکا) دوسرے جنادہ بن حارث سلمانی (ان کا ذکر ابھی آئے گا) تیسرے مسلم بن عوسجہ، یہ کربلا میں اپنے متعلقین کے ساتھ آئے۔ خود اصحاب حسینؑ کے خیام کے ساتھ اپنا خیمہ لگایا اور عورتوں کو خیام حسینؑ میں اہل حرم کے پاس بھیج دیا چنانچہ جنگ مغلوبہ میں قبل ظہر جب مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے تو ان کی ایک کنیز نے بلند آواز سے روتے ہوئے کہا۔ ''واسیداہ وا مسلم بن عوسجاہ'' ہائے میرے آقا، ہائے مسلم بن عوسجہ'' اسی آواز سے فوج شام کو یہ علم ہو سکا کہ مسلم شہید ہو گئے ہیں۔[1]

۱۴۔ بحریہ بنت مسعود:

یہ جنادہ بن کعب انصاری کی زوجہ تھیں۔ اپنے شوہر اور بچہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے حضرت امام حسینؑ کے قافلہ میں آئی تھیں۔ جب جنادہ بن کعب شہید ہوگئے تو انہوں نے اپنے نوعمر فرزند عمرو بن جنادہ کو نصرت حسینؑ کے لئے بھیج دیا چنانچہ جب امام نے اجازت دینے میں تامل فرمایا۔ اس بناء پر کہ ابھی تو اس کا باپ کام آیا ہے اب اس کی بیوہ ماں کے دل پر کیا گزرے گی تو بچہ نے کہا کہ مجھے میری ماں ہی نے تو بھیجا ہے اور

---

[1] ابصار العین ص ۱۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

انہوں نے ہی مجھے یہ جنگ کا لباس پہنایا ہے۔

جب یہ بچہ میدان میں جا کر اپنی قربانی پیش کر رہا تھا تو یہ مقدس خاتون اپنے خیمہ کے دروازے پر کھڑی اس منظر کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔ بے رحم دشمنوں نے بچہ کا سر کاٹ کر فوج حسینی کی طرف پھینک دیا تو ماں نے اس سر کو اٹھا لیا اور کہا ''شاباش بیٹا شاباش! تو نے میرا دل خوش کر دیا اور میری آنکھوں میں ٹھنڈک ڈال دی''۔

پھر اس نے سر کو اٹھا کر فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود بھی ایک گرز آہنی لے کر حملہ کر دیا۔ امام نے حکم اسلامی یاد دلایا کہ عورتوں کو تلوار لے کر جہاد نہیں کرنا چاہئے تو وہ فرض شناس خاتون واپس چلی آئیں اور اہل حرم کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

قیاس کہتا ہے کہ مسلم بن عوسجہ اور جنادہ بن کعب دونوں کی متعلقہ خواتین اہل حرم حسینؑ کے ساتھ اسیری میں شریک ہوں گی مگر فاضل سماوی کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کوفہ تک ساتھ رہیں اور کوفہ میں ان کے عزیز و اقارب ابن زیاد سے کہہ سن کر ان خواتین کو رہا کرا لے گئے۔ کوفہ سے شام تک جو لے جائی گئیں وہ صرف خاندان رسالت کی مقدس خواتین یا ان کے ساتھ ہمیشہ وابستگی رکھنے والی کنیزیں تھیں۔[1]

---

[1] ابصار العین ص ۱۳۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تینتیسواں باب

گزشتہ واقعات کی روشنی میں حسینی شخصیت اور کارنامہ ءحسینی پر تبصرہ

راہ حق میں واقعہ کربلا کے پہلے بھی بہت قربانیاں ہوئی ہیں مگر وہ انفرادی حیثیت رکھتی تھیں جیسے سقراط کا جام زہر پینا، جناب زکریا اور یحییٰ کا شہید کیا جانا (بقول نصاریٰ) حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھایا جانا اور بہت سے دوسرے انبیاء و مرسلین کا قتل کر دیا جانا۔ مگر واقعہ کربلا کی حیثیت اجتماعی تھی جہاں حسینؑ کی قیادت و رہنمائی میں ایک جماعت مصروف کار تھی جس میں بچے بوڑھے اور جوان، آزاد اور غلام، عربی اور غیر عربی، قرشی اور غیر قرشی ہر سن اور ہر طبقہ کے افراد موجود تھے جن میں مشترک نقطہ سوا ایک اتحاد مقصد کے کچھ نہ تھا۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اتنے ہم دل اور ہم زبان، ہم خیال اور ہم آہنگ افراد دنیا میں نہ واقعہ کربلا کے پہلے ایک نقطہ پر جمع ہوئے اور نہ اس کے بعد۔

حالانکہ جذبات انسانی میں ماحول اور سن و سال کے اختلاف سے کس قدر فرق ہوا کرتا ہے مثلاً جوان زیادہ تر اقدام پسند ہوتے ہیں اور جلد ہی میدان عمل میں کود پڑنا چاہتے ہیں۔ بوڑھے نسبتاً بردبار ہوتے ہیں اور ہر معاملہ میں بہت سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اور عورتیں زیادہ تر دل کی کمزور ہوتی ہیں اس لئے ہولناک موقع پر شدت سے متاثر ہو کر مردوں کے عزم و ارادہ کو بھی پست کر دینے کی باعث قرار پاتی ہیں اور بچے تو ناموافق حالات میں رونے یا مچلنے ہی لگتے ہیں چنانچہ اگر کسی سخت موقع پر ایک مرد، ایک عورت، ایک بچہ اور ایک بوڑھا یکجا ہوں تو افتاد طبع کے لحاظ سے ان کے رجحانات میں اتنا اختلاف ہوگا کہ ان میں کسی ذمہ دار فرد کو کسی ایک راہ عمل کے معین کرنے اور سب کو اس پر چلانے میں کافی دقت محسوس ہوگی چہ جائیکہ سو ڈیڑھ سو آدمیوں کی وہ جماعت جس میں ایک نہیں متعدد بوڑھے، متعدد جوان، متعدد بچے اور پھر ان کے علاوہ متعدد عورتیں موجود

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوں اور پھر یہ تمام افراد بغیر کسی باہمی اختلاف یا کشمکش کے سخت سے سخت حالات میں بھی برابر سے شریک کار اور مصروف عمل ہوں تو اس کے متعلق بس یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ ان کے قائد کی قیادت عجیب تاثیر رکھتی تھی کہ اس نے جوانوں کے خون کی گرمی کو گھٹا کر اس میں بوڑھوں کے ساتھ ٹھہرنے کی صلاحیت پیدا کی اور بوڑھوں کی طبیعت میں حرارت پیدا کر کے ان کو جوانوں کے ساتھ ساتھ چلنے کے قابل بنایا۔ عورتوں کے دلوں میں اتنی قوت بھر دی کہ وہ شدید سے شدید ظلم و تشدد کے ہنگام میں پریشان و مضطرب نہ ہوں اور بچوں کی طبیعتوں میں وہ پختگی راسخ کر دی کہ ہولناک موقعوں پر بھی وہ رونے کی بجائے ہنستے نظر آئیں۔

امام حسینؑ کا یہ طریقہ قیادت حقیقتاً ایک رازِ سربستہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں تو آپ نے بغرض اتمام حجت تقریریں کیں لیکن اپنے احباب و اعزہ میں جوش عمل پیدا کرنے کے لئے کوئی تقریر بھی نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف آپ برابر ان کو اپنا ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کی ترغیب دیتے رہے اور وہ سختی کے ساتھ آپ کی نصرت کا دم بھرتے رہے۔

اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بس امام حسینؑ کی مخصوص ذہنی تربیت تھی کہ حقانیت کی صحیح قدر و قیمت کا احساس اس طرح ان کے دل میں اتار دیا تھا کہ وہ خود اپنے ضمیر کی تحریک سے قدم آگے بڑھانے پر گویا کہ اپنے کو مجبور پا رہے تھے۔ وہاں کسی خاطر داری اور مروت یا دباؤ کا سوال نہ تھا بلکہ ان کی وہ جماعت تھی جو حق کو حق سمجھتے ہوئے راہ حق پر گامزن تھی اور حقیقتاً ایسے ہی ساتھیوں کی حسینؑ کو ضرورت بھی تھی۔ اسی لئے آپ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت سے لے کر شب عاشور تک ہر ہر موقع پر اپنی دشوار گزار مقاومت کے بظاہر ہولناک انجام سے ان کو بار بار متنبہ کرتے رہنے کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا اور یہی آپ کا طریقہ کار تھا جس نے آپ کی مقاومت کو اعجاز کی حد تک کامیاب ثابت کر دکھایا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایسا آج بھی ممکن ہے کہ دوران جنگ کسی فریق کی گولہ باری سے کوئی بستی بالکل تہس نہس اور ویران ہو جائے اور اس میں کوئی ایک متنفس بھی زندہ باقی نہ رہے مگر ان لوگوں میں سے کہ جن کی جانیں اس گولہ باری کے ذیل میں ضائع ہو رہی ہوں گی ناممکن ہے کہ ہر ایک اس مصیبت کے برداشت کرنے کا حقیقتاً آرزو مند ہو اور خود اختیاری طور پر اس کو گوارا کر رہا ہو۔ ان میں بیشتر کا اگر بس چل سکے تو جس قیمت پر بھی ہو اپنے کو اس مصیبت سے بچا لیں مگر کربلا میں انصار حسینؑ میں سے ہر ایک خود ذاتی حیثیت سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلک کی حقانیت پر یقین کامل رکھتے ہوئے برضا و رغبت تمام آگے بڑھ رہا تھا اس طرح کہ ان میں سے کسی ایک کے دامن عمل پر بھی کمزوری کا دھبہ نہ آسکا۔

غداری اور مخالفانہ سرگرمی سے قطع نظر کرتے ہوئے کسی جماعت میں منسلک شدہ افراد کا باہم نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اختلاف رائے رکھنا عموماً قابل اعتراض عمل نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ عمل میں ہم آہنگی اور یکجہتی باقی نہیں رہتی لہٰذا مقصد اور نتیجہ تحریک کے استحکام پر اس کا بھی اثر برا پڑتا ہے مگر جماعت حسینی کے افراد میں باہم اختلاف رائے کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ وہاں پوری جماعت نے اختیاری طور پر اور پورے شعور و ارادہ کے ساتھ اپنے تصور، خیال، ارادہ، عزم اور اقدام کو مستغرق کر دیا تھا۔ ایک انسان کے خیال، ارادہ اور اقدام کے اندر۔ اسی لئے یہ کہنا درست ہے کہ ایسے قائد اور ایسی جماعت کی مثال دنیا کے پردہ پر نظر نہیں آتی۔

جماعت میں سے ہر ایک رہنما کی ہستی اور اس کے مسلک پر جسے خود بھی اپنے دماغ و عقل سے سمجھ چکا تھا اپنے کو قربان کر رہا تھا اور رہنما ان میں سے ہر ایک کی مصیبت کو برداشت کرنے کے بعد اپنے کو سخت ترین موقع کی آزمائش کے لئے تیار پا رہا تھا۔ وہ سخت موقع وہ تھا جب آس پاس کوئی نہ رہا تھا اور صرف ایک اکیلے حسینؑ کی ذات تھی مگر اب بھی اس ایک اکیلے انسان کے عزم و ارادہ میں وہی جاہ و جلال اور استحکام تھا جو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مددگاروں کے موجود ہونے کے عالم میں موجود تھا۔ چراغ بجھ گیا مگر اپنی روشنی چھوڑ گیا وہ روشنی جو ہزاروں تاریکیوں کے پردہ میں اب تک جگمگا رہی ہے۔ کوئی شبہہ نہیں کہ ظلم اور تشدد کی آگ نے ابتدائے آفرینش سے آج تک لاکھوں بستیاں خاکستر کر دیں مگر مظلومیت میں کبھی شعور، اقتدار و اختیار اور فرائض کی بجا آوری میں اطمینان وسکون و وقار کا یہ مظاہر ہو نظر نہیں آیا جو کربلا کے میدان میں نظر آ رہا تھا۔

سب سے پہلے جبروت وتشدد کے مقابلہ میں ظاہری حیثیت سے بے سروسامانی اور بے بسی کی جنگ کا نمونہ کربلا میں پیش کیا گیا اس لئے کہ اس کے پہلے طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہمیشہ ہوتا رہا تھا مگر طاقت کا مقابلہ کردار کی قوت سے کبھی نہیں کیا گیا تھا۔

اسی طریقہ مقابلہ کو بہت ہی ناقص درجہ پر ہندوستان کی نجات کے لئے اختیار کیا گیا مگر باوجودیکہ یہاں مقابل کے ظلم وتشدد کا درجہ اتنا سنگین نہ تھا جو بالعموم انسانوں کی بیش قیمت جانوں تک پہنچتا پھر بھی افراد میں وہ ہم رنگی و ہم آہنگی نظر نہ آ سکی جو اس قسم کے مقابلہ کی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

اس کے ساتھ واقعہ کربلا میں یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہاں طاقت کے مقابلہ میں بے کسی اور بے بسی کے باوجود بھی وہ ''سپردگی'' نہ تھی جو ظالم کی ہمت افزائی کی باعث ہو سکے بلکہ وہاں حفاظت خود اختیاری کے اس فطری آئین پر پورا عمل کیا جا رہا تھا جو اسلام کا بنیادی قانون ہے اس طرح واقعہ کربلا میں ایک ایسی نوعیت پیدا ہوگئی تھی جسے دنیا آج تک نہ دہرا سکی ہے نہ آئندہ کبھی دہرا سکے گی۔

اس مقابلہ کی عدیم المثال نوعیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کربلا کے میدان میں امام حسینؑ مخدراتِ عصمت اور اطفال خورد سال کو بھی اپنے ساتھ لائے جنہوں نے اپنے اپنے حدود کے اندر اس مجاہدہ عظمیٰ میں نمایاں اور منظم حصہ لیا جس نے واقعہ کربلا کے منفرد خصوصیات میں ایک بڑا اضافہ کر دیا جس کے متعلق گزشتہ ابواب میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا میں بوڑھے جوان بچے اور عورتیں سب ہی حقانیت کے تحفظ میں اپنے اپنے محل پر اپنا کام فرض کے کامل احساس کے ساتھ انجام دے رہے تھے جن کے لحاظ سے واقعہ کربلا صرف درد انگیز اور جاں گسل واقعہ نہیں رہا بلکہ وہ مذہبی و اخلاقی تعلیمات کا ایک بے مثال مرقع بن گیا جو اطمینان وسکون کے لمحات میں بھی اگر مرتب ہوتا تب بھی انتہائی تعریف کے قابل ہوتا چہ جائیکہ وہ ایسے پر اضطراب عالم میں مرتب ہوا تھا جبکہ انسان کے ہوش بھی بجا رہنا مشکل ہیں۔

حسینی شخصیت کی بے نظیر رفعت

حسینؑ اپنے کردار کی بلندی میں منفرد ہوتے اس وقت بھی کہ جب یزید کی خلافت کے تمام عالم اسلامی میں تسلیم شدہ ہونے کے بعد تنہا انکار کی آواز ہی آپ نے بلند کی ہوتی لیکن اس وقت حسینؑ اور بھی بلند نظر آئے کہ جب آپ نے ہزاروں تلواروں نیزوں اور تیروں کے مقابلہ میں بھی اس انکار کو قائم رکھا۔ حسینؑ اس وقت بھی حسینؑ ہوتے جب آپ اکیلے قربان گاہ شہادت میں تنہا اپنی جان کا ہدیہ پیش کر دیتے لیکن حسینؑ اور بھی بلند ہو گئے جب آپ نے اپنے ساتھ کم از کم بہتر قربانیاں اور بھی پیش کر دیں۔

حسینؑ بے شک حسینؑ ہی رہتے اگر آپ کسی جماعت کو پر جوش تقریروں کے ذریعہ سے ترغیب وتحریص سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہوئے ہوتے لیکن حسینؑ اور بھی بلند منزل پر نظر آئے کہ جب آپ نے اپنے ساتھ والوں کو اس قسم کی کسی صورت سے اپنے ساتھ رکھنے میں کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی حقانیت کو اس طرح ان کے ذہن نشین کیا کہ ان میں سے ہر ایک حسینی عزم اور استقامت کا حامل ہو گیا یعنی عام طور پر تو ایک انسان کا اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھنا اور اپنے قدم کا مستقل رکھنا ہی ایک بڑا کارنامہ ہوتا ہے لیکن حسینؑ نے بہتر آدمیوں کے دل و دماغ کو ایک مرکز پر جمع کر کے گویا ہر ایک سینہ میں اپنا دل اور ہر دل میں اپنا استقلال ودیعت کر دیا تھا جسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ۔

حسینؑ ایک اکیلے میدان جہاد میں حسینؑ ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ بوقت واحد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بہتر حسین میدان قربانی میں پیش کر رہے تھے یعنی ایسے افراد جن میں ہر ایک قوم، قبیلہ اور سن و سال کے باہمی اختلاف کے باوجود اس ایک روح کا حامل تھا جس روح کو ہم سوا لفظ ''حسین'' کے دوسرے کسی نام سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد حسینؑ اس وقت بھی حسینؑ ہی رہتے جب آپ اپنے اعزہ و احباب کے داغ اٹھانے کے قبل جام شہادت نوش فرما لیتے لیکن حسینؑ اس وقت اور بلند سطح پر نظر آئے کہ جب آپ نے ان میں کسی ہر فرد کو اپنے سامنے راہ حق میں نثار کر دیا۔

پھر اس صورت میں بھی حسینؑ یقینی ایک مخصوص منزل پر ہوتے اگر اس کے بعد آپ بغیر مقابلہ کئے ہوئے اپنے کو نیزہ و شمشیر کے سپرد کر دیتے مگر حسینؑ اس وقت اس سے بھی بلند نظر آئے جبکہ ان ہی ہاتھوں سے جن پر ابھی ابھی طفل شیر خوار کا لاشہ اٹھا چکے تھے تلوار کے قبضہ کو مضبوط پکڑا اور مردانہ وار مقابلہ شروع کر دیا اور اس تنہائی کے عالم میں اور ہزاروں کے نرغے میں بھی آپ نے حمزہ و جعفر اور حیدر صفدر کے روایات کو زندہ کر دکھایا۔

حسینؑ اور بھی بلند منزل پر اس وقت نظر آتے ہیں جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ آپ نے شدید سے شدید مصائب و آلام میں مبتلا ہونے کے باوجود شریعت اسلام کے عام فرائض و تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے نظر انداز نہیں فرمایا چنانچہ اصحاب و اعزہ کے لاشے اٹھانے کے ساتھ ساتھ غلاموں کے لئے بھی مساوات اسلامی کو برت رہے تھے جیسا کہ جون غلام ابوذر غفاری اور غلام ترکی کے حالات میں درج کیا جا چکا ہے اور اس موقع پر بھی کہ جب آپ کے اصحاب ایک ایک کر کے شہید ہوتے جا رہے تھے اور جدال و قتال جاری تھا آپ نے نماز ظہر بجماعت ادا فرما کر احساس فرض کی بے نظیر مثال پیش کی۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ بوقت واحد آپ جہاد بھی کرتے جاتے تھے اور مقاصد جہاد کا عملی اعلان بھی۔

حسینؑ اس وقت بھی حسینؑ ہی رہتے کہ جب آپ صرف اپنے تمام اصحاب و اعزہ کے ساتھ شہید ہو جاتے اور اپنے جہاد کو اپنی زندگی کے خاتمہ ہی پر ختم کرتے مگر اس وقت حسینؑ میدان جہاد میں اور بھی بلند نظر آئے جب آپ نے اپنی شہادت کے بعد کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لئے اس شہادت کے مقاصد کی اشاعت کا انتظام کیا۔ اپنے اہل حرم اور چھوٹے بچوں کو ساتھ لاکر جن میں سے ہر ایک میں فرض شناسی اور حقیقت پروری اس طرح سرایت کئے ہوئے تھی کہ ابن زیاد کے دربار اور یزید کے قصر حکومت میں بھی ان پسماندگان میں سے کسی ایک متنفس نے اموی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا یعنی وہ بیعت کا انکار جس پر حسینؑ کا سر نیزہ پر پہنچ گیا اب بھی قائم تھا اور اب اس کے علمبردار سید سجادؑ، زینب خاتون، ام کلثوم ہی نہیں بلکہ کمسن بچے فاطمہ، سکینہ اور محمد باقرؑ بھی تھے۔

کردار حسینی کی لامتناہی رفعت کے مذکورہ بالا منزل میں سے ہر منزل وہ ہے جہاں انسانیت سر تسلیم خم کر دیتی ہے اور اسی کو انتہائے امکان سمجھ لینے پر اکتفا کر لیتی ہے مگر حسینی عمل اس کے بعد بھی آگے بڑھتا ہی نظر آتا ہے اور آخر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی ذات تاریخ عالم میں ایک نئے انسانی تصور کا اضافہ کرتی ہے وہ تصور جس کے خط و خال سمجھنے میں تیرہ سو برس سے اب تک دنیا مصروف ہے اور ابھی بہت کچھ سمجھنا اور سمجھ کر لفظوں میں بیان کر سکنا باقی ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چونتیسواں باب

فتح کس کی ہوئی ؟

مادی نقطہ نظر سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ معرکہ کربلا کے نتیجہ میں یزید کو فتح ہوئی اور امام حسینؑ کو مکمل طور پر شکست ہوگئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی زبان و لغت میں بھی فتح پانے کے معنی ''قتل کر دینا'' اور شکست کھانے کے معنی قتل کر دیا جانا نہیں قرار پا سکتے۔ بلکہ فتح نام ہے کامیابی یعنی مقصد کے حصول کا اور شکست ناکامی یعنی مقصد کے ہاتھ نہ جانے کا، لہٰذا معرکہ کربلا کے نتیجہ کے متعلق کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے طرفین کے مقاصد کو سمجھنا بہرحال ضروری ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ یزید سے امام حسینؑ کو ذاتی اور شخصی اغراض کی بناء پر مخالفت نہ تھی اگر بحیثیت ایک متنفس کے حسینؑ بس زندگانی دنیا ہی کے خواہاں ہوتے اور یزید آپ کی دنیوی سیاست سے علیحدگی کو اپنے اقتدار سلطنت کے قائم رہنے کے لئے کافی سمجھتا تو عملی حیثیت سے کسی تصادم کا امکان ہی نہ ہوتا۔

مگر وہاں صورت حال یہ تھی کہ یزید مسلمانوں کے سروں پر بحیثیت ایک خودسر اور مطلق العنان فرمانروا کے مسلط ہونے کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی نیابت کا دعویٰ دار تھا اور حسینؑ کے خاموشی کے ساتھ بیعت سے علیحدہ رہنے کو بھی وہ اپنے مقصد میں مزاحم سمجھتا تھا۔ وہ قبل اسلام کی مادہ پرستی کو پلٹانے کے لئے عملی طور سے کوشاں اور حسینؑ روحانیت اور خدا پرستی کو قائم رکھنے کے ذمہ دار، وہ جبر و ظلم اور استبداد کا سکہ چلانے کے درپے اور حسینؑ حق و راستی کا علم بلند کرنے پر مامور، وہ اسلامی حدود و امتیازات مٹانے پر تلا ہوا اور حسینؑ اسلامی خصوصیات کو باقی رکھنے کے فریضہ پر متعین تھے چنانچہ یزید نے معرکہ کربلا کے مقاصد کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے قہرمانی نقطہ نظر کو بے نقاب کر دیا یہ کہہ کر کہ حسینؑ نے عوام کو ان کے حقوق سے آگاہ کر کے ہماری بلند عمارتوں اور آرائش و آسائش کے سامانوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا اس لئے ہمیں اپنے اقتدار اور دولت کو قائم

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رکھنے کے لئے جنگ کرنا پڑی اور حسینؑ نے اپنی مقاومت کی نوعیت کو مندرجہ ذیل اشعار میں واضح فرمایا ہے جو ابن خشاب نے نقل کئے ہیں۔

اللہ یعلم ان ما	بیدی یزید لغیرہ
وبانہ لم یکتسبہ	بخیرہ و بمیرہ
لوانصف النفس الحنوء	ن لقصرت من سیرہ
و لکان ذالک منساد	نی ثمرہ من خیرہ

یعنی اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ یزید کے پاس ہے وہ سب کا سب دوسروں کا ہے۔ خود اس کو کوئی استحقاق اس پر تصرف کا حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ خیانت کرنے والا نفس انصاف سے کام لیتا تو اپنی رفتار بدل دیتا اور شرارت میں کمی کرتا۔

حسینؑ کا یہی نظریہ وہ تھا جس کا پھیلنا اور دوسروں کے دماغوں اور پھر زبانوں تک پہنچنا یزید کی تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ استبدادی طاقت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ افراد قوم کی قوت احساس اور جرأت اظہار ختم کی جائے۔

چنانچہ حکومت دمشق کی طرف سے ایسی ہی تدبیریں کی گئیں کہ عوام نے یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ حکومت جائز ہے یا ناجائز اور اگر کوئی سوچتا اور سمجھ بھی لیتا تو اس میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ وہ اپنے خیالات کا آزادی کے ساتھ اظہار کر سکتا۔ اس کے بالکل برخلاف امام حسینؑ کا مقصد یہ تھا کہ جمہور مسلمین میں قوت احساس اور جرأت اظہار کی صفتیں جو مفقود ہو گئی تھیں پھر سے پیدا ہو جائیں۔

حسینؑ اپنے بلند کردار سے ایک عام بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے ماتحت صرف طاقت و اقتدار کو حق نہ سمجھا جائے بلکہ اصل حق کو حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی طاقت پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ عام خیالات جس سطح پر قائم ہو جاتے ہیں اس سے اس وقت تک نہیں ہٹتے جب تک کہ فضائے دماغی میں ہلچل ڈالنے والا کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آتا۔

چنانچہ ۶۰ھ میں حکومت شام کے قبیح و مذموم افعال عام طور پر مسلمان اپنی

Presented By: https://jafrilibrary.com

آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر بھی ان پر ایک عام بے حسی چھائی ہوئی تھی یہی سبب تھا کہ امام حسینؑ کا ساتھ دینے والے بھی تعداد میں بہت کم تھے۔

لہٰذا فطری حیثیت سے ضرورت تھی کسی ایسے اچانک حادثہ کی بلکہ غیر معمولی واقعہ کی جو عام خلقت انسانی کی قوت احساس کو بیدار کر دے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت نے اسی مقصد کو حاصل کیا۔

اسی کے ساتھ آپ کی عملی حیثیت سے نہایت شاندار مقاومت کی مثال نے ان میں پھر سے جرأت اظہار پیدا کر دی۔ بات یہ ہے کہ عام طور پر جب تک انسان میدان عمل میں کوئی صریحی مثال نہیں دیکھ لیتا ہے۔ اس وقت تک ہچکچاتا رہتا ہے لیکن مثال سامنے آجانے پر وہ خود بھی سرگرم عمل ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

میدان کربلا میں نہ صرف حسینؑ ہی کو بلکہ بوڑھوں جوانوں اور بچوں تک کو نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کرتے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھنے یا کانوں سے سن لینے والوں کے نزدیک راہ حق میں موت کا مرحلہ پہلے سے بہت زیادہ آسان ہوگیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اکثر وہی اسباب جن کے ذریعہ سے خاص طرح کا نتیجہ پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے حد سے بڑھ جانے پر توقع کے بالکل خلاف نتیجہ برآمد کرتے ہیں جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے الشی اذا تجاوز عن حدہ رجع الی ضدہ (یعنی) کوئی شے جب اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو اپنی ضد کی طرف مائل ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک جابر و قاہر حکومت کی طرف سے عوام پر اس پابندی کا عائد کیا جانا کہ اس کے طرز عمل کے خلاف آواز بلند نہ کی جائے زیادہ تر جبر و تشدد کی بناء پر ہوتا ہے لیکن یہی ظلم و تشدد جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اسی دبی اور پسی ہوئی خلقت کی آواز ایک بے اختیار چیخ کے طور پر بلند ہوتی ہے جو آگے چل کر کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

یزیدی حکومت جو حسینؑ پر ظلم و ستم ڈھا رہی تھی وہ اسی غرض سے کہ آپ کے بظاہر عبرتناک انجام کو دیکھ کر پھر کسی کو ذرا بھی مخالفت کی جرأت نہ ہو اور امام حسینؑ اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے تمام مظالم صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔

نتیجۃً حکومت اپنے ذوق ستم رانی کے سبب سے یہ تمیز نہ کر سکی کہ ظلم و جور کو کس حد تک جبر کے دباؤ سے خلقت برداشت کرنے پر تیار کی جا سکتی ہے اور کس نقطہ تک پہنچ کر بظاہر وہ احساسات بھی پھر ہری لے کر چونک پڑتے ہیں اور شکنجہ ظلم میں گرفتار اور بظاہر بے بس خلق خدا اس شدت سے پھڑ پھڑاتی ہے کہ خود شکنجہ ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام حسینؑ یہ اعتماد کامل رکھتے تھے کہ آپ حقانیت کے تحفظ میں مصائب کا وہ غیر معمولی مقابلہ کر سکیں گے کہ خود ظلم و تشدد کے دست و بازو آپ کی قوت برداشت کے مقابلہ میں معطل و عاجز نظر آنے لگیں گے۔

حکومت کی توقع تو یہ تھی اور مظالم ڈھائے اسی لئے جاتے ہیں کہ دوسرے عبرت حاصل کر کے اس کے بعد ایسی جرأت نہ کریں گے اور حکومت کے منشاء کے خلاف طرز عمل اختیار کرنے کا یہ دردناک انجام دیکھ کر کسی میں لب کشائی کی ہمت نہ ہوگی۔ اسی خیال کے ماتحت پسماندگان حسینؑ کا لٹا ہوا قافلہ بحال تباہ شہر بشہر اور دیار بہ دیار تشہیر کیا گیا تھا مگر اوراق تاریخ گواہ ہیں کہ نتیجہ بالکل یزید کی توقع کے خلاف ظاہر ہوا جس کے آثار عین موقع جنگ ہی پر حر بن یزید ریاحی کے لشکر شام سے جدا ہو جانے ہی سے نظر آنے لگے تھے اور پھر شہادت حسینؑ کے بعد تیسرے ہی دن جب دربار ابن زیاد میں سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی جا رہی تھی تو بوڑھے صحابی زید بن ارقم نے سر دربار کھڑے ہو کر صدائے احتجاج بلند کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ کربلا کے واقعہ سے حق گوئی کی جرأت کم نہیں ہوئی بلکہ زیادہ ہو گئی پھر جب مسجد جامع میں لوگ جمع کئے گئے اعلان فتح سننے کے لئے تو باوجودیکہ وفاداروں کا خالص جماؤ تھا پھر بھی حسینؑ اور آپ کے والد بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ کا نام بے ادبی کے ساتھ آنا تھا کہ دفعتہً مسجد کی خاموش فضا میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی اور بوڑھے نابینا عبداللہ بن عفیف نے اس بے جگری کے ساتھ ابن زیاد کو ٹوکا جو تاریخ میں یادگار ہے۔

اسی طرح یزید نے اپنے دربار میں جب چوب خیزراں سے سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی تو ابو برزہ اسلمی نیز سفیر بادشاہ روم نے جو عیسائی تھا اس کے منہ پر اس کو بہت

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کچھ سخت و سست کہا۔

یہ تھی حسینی فتح کہ باطل کے خلاف احتجاج ہونے لگا اور مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اپنے میں جرأت اظہار محسوس کرنے لگے تھے۔

معرکہء کربلا سے پہلے کس کی مجال تھی کہ یزید کے دربار میں امام حسینؑ کا نام عزت کے ساتھ لے سکے لیکن پسماندگان حسینؑ کے قیدیوں کی صورت میں اس کے سامنے پیش کئے جانے کے بعد اس کے منہ پر حسینؑ کی تعریفیں ہوتی تھیں اور اسے خاموشی کے ساتھ سننا پڑتا تھا۔

اس سب کے بعد نتیجہ کے لحاظ سے یہ ماننا لازمی ہے کہ حسینؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے لہٰذا وہ فاتح تھے اور یزید اپنے مقصد میں ناکام ہوا لہٰذا وہ یقیناً مفتوح تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پینتیسواں باب

مجرموں کی پشیمانی

فتح اور شکست کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ فاتح اپنے کارنامہ پر نازاں ہوتا ہے اور مفتوح اپنے طرز عمل پر شرمندہ و پشیمان۔ اب ظاہر ہے کہ حسینؑ جس راستے پر چلے تھے اس پر قائم رہے اور آپ نے جو کچھ کیا اور جو اس کا برآمد ہوا اس پر نہ آپ خود پشیمان ہوئے نہ آپ کے ساتھی۔ آپ کے پسماندگان اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک میں سے کوئی پشیمان ہوا۔ نہ آپ کی اولاد یا آپ کے ماننے والوں میں سے کوئی آپ کے بعد پشیمان ہوا کہ حضرت امام حسینؑ نے ایسا کیوں کیا؟ جس کا نتیجہ آپ کی بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا لیکن آپ کے قاتل اور مخالف ہی نہیں بلکہ وہ بھی جنہوں نے عملی حیثیت سے آپ کی نصرت کا فرض ادا نہ کیا تھا یا نہ کر سکے تھے بعد میں پشیمان ہوئے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا۔

نفسیاتی حیثیت سے اظہار پشیمانی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے کبھی تو اس کے ماتحت اپنے طرز عمل کے متعلق تاویلوں اور عذر تراشیوں سے کام نکالا جاتا ہے اور کبھی اپنے سر سے ذمہ واری ہٹا کر دوسروں کے سر عائد کی جاتی ہے اور کبھی ندامت و افسوس کا صاف صاف اظہار کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ حقیقی معنی میں برمحل اور قابل صد ستائش اظہار ندامت حر بن یزید ریاحی کا تھا جس کے ذیل میں انہوں نے روز عاشور نصرت حسینؑ کے اہم فریضہ کی پوری بجا آوری کرتے ہوئے اپنے بہتے ہوئے خون سے اپنی فرد عمل کو دھو کر صاف بنا دیا اور سعادت شہادت حاصل کی۔ اس کے بعد جن جن لوگوں نے بھی اپنی اپنی پشیمانی کا اظہار مختلف طریقوں پر کیا وہ بعد از وقت تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان میں سب سے خفیف درجہ مجرم وہ اہل کوفہ تھے جنہوں نے مسلم بن عقیل کے واسطہ سے نصرت حسینؑ کا عہدو پیمان کیا تھا۔ مگر وقت آنے پر ان اسباب سے جن کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ہو چکا ہے۔ کربلا نہ پہنچ سکے یا پہنچنے کی کوشش نہ کی۔ ان کی پشیمانی نہایت سچے دل سے معرکہ ء کربلا کے بعد بہت جلد ہی وقوع میں آگئی جسے انہوں نے اپنی کوششوں سے جو خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے کی گئیں ایک قابلِ احترام درجہ دے دیا اور ''توابین'' لقب حاصل کیا۔

ایسے مجرموں میں جنہوں نے فریضہ نصرت کے ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی ایک عبداللہ بن الحرالجعفی تھا جسے راہ کوفہ میں حضرت امام حسینؑ نے خود نصرت کی دعوت دی تھی مگر اس نے حیلہ و حوالہ سے اپنی جان بچائی اور اس سعادت سے محروم رہا۔[1] اس پر اسے عمر بھر ندامت رہی جسے اس نے ان اشعار کی صورت میں ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

فیالک حسرۃ مادمت حیا ۔۔۔ تردد بین حلقی والتراقی

حسین حین یطلب بذل نصرے ۔۔۔ علی اھل عداوۃ الشقاق

فما انسیٰ غداۃ یقول حزنا ۔۔۔ اتترکنی و تزمع لانطلاق

فلو فلق التلھف قلب حیّ ۔۔۔ لھم القلب ھنی بانفلاق

(یعنی) تمام زندگی مجھے یہ رنج و ملال رہے گا کہ حضرت امام حسینؑ نے مجھ سے مدد طلب کی اور میں نے اس سعادت کو حاصل نہ کیا۔[2]

پھر! واقعہ کربلا کے بعد جب ابن زیاد نے اس سے شکایت کی کہ تم عرصہ سے کہاں غائب تھے تم نے حسینؑ کے مقابلہ کو جانے سے گریز کیا معلوم ہوتا ہے تم ہمارے دشمنوں سے ہمدردی رکھتے تھے تو یہ سن کر اس کے جذبات میں اور زیادہ طوفان پیدا ہو گیا اور اب اس نے جو اشعار کہے ان میں سے دو شعر حسب ذیل تھے۔

یقول امیر غادر حق غادر ۔۔۔ الا کنت قاتلت الشھید ابن فاطمۃ

---

[1] ارشاد ص ۲۳۷۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۵۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

فیاندمی الا اکون نصرتبہ الاکل نفس لا تسدد نادمتہ

''وہ امیر جو خود انتہائی غدار ہے مجھ سے پوچھتا ہے کہ تم فرزند فاطمہ زہراؑ کے خلاف جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے حالانکہ مجھے تو اسی کی ندامت ہے کہ میں نے ان کی نصرت کیوں نہ کی اور یقیناً جو شخص بھی صحیح راستہ نہ اختیار کرے اسے نادم ہونا ہی چاہئے''۔

اس کے بعد وہ کوفہ سے نکل کر سرزمین جبل کی طرف چلا گیا۔[1]

ان سے زیادہ مجرم وہ خلقت تھی جو حضرت امام حسینؑ کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان کربلا میں صف بستہ کھڑی تھی چنانچہ ان میں سے بعض کے اظہار پشیمانی پر مبنی اقوال جستہ جستہ تاریخ نے ہم تک پہنچائے ہیں مثلاً قرہ بن قیس کہ جو عمر سعد کے نمائندہ کی حیثیت سے امام حسینؑ کی خدمت میں آیا تھا واقعہ کربلا کے بعد کہا کرتا تھا کہ اگر حر بن یزید نے مجھ کو مطلع کر دیا ہوتا کہ وہ جماعت حسینی کی طرف جا رہے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ ضرور ہو لیتا۔[2]

اسی طرح رضی بن منقذ عبدی کہ جس نے میدان کربلا میں بریر ہمدانی پر حملہ کیا تھا اور بالآخر زیر ہونے پر کعب بن جابر بن عمرو ازدی کو اپنی کمک پر بلایا تھا اور اس نے بریر کو نیزہ مار کر قتل کر دیا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد اپنی پشیمانی کا حسب ذیل اشعار میں اظہار کیا کرتا تھا۔

''مقدر میں اس طرح لکھا نہ ہوتا تو میں اس جنگ میں شریک ہی نہ ہوا ہوتا کہ ابن جابر کا احسان مجھ پر ہو سکتا۔ وہ دن میرے ہی لئے تمام عمر کے عار و ننگ کا باعث نہیں ہوا بلکہ متعدد نسلوں کی ذلت و خواری کا سبب ہو گیا۔ کاش بریر کے قتل اور حسینؑ سے مقاتلہ کے دن سے پہلے ہی میں مر کر قبر میں پہنچ گیا ہوتا''۔[3]

شبث بن ربعی کو جو فوج ابن سعد کے بڑے سرداروں میں سے تھا یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اللہ اس ملک والوں کو کوئی خیر نہیں پہنچائے گا۔ کتنے غضب کی بات

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۷۰۔ [2] ارشاد ص ۲۴۹ طبری ج ۶ ص ۲۴۴۔ [3] طبری ج ۶ ص ۲۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے کہ ہم نے پانچ برس تک علیؑ بن ابی طالبؑ اور ان کے فرزند (حسن مجتبیٰؑ) کے ساتھ ملکر آل ابوسفیان سے جنگ کی۔ پھر اس کے بعد ان ہی کے فرزند حسینؑ کے مقابلہ میں جو اپنے ذاتی صفات کے لحاظ سے بھی تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر تھے۔ ہم نے معاویہ اور زیاد کی اولاد کے ساتھ مل کر چڑھائی کر دی یہ اتنی بڑی گمراہی تھی جس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی۔[1]

ایوب بن مشرح حیوانی جس نے حر بن یزید ریاحی کے گھوڑے کو کربلا میں تیر مار کر قتل کیا تھا عرصہ کے بعد جب وہ یہ روداد بیان کر رہا تھا تو حاضرین میں سے بعض نے پوچھا کہ کیا تم نے حر کو قتل بھی کیا تھا کہا نہیں، بخدا میں نے انہیں قتل نہیں کیا قتل کسی دوسرے نے کیا اور مجھے پسند بھی نہ تھا کہ میں انہیں قتل کروں۔ ابو الوداک (حاضرین میں سے ایک شخص) نے کہا کیوں؟ کہا عام خیال یہ ہے کہ وہ بہت نیک اعمال لوگوں میں سے تھے اب اگر ان کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانا گناہ تھا تو میں صرف زخمی کرنے اور مقابلہ میں کھڑے ہونے ہی کی حد تک گناہ گار ہوا یہ بہتر تھا اس سے کہ میں ان میں سے کسی کے قتل کا مرتکب ہوتا۔ یہ سن کر ابو الوداک کو غصہ آ گیا کہا میرے نزدیک تو تم سے اللہ ان سب کے قتل کا مواخذہ کرے گا ارے کسی کو تیر لگایا کسی کے گھوڑے کا خاتمہ کیا کسی سے دست بدست مقابلہ کیا کبھی خود حملہ کیا اور کبھی دوسروں کو ترغیب دلائی اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنی موجودگی سے سود لشکر میں اضافہ کیا اور جب حملہ ہوا تو میدان سے فرار کرنا گوارا نہ کیا اور تمہاری طرح دوسروں نے بھی یہی سب باتیں کیں تو تم سب ہی ان تمام شہداء کے قاتل ٹھہرے اور سب ہی کو اس جرم کی سزا ملنا ہے۔ ایوب کے پاس اس کا کوئی سنجیدہ جواب نہ تھا وہ جل کر کہنے لگا کہ اچھا اگر تمہارے ہاتھ روز قیامت کا حساب ہو تو تم مجھے بھی کبھی نہ بخشنا۔[2]

ان سے بھی بڑھ کر مجرم افواج یزید کا افسر عمر سعد تھا اس کے تاثرات کا بیان حمید بن مسلم نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر بن سعد میرا دوست تھا جب وہ میدان کربلا

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۰ [2] طبری ج ۶ ص ۲۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے واپس ہوا تو میں نے جا کر اس سے حالات دریافت کئے اس نے کہا کچھ نہ پوچھ کوئی مسافر اپنی منزل کی طرف ایسے برے انجام کے ساتھ واپس نہیں ہوا ہوگا جیسے کہ میں۔ میں نے قریبی رشتہ داری کا پاس نہ کرتے ہوئے ایک جرم عظیم کا ارتکاب کیا۔[1]

اسی سے بڑا مجرم حاکم کوفہ عبید اللہ بن زیاد تھا کہ جس نے تمام افواج کو اپنی نگرانی میں میدان کربلا کی طرف بھیجا اور عمر بن سعد کو قتل حسینؑ پر مامور کیا۔ وہ اپنے اس عمل سے متعلق ذمہ واری یزید پر عائد کرتا تھا چنانچہ جب یزید کے مرنے پر عراق میں حکومت کے خلاف ہمہ گیر شورش برپا ہوگئی اور ابن زیاد کو بصرہ سے فرار اختیار کرنا پڑا تو اس نے قبیلہ بنی یشکر میں سے ایک شخص کو راستہ بتانے کے لئے اپنے ساتھ لیا۔ اثناء راہ میں ایک مرتبہ جب دیر تک ابن زیاد ناقہ پر سر جھکائے بیٹھا رہا تو اس شخص نے یہ خیال کر کے کہ وہ سو گیا ہے اس کو آواز دی۔ ابن زیاد نے جواب میں کہا کہ میں سو نہیں رہا ہوں بلکہ ایک اہم مسئلہ کے متعلق غور و فکر کر رہا تھا۔ اس شخص نے کہا میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہے تھے۔ پھر ابن زیاد کے دریافت کرنے پر اس نے بتلایا کہ ''آپ حسینؑ بن علیؑ کے قتل کرا دینے پر خجالت و پشیمانی کا احساس کر رہے تھے اور بصرہ میں جو قصر ابیض تعمیر کرایا ہے اور اس میں رہنا نصیب نہ ہوا اس کے متعلق سوچ رہے تھے یا بصرہ کے خوارج کو جو محض بدگمانی اور توہم کی بناء پر آپ نے قتل کر دیا تھا اس پر پشیمان ہو رہے تھے''۔ ابن زیاد نے جواب دیا کہ تم نے کوئی بات ٹھیک نہیں کہی چونکہ حسینؑ بن علیؑ نے بادشاہ وقت کی مخالفت کی تھی اور اس نے مجھ کو ان کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا اس کی ذمہ واری یزید بن معاویہ پر ہے مجھ پر نہیں ہے۔[2]

اسی پشیمانی کا نتیجہ تھا کہ جب یزید نے حجاز پر فوج کشی کرنا چاہی اور ابن زیاد کو لکھا کہ عبد اللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے جاؤ تو اس نے انکار کر دیا اور کہا اس فاسق کے کہنے سے رسولؐ کے نواسے کو تو قتل کر چکا۔ اب کعبہ پر بھی فوج کشی کروں یہ مجھ سے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۵۷۔ [2] طبری ج ۷ ص ۲۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہیں ہوسکتا۔[1]

سب سے بڑا مجرم یزید بن معاویہ تھا جس کی تصدیق ابن زیاد کے یہاں سے ہو چکی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ اطلاع ملنے پر کہ حسینؑ کوفہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اس نے ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم اسی لئے مقرر کیا تھا کہ وہ انتہائی سخت گیری سے کام لے سکے گا۔ پھر جب ابن زیاد کے حکم سے مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے اور ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا گیا تو یزید نے اس سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ابن زیاد کے حسن خدمت کا اقرار کیا اور اس کو مزید ہدایت بھیجی کہ اب حسینؑ کا مقابلہ بھی اسی عنوان سے کیا جائے۔

پھر شہادت حسینؑ کے بعد ابن زیاد نے پہلے سرہائے شہداء اور پسماندگان حسینؑ کی بابت یزید کی مرضی معلوم کرلی۔ اس وقت ان کو کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ کیا اور تمام واقعات مظالم معلوم ہونے کے بعد یزید کی طرف سے ابن زیاد پر کوئی عتاب نہیں ہوا بلکہ وہ یزید کی زندگی کی آخری سانس تک کوفہ کے تخت حکومت پر باقی رہا اور یزید کی نوازشیں اسی پر نہیں بلکہ آل زیاد میں سے دوسرے افراد پر بھی اور زیادہ ہوگئیں۔ چنانچہ ابن زیاد کا ایک بھائی عبدالرحمٰن بن زیاد جو ۵۸ھ سے خراسان کا حاکم تھا۔ شہادت امام حسینؑ کو سننے کے بعد خراسان میں اپنی جگہ ایک دوسرے شخص کو قائمقام بنا کر دمشق گیا اور خراسان کے خزانہ میں جو دو کروڑ درہم اس کے اقرار کے مطابق جمع تھے وہ اپنے نام معاف کرا لئے۔[2] پھر عبدالرحمٰن کے بعد خراسان کی حکومت اسی کے دوسرے بھائی مسلم بن زیاد کے سپرد کی گئی۔[3]

ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ قتل حسینؑ یزید کے منشا کے مطابق اور اسی کے حکم سے عمل میں لایا گیا تھا اسی بناء پر شروع شروع اس نے شہادت حسینی پر انتہائی شادمانی کا اظہار کیا لیکن اس کے بعد جب آثار انقلاب قوی سے قوی تر ہوتے گئے تو اس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا اور وہ کف افسوس مل مل کر نہایت حسرت و یاس کے ساتھ کہنے لگا کہ ''ہائے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۶۔ [2] الوزراء والکتاب ص ۱۸۔ [3] الوزراء والکتاب ص ۱۹ طبری ج ۶ ص ۱۰۱۔۲۷۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر کے ابن زیاد نے مسلمانوں کی نظروں میں مجھ کو ذلیل و خوار اور قابل نفرت بنا دیا اور ان کے دلوں میں میری طرف سے کینہ و عداوت کے بیج بو دیئے۔ قتل حسینؑ کو سنگین ترین جرم سمجھتے ہوئے مسلمانوں میں کے نیک و بد سب ہی مجھ سے بیزار ہو گئے۔ ہائے ابن مرجانہ (ابن زیاد) نے یہ کیا کیا۔ خدا اس پر لعنت کرے۔[1]

.....

انفعال و پشیمانی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بات سے ہٹ جائے۔ امام حسینؑ اور یزید میں بنائے مخاصمت یہی تھی کہ یزید حسینؑ سے بیعت حاصل کرنے پر مصر تھا اور امام حسینؑ کو آخری حد تک انکار تھا۔ اب یہ تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے انکار بیعت کو اقرار سے تبدیل نہیں کیا اس لئے کہ اگر ایسا کر دیا ہوتا تو سر نوک نیزہ پر نظر نہ آتا مگر یہ دیکھنا ہے کہ یزید اپنے مطالبہ پر قائم رہا یا اس سے ہٹ گیا؟ یہاں پر یہ یاد کر لینا ضروری ہو گا کہ یزید کا حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ شخصی حیثیت سے نہ تھا بلکہ پیغمبر اسلام کے روحانی ورثہ دار کی حیثیت سے جب ایسا تھا تو جو حیثیت اپنی زندگی میں حسینؑ کو حاصل تھی وہی آپ کے بعد آپ کے فرزند علیؑ بن الحسینؑ کو حاصل ہو گئی تھی۔ پھر حضرت امام حسینؑ تو بنفس نفیس یزید کی گرفت میں کبھی نہ آ سکے تھے اس لئے کہ یزید تھا دمشق میں اور حسینؑ تھے مدینہ مکہ یا پھر کربلا میں مگر آپ کے پسماندگان کے لئے ایسا وقت آیا کہ جب وہ سب کے سب قیدیوں کی حیثیت سے یزید کے سامنے پیش کئے گئے اگر یزید اپنے مطالبہ بیعت پر قائم ہوتا تو اس کو علیؑ بن الحسینؑ کے سامنے اس سوال کو پھر پیش کرنا چاہئے تھا لیکن پسماندگان حسینؑ میں سے کسی فرد کے سامنے بھی بیعت کا سوال پیش نہیں کیا گیا اس سے ظاہر ہے کہ یزید اپنے مطالبہ بیعت سے ہٹ گیا تھا حالانکہ مظالم ڈھائے اسی لئے جاتے ہیں کہ کمزور فریق مرعوب و خوف زدہ ہو جائے مگر ابن زیاد کے دربار میں ایسا موقع پیش آ چکا تھا کہ اس کے علیؑ بن الحسینؑ کو قتل کی دھمکی دینے پر آپ نے تیور بدل کر نحیف مگر عزم مستقل کی پوری ترجمانی کرتی ہوئی آواز میں کہا

[1] طبری ج ۷ ص ۱۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا۔ ''امّا علمت انّ القتل لناعادة و کرامتنا الشهادة '' (یعنی) کیوں ابن زیاد! ابھی تک تو نہیں سمجھ سکا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری عزت ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ظلم اٹھانے والے ظلم کی سنگینی سے خوف زدہ نہیں ہوئے مگر ظلم کرنے والے ان کے صبر و استقلال کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے چنانچہ یزید میں اپنے تمام جبروت کے مظاہروں کے باوجود اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ پسماندگان حسینؑ میں سے کسی کے سامنے سوال بیعت پیش کرتا۔ اس لئے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے حسینؑ کا سر بریدہ موجود تھا اور اس کے کانوں میں کربلا کے حالات گونج رہے تھے اور وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر سوال بیعت کہیں پھر کر دیا گیا تو دمشق کا دربار صحرائے کربلا بن جائے گا۔ لہٰذا دوسری طرح کی دل آزاریاں پسماندگان حسینؑ کے خلاف اختیار کی گئیں مگر سوال بیعت اٹھایا نہیں جا سکا۔ کیا اس سے بڑھ کر حسینؑ کی فتح اور یزید کی شکست کا دوسرا کوئی ثبوت درکار ہے؟

.....☆☆.....

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چھتیسواں باب

عالم اسلامی کے تاثرات

شہادت حسینؑ کے تفصیلات پر مطلع ہوتے ہی عالم اسلامی کے ہر فرد کے دل میں غم و غصہ کا طوفان برپا ہوگیا اور جو جو بھی اس کے ارتکاب کے ذمہ دار سمجھے گئے ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جانے لگا اور قتل حسینؑ ان کے لئے رسوائی کی ایک سند بن گیا۔

چونکہ بظاہر حالات اس شہادت عظمیٰ سے اہل کوفہ کو قریب کا تعلق تھا لہٰذا ان کے دامن پر اس کا ایسا دھبہ لگا کہ صدیوں تک وہ دھویا نہ جا سکا یہاں تک کہ ابو العباس سفاح کے سامنے جب بصرہ اور کوفہ کی باہمی افضلیت کے بارے میں مناظرہ ہوا تو ابوبکر ہذلی نے کوفہ کی مذمت میں یہی چیز خاص طور سے پیش کی کہ یہاں کے لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا۔

ابو عثمان نہدی ایک صحابی رسول کوفہ میں رہا کرتے تھے۔ جب حسینؑ میدان کربلا میں شہید کر دیئے گئے تو کوفہ سے وہ بصرہ کی طرف منتقل ہوگئے یہ کہہ کر کہ میں اس شہر میں نہیں رہوں گا جہاں رسول اللہ کا نواسا شہید کر ڈالا گیا ہو۔

پھر چونکہ کوفہ اور کربلا سرزمین عراق پر واقع ہیں لہٰذا عراق کے لئے بھی قتل حسینؑ باعث ذلت شمار کیا جانے لگا چنانچہ اہل عراق میں سے ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ حالت احرام میں مچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ اہل عراق کو دیکھو یہ مچھر کے خون کے متعلق استفسار کرتے ہیں حالانکہ ان ہی لوگوں نے پیغمبر خداؐ کے نواسے کا خون بے دریغ بہا دیا باوجودیکہ پیغمبر خداؐ حسنؑ و حسینؑ کے بارے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں کائنات عالم میں میرے دو گلدستے ہیں۔[1]

شخصیتوں کے لحاظ سے شہدائے کربلا کے قاتلوں سے تنفر خود ان کے گھر والوں تک کو ہو گیا چنانچہ بریر ہمدانی کا قاتل کعب بن جابر جب اپنے مکان پر واپس ہوا تو اس کی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا کہ میں تجھ سے اب عمر بھر بات نہیں کروں گی تو نے فاطمہ زہراؑ کے فرزند کے خلاف جنگ میں شرکت کی اور سید القراء (بریر) کو قتل کیا۔[2]

ابن زیاد جس نے براہ راست کربلا کی طرف فوجیں بھیجی تھیں اس کے متعلق قبل اس کے کہ یزید کی سیاست میں کوئی تبدیلی واقع ہو اور وہ خود ابن زیاد کو قتل حسینؑ کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت شروع کرے۔ دوسرے لوگ اس کے درباریوں میں سے ابن زیاد کی ماں سمیہ کے حقارت آمیز تذکرہ کے ساتھ اسے برا کہتے تھے جسے یزید کو بہرحال خاموشی کے ساتھ سننا پڑتا تھا چنانچہ یحییٰ بن الحکم نے یزید کے پہلو میں بیٹھ کر حسب ذیل شعر پڑھ دیئے تھے۔

لھام بجنب الطف ادنیٰ قرابتہ من ابن زیاد العبد ذی الحب الوغل
سمیتہ اضحی نسلھا عد الحصیٰ و بنت رسول اللہ لیس لھا نسل

(یعنی) ''وہ سر جو میدان کربلا میں تنوں سے جدا کر دیئے گئے قرابت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ نزدیک تھے بہ نسبت غلام زادہ ابن زیاد کے جو کمینہ خاندان سے ہے افسوس سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی طرح پھیل گئی اور دختر رسولؐ کی نسل باقی نہ رہی''۔[3]

کسی اور کا کیا ذکر اسی سمیہ نے جو ابن زیاد کی ماں تھی بیٹے کو اس کے اس فعل پر لعنت ملامت کی۔[4]

خود یزید کی رسوائی کے عالم کا پورا پورا اندازہ اسی کے اس قول سے ہو جاتا ہے

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۸۸ ج ۴ ص ۳۲۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۴۷۔ [3] ارشاد ص ۲۶۱۔۲۶۲۔ [4] طبری ج ۷ ص ۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہ ابن زیاد نے مسلمانوں میں مجھ کو ذلیل و خوار اور قابل نفرت بنا دیا اور ان میں کے نیک و بد سب ہی مجھ سے بیزار ہو گئے۔

نہ صرف یہ کہ خود اس کے زمانہ میں لوگ اسے برا کہتے اور سمجھتے تھے بلکہ اس کے بعد آنے والی نسلوں میں بھی اس کے خلاف غم و غصہ کا قوی جذبہ پایا جاتا تھا یہاں تک کہ خود بنی امیہ میں سے اس کے بعد ہونے والے سلاطین اس چیز کے روادار نہ تھے کہ کوئی بھی اس کا ذکر تعظیم و احترام کے ساتھ کرے بلکہ خود اس کے بیٹے معاویہ بن یزید نے برسر منبر اپنے باپ کی بداعمالیوں کا اقرار کرتے ہوئے اس کے خالی کئے ہوئے تخت حکومت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل تک یہ جذبہ برقرار رہا چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں کسی شخص نے ایک مرتبہ یزید کے نام کے ساتھ لفظ ''امیر المومنین'' کہہ دیا تھا تو عمر بن عبدالعزیز نے غصہ سے کہا ''تم اسے امیر المومنین کہتے ہو؟ اور پھر حکم دیا کہ اسے بیس تازیانے لگائے جائیں چنانچہ یہ سزا اس کو دی بھی گئی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ قتل حسینؑ اور یزید کی حکومت امت اسلامیہ کے دامن پر ایک دھبہ بن گئی جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور فلسفی شاعر ابو العلاء مصری نے مندرجہ ذیل دو شعروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔

ازی الایام تفعل کل کرہ　　فما انا بالعجائب مستزیہ

الیس قریشکم قتلت حسینا　　و کان علی خلافتکم یزید

(یعنی) ''زمانہ کی نیرنگیاں میرے سامنے عجیب نقشے پیش کرتی رہتی ہیں یہاں تک کہ ان کو دیکھنے کی اب مجھے ہوس باقی نہیں رہی کیوں؟ کیا تمہارے قریش نے حسینؑ کو قتل نہیں کیا اور کیا تمہاری خلافت کے تخت پر یزید سا خطا کار نہیں بیٹھا؟

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ظاہر ہے کہ اس درجہ وسیع اور دیرپا جذبہ نفرت جو قاتلان حسینؑ کے خلاف عام طور پر خلق خدا میں پیدا ہو چکا تھا وہ بے نتیجہ نہیں رہ سکتا تھا لہٰذا ناممکن تھا کہ صورت حال میں انقلاب پیدا نہ ہوتا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سینتیسواں باب

آثار انقلاب

واقعہ حرہ، خلافت ابن زبیر، اضطراب عراق و ایران اور دیگر جزئی واقعات

بڑے سے بڑے انقلاب کا سنگ بنیاد وہی دو چیزیں ہیں کہ جو شہادت حسینؑ کے قہری نتیجہ کے ذیل میں عام طور پر مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھیں یعنی قوت احساس اور جرأت اظہار جب یہ دو چیزیں کسی خاص سلطنت کسی خاص نظام یا کسی خاص اقتدار کے خلاف بروئے کار آجائیں تو پھر انقلاب کا رونما ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

چنانچہ حکومت یزید کے خلاف آثار انقلاب اسی وقت سے نمایاں ہونے لگے تھے کہ جب پسماندگان حسینؑ قیدیوں کی صورت سے کوفہ کے بازار میں تشہیر کئے جا رہے تھے حالانکہ ان قیدیوں کو خود رونے کی اجازت نہ تھی اور حکومت کی طرف سے فتح کی خوشیاں منانے کا اہتمام تھا مگر بہرطور پسماندگان حسینؑ کی حالت زار کو دیکھ کر اور زینب و کلثوم اور علیؑ بن الحسینؑ کے زور دار خطبوں کو سن کر کوچہ و بازار میں گریہ و زاری کے شور سے ایک کہرام برپا ہوگیا تھا یہ رائے عامہ کا وہ بے ساختہ مظاہرہ تھا جسے کوئی طاقت دبا نہیں سکتی تھی۔

پھر جب پسماندگان حسینؑ شام کی طرف روانہ کئے گئے تو یزیدیوں کے مقابلہ میں راستے میں بہت سی منزلوں پر شہروں کے دروازے بند کر لئے گئے۔ بہت سے مقامات پر لوگ مسلح ہو کر نکل آئے اور اکثر جگہ جنگ کی صورت بھی پیش آئی چنانچہ یہ آغاز

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہی وہ تھا جو بجائے خود کسی بڑے انقلاب کی اپنے انجام میں خبر دے رہا تھا۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ یہ دونوں مسلمانوں کے خاص مرکز تھے۔ مدینہ بنی ہاشم کا شہر تھا جن میں سے ابو طالبؑ کی اکثر اولاد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جا چکی تھی مگر اس خاندان کے دوسرے افراد تو سب ہی مدینہ میں رہ گئے تھے۔ پھر اولاد ابو طالبؑ میں سے بھی محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر مدینہ ہی میں رہے تھے۔ خواتین میں سے بھی کئی باقی رہ گئی تھیں اہل مدینہ کتنے ہی بے حس سہی مگر اتنے درد مند دلوں کے تاثرات انہیں کہاں تک متاثر نہ بناتے۔ اسی وقت جب ابن زیاد نے سر امام حسینؑ دمشق کی جانب روانہ کیا۔ یزید نے عبدالملک بن ابی الحدیث سلمٰی کو مدینہ روانہ کیا اور کہا کہ جا کر عمرو بن سعید بن عاص (حاکم مدینہ) کو قتل حسینؑ کی خوش خبری پہنچاؤ۔ عبدالملک جب مدینہ کے پاس پہنچا تو راستے ہی میں ایک شخص نے قریش میں سے اسے دیکھ کر پوچھا کیوں کیا واقعہ ہے؟ اس نے کہا کہ واقعہ امیر کے پاس پہنچ کر معلوم ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ اس نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون بخدا حسینؑ قتل ہوئے۔

عبدالملک نے عمرو بن سعید کے پاس پہنچ کر شہادت حسینؑ کی اطلاع دی۔ اس نے کہا کہ جاؤ اور مدینہ میں اس کا اعلان کر دو۔ خود عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے عمر بھر میں رونے کا یہ شور نہیں سنا جو حسینؑ بن علیؑ کے قتل کا اعلان سننے کے بعد مدینہ میں بنی ہاشم کے گھروں سے بلند ہوا۔

عبدالملک اس اعلان کے بعد عمرو بن سعید کے پاس واپس آیا تو وہ اس کو دیکھ کر مسکرایا اور مثال میں عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجتہ

لعجیج نسوتنا غداۃ الارنب

اور کہا یہ آج کا ماتم بدلہ ہے اس ماتم کا جو بنی امیہ کی عورتوں میں عثمان کے قتل

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پر برپا ہوا تھا۔ پھر اس نے مسجد میں جا کر تقریر کی اور لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت سے مطلع کیا۔[1] محمد حنفیہ کو جس وقت اطلاع ملی وضو کر رہے تھے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ اسی طشت میں گرنے لگے۔[2]

عبداللہ بن جعفر کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہی ساتھ ان کے دونوں بیٹوں کی شہادت کی اطلاع بھی دی گئی۔ انہوں نے کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زبان پر جاری کیا۔ ان کا غلام ابو السلاسل جو حسینی عظمت سے ناواقف تھا اور اپنے آقا زادوں کے قتل سے متاثر تھا کہنے لگا کہ یہ روز بد ہمیں حسینؑ کی بدولت دیکھنا پڑا۔ عبداللہ بن جعفر نے جو یہ سنا تو غضب ناک ہو کر اپنی نعل سے اسے ضرب لگائی اور کہا ''حرام زادے تو حسینؑ کے بارے میں ایسا کہتا ہے بخدا اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو اپنی جان نثار کرتا مجھے تو بس اس سے ایک طرح کا صبر آ گیا کہ میرے دونوں بچے میرے بھائی کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر کے صبر و استقلال کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہوئے''۔

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا ''اللہ کا شکر ہے کہ اگر میں خود حسینؑ کی نصرت نہ کر سکا تو کم از کم میرے دونوں فرزندوں نے حق نصرت ادا کیا''۔[3]

ایک طرف عقیل بن ابی طالب کی بیٹیاں مسلم کی بہنیں ام لقمان اور ام ہانی اسماء رملہ اور زینبؑ اپنے بھائی مسلم پر تو نوحہ نہیں کر رہی تھیں مگر حسینؑ کے غم میں عجیب پر تاثیر انداز سے کہہ رہی تھیں۔

''کیا کہو گے (اے مسلمانو!) جب رسولؐ تم سے پوچھیں گے کہ میرے بعد تم نے میری اولاد اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہ کہ کچھ ان میں سے قید ہیں اور کچھ مقتول خاک و خون میں آلودہ ہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ جو خیر خواہی کی اور جو خدمتیں انجام دیں ان کا یہی صلہ تھا کہ

---

[1] ارشاد ص ۲۶۳۔ [2] طبری ج ۶ ص ۲۲۳۔ [3] ارشاد ص ۲۶۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میرے بعد میرے گھرانے کے ساتھ ایسا سلوک کرو"۔[1]

ممکن نہیں تھا کہ یہ تاثرات اثر پیدا نہ کرتے۔ ان تاثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ والوں نے آنکھیں کھولیں اور یزید کے افعال و اعمال کی جانچ کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ۶۳ھ میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ وغیرہ شرفائے مدینہ کے وفد نے شام جا کر یزید کے حالات کا مطالعہ کیا۔ حالانکہ ان لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں دی گئیں مگر جب وہ واپس آئے تو انہوں نے یزید کی بے دینی کے حالات کو ظاہر کیا اور کہا کہ "ہم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں کہ جو کوئی مذہب نہیں رکھتا بلکہ شراب پیتا ہے۔ طنبورہ بجاتا ہے۔ گانے والیوں سے گانا سنتا ہے اور کتوں سے کھیلتا رہتا ہے اور زندوں بدمستوں کے ساتھ قصہ گوئی میں اوقات صرف کرتا ہے چنانچہ ہم سب اس کی بیعت کا قلادہ اپنی اپنی گردن سے اتار ڈالتے ہیں۔[2]

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ اس وفد کے ارکان نے بیان کیا کہ "ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت اختیار کی ہے کہ جب ہمیں اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ ہم پر عذاب الٰہی کے طور پر آسمان سے پتھر برسیں گے اس لئے کہ وہ ایسا شخص ہے جو اپنے باپ کی تصرف کردہ کنیزوں (اپنی سوتیلی ماؤں) بیٹیوں اور بہنوں تک کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے شراب پیتا اور نماز کو ترک کرتا ہے"۔

اگرچہ مدینہ سے جو وفد دمشق گیا تھا اس کے ارکان کے رجحانات پر قابو رکھنے کے لئے تمام وہ تدابیر بروئے کار لائے گئے تھے جو اس کے بہت پہلے سے حکومت دمشق کے زیر تجربہ رہ کر کامیاب ثابت ہوتے رہے تھے مگر شہادت حسینؑ کا یہ اثر تھا کہ اس مرتبہ وہ تمام ذرائع ناکامیاب ثابت ہوئے بلکہ اس وفد کے ایک رکن منذر بن زبیر نے اپنی تقریر میں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یزید نے مجھ کو ایک لاکھ درہم دیئے ہیں مگر یہ چیز مجھے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۴۔ [2] تاریخ کامل ج ۴ ص ۵۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے صحیح حالات آپ لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی چنانچہ میں صاف صاف بتلاتا ہوں کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس نشہ میں ایسا سرشار ہوتا ہے کہ نماز ترک ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام واقعات انہوں نے بھی بیان کئے جو ان کے دوسرے ساتھی بیان کر چکے تھے۔

چنانچہ ۶۳ھ کے شروع ہوتے ہی اہل مدینہ نے متفق ہو کر یزید کے گورنر کو جو یزید کا ایک چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھا مدینہ سے نکال دیا اور بنی امیہ کا باوجودیکہ وہ وہاں تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں تھے محاصرہ کر لیا۔[1]

اب عمل اور ردعمل کے تحت میں یزید کی طرف سے تشدد اور مسلمانوں کی طرف سے مظاہرات نفرت کا ایک سلسلہ تھا جو جاری ہوگیا۔ قتل حسینؑ نے جو بیداری پیدا کی اس کے نتیجہ میں مدینہ والوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور اب مدینہ والوں کی سرکوبی کے لئے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں جو فوج بھیجی تو غیظ و غضب کی شدت میں اسے حکم دے دیا کہ فتح پانے کے بعد مدینہ کو تین دن کے لئے مباح سمجھ لینا یعنی بے محابا قتل و غارت کرنا اور جو مال یا ہتھیار یا قیدی ملیں وہ سب فوج کی ملکیت ہوں گے۔[2]

دینوری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اگر اہل مدینہ پر فتح پانا تو تین دن تک برابر مدینہ کو لوٹتے رہنا''۔[3]

چنانچہ روز چہار شنبہ ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو مدینہ منورہ میں قتل و غارت کر کے مکمل طور پر اس حکم کی تعمیل کی گئی[4] اور تین دن رات مسلسل اہل شام مدینے کو لوٹتے رہے۔[5]

ظاہر ہے کہ مدینہ میں قیدی جو مل سکتے ہیں وہ یہود یا نصاریٰ وغیرہ نہیں ہوں گے وہ صحابہ رسولؐ اور تابعین کے گھرانوں کی عورتیں اور بچے تھے مگر یزید کی طرف سے

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۷۳۔۲۷۴۔ [2] طبری ج ۷ ص ۶ و ۷۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۶۰۔ [4] طبری ج ۷ ص ۸۔ [5] الاخبار الطوال ص ۲۶۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان کے لئے یہ صریح حکم موجود تھا کہ وہ فوج کے سپاہیوں پر تقسیم ہو جائیں گے۔

اس وقت باطل کا حوصلہ اتنا بلند تھا کہ باقی ماندہ اہل مدینہ سے جو یزید کی بیعت لی گئی وہ اس شرط کے ساتھ کہ وہ سب یزید کے غلام ہوں گے یزید ان کی جان و مال اور اہل وعیال کے بارے میں مکمل اختیارات کا مالک ہوگا۔[1] چنانچہ جب ام سلمہ زوجہ رسولؐ کے نواسے یزید بن عبداللہ بن ربیعہ بن اسود نے ان الفاظ کے ساتھ بیعت کرنے سے انکار کیا تو انہیں فوراً قتل کر دیا گیا۔[2]

یزید نے یہ سب واقعات سنے تو ان پر بجائے تاسف کے خوشی کا اظہار کیا اور یہ اشعار پڑھے کہ

لیت اشیاخی ببدر شهدوا — جزع الخزرج من وقع الاسل
حسین حکت بقباء برکها — واستحر القتل فی عبدالاشل [3]

اس کے معنی یہ ہیں کہ مدینہ پر یہ حملہ اور اہل مدینہ کے ساتھ یہ سلوک بھی پیغمبر اسلامؐ سے بدلہ لینے ہی کے سلسلہ میں تھا۔

ادھر مکہ والے بھی کروٹ بدل چکے تھے چنانچہ عبداللہ بن زبیر نے کہ جو عرصہ سے خلافت کے متمنی تھے امام حسینؑ کی شہادت کی خبر سن کر اور یزید و بنی امیہ کے خلاف نفرت و بیزاری کا قومی جذبہ لوگوں میں پا کر موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک پرزور تقریر میں کوفہ اور عراق کے لوگوں کی بے وفائی اور جفا شعاری کی پوری طرح مذمت کی اور حضرت امام حسینؑ کی صداقت اور حقانیت کا اظہار و اعتراف کرتے ہوئے کہا قسم ہے خدا کی حسینؑ نے شرافت و کرامت کے ساتھ جان دینے کو ذلت اور حقارت کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دی۔ قتل حسینؑ کے بعد ہم کبھی اس قوم کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے بخدا ان لوگوں نے ایسے بزرگوار کو شہید کیا ہے کہ جو قلیل النوم اور کثیر الصوم تھا۔ راتوں کو عبادت الٰہی میں طولانی قیام کرنے والا، دنوں کو بکثرت روزہ رکھنے والا، شرف و بزرگی اور

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۲، ۱۳۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۶۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دین میں سب سے افضل اور امر خلافت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور موزوں تھا۔ قسم ہے خدا کی کہ اس نے کبھی قرآن کو غلط معنی نہیں پہنائے خوف الٰہی سے وہ بے حد رونے والا تھا اور بجائے میخواری کے ہمیشہ روزے رکھتا تھا اور بجائے شکاری کتے پالنے کے ذکر الٰہی کے جلسے اس کے گھر میں برپا رہتے تھے اسی تقریر کا اثر تھا کہ اہل مکہ کو یزید سے بیزاری پیدا ہوئی اور عبداللہ بن زبیر کی بیعت کے لئے تیار ہوئے۔ یزید یہاں کے حالات سے بہت فکر مند ہوا اور اس نے کوشش کی کہ مکہ معظمہ کی کسی ممتاز شخصیت کو اپنے ساتھ وابستہ کر سکے مگر قتل امام حسینؑ کا وہ بڑا جرم اس کے نامہ عمل میں تھا کہ جو عبداللہ بن زبیر کی اطاعت نہ کرنا چاہتے تھے وہ بھی یزید سے بہرحال نفرت کرتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباس ایسے ہی شخص تھے کہ انہوں نے ابن زبیر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یزید کو معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ بن عباس کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس لامذہب (ابن زبیر) نے آپ کو حرم الٰہی میں اپنی بیعت حاصل کرنے کے لئے بلایا تھا مگر آپ نے ہماری وفا داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے پس اپنے ابنائے وطن کو اور ان لوگوں کو جو بیرونجات کے آپ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں ابن زبیر اور میری نسبت اپنے صحیح خیالات سے برابر آپ مطلع فرماتے رہیں اس لئے کہ ابن زبیر آپ کو اپنی بیعت اور اطاعت میں لینے کے بعد آپ سے باطل کی تمنا اور اپنے گناہوں میں آپ کو شریک کرنے کی آرزو رکھتا تھا مگر آپ نے ہماری بیعت و اطاعت میں داخل رہتے ہوئے وفائے عہد کے حق کو پورا کیا ہے لہٰذا خدا اس صلہ رحم کی آپ کو جزائے خیر دے اور بہرطور میں بھی آپ کے اس صلہ رحم اور نیک سلوک کو بھولنے والا نہیں ہوں اور جس صلہ و انعام کے آپ مستحق ہیں وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔ مکرر یہ کہ آپ آنے جانے والوں کو ابن زبیر کی برائیوں اور اس کی چرب زبانی کے متعلق متنبہ کرتے رہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق آپ کی رائے کو زیادہ وقیع اور معتبر سمجھتے ہیں"۔ عبداللہ بن عباس نے اس خط کا حسب ذیل جواب یزید کو روانہ کیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''تمہارا خط پہنچا، تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت تمہاری وفاداری کے خیال سے نہیں کی، یہ غلط ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں کبھی بھی تمہارا مداح اور ہواہ خواہ نہیں رہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے؟ اور کیا بنی مطلب کے ان نوجوانوں کی خاک و خون میں بھری لاشوں کا ہولناک تصور میرے دماغ سے محو ہو جائے گا جن کے کپڑے تک لوٹ لئے گئے تھے اور بے گورو کفن گرم ریگ پر یوں ہی چھوڑ دی گئی تھیں؟ صرف ہوا کے جھونکوں نے خاک ڈال کر جن کی پردہ داری کا حق ادا کیا اور جانوران صحرائی نے ان کی حفاظت کے فرض کو پورا کیا یہاں تک کہ اللہ نے ایک قوم کے ذریعہ سے ان کے دفن و کفن کا سرانجام کیا۔

ہاں ہاں اے یزید! میں نہیں بھول سکتا اور کبھی نہیں یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکلنے پر مجبور کیا اور ابن مرجانہ کو قتل حسینؑ پر مامور کیا۔ میں تو خدا کی ذات سے بہر حال امید رکھتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمہارے اعمال کے مطابق سزا دے گا اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا کیونکہ تم نے اس کے نبیؐ کی عترت کو قتل کیا ہے اور ان کے قتل پر راضی ہوئے ہو اور جو تم نے لکھا ہے کہ تم میرے ساتھ صلہ رحم برتو گے اور انعام و اکرام سے پیش آتے رہو گے تو تم اپنی اس مہربانی اور صلہ رحمی کو بس اپنے ہی لئے اٹھا رکھو ہم کو اس کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میں لوگوں کو تمہاری طرف مائل اور عبداللہ بن زبیر سے منحرف اور برگشتہ کروں تو اس کے متعلق میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے لئے کبھی خیر و برکت نہ ہو اس لئے کہ تم مجھ سے اپنی نصرت اور حمایت کی امید رکھتے ہو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

درآنحالیکہ تم نے میرے ابن عم کو قتل کیا اور رسول اللہؐ کے ان اہل بیت کو ذبح کیا ہے کہ جو رشد و ہدایت کے چراغ اور تاریک راتوں میں روشن ستارے تھے۔ افسوس کہ ان کو تمہاری فوجوں کی گھنگھور گھٹا نے پوشیدہ کر دیا۔ کیوں اے یزید! کیا تم نے اپنے نمک خواروں کو اس لئے حرم الٰہی میں نہیں بھیجا تھا کہ حسینؑ کو اسی حرم مقدس میں قتل کر دیں؟ اور کیا تم حسینؑ کو برابر ڈراتے دھمکاتے نہیں رہے یہاں تک کہ وہ سفر عراق اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ تم نے ہی یہ سب کچھ کیا اور اس لئے کیا کہ تمہارے دل میں مخالفت خدا و رسولؐ اور آل رسولؐ کی جن کی شان میں خدا نے آیہ تطہیر نازل فرمائی جاگزیں ہے اس آیہ تطہیر کے مصداق آل رسولؐ ہی تھے نہ کہ تمہارے باپ دادا جو جفاکار، طاغی و باغی اور دشمن خدا و رسولؐ تھے۔ اب ان افعال و اعمال کے باوجود بھی کیا تم مجھ سے اپنی ہوا خواہی کی امید رکھ سکتے ہو؟ اے یزید! سب سے زیادہ عظیم جسارت تمہاری یہ تھی کہ تم نے رسولؐ کی نواسیوں کو سر برہنہ کیا اور قیدی بنا کر عراق سے شام تک تشہیر کرایا تا کہ لوگوں کے دلوں پر اپنے غلبہ و تسلط اور قہاری کا یہ سکہ بٹھاؤ کہ بظاہر کس طرح ذریت رسولؐ کو مغلوب و مقہور کرنے میں تم کامیاب ہوئے ہو اور پھر اس پر تم نازاں ہو کہ اس طرح تم نے آل رسولؐ سے اپنے ان فاسق و فاجر اور کافر بزرگوں کے خون کا بدلہ لیا ہے کہ جو جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے اور جس کا کینہ تمہارے دل میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح چھپا ہوا تھا"۔

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب یہ خط یزید نے پڑھا تو سخت برافروختہ ۔ بلکہ ابن عباس کے قتل کا ارادہ بھی اس نے کیا مگر یہ کہ ابن زبیر کے خلاف جنگ میں شغول ہو کر قتل ابن عباس کی تدبیر نہ کر سکا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

علامہ ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ (مطبوعہ مصر، ج ۴ ص ۶۲) میں اس خط کتابت کو کچھ کمی اور بیشی کے ساتھ درج کیا ہے۔

مدینہ میں قتل و غارت کے بعد یزید کی ہدایت کے مطابق اس کا فرستادہ افسر مسلم بن عقبہ مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوا مگر محرم ۶۴ھ میں ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ پنجہ موت میں گرفتار ہوگیا۔[1] تاہم مرنے سے پہلے ہی اس نے اپنی جگہ یزید کے کہنے کے موافق حصین بن نمیر سکونی کو سردار لشکر بنا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ دیکھو اہل مکہ کے ساتھ شام والے جو بھی کرنا چاہیں تم اس میں کوئی مزاحمت نہ کرنا۔[2] حصین نے مکہ پر حملہ کیا اور خانہ خدا کا محاصرہ کر لیا کئی مہینہ تک عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ ہوتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ روز شنبہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر پتھر ہی نہیں برسائے گئے بلکہ آتش باری کی گئی جس سے کعبہ میں آگ لگ گئی۔[3]

بس یہ آخری کارنامہ تھا جس کے بعد روز سہ شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید دنیا سے رخصت ہوگیا۔[4]

جس کے بعد حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر سے کہلا بھیجا کہ جس نے ہم کو تم سے جنگ کے لئے بھیجا تھا وہ تو ہلاک ہوگیا لہٰذا اب ہماری تمہاری جنگ بھی ختم ہوگئی اب تم شہر کے دروازے ہمارے لئے کھول دو کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ فوج واپس گئی۔[5]

الفخری لکھتا ہے کہ ''یزید کے عہد حکومت کی مجموعی مدت صحیح حساب کے رو سے کل تین سال اور چھ مہینے ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلے سال میں اس نے حسینؑ بن علیؑ کو شہید کیا۔ دوسرے سال میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور اس کو تین روز تک تاراج کیا

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۴۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۶۳۔ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۰۔ طبری ج ۷ ص ۱۴
[4] طبری ج ۷ ص ۱۵۔ [5] الاخبار الطوال ص ۲۶۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور تیسرے سال میں مکہ معظمہ پر فوج کشی کی۔ ان ہر سہ مظالم میں سے کربلا کے حادثہ نے بالخصوص دنیائے اسلام میں ایسی خوفناک سنسنی پھیلا دی کہ جو شخص بھی اپنے دل میں قوت احساس رکھتے ہوئے اس نازیبا اقدام کے تفصیلات سے مطلع ہوتا تھا ممکن ہی نہ تھا کہ اس کا دل متاثر نہ ہو اس لئے کہ یہ اقدام صرف شرعی گناہ اور قانونی جرم نہ تھا بلکہ ایک بہت بڑی سیاسی غلطی تھی جس کے ماتحت یزید اور اس کے نالائق اور کمینہ مشیران تدبیر مثلاً ابن زیاد وشمر وغیرہ نے ان لوگوں کو بھی اپنی مخالفت پر آمادہ کر دیا کہ جو رسول خداؐ کی عظمت کے قائل ہونے اور دین اسلام سے وابستگی رکھنے کے باوجود اموی حکومت کے ساتھ عقیدت اور وفاداری تو نہیں عدم تعرض اور رواداری کے مسلک پر آخر تک قائم رہنا ضرور چاہتے تھے۔

۶۴ھ میں یزید کی ہلاکت کے بعد عراق کے گھٹے ہوئے جذبات ابن زیاد کے خلاف اس طرح ابلے کہ اسے ''بیک بینی و دوگوش'' بصرہ سے فرار کرنا پڑا۔[1]

اسے اپنی ذات سے خلق خدا کی بیزاری کا اندازہ ہوگیا راستے میں جب ایک شتر بان کو سنا کہ وہ اپنے اونٹ کی حدی خوانی ان اشعار کے ساتھ کر رہا تھا۔

یارب رب الارض و العباد　　العن زیاد اوبنی زیاد

کم قتلوا من مسلم عباد　　جم الصلوۃ خاشع الفواد

یکابد اللیل من الشّھاد

''یعنی پروردگارا زیاد اور اولاد زیاد پر لعنت فرما کہ انہوں نے کتنے نماز گزار، شب بیدار متقی اور پرہیز گار مسلمانوں کو بے جرم و خطا قتل کیا ہے''۔[2]

اہل عراق کا اشتعال اس کے خلاف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب تعاقب کرنے پر وہ

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۶۔۲۷۷۔ [2] طبری ج ۷ ص ۲۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خود نہ مل سکا تو دارالامارہ پر حملہ کر کے جو کچھ اس کا مال و متاع تھا سب لوٹ لیا۔[1]

کوفہ کا جو عالم تھا وہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جب کوفہ میں یزید کی ہلاکت کے بعد ابن زیاد کی حکومت تسلیم کئے جانے کی تحریک ہوئی تو یزید بن حارث بن رویم شیبانی نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو ابن سمیہ سے نجات حاصل کرنے کے متمنی ہیں ہم ہرگز اس کی حکومت کو نہیں مان سکتے۔[2]

حالانکہ یہ یزید خود کربلا میں لشکر یزید کے اندر موجود تھا مگر وہ بھی اب بنی امیہ کی حکومت سے نفرت ظاہر کر رہا تھا اس سے عام فضا کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہمدان کی عورتیں حسینؑ کا ماتم کرتی ہوئی اور ان کے مرد تلواریں لئے ہوئے یہ سب مسجد میں آکر مظاہرہ کرنے لگے کہ ہم اب ایسے اشخاص کا اقتدار برداشت نہیں کر سکتے جنہوں نے فرزند رسولؐ کا کربلا میں خون بہایا ہے۔[3]

بقول جناب نجم آفندی۔

شہید ظلم کلیجے ہلا دیئے تو نے حسینؑ ! درد کے دریا بہا دیئے تو نے
ہر ایک ذرہء بے حس میں اک تڑپ بھر دی دماغ وضع کئے دل بنا دیئے تو نے

انتہا یہ تھی کہ خود یزید کے بیٹے اور جانشین معاویہ بن زید نے سر منبر اپنے باپ کے اعمال و کردار سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا اس طرح کہ جب یزید کے بعد اسے خلیفہ تسلیم کیا گیا تو اس نے منبر پر جا کر حسب ذیل تقریر کی۔

''ایہا الناس ! یہ امر خلافت اللہ کی ایک مستحکم رسی تھی مگر میرے دادا معاویہ بن ابی سفیان نے اس کے متعلق حقیقی معنی میں مستحق خلافت شخص علیؑ بن ابی طالبؑ سے جھگڑا کیا اور وہ مذموم طریقہ اختیار کیا جس سے سب ہی واقف ہیں۔ بہرحال جب وہ اپنے گناہوں میں چاروں طرف سے گھر کر قبر میں پہنچ گئے تو یہ منصب میرے باپ یزید کو پہنچا اور وہ بھی کسی طرح اس کے مستحق نہ

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۸ ۔ [2] طبری ج ۷ ص ۳۰ ۔ [3] صواعق محرقہ ص ۱۳۴، طبری ج ۷ ص ۳۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھے۔ انہوں نے رسولؐ کے نواسے حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ بالآخر ان کی بھی عمر ختم ہوگئی اور وہ بھی اپنے گناہوں میں گرفتار قبر میں جا پہنچے"۔

اس کے بعد وہ رو دیا اور کہنے لگا کہ "سب سے بڑی مصیبت ہمارے لئے اس امر کا احساس ہے کہ ان کا انجام برا ہوا کیونکہ انہوں نے اولاد رسولؐ کو قتل، شراب کو مباح اور حرمت خانہ کعبہ کو برباد کیا۔ پس اب میں جو اس وقت تک خلافت کی شیرینی سے ناآشنا ہوں تو اس کی تلخی کا مزہ کیوں چکھوں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ مجھے خلافت سے کوئی سروکار نہیں۔ بالفرض دنیا اگر کوئی اچھی نعمت ہے تو بھی ہم اس میں سے بہت کافی حصہ پا چکے اور حقیقتاً اگر کوئی بری چیز ہے تو جتنا بھی اس وقت تک ہم کو اس میں سے ملتا رہا وہی بہت زیادہ ہے"۔

اس کے بعد وہ محل میں چلا گیا اور چالیس دن گزارنے کے بعد اس دارفانی سے رحلت کر گیا۔[1]

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا۔[2]

معاویہ بن یزید کے بعد خراسان میں بھی حرکت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے اپنے یہاں کے گورنروں کو نکال دیا اور جنگ و جدال شروع کر دی۔[3] اب خلافت اولاد ابی سفیان سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔ شام میں بوڑھے مروان بن الحکم کی بیعت کی گئی اور خلافت پھر عرصہ تک اسی کی اولاد میں برقرار رہی۔

.....☆☆.....

---

[1] ج ۷ ص ۳۰ صواعق محرقہ ص ۱۳۴۔ [2] طبری ج ۷ ص ۳۴۔ [3] طبری ج ۷ ص ۴۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اڑتیسواں باب

جماعت توّابین

مورخ طبری کا بیان ہے کہ جب حسینؑ بن علیؑ قتل کر دیئے گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو نخیلہ میں قرار دیا گیا تھا واپس ہو کر پھر کوفہ میں داخل ہوا تو شیعان علیؑ نے ایک دوسرے کو نفرین و ملامت اور اپنی کمزوری پر اظہار ندامت و شرمساری کرنا شروع کیا اور اچھی طرح محسوس کرنے لگے کہ ہم سے ایک بڑے جرم کا ارتکاب ہوا کہ پہلے تو امام حسینؑ سے نصرت کے وعدہ پر کوفہ تشریف لانے کی خواہش کی مگر جب آپ ہماری دعوت منظور فرما کر عراق تشریف لے آئے تو آپ کی مدد کو نہ گئے یہاں تک کہ آپ ہمارے بالکل قریب ہی قتل کر ڈالے گئے لہٰذا انہوں نے طے کر لیا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم ان لوگوں کو جنہوں نے حسینؑ و انصار حسینؑ کے قتل میں شرکت کی تھی قتل نہ کر لیں یا اس کوشش کے ذیل میں خود بھی اپنی اپنی جانیں نہ دے دیں چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں دوستان اہل بیت میں سے پانچ اہم شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا۔ سلیمان بن صرد خزاعی جو اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔ مسیّب بن نجبہ فرازی جو اصحاب حضرت علیؑ میں سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے، عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی، عبداللہ بن دال تیمی اور رفاعہ بن شداد بجلی چنانچہ یہ پانچوں آدمی اور دوسرے بہت سے ممتاز افراد سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور مسیّب بن نجبہ نے تقریر کی۔[1] جس میں کہا کہ ہم اپنی سچائی پر ناز اور اپنی جماعت پر فخر کیا کرتے تھے لیکن جب خدا نے ہمارا امتحان لیا معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے سراسر غلط تھے۔ ہم نے امام حسینؑ کو دعوت دی اور

---

[1] طبری ج ۷ ص ۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان کے پاس پیغام بھیجے کہ آیئے ہم آپ کی نصرت پر آمادہ ہیں لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو ہم نے اپنی جان چرائی اور ہم نے اپنی جانوں اور اپنے اموال بلکہ اپنی زبانوں سے بھی اپنے فریضہ اور نصرت و حمایت کو پورا نہ کیا اور نہ اپنے قبیلہ ہی کو اس کے لئے آمادہ کیا۔ اب ہم خدا اور رسول کو کیا جواب دیں گے جب کہ ہمارا کوئی عذر قابل قبول قرار پا ہی نہیں سکتا۔ البتہ یہ ایک صورت ہوسکتی ہے کہ قتل حسینؑ میں کسی حیثیت سے بھی جن جن نے حصہ لیا ہے ان سب اشخاص کو قتل کریں یا اس سلسلہ میں خود اپنی جانوں سے گزر جائیں۔ اب آپ لوگوں کو لازم ہے کہ کوئی اپنا سردار منتخب کریں جس کے زیر قیادت اس مہم کی تکمیل ہو۔

ان کی تقریر کے ختم ہوتے ہی رفاعہ بن شداد کھڑے ہوئے اور انہوں نے مناسب الفاظ میں ان کی تائید کی اور کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو آپ ہی کو اس مہم کی قیادت سپرد کی جائے اور آپ کی رائے نہ ہو اور دوسرے حضرات بھی متفق ہوں تو ہم اس ذمہ واری کو اپنی جماعت کے سب سے معمر فرد سلیمان بن صرد کے سپرد کریں جو پیغمبر خداؐ کے صحابی ہیں اور جن کے کارنامے نصرت دین میں سب ہی کو معلوم ہیں اور جن کی اصابت رائے اور بصیرت بھی قابل اعتماد ہے۔ عبداللہ بن وال اور عبداللہ بن سعد نے بھی اپنی تقریروں میں مزید تائید کے ساتھ مسیب بن نجبہ اور سلیمان بن صرد دونوں کی اہلیت کا اقرار کیا آخر میں مسیب بن نجبہ کی اختتامی تقریر کے بعد بالاتفاق سلیمان بن صرد کا اس جماعت کی قیادت کے لئے انتخاب ہوگیا۔

اب سلیمان کھڑے ہوئے اور انہوں نے انتہائی پر زور و اثر ایک تقریر کی جسے وہ اس کے بعد سے ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے۔[1]

اس کا مختصر اقتباس درج ذیل ہے۔

---

[1] طبری ج ۷ ص ۴۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''ہم لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہل بیت رسولؐ کی تشریف آوری کی راہ دیکھا کرتے تھے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے تغافل اور تساہل سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب فرزند رسولؐ قتل کر دیئے گئے جبکہ آپ آواز استغاثہ بلند کر رہے تھے لیکن کوئی لبیک کہنے والا نہ تھا گروہ فاسقین نے ان کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا سر مشق بنائے رکھا، یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اعداء نے بعد شہادت آپ کا لباس تک لوٹ لیا۔ پھر اب اٹھنا ہے تو اٹھ کھڑے ہو اللہ کا غضب حرکت میں آچکا ہے بس اب طے کر لو کہ اپنے بیوی بچوں کے پاس اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک اللہ کی خوشنودی کا سامان نہ کر لو گے اور بخدا میرے خیال میں تو وہ اس وقت تک تم سے خوشنود نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دو یا خود اسی راہ میں جان نہ دے دو۔ ہاں خبردار، موت سے ڈرنا نہیں کیونکہ جو کوئی موت سے ڈرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے دیکھو تو کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے جب گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب کیا تو ان کی توبہ کس طرح قبول ہوئی؟ ان سے کہا گیا کہ تم اپنے نفوس کے قتل کرنے پر تیار ہو جاؤ۔ اس پر اس جماعت نے کیا کیا؟ وہ گردنیں بڑھا کر فیصلہ قدرت کے اجراء کے لئے تیار بیٹھ گئے اس لئے کہ انہیں اپنے جرم کا صحیح احساس تھا اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بغیر اس کے توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اب تم بھی اگر اپنے کو مجرم سمجھ رہے ہو تو ایسی ہی قربانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تلواریں تیز کر لو نیزوں کی انیاں درست کر لو اور پورے ساز و سامان سے تیار ہو کر منتظر ہو کہ بیٹھ جاؤ کہ جب تمہیں دعوت دی جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو دیر نہ ہونے پائے''۔

یہ پر جوش تقریر تھی جسے سن کر مجمع کے جذبات میں طوفان برپا ہو گیا متعدد مقررین نے کھڑے ہو ہو کر اپنے تاثرات اور عزم جہاد کا اظہار کیا۔ عبداللہ بن وال تیمی خزانچی مقرر ہوئے اور طے پایا کہ ان کے پاس روپیہ جمع کیا جائے اور عزم و ولولہ سے بھرا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوا یہ مجمع منتشر ہوا۔

اب سلیمان نے مدائن میں سعد بن حذیفہ بن یمان اور دوسرے مقامات پر کچھ دوسرے اشخاص کو خطوط بھی لکھے۔[1]

ان خطوط کے مضمون کا اہم حصہ حسب ذیل تھا۔

''شیعان اہل بیتؑ نے اپنے اس موقف پر غور کیا ہے جو ان سے رونما ہوا۔ فرزند رسولؐ کے بارے میں جنہیں دعوت دی گئی تو وہ آ گئے اور انہوں نے جب دعوت نصرت دی تو اس پر لبیک نہ کہی گئی اور انہوں نے واپس جانا چاہا تو انہیں روکا گیا اور انہوں نے امان چاہی تو انکار کیا گیا اور انہوں نے چاہا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں مگر دشمنوں نے انہیں نہ چھوڑا اور ان پر چڑھائی کر کے انہیں شہید کر ڈالا۔ پھر ان کا لباس لوٹ لیا اور لاش مطہر کو عریاں چھوڑ دیا۔ اب ہماری جماعت نے اس پیش آمد پر غور کیا ہے اور انہیں شدت کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ ان سے اس معصوم کی مدد نہ کرنے میں بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہے جس کا کفارہ یہی ہے کہ ان کے قاتلوں کو قتل کریں یا خود اپنی جان دے دیں اب یہ سب بالکل تیار ہو گئے ہیں لہٰذا آپ لوگ بھی تیار ہو جائیں۔ ہم نے اس مہم کے آغاز کے لئے ایک تاریخ اور جگہ مقرر کر دی ہے جس میں سب کو مجتمع ہو جانا چاہئے۔'' تاریخ یکم ربیع الثانی ۶۵ھ ہوگی اور جگہ مقام نخیلہ''۔

یہ خط سعد کو پہنچا اور انہوں نے مدائن کے شیعوں کو پڑھ کر سنایا اور اس کے ساتھ خود تقریر کی۔[2]

---

[1] طبری ج ۷ ص ۴۹۔ [2] طبری ج ۷ ص ۵۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جس میں کہا کہ ''واقعہ یہ ہے کہ آپ لوگ متفقہ طور پر حضرت امام حسینؑ کی نصرت کا عزم رکھتے تھے اور جونہی ان کے تشریف لانے کی اطلاع ملے فوراً ہی ان کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر آپ کو اچانک ان کی شہادت کی خبر ملی جس سے مجبور ہوگئے بہرحال اللہ کے یہاں آپ کی نیتوں کا اجر ملے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ آپ کے برادران دینی اہل باطل سے مقابلہ کے لئے آپ کی مدد کے خواستگار ہیں اب غور کرنا ہے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہئے''۔

سب نے کہا کہ ہم ضرور ان کی مدد کریں گے اور متفقہ طور پر دشمنان اہل بیتؑ سے جہاد کریں گے چنانچہ سعد بن حذیفہ نے سلیمان بن صرد کے خط کا جواب اقرار نصرت پر مشتمل روانہ کر دیا اسی طرح کے جواب دوسروں کے بھی آئے۔ یہ سب کارروائیاں بالکل خاموشی سے ہو رہی تھیں۔ یہاں تک کہ راز داری کے ساتھ کافی افراد اس تحریک سے متفق ہو گئے تاہم ۶۱ھ سے لے کر ربیع الاول ۶۴ھ یعنی ہلاکت یزید تک حالات ایسے پیدا نہیں ہو سکے کہ اس سلسلہ میں کوئی عملی اقدام کیا جا سکتا۔[1] مگر یزید کی موت کے بعد اس تحریک میں زیادہ قوت پیدا ہوئی اور اب تقریباً علانیہ اس کی اشاعت کی جانے لگی یہاں تک کہ یہ تحریک مصر تک بھی پہنچ گئی اور عبید اللہ بن عبداللہ کی مسلسل تقریروں نے جن میں شہادت امام حسینؑ کا تذکرہ نہایت موثر الفاظ میں کیا جاتا تھا وہاں بھی جوش و خروش پیدا کر دیا۔[2]

یکم ربیع الثانی ۶۵ھ مقررہ تاریخ پر یہ لوگ نخیلہ میں جمع ہوئے تو یہ دیکھ کر کسی حد تک مایوسی ہوئی کہ جن لوگوں نے اقرار نصرت کیا تھا اور جن کے نام فہرست میں درج ہو چکے تھے وہ سولہ ہزار تھے مگر تاریخ معین پر جو تعداد جمع ہوئی وہ صرف چار ہزار کی تھی۔[3] تاہم یہ لوگ عزم و ارادہ کے پختہ تھے اس لئے قلت تعداد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے عملی اقدام کا تہیا کر لیا۔

بعض لوگوں کی رائے تھی کہ قاتلان حسینؑ کوفہ ہی میں موجود ہیں ان سے یہیں

---

[1] طبری ج ۷ ص ۵۱۔ [2] طبری ج ۷ ص ۵۲۔ [3] طبری ج ۷ ص ۶۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سمجھ لینا چاہئے مگر سلیمان کی رائے یہ ہوئی کہ سب سے بڑا قاتل حضرت امام حسینؑ کا جو اس وقت موجود ہے ابن زیاد ہے جس نے تمام شرائط مصالحت کو مسترد کیا اور یہ کہا کہ جب تک حسینؑ غیر مشروط طور پر اطاعت نہ کر لیں ان کو امان نہیں مل سکتی لہٰذا اسی کے مقابلہ کے لئے چلنا چاہئے جب اس کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے تو پھر ان چھوٹے آدمیوں کو سزا دینا کون سا مشکل ہے۔ چنانچہ سب نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔[1]

شب جمعہ ۵ ربیع الثانی ۶۵ھ کو اندھیرے منہ یہ لوگ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔[2]

سب سے پہلے ان لوگوں نے جا کر قبر حسینؑ کی زیارت کی۔ اس وقت ان کے گریہ وشیون کا عجب عالم تھا اور ہر ایک اس آرزو سے بے تاب تھا کہ کاش وہ نصرت امام میں روز عاشور کام آیا ہوتا اور اس شہادت کے درجہ کو حاصل کرتا۔ ایک شب و روز انہوں نے اسی عالم میں نوحہ و ماتم کے ساتھ ساتھ نماز و مناجات اور توبہ و استغفار میں بسر کیا اس کے بعد جذبات کے انتہائی تلاطم میں وہ پورا مجمع قبر امام حسینؑ سے رخصت ہوا جس کے ساتھ سلیمان بن صرد اور دوسرے سرداروں کی انتہائی موثر تقریروں نے[3] ولولہ و جوش کے دریا کو شدت کے ساتھ طوفانی کر دیا۔

ان مجاہدین نے منزل بمنزل طے کر کے عین الوردہ میں جا کر اپنے صفوف مرتب کئے پانچ دن کے بعد شام کی فوجیں ابن ذی الکلاع اور حصین بن نمیر کی سرکردگی میں ان کے مقابل پہنچ گئیں اب سلیمان بن صرد نے آخری انتظامات کئے اور اعلان کیا کہ اگر میں کام آجاؤں تو سردار لشکر مسیب بن نجبہ ہوں گے اور وہ شہید ہو جائیں تو سردار عبداللہ بن سعد بن نفیل ہوں گے اور ان کے بعد عبداللہ بن وال اور پھر رفاعہ بن شداد۔[4]

روز چہار شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ کو پہلا مقابلہ ہوا۔ باوجودیکہ دشمن کی فوج بارہ ہزار تھی۔[5] اور یہ کل چار ہزار پھر بھی یہ غالب آئے مگر دوسرے دن آٹھ ہزار فوج کی کمک ان کے مقابل میں آگئی جسے عبید اللہ بن زیاد نے روانہ کیا تھا۔ آج بڑی شدت کا

---

[1] طبری ج ۷ ص ۶۸ ۔ [2] طبری ج ۷ ص ۶۹ ۔ [3] طبری ج ۷ ص ۷۰ ۔ [4] طبری ج ۷ ص ۷۴ ۔
[5] طبری ج ۷ ص ۷۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مقابلہ رہا اور رات آنے تک جنگ جاری رہی اب زخمیوں کی تعداد مجاہدین میں بہت زیادہ تھی۔

تیسرے دن دشمنوں کی کثرت اور ان کی قلت سے حالت دگرگوں ہوگئی۔ پھر بھی جان توڑ مقابلہ کرتے رہے مگر آخر میں بزدل دشمنوں نے تیر باراں کا سلسلہ جاری کر دیا چنانچہ ایک تیر آکر سلیمان بن صرد خزاعی کے لگا جس سے وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے ان کے بعد علم لشکر مسیب بن نجبہ نے لیا اور بڑی بہادری سے کئی حملے کئے مگر آخر وہ بھی شہید ہوئے۔[1]

ان کے بعد عبداللہ بن سعد بن نفیل نے علم سنبھالا اور قبیلہ ازد کی جماعت کو ساتھ لے کر مقابلہ شروع کیا اس دوران میں مدائن کے تین سوار آئے جنہوں نے اطلاع دی کہ مدائن اور بصرہ سے کمک روانہ ہو چکی ہے مگر یہاں حالت اتنی نازک ہو چکی تھی کہ ان مجاہدین کی زندگی میں اس فوج کے پہنچنے کی امید نہ تھی آخر وہ نو وارد تینوں مجاہدین بھی لڑکر جاں بحق تسلیم ہوئے۔[2] اور اس کے بعد عبداللہ بن سعد اور پھر عبداللہ بن وال بھی شہید ہو گئے۔[3]

اب شام ہو گئی تھی اس لئے جنگ موقوف ہوگئی۔ نام زد سرداروں میں اب صرف رفاعہ بن شداد باقی تھے مگر اب حالت یہ تھی کہ ان کی تعداد چار ہزار سے گھٹ کر صرف چند سو باقی رہ گئی تھی اور ان میں سے بھی اکثر زخمی اور ناقابل جنگ تھے لہٰذا انہوں نے مقابلہ جاری رکھنے میں کامیابی کی صورت نہ دیکھتے ہوئے رات کے وقت اپنی قلیل فوج کے ساتھ مراجعت اختیار کی۔[4]

اور اس طرح قاتلان حسینؑ سے بدلا لینے کی یہ پہلی کوشش منزل آخر تک پہنچی۔

.....☆☆.....

---

[1] طبری ج ۷ ص ۷۶۔ [2] طبری ج ۷ ص ۷۷۔ [3] طبری ج ۷ ص ۷۸۔ [4] طبری ج ۷ ص ۸۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

انتالیسواں باب

خون ناحق کا انتقام

سلیمان بن صرد خزاعی کی سرکردگی میں جماعت توابین نے بھی قاتلان حسینؑ ہی سے انتقام لینا چاہا تھا مگر چونکہ انہوں نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق براہ راست حکومت یزید کے خلاف محاذ قائم کیا تھا اور اس کو اپنی قلیل تعداد کی بناء پر وہ کوئی خاص مادی نقصان نہ پہنچا سکے لہٰذا انفرادی حیثیت میں قاتلان حسینؑ سے وہ کوئی انتقام نہ لے سکے۔ پھر بھی قدرت اس قتل ناحق کے ارتکاب کرنے والوں کو زیادہ عرصہ تک مہلت دینے کے لئے تیار نہ تھی چنانچہ مشیت ایزدی نے اس کام کے لئے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کو منتخب کیا۔

خاندانی اعتبار سے وہ رؤسائے عرب میں سے تھے۔ ان کے والد ابو عبیدہ اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں تسخیر ایران سے متعلق اکثر نبرد آزمائیوں میں شریک ہوئے تھے اور ''جرابی عبید'' کی جنگ انہی کے نام سے منسوب ہے اور خود مختار اہل بیت رسولؐ کے ہمدرد کی حیثیت سے خاص طور پر مشہور ہوئے اگرچہ جو خطوط حضرت امام حسینؑ کو کوفہ سے بھیجے گئے تھے ان میں ان کے نام کی صراحت نظر نہیں آتی تاہم جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تھے تو آپ نے مختار ہی کے گھر پر قیام کیا تھا۔[1]

اس کے بعد جب ابن زیاد کا کوفہ پر تسلط ہوا اور فضا مکدر ہوئی تو اس موقع پر مختار کوفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنی زمینداری میں کسی موضع پر گئے ہوئے تھے لہٰذا مسلم ان کے گھر سے منتقل ہو کر ہانی کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ پھر ہانی کے گرفتار ہونے پر مسلم کو جہاد کے لئے نکلنا پڑا اور بالآخر مسلم و ہانی دونوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد عمرو بن

---

[1] طبری ج ۷ ص ۵۸۔ ارشاد ص ۲۱۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حریث نے رایت امان اس اعلان کے ساتھ بلند کیا کہ جو اس جھنڈے کے نیچے آ جائے گا اس کا جان و مال محفوظ رہے گا اس وقت مختار کوفہ واپس پہنچے۔[1]

اور عمرو بن حریث کے رایت امان کے نیچے آ گئے لیکن ان کی طرف سے حکومت کوفہ اس درجہ بدظن تھی کہ انہیں اس جھنڈے کے نیچے پہنچ جانے پر بھی امان نہ مل سکی۔ ابن زیاد نے اپنے دربار میں بلا کر اپنی چھڑی سے ان کے چہرے پر ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کی آنکھ کو صدمہ پہنچ گیا اور پھر انہیں قید خانہ بھجوا دیا چنانچہ جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی تو وہ کوفہ میں مقید تھے اور غالباً قتل بھی کر دیئے جاتے مگر ان کی بہن عبداللہ بن عمر کی زوجہ تھیں اور اگرچہ عبداللہ بن عمر بھی شروع میں یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے مگر شہادت حسینؑ پر مطلع ہونے کے بعد ان کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور وہ حکومت یزید کی طرف جھکنے لگے تھے۔

ادھر یزید عام طور پر عالم اسلام کی برہمی اور بیزاری سے متاثر ہو کر ہر ایسے شخص کی انتہائی دل جوئی اور مراعات کرنا چاہتا تھا کہ جو کم از کم اس کی حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے سے باز رکھا جا سکتا ہو لہٰذا اس موقع پر عبداللہ بن عمر کی کسی بات کو رد کر کے ان کو اپنے سے برگشتہ خاطر کرنا کسی طرح مناسب نہ سمجھتا تھا چنانچہ عبداللہ بن عمر نے مختار کی بہن کے انتہائی اصرار سے مجبور ہو کر یزید کو مختار کی رہائی کے لئے خط لکھا اور یزید نے فوراً عبید اللہ بن زیاد کو تاکیدی حکم بھیجا کہ مختار کو رہا کر دیا جائے۔

اس طرح ابن زیاد ان کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا مگر شرط کر دی کہ تین دن کے اندر کوفہ چھوڑ دینا ورنہ تمہارا خون مباح ہو گا چنانچہ تین دن کے اندر مختار کوفہ سے حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

ایک سال سے زیادہ وہ حجاز میں مختلف مقامات پر گردش کرتے رہے اور اس

---

[1] طبری ج ۷ ص ۵۹ ۔ [1] طبری ج ۷ ص ۵۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوران میں وہ برابر کہتے رہتے تھے کہ مجھے حضرت امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینا ہے جو میں لے کر رہوں گا۔[1]

جب دمشق کی فوجوں نے حصین بن نمیر کی سرکردگی میں عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں فوج کشی کی اور مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا تو مختار اس وقت مکہ میں تھے اور ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو جس دن خانہ کعبہ میں آگ لگائی گئی اور شام کی فوجیں شہر مکہ میں داخل ہوئیں تو مختار نے اہل شام کے مقابلہ میں تقریباً تن تنہا جرأت و ہمت کے ساتھ شدید جنگ کی۔[2]

یہاں تک کہ اہل شام کو شکست ہوئی۔ اسی دوران میں ہلاکت یزید کی خبر آئی اور شام کی فوجیں واپس گئیں، مختار اس کے بعد بھی پانچ مہینہ سے کچھ زیادہ عبداللہ بن زبیر کے پاس مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔

اتنے عرصہ میں کوفہ کی حکومت میں انقلاب ہو چکا تھا اہل کوفہ ابن زیاد کے نائب حکومت عمرو بن حریث کو نکال چکے تھے اور عارضی طور پر عامر بن مسعود کو حاکم بنا دیا تھا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت کر لی اور اہل کوفہ سے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کرائی۔ مگر ابھی تک کوفہ میں نظم ونسق پورے طور پر قائم نہیں ہونے پایا تھا مختار کو یہ وقت قاتلان امام حسینؑ سے انتقام کے متعلق اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے بہت مناسب معلوم ہوا۔ وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[3] اور وہاں پہنچ کر ممتاز افراد شیعہ سے اپنی مہم کے بارے میں تبادلہ خیالات شروع کر دیا اور بہت سے اشخاص ان کے ساتھ متفق الرائے ہو گئے۔[4]

مگر جب سلیمان بن صرد خزاعی جماعت توابین کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ کو نکلے اس وقت کوفہ میں مختار کو بھی قید کر کے داخل زندان کر دیا گیا۔[5]

---

[1] طبری ج ۷ ص ۶۲ ۔ [2] طبری ج ۷ ص ۶۳ ۔ [3] طبری ج ۷ ص ۶۳ ۔ [4] طبری ج ۷ ص ۶۴ ۔
[5] طبری ج ۷ ص ۶۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سلیمان کی شہادت کے بعد جب ان کی جماعت کے باقی ماندہ افراد رفاعہ بن شداد کے ساتھ کوفہ واپس ہوئے تو مختار قید خانہ میں تھے۔[1]

آخر کو عبداللہ بن عمر نے پھر عبداللہ بن زبیر اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو جو اس وقت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا مختار کی رہائی کے لئے خط لکھا جس کے بعد وفاداری کی قسمیں لینے کے بعد مختار کو رہا کر دیا گیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے ان دونوں کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا[2] جو روز پنج شنبہ ۲۵ر رمضان ۶۵ھ کو کوفہ میں وارد ہوئے۔[3]

اب مختار کے ساتھ بہت سے ممتاز صاحبان عزم و ہمت متفق الرائے ہو چکے تھے مگر مالک اشتر کے فرزند ابراہیم کی ایک اہم شخصیت تھی جن کا متحد بنانا اس مہم کے لئے ضروری محسوس ہوتا تھا چنانچہ ابراہیم کو مقصد سے پورے طور پر آگاہ کر کے انہیں بھی متفق بنا لیا گیا جس سے مختار کی تحریک کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔[4]

اب برابر مختار ابراہیم کے یہاں آمد و رفت رکھنے لگے روزانہ شام کے وقت ابراہیم ان کے یہاں جاتے تھے اور رات گئے تک تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ شب پنج شنبہ ۱۴ر ربیع الاول ۶۶ھ کو عملی اقدامات کا آغاز کر دیا جائے۔[5]

ان لوگوں نے باہم یہ رائے قائم کی کہ ہم کو قاتلان حسینؑ سے انتقام لینے کے لئے دمشق جانے کی ضرورت نہیں بلکہ حقیقتاً قاتلان حسینؑ چونکہ یہیں کوفہ میں موجود ہیں لہٰذا ان سے ہم کو بدلہ لینا چاہئے لیکن اس صورت میں ابن زبیر کی حکومت سے ان کا

---

[1] طبری ج ۷ ص ۸۰ ۔ [2] طبری ج ۷ ص ۹۴ ۔ [3] طبری ج ۷ ص ۹۵ ۔ [4] الاخبار الطوال ص ۲۸۲۔۲۸۳۔ طبری ج ۷ ص ۹۸۔۹۹ ۔ [5] طبری ج ۷ ص ۱۰۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تصادم لازمی تھا اس لئے کہ قاتلان امام حسینؑ کا براہ راست تعلق اگر چہ حکومت شام سے تھا مگر وہ اس وقت کوفہ کے باشندہ تھے ان سے انتقام لینے کے معنی تھے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اور ظاہر ہے کہ حکومت وقت کو اس صورت میں اپنے نظام کے تحفظ کی خاطر ان افراد کی حفاظت کرنا تھی جو اس شہر کے باشندہ تھے لہٰذا مختار اور ان کی جماعت کے لئے قاتلان حسینؑ سے اپنے حسب دلخواہ انتقام لینا ممکن ہی نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ کوفہ کی موجودہ حکومت کو ختم کر کے ایک خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے چنانچہ اس نظریہ کے ماتحت ان کا حکومت ابن زبیر سے تصادم ناگزیر ہوا اور نتیجتاً ..... عبداللہ بن مطیع کے تاب مقابلہ نہ لا کر فرار اختیار کرنے پر کوفہ میں مختار کی حکومت قائم ہوگئی۔

اس طرح مختار دو حکومتوں کے غیض و غضب کا مرکز بن گئے۔ ایک طرف حکومت شام جس سے براہ راست قاتلان امام حسینؑ کا تعلق تھا اور دوسری طرف ابن زبیر کی حکومت جو کوفہ میں اپنے تسلط کے لئے مختار سے جنگ کرنا ضروری سمجھتی تھی۔

اس صورت حال کے دیکھنے کے بعد ہی ہم ان الزامات کی حقیقت کے متعلق بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں جو مختار کے متعلق عام تواریخ میں درج کر دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ وہ علم غیب کے مدعی تھے وہ کہتے تھے کہ میرے پاس جبرئیلؑ آتے ہیں۔ انہوں نے محمد حنفیہ کی مہدویت کا اعلان کر کے غلط طور پر اپنے کو ان کا نمائندہ بتایا اور ان کی طرف سے جعلی خط بنا کر ابراہیم بن مالک اشتر کو اپنا ہم خیال بنایا ..... وغیرہ وغیرہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب حکومتوں کی طرف سے ان کے خلاف پروپیگنڈا تھا جس کی مثالیں برابر تاریخ میں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کو یزید اور اس کے ہوا خواہ ملحد کے نام سے یاد کرتے تھے۔ پھر اگر مختار کے خلاف اس قبیل کے الفاظ ملتے ہیں تو انہیں کیونکر حقیقت سمجھا جا سکتا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہمارے نزدیک تو ان الزامات کا غلط ہونا ان افراد ہی پر نظر کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے جو مختار کے ساتھ تھے اور برابر ساتھ رہے جیسے کہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ بن اسقع کنانی کہ جو صحابی رسولؐ تھے۔[1]

اسی طرح ابو عثمان نہدی اور پھر رفاعہ بن شداد، یزید بن انس، عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس، ورقاء بن عازب اور احمر بن شمیط وغیرہ۔ یہ سب صاحبان بصیرت اور دیندار لوگ تھے۔

ابراہیم بن مالک اشتر کے متعلق مان بھی لیا جائے کہ انہیں غلط تحریر دکھلا کر موافق بنا لیا گیا تھا تو بعد میں مختار کے ساتھ تقریباً ہر وقت رہنے کے باوجود انہیں مختار کے عقائد و اعمال پر اطلاع نہ ہوتی اور اطلاع ہونے کے بعد وہ منحرف نہ ہو جاتے؟ پھر اگر فرض کیا جائے کہ انہیں ہر وقت ساتھ رہنے کے باوجود ان باتوں کی اطلاع نہیں ہوئی تو آخر ان راویوں کو ان کی اطلاع کیونکر ہو سکی جو مختار کے ساتھ ویسے روابط بھی نہ رکھتے تھے۔

مختار کا خلوص تو اس سے ظاہر ہے کہ حکومت پانے کے بعد بھی مختار اور ان کے ساتھیوں نے اپنے نصب العین کو فراموش نہیں کیا اور چن چن کر انہوں نے قاتلان حسینؑ کو قتل کرنا شروع کر دیا جس طرح ان کا امتیازی نعرہ تھا یا لثارات الحسین۔[2]

اسی کے مطابق ان کا عمل ظاہر ہوا اس کی تکمیل اس طرح ہو گئی کہ ایک طرف تو عبیداللہ بن زیاد شام کی فوج لے کر موصل پر حملہ آور ہوا، مختار نے اس کے مقابلہ کے لئے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ یزید بن انس کو بھیجا۔[3] اس فوج نے دشمن کے لشکر جنگ میں شکست بھی دے دی[4] مگر عین معرکہ جنگ میں یزید بن انس کی جو پہلے سے بیمار تھے

---

[1] ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ اصحاب رسولؐ میں سب کے آخر میں انہی کی وفات ہوئی ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۸) [2] طبری ج ۷ ص ۱۲۰۔ [3] طبری ج ۷ ص ۱۱۳۔ [4] طبری ج ۷ ص ۱۱۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

وفات ہوگئی اور ورقا بن عازب نے فوج دشمن کی کثرت اور اپنی قلت تعداد کے سبب اپنے سردار کے انتقال کے بعد اس مہم کو کوفہ سے مزید کمک منگوانے تک ملتوی کر دینے کا فیصلہ کیا۔[1]

مختار کو یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے ابراہیم بن مالک اشتر کو سات ہزار فوج کے ساتھ ورقاء کی مدد کے لئے موصل کی طرف روانہ کیا۔ کوفہ کے سرداروں نے جو تقریباً سب ہی وہ لوگ تھے جو حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں جنگ میں شرکت کر چکے تھے اس موقع کو غنیمت جان کر کہ ابراھیم کوفہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اور مختار تقریباً اکیلے ہیں متفق ہو کر بغاوت کر دی اور مختار سے جنگ شروع کر دی۔[2]

ان میں حسب ذیل افراد کے نام نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ شبث بن ربعی، شمر بن ذی الجوشن، محمد بن اشعث، زجر بن قیس، حجار بن ابجر، یزید بن حارث بن رویم شیبانی، عمرو بن حجاز زبیدی،[3] ان میں سے کوئی بھی نام واقعات کربلا کا مطالعہ کر چکنے والوں کے لئے اجنبی نہیں ہے۔

مختار نے اپنے ساتھ والی جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا معمولی طور سے مقابلہ جاری رکھا اور ایک قاصد کو ابراہیم بن اشتر کے پاس بھیج کر اطلاع دی کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ فوراً کوفہ کی طرف واپس آئیں چنانچہ تیسرے دن وہ اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ واپس آ گئے۔[4]

اب دشمنان آل رسولؐ کی سرکوبی کا ہنگام آ گیا تھا چنانچہ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پہلا ہی پانچ سو آدمیوں کا جتھا جو گرفتار ہو کر مختار کے پاس پیش ہوا تو مختار نے کہا ان میں سے جو جو قتل حسینؑ کے موقع پر کربلا میں موجود تھے انہیں مجھے بتاتے جانا ان کی میں جان بخشی نہیں کروں گا باقی سب کو چھوڑ دوں گا چنانچہ جن جن کے بارے میں یہ

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۱۵۔ [2] طبری ج ۷ ص ۱۱۶۔ [3] طبری ج ۷ ص ۱۱۶ و ۱۱۷۔ [4] طبری ج ۷ ص ۱۱۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

الزام ثابت ہوا وہ قتل کر دیئے گئے باقی سب کو اقرار وفاداری لینے کے بعد رہا کر دیا۔[1]

اس کے بعد مختار کی جانب سے شہر میں ندا دی گئی کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان ہو گی سوا اس شخص کے جو آل رسولؐ کے خون میں شریک ہوا ہو۔[2] یہ روز چہار شنبہ ۲۴ ذی الحجہ ۶۶ھ کا ذکر ہے۔[3]

ابو عمر کلسیان پولیس کے افسر تھے چونکہ قاتلان حسینؑ بھی اب گھروں میں چھپ گئے تھے اس لئے ابو عمرہ مامور ہوئے کہ ایک ہزار مزدور ساتھ لے کر جائیں اور جو جو مظالم کربلا میں شریک تھے ان کے گھروں کو مسمار کرائیں کیونکہ ابو عمرہ ان لوگوں سے خوب واقف تھے چنانچہ انہوں نے بکثرت گھر منہدم کرائے اور اس ذیل میں بہت سے دشمنان اہل بیتؑ قتل ہوئے۔[4] اب بڑے بڑے نمایاں افراد جو قاتلان امام حسینؑ میں سے تھے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ شمر بن ذی الجوشن،[5] عبداللہ بن اسد جہنی، مالک بن نسر بدی، حمل بن مالک محاربی،[6] زیاد بن مالک، عمران بن خالد، عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ بجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عبداللہ بن صلخب، عبدالرحمٰن بن صلخب، عبداللہ بن وہب، عثمان بن خالد جہنی، بشر بن سوط قابضی،[7] خولی بن یزید اصبحی،[8] عمر بن سعد،[9] حکیم بن طفیل طائی سنبسی،[10] زید بن رقاد جہنی، حرملہ بن کاہل اسدی، عمرو بن صبیح صدائی، اور قیس بن اشعث،[12]

کوفہ کی مہم سے فراغت کے بعد مختار نے ابراہیم کو پھر ابن زیاد سے جنگ کے لئے روانہ کیا۔[13] موصل سے پانچ فرسخ پر مقام خازر میں جنگ ہوئی شدید مقابلے کے بعد شام کی فوج کو شکست ہوئی اور خود ابن زیاد ابراہیم کے ہاتھ سے قتل ہوا اس کے علاوہ

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۲۱۔ [2] طبری ج ۷ ص ۱۲۱۔ [3] طبری ج ۷ ص ۱۲۴۔ [4] الاخبار الطوال ص ۲۸۶۔
[5] طبری ج ۷ ص ۱۲۲۔ [6] طبری ج ۷ ص ۱۲۴۔ [7] طبری ج ۷ ص ۱۲۵۔ [8] طبری ج ۷ ص ۱۲۶۔
[9] طبری ج ۷ ص ۱۲۷ [10] طبری ج ۷ ص ۱۲۸۔ [11] طبری ج ۷ ص ۱۲۹۔ [12] طبری ج ۷ ص ۱۳۹۔
[13] الاخبار الطوال ص ۱۳۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حصین بن نمیر سکونی اور شرجیل بن ذی الکلاع جو شام کے دو مشہور سردار تھے وہ بھی اس جنگ میں مارے گئے۔[1] ابراہیم نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیجا اور مختار نے اسے محمد حنفیہ کے پاس بھیج دیا۔[2] اس کے بعد ابراہیم نے موصل اور اس کے تمام اطراف پر تسلط قائم کر کے عمال مقرر کئے اور خود نصیبین میں جا کر قیام کیا۔[3] مختار اب کوفہ میں اکیلے رہ گئے۔

ابن زبیر کو مختار سے بنائے مخاصمت قائم ہو چکی تھی اور عراق میں بصرہ پر ان کا تسلط قائم تھا اس دوران میں انہوں نے بصرہ کے مقامی حاکم کو جو زیادہ ان کے نزدیک قابل اطمینان نہ تھا معزول کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ میں حاکم مقرر کیا ممکن ہے اسی وقت اس کا مقصد مختار کے مقابلہ میں مہم کا سرانجام دینا ہو۔

ادھر کوفہ سے جو قاتلان امام حسینؑ مختار کے ہاتھوں بچ کر کسی طرح نکلے جیسے شبث بن ربعی، محمد بن اشعث، مرہ بن منقذ عدی، سنان بن انس اور عبداللہ بن عروہ خثعمی وغیرہ وہ سیدھے مصعب بن زبیر کے پاس بصرہ پہنچے[4] اور انہوں نے بھی اس کو مختار سے جنگ پر آمادہ کیا۔ خصوصیت کے ساتھ شبث بن ربعی اور محمد بن اشعث نے بڑے مبالغہ کے ساتھ اپنی مظلومی کے غلط افسانے سنا کر الحاح و زاری سے کام لیا اور کوفہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔[5]

دینوری کا بیان ہے کہ دس ہزار اہل کوفہ رفتہ رفتہ نکل کر بصرہ پہنچ گئے اور ان سب نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں مصعب کو کامیابی کا یقین دلایا۔[6]

اسی دوران میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ عبداللہ بن زبیر نے مکہ معظمہ میں محمد حنفیہ، ان کے متعلقین اور ان کوفہ کے آدمیوں کو جو مکہ میں قید تھے مقید کر دیا اور ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر اس وقت تک انہوں نے بیعت نہ کی تو وہ سب زندہ جلا دیئے جائیں

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۸۸، طبری ج ۷ ص ۱۴۴-۱۴۵۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۸۸۔ [3] الاخبار الطوال ص ۲۸۹۔ [4] طبری ج ۷ ص ۱۲۴ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۴۶۔ [5] طبری ج ۷ ص ۱۴۶-۱۴۷۔ [6] الاخبار الطوال ص ۲۹۵۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

گے۔ محمد حنفیہ نے ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کی اطلاع مختار کو دی۔ مختار نے کوفہ سے فوج روانہ کی جس نے مکہ جا کر محمد حنیفہ اور ان کے ساتھ والوں کو قید سے رہائی دی یہ لوگ تو ابن زبیر کا خاتمہ کر دینے پر آمادگی ظاہر کر رہے تھے مگر محمد حنفیہ نے حرم میں خونریزی سے سختی کے ساتھ ممانعت کی اس لئے یہ لوگ محمد حنفیہ کو ایک محفوظ جائے پناہ تک پہنچا کر واپس آ گئے۔[1]

بالآخر مصعب بن زبیر نے غالباً اپنے بڑے بھائی عبداللہ بن زبیر کی ہدایت ہی کی بناء پر ایک لشکر گراں کے ساتھ کوفہ پر حملہ کر دیا۔ مختار نے بھی مقابلہ کی تیاری کی مگر اب مشیت الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ مختار اپنے مقصد حیات کو پورا کر چکے تھے ان کی طاقت بھی اس وقت یکجا نہ تھی کیونکہ ابراہیم بن مالک اشتر نصیبین میں تھے اور اس صورت حال کی انہیں کوئی اطلاع نہ تھی مصعب کے پاس فوج بہت زیادہ تھی اور محمد بن اشعث وغیرہ رؤسائے اہل کوفہ بھی ساتھ تھے اس لئے خود کوفہ کے بہت سے لوگ جو دبے ہوئے تھے وہ بھی ان کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نیز مختار کے خلاف ایک طبقہ وارانہ سوال عرب اور غیر عرب کا اٹھا دیا گیا تھا اور یہ کہ مختار نے عجمیوں کو عربوں پر مسلط کر دیا تمام عربوں کے جذبات کو مختار کے خلاف بھڑکا دیا گیا۔[2]

تاہم مختار نے اپنے پاس کے لشکر کے ساتھ کئی دن بڑی بہادری کے ساتھ مصعب سے جنگ کی جس کے دوران میں ان کے ساتھ کے کئی ممتاز سردار جیسے احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل وغیرہ شہید ہو گئے۔[3]

اس جنگ میں فوج مخالف میں سے بھی ایک شخص جو دشمنان اہل بیتؑ میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا یعنی محمد بن اشعث قتل ہوا۔[4]

آخر الامر مختار کے تمام باوفا ساتھی شہید، عوام الناس منتشر اور وہ خود قلعہ کے اندر محصور ہو گئے پھر چند جانبازوں کے ساتھ نکل کر انہوں نے آخری بار بڑی پامردی سے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۳۶۔۱۳۷۔ [2] الاخبار الطوال ص ۲۹۵۔ [3] طبری ج ۷ ص ۱۴۸۔۱۴۹۔
[4] الاخبار الطوال ص ۲۹۷۔ طبری ج ۷ ص ۱۵۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جنگ کی اور عین معرکہ جنگ میں ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو سرسٹھ برس کی عمر میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔[1]

عداوت اور قساوت کی حد یہ تھی کہ ان کے بعد ان کی بیوی عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری کو بھی جنہوں نے مختار کو برا کہنے سے انکار کیا مجمع عام میں قتل کیا گیا۔[2]

یقیناً خوش قسمت ہے وہ انسان جو مشیت کے کسی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے۔ مختار انہی خوش قسمت انسانوں میں تھے ان کی ذات کے ساتھ قدرت نے اپنا ایک عملی نظام وابستہ کیا تھا اور اس نظام کی تکمیل کے ساتھ ان کی زندگی بھی ختم ہوگئی اب وہ ختم نہیں ہوگئی بلکہ جاودانی طور پر باقی ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

.....☆☆.....

[1] طبری ج ۷ ص ۱۵۵ و ۱۶۱۔ [2] طبری ج ۷ ص ۱۵۸۔ الاخبار الطوال ص ۳۰۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

چالیسواں باب

اموی حکومت کا انجام

تاریخی حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کو اس حد تک غلبہ و اقتدار حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے صاحبان حل وعقد کے لئے محض ضروریات زندگی ہی نہیں بلکہ فراوانی کے ساتھ سامان تعیش بھی فراہم ہو سکے تو اس میں عیش پسندی، جاہ طلبی، کمینہ طبعی، خودغرضی، ناعاقبت اندیشی، سہل انگاری اور نتیجۃً بزدلی پیدا ہو جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ منزل فنا میں حقیقتاً قدم رکھ چکی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

واذا اردنا ان نهلک قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا (یعنی) ''جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان پر ہمارا قانون فطرت منطبق ہو جاتا ہے اور ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں''۔

رسول اللہؐ کے بعد سے دور یزید تک بنی امیہ کی مادی ترقیاں کس کو معلوم نہیں۔ دولت و ثروت، وسعت مملکت اور حشم و خدم کے لحاظ سے وہ قیصر و کسریٰ کی ہمسری کرتے نظر آتے تھے لیکن نفس پرستی اور تن پروری کے اعتبار سے ان سے بھی کہیں بڑھے ہوئے تھے۔

چنانچہ قانون فطرت کے مطابق ان کے انحطاط اور زوال کا وقت یوں ہی قریب آ چکا تھا اس پر ناعاقبت اندیش یزید نے نشہ سلطنت و امارت سے سرشار ہو کر امام حسینؑ کو آپ کی روحانی عظمت اور حقانیت کی ناقابل تسخیر طاقت کا خیال کئے بغیر شہید کر دیا اس کا نتیجہ ظاہر تھا اور وہ یہ کہ متزلزل اموی نظام تیزی کے ساتھ تباہی اور بربادی کے آخری درجہ تک پہنچ گیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ادھر عبداللہ بن زبیر خون حسینؑ کا واسطہ دلا کر یزید کے مقابل آ گئے۔ ادھر اہل مدینہ جنہوں نے چپ چپاتے امام حسینؑ کو شہید ہوتے دیکھا تھا مخالف ہو گئے۔ توابین کا گروہ علیحدہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مختار نے ایک طرف علم مخالفت بلند کیا پھر زید بن علی بن الحسینؑ بھی ۱۱۸ھ میں خون حسینؑ کے انتقام ہی کے طالب ہو کر اٹھے[1] اور اگرچہ شہید کر ڈالے گئے مگر ایک مستقل جماعت کی تشکیل کر گئے جو ظالم حکومت کے لئے خطرہ بنی ہے۔ بنی عباس علیحدہ خون مظلوم کا بدلہ لینے کے نام سے بنی امیہ کے مقابل میں ڈٹے۔[2]

یہ سمجھنا بالکل غلط ہو گا کہ ان تمام تحریکوں میں خلوص مضمر تھا بلکہ ان میں سے بعض میں سیاسی کروٹیں تھیں اور اسی لئے اولاد امام حسینؑ کا ان میں ذرہ برابر ہاتھ نہ تھا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اولاد امام انقلاب کنندگان سے علیحدہ رہتے ہوئے منع کرتے رہے مگر قانون فطرت کو پورا ہونا ضروری تھا اور وہ پورا ہو کر رہا۔

بہرطور جب ابو مسلم خراسانی نے انتقام خون حسینؑ کے اعلان کے ساتھ مرو میں سیاہ جھنڈا نکالا تو ہزاروں آدمی اس کے نیچے جمع ہو گئے اور بالآخر بنی امیہ کا آخری بادشاہ مروان بن محمد جنگ زاب میں مارا گیا۔[3] اور اسی کے ساتھ اموی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

..... ☆☆ .....

---

[1] ارشاد ص ۲۸۶۔ [2] اس تحریک کا آغاز محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے ۱۰۰ھ کے آخر ۱۰۱ھ کے شروع میں کیا (طبری ج ۸ ص ۱۳۵۔ الاخبار الطوال ص ۳۱۸۔ ۱۰۴ھ میں ابو العباس (سفاح) عبداللہ بن محمد بن علی کی ولادت ہوئی (طبری ج ۸ ص ۱۷۴) ۱۲۷ھ میں مروان بن محمد تخت حکومت پر بیٹھا (طبری ج ۹ ص ۵۴) ۱۲۹ھ میں دعوت تبلیغ اعلان کے ساتھ شروع ہوئی۔ طبری ج ۹ ص ۸۳۔ [3] طبری ج ۹ ص ۱۳۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اکتالیسواں باب

بنی عباس کی سلطنت

شہادت امام حسینؑ کے کچھ عرصہ کے بعد جو بنی عباس نے دعوت کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوئی یہاں تک کہ ابو مسلم خراسانی نے خراسان میں کامیابی حاصل کی اور ایران سے عراق تک تمام مملکت اسلامی میں بنی امیہ کے خلاف حرکت پیدا ہوئی تو یہ سب آل رسولؐ کی ہمدردی کے نام سے تھا۔

اگرچہ ان کی سیاہ پوشی کا شہدائے کربلا کے غم سے تعلق نہ تھا بلکہ وہ اپنی اس تحریک کے بانی محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی وفات پر اظہار رنج و ملال[1] اور پھر ان کے فرزند اور اس جماعت کے سرگروہ ابراہیمؑ بن محمد کے قتل کئے جانے پر سوگواری کا مظاہرہ تھا۔[2]

تاہم اکثر ناواقف یہی سمجھتے رہے کہ یہ بھی غم امام حسینؑ کی علامت تھی اور اس خیال کو اس لئے اور تقویت پہنچی کہ اموی خلیفہ مروان کے قتل کے بعد کوفہ کی مسجد جامع میں جو ان کا سیاہ پوش اجتماع ہوا وہ ۱۰ر محرم ۱۳۲ھ یعنی عشرے کے دن تھا۔[3] جو شہادت امام حسینؑ کی تاریخ ہے۔

پھر لوگوں کو اہل بیتؑ اور عترت رسولؐ کے فضائل اور حقوق ہی کا واسطہ دے کر اس تحریک سے وابستہ کیا گیا چنانچہ اعلان دعوت کے بعد ان کے ایک خاص کارکن ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے ایک مجمع کے سامنے جو تقریر کی وہ حسب ذیل تھی۔

"کیا تم میں کسی کو اس میں شک ہے کہ اللہ سبحانہ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور تمام خلق کی طرف مبعوث کیا؟ (سب نے

---

[1] الاخبار الطوال ص ۳۲۴ ۔ [2] الاخبار الطوال ص ۳۴۳ ۔ [3] الاخبار الطوال ص ۳۲۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہا نہیں اس میں کوئی شک نہیں) اچھا تو کیا اس میں کوئی شک ہے کہ اللہ نے ان پر اپنی کتاب نازل کی جسے جبرئیل امینؑ لے کر اترے اور اس میں احکام حلال و حرام کا بیان ہے؟ (سب نے کہا بے شک) پھر کیا اس میں شک ہے کہ آپ دنیا سے جب تشریف لے گئے تو پورے طور سے رسالت کے فرض کو انجام دینے کے بعد؟ (سب نے کہا، نہیں کوئی شک نہیں؟) اچھا وہ علم جو آپ پر اترا تھا کیا آپ کے ساتھ ہی اٹھ گیا یا آپ کے بعد باقی رہا؟ (سب نے کہا ضرور باقی رہا) جب باقی رہا تو کیا وہ آپ کی عترت اور اہل بیت کے سوا اور کے پاس ہوسکتا ہے؟ (سب نے کہا نہیں) تو پھر اگر ایسے امکانات پیدا ہوں کہ حکومت اسلامیہ اہل بیت و عترت رسولؐ میں آجائے تو کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ ان کے سوا کسی دوسرے تک پہنچ جائے؟ (سب نے کہا نہیں ہم میں سے کوئی اس کو پسند نہ کرے گا)[1]

۱۳۰ھ میں طرید بن شفیق سلمی نے نصر بن سیار سے جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں اپنی ایک تقریر میں کہا۔

''قبیلہ مضر کے لوگ آل رسولؐ کے قاتل اور بنی امیہ کے اعوان و انصار ہیں''۔[2]

بیعت جو لوگوں سے لی جاتی تھی وہ کسی خاص بادشاہ کا نام لے کر نہیں بلکہ یہ کہہ کر کہ ابا یعکم علی کتاب اللہ عزو جل وسنتہ نبیہ و الطاعتہ للرضا من اھل بیت رسول اللہ۔

''میں تم سے بیعت لیتا ہوں کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ

---

[1] طبری ج ۹ ص ۸۷۔ [2] طبری ج ۹ ص ۹۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے رضا (پسندیدہ شخص) کی اطاعت پر''۔[1]

قحطبہ نے اہل خراسان کو مخاطب کر کے جو تقریر کی اس میں کہا کہ ''بنی امیہ نے عترت رسول خداؐ میں سے ان افراد کو جو نیکوکار اور پرہیزگار تھے خوف و دہشت میں مبتلا کیا۔ اب اللہ نے تمہیں مقرر کیا ہے کہ تمہارے ذریعہ بنی امیہ سے ان کا انتقام لے''۔[2]

۱۱ر محرم ۱۳۲ھ کو عراق میں ہاشمی سلطنت کے قیام کا اعلان کیا گیا تو ابو سلمہ حفص بن سلیمان جو دوستان اہل بیت میں سے تھے وزیر مقرر کئے گئے وہ ''وزیر آل محمدؐ'' اور ابو مسلم خراسانی ''امین آل محمدؐ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔[3]

بیشک اہل بیت رسولؐ میں سے ذمہ دار افراد ان اقدامات کی حقیقت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ آل رسولؐ کا نام صرف سیاسی مقصد براری کے لئے لیا جا رہا ہے چنانچہ جب خلافت کی پیشکش پر مشتمل خط حضرت جعفر بن محمد صادق کے پاس بھیجا گیا تو آپ نے اسے قاصد کے سامنے ہی چراغ کے شعلہ میں جلا کر خاک کر دیا اور فرمایا کہ اہل خراسان حقیقت میں شیعہ علیؑ نہیں ہیں ابو سلمہ کو دھوکا دیا گیا ہے اور اسے نتیجہ میں قتل کر دیا جائے گا۔[4] چنانچہ واقعہ یہی سامنے آیا کہ ادھر ابو العباس سفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی خلافت کا اعلان ہوا اور اسی کے کچھ دن بعد ابو سلمہ کا خاتمہ کر دیا گیا[5]

اور سفاح کے بعد تو آل رسولؐ کے ساتھ وقتاً فوقتاً ویسی ہی بدسلوکیاں کی گئیں جیسی بنی امیہ کے دور میں ہو چکی تھیں مگر اس سے اس تاریخی حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کہ عوام کی ہمدردیاں بنی امیہ کے خلاف صرف اہل بیت رسولؐ اور آل محمدؐ کے نام ہی پر حاصل کی گئی تھیں اسی جذبہ نفرت کی بناء پر جو انہیں شہادت امام حسینؑ کے بعد بنی امیہ سے پیدا ہو چکا تھا۔

.....☆☆.....

---

[1] طبری ج ۹ ص ۹۹ ۔ [2] طبری ج ۹ ص ۱۰۶ ۔ [3] طبری ج ۱ ص ۔ [4] الوزراء والکتاب ص ۵۷
[5] الوزراء والکتاب ص ۶۰

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بیالیسواں باب

تبدیل ذہنیت

امام حسینؑ کا مقصد جیسا کہ جا بجا اس کتاب میں بتایا گیا ہے براہ راست یہ نہیں تھا کہ یزید یا بنی امیہ کی حکومت کو مادی حیثیت میں تباہ و برباد کر دیا جائے اس لئے کہ اگر آپ کو یہی منظور ہوتا تو آپ نے شروع ہی سے مادی ذرائع اختیار کئے ہوتے اور اپنے گرد مناسب حال فوجی طاقت جمع کی ہوتی بلکہ آپ حقیقتاً ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے کوشاں تھے اور ظاہر ہے کہ فوجی طاقت اور تلوار انسانی اجسام کو ٹکڑے ٹکڑے کیا کرتی ہے مگر ان کی ذہنیت کو تبدیل نہیں کر سکتی لہٰذا آپ نے اس کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی بلکہ نصب العین کلی طور پر یہی رکھا کہ ان کی ذہنیت میں تبدیلی کریں۔ ایسی تبدیلی جو مستقل اور دیرپا ہو اور جس کے اثرات محو نہ ہو سکیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ امام حسینؑ اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

یہ بات ہر ایک کو معلوم ہو گی کہ مسلمانوں کی اکثریت نے خلفائے اسلام کو ''اولی الامر'' مانا اور ان کی اطاعت کو اطاعت خدا و رسولؐ کی طرح فرض قرار دیا اس ذیل میں کسی درجہ تک ''حق تشریع'' بھی ان کے لئے تسلیم کر لیا گیا اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ جو خلفاء کا راستہ ہو وہ ٹھیک ہے مگر آج شیعوں کا ذکر نہیں جو اس خلافت کو کسی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ جمہور مسلمین یعنی اہل سنت خلافت کے دو حصے قرار دیتے ہیں ایک ''خلافت راشدہ'' اور ایک غیر راشدہ جس کو ''ملک عضوض'' کہا جاتا ہے۔ عام طور پر حضرت علیؑ اور پھر امام حسنؑ کی خلافت جو معاویہ سے صلح کے قبل تک رہی خلافت راشدہ کی آخری حد مانی جاتی ہے۔ معاویہ اور پھر یزید اور دیگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباس سب خلفاء کہے جاتے ہیں مگر غیر راشدین۔ یہ تفریق امام حسینؑ کے بے پناہ احتجاج اور مخصوص

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رنگ کے جہاد ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔

آپ کی اس مقاومت کے باعث یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے صاف ہوگیا کہ خلفاء میں سے کسی کو بھی حق تشریع نہیں ہے اور جس طرح برے اعمال اگر کوئی عام انسان کرے تو وہ گناہ ہیں اسی طرح مسلمانوں کا منتخب کردہ خلیفہ وقت ان کا ارتکاب کرے تو وہ بھی گناہ ہیں اور سب سے بڑے گناہ ہیں۔ یہ بھی کہ برسراقتدار حاکم وقت کی اطاعت امن عامہ کے تحفظ کے لئے اسی وقت تک ہے جب تک مفاد خداوندی سے تصادم نہ ہو لیکن جب الٰہی قانون کا تقاضا اس حکومت کی مخالفت میں مضمر ہو تو ہر بندۂ خدا کا فرض ہے کہ وہ بمقتضائے حکم خداوندی مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔

اس طرح اس بھیڑیا دھسان والی کیفیت میں جو ۶۰ھ تک نظر آ رہی تھی آپ نے ایک فرض شناسی کا احساس اور حکومت جور سے محاسبہ کا ایک جذبہ پیدا کر دیا جس کی بدولت پھر کسی سلطنت کی نظر میں اس کا خواب خرگوش پرکیف اور خوشگوار باقی نہ رہ سکا۔

اس کے بعد حسینؑ کا صبر و استقلال ایک دائمی مثال بن گیا جو ہر سخت موقع پر یاد کیا جاتا اور متزلزل دلوں میں استقلال پیدا کرتا رہا۔ چنانچہ اس وقت جب ۷۱ھ میں مصعب بن زبیر کے مقابلہ میں عبدالملک بن مروان نے لشکر کشی کی اور فوج مخالف کی کثرت سے مصعب کی فوج میں ابتری ہوگئی اور ایک عام رعب طاری ہوگیا تو مصعب نے عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو پکارا کہ ادھر آؤ جب وہ قریب آیا تو مصعب نے کہا اس وقت حسینؑ کے حالات بیان کرو کہ انہوں نے کس طرح ابن زیاد کا حکم ماننے سے انکار کیا اور جہاد پر کمر چست باندھی۔ عروہ نے امام حسینؑ کے حالات بیان کئے مصعب نے جوش میں اپنے گھوڑے کو تازیانہ لگایا اور یہ شعر پڑھا۔

فان الانی بالطف من ال هاشم　　تاسوا فسنوا للکرام التا سیا

(یعنی) ''وہ جو کربلا میں ہاشمی گھرانے کے افراد تھے ایک ایسی مثال قائم کر گئے ہیں جو شریفوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے''۔

یہ کہہ کر فوج دشمن کا جان توڑ مقابلہ کیا اور جنگ کرتے ہوئے تلوار کے گھاٹ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اتارے گئے۔ یہ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۷۲ھ کا واقعہ ہے۔[۱]

اس طرح حضرت امام حسینؑ نے جو قوت برداشت اور جرأت اظہار پیدا کر دی تھی وہ ہمیشہ ظلم و جور کی طاقتوں کے خلاف ایک خطرہ بنی رہی اور احساس انسانی کو بیداری کا جو پیغام دیا گیا تھا وہ اس وقت تک باقی ہے اور یونہی باقی رہے گا جیسا کہ جوش نے کہا ہے:

یہ آج جو اک گونج ہے آزادی کی
یہ بھی ہے حسینؑ ابن علیؑ کی آواز

.....☆☆.....

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تینتالیسواں باب

اخلاقی نتائج

واقعہ کربلا کی حقیقی اور لافانی افادیت اس ردعمل اور نیز ان انقلابات مادی سے بالکل علیحدہ اور مختلف ہے جو کہ قہری نتیجہ کے طور پر ہنگامی حیثیت سے مرتب ہوئے تھے وہ اس اخلاقی قوت سے وابستہ ہے جو نوع بشر کی ذہنیت کی صحیح تعمیر اور رہبری کرنے کی پوری ضمانت کرسکتی ہے۔

امام حسینؑ کی ذات اور ان کے کارنامہ جاوید کو اس کے حقیقی فیوض و برکات کے لحاظ سے کسی ایک گروہ میں محدود کر دینا اسلام کی اس روح کے خلاف ہے جو خالق کائنات کو رب العالمین بتانے میں مضمر ہے۔ جب خدا کی خدائی کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں سمجھی جاسکتی تو حسینؑ ایسے فدیہ راہ خدا کی قربانی کو کسی ایک گروہ میں محدود کرنا بھی سراسر غلط ہے بلکہ آپ کی شہادت کا مفاد ان تمام لوگوں سے متعلق ہے جو آپ سے انسانی زندگی کا سبق لینا چاہیں۔

ذیل میں واقعہ کربلا سے مذہب، انسانیت اور اسلام کے متعلق جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو سلسلہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ مذہب اور روحانیت کی طاقت کا مظاہرہ:

مادیت اور روحانیت میں جنگ ہمیشہ ہی برپا رہی اور آج بھی ہے۔ مذہب روحانیت کا علمبردار ہے اس لئے آج جبکہ دنیا روحانیت کی طرف سے منہ موڑے ہوئے ہے تو وہ مذہبی معتقدات کو اوہام کے نام سے تعبیر کر کے ان کی اہمیت کو گھٹاتی ہے مگر مذہب اپنی طاقت ہمیشہ منواتا رہا ہے۔

کربلا کی جنگ مذہبیت اور مادیت کے درمیان ایک عظیم الشان جنگ تھی اس طرف تمام مادی مظاہر تھے جو آنکھوں کے سامنے تھے اور وہ ایک انسان کو مرعوب اور متاثر

Presented By: https://jafrilibrary.com

بنانے کے لئے کافی تھے اور اس مرعوبیت و تاثر کا لازمی تقاضا یزید کی بیعت کے لئے سر تسلیم خم کر دینا تھا اور ادھر وہی ''نادیدہ'' حقیقتیں تھیں جنہیں مذہب انسانی دماغ میں راسخ کرتا ہے۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ تمام مادی مظاہر حضرت امام حسینؑ اور ان کے جانباز رفقاء کو متاثر بنانے میں ناکام ہوئے اور وہ انکار بیعت جو غیبی طاقت پر ایمان کا نتیجہ تھا پورے جاہ و جلال کے ساتھ آخر تک قائم و برقرار رہا اور نتیجہ کے اعتبار سے کامیابی حاصل کر کے دنیا کے سامنے روحانیت کی فتح کا لازوال نمونہ بن گیا۔

۲۔ حقانیت اسلام کی تصدیق و اشاعت :

ایک مذہب کی سچائی کا بڑا نشان ہے اس کے بانیان کا ثبات قدم اور استقلال کے ساتھ مصائب کو برداشت کرنا اور آخر وقت تک اپنے اصول سے منحرف نہ ہونا۔

مگر کسی مذہب کے عقیدت کیشوں میں عام افراد کا مصائب کو جھیل لینا یا اپنے کو قربانی کے لئے پیش کرنا کوئی ایسا مستند امر نہیں ہے اس لئے کہ عام افراد اکثر حقیقت حال سے بے خبر اور واقعی دھوکے اور فریب میں مبتلا رہتے ہیں ان کے لئے بالکل ممکن ہے کہ وہ سراب کو آب اور مجاز کو حقیقت خیال کرلیں اور اپنے زعم باطل کی حمایت میں جان دینے پر بھی تیار ہو جائیں لیکن خود بانی مذہب اور اس کے مخصوص واقف کار افراد اور گھر والوں کا جو اس کے اسرار زندگی اور رموز حیات اور معیار اخلاق و اوصاف سے پورے طور پر واقف ہیں اصول کی حمایت میں استقلال و ثبات قدم کے ساتھ مصائب کو برداشت کرنا اور ضرورت کے وقت جان کی قربانی پیش کرنا بے شک اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس اصول میں سچائی اور خلوص کا جوہر مضمر ہے۔

اسی لئے حضرت رسولؐ کا طرز عمل اپنی لڑائیوں میں بھی یہی تھا کہ وہ اپنے عزیزوں کو میدان جنگ میں سب سے آگے رکھتے تھے جس کا تذکرہ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے۔ ان الفاظ میں کہ ''جب خونریز جنگ کی صورت سامنے آتی تھی اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹتے تھے تو آپ اپنے گھرانے کے لوگوں کو آگے بڑھاتے تھے اور ان

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو اپنے اصحاب کی حفاظت کا ذریعہ بناتے تھے۔ نیزہ و شمشیر کی آنچ سے''۔ اس کا نتیجہ تھا کہ عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رسولؐ کے چچا زاد بھائی شہید ہوئے۔ جنگ بدر میں جو سب سے پہلی اسلامی لڑائی تھی اور حمزہ بن عبدالمطلب جو حضرتؐ کے چچا تھے احد میں مارے گئے اور جعفر بن ابی طالبؑ جو رسولؐ کے دوسرے چچا زاد اور حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی تھے موتہ کے معرکہ میں شہید ہوئے اور خود حضرت علیؑ ہر خطرہ میں موت کی طرف آگے بڑھتے نظر آئے۔

یہ طرز عمل رسولؐ کا بتلاتا ہے کہ خدا کا دین حضرت کو کس درجہ عزیز تھا اور آپ اس کے لئے کیسی قربانیاں پیش کرنے پر تیار رہتے تھے۔ آخر میں ضرورت پڑی ایک شہید کی جو کمال مظلومیت کا نمونہ ہو۔ اس کے لئے بھی رسولؐ کا جگر بند حسینؑ ہی آگے بڑھ کر آیا۔

امام حسینؑ کی قربانی کوئی خاموش قربانی نہ تھی بلکہ آپ عملی قربانی کے ساتھ ساتھ برابر اپنی زبان سے بھی حقیقی اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور اپنے کردار سے بھی احکام اسلام کی عظمت دلوں میں قائم کرتے رہے آپ نے کربلا میں تبلیغ حق کے پہلو کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا اس وقت کہ جب خون کے پیاسے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر راستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت وغیرہ کو خیرباد کہہ کر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی حالانکہ ان کا گمراہی سے باز آنا ممکن نہ تھا اور حسینؑ اس سے پوری طرح واقف تھے پھر بھی چونکہ ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ یہی ہے کہ وہ حق کی آواز بلند کرے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے لہٰذا اس فریضہ کو امام آخر دم تک ادا کرتے رہے۔

۹ محرم کو اس وقت جبکہ خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور ان کی مختصر جماعت کے قتل کر دینے کے لئے حملہ کر دیا گیا تھا تو آپ نے اپنے بھائی عباس کو بھیج کر ایک شب کی مہلت مانگی صرف اس لئے کہ اس رات بھر آخری دفعہ بیدار رہ کر خدا کی عبادت کر لیں چنانچہ شب اس طرح گزاری گئی کہ لھم دوی کدوی النحل (یعنی) ''اس جماعت کی آوازیں ذکر الٰہی اور تسبیح کے ساتھ اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آواز آتی ہے"۔ اس طرح انہوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول مذہب کا خیال رکھنا چاہئے اور یہ کہ روحانی قوت عالم کی ہر قوت سے زیادہ پر طاقت ہے۔

اس سے زیادہ سخت اور کٹھن وہ موقع تھا جب روز عاشور لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ حسینی جماعت کے بہت سے افراد قتل ہو چکے تھے اور نمایاں کمزوری محسوس ہونے لگی تھی اور تیروں کی بارش جاری تھی لیکن اس حالت میں بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

امام روبقبلہ اور مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو بہادر جان نثار امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے تھے کہ جو تیر آئے اپنے سینے پر لیں جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے ان دو بہادروں میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگے اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یہ تھے حقانیت کے وہ مظاہرات اور اسلامی تعلیم کے وہ نمونے جنہوں نے ایک طرف تو دنیا کو دعوت حق کی پرزور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ور دوسری طرف یزید اور ہوا خواہان یزید کے ظالمانہ افعال اور اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کر دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ کربلا کی جنگ میں حسینی جماعت کی ہر فرد ایک مبلغ کی حیثیت رکھتی تھی۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ حبیب بن مظاہر کا مکالمہ، زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقرباء کے رجز ان سب کے ذریعہ حسینی اقدام کے اسباب و علل نہایت تصریح کے ساتھ میدان کربلا ہی میں بیان کر دیئے گئے خواہ ان کا اثر ظاہر ہوا یا نہ ہوا کیونکہ ایک مبلغ کی کامیابی یہ نہیں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں بلکہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت اور کٹھن موقعوں پر اور دشوار گزار منازل میں اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت و اظہار کا حق ہے اسے پورا کر دے۔

یہاں تک کہ جب حسینی جماعت کے پیرو جو ان سب داد شجاعت دے کر رخصت ہو چکے اور صرف مظلوم حسینؑ باقی رہ گئے دشمنوں کا نرغہ تھا دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی تو اس کے باوجود اپنے فریضہ سے ذرا دیر کے لئے بھی غافل

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نہ ہوئے انہوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق میں اٹھا نہیں رکھا اور آخر نفس تک اپنے فرض کو ادا کرتے رہے۔

اس وقت بھی جب کہ شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفیٰؐ کے قریب آ چکا تھا اور خامس آل عبا کی زندگی کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے حق میں بھی تبلیغ کا فرض ادا کیا اور اپنے نانا کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا۔ یہ فرما کر کہ ''اے شمر! ذرا اپنے چہرے سے نقاب اٹھا''۔ شمر نے نقاب ہٹائی۔ حضرت نے فرمایا ''میرے نانا رسول اللہؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تمہارا قاتل ایک مبروص (کوڑھی) شخص ہوگا''۔

روحی لک الفداء! اے حسینؑ بن علیؑ آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپ نے اپنے نانا کے قول کی زیر خنجر بھی تصدیق کی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی سرزمین پر گر رہا تھا اسلام کی سچائی کا ایک دائمی نشان تھا۔

اخلاقی اور تمدنی تعلیمات

کربلا کا واقعہ مرقع مصائب ہونے کے ساتھ صرف دعوت آہ و نالہ اور تحریک اشک افشانی کا سرمایہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ایک درسگاہ تعلیم و تربیت بھی ہے جس سے انسانی رفعت کی شاہراہیں سامنے آتی ہیں۔

حالانکہ عام طور پر کسی عمل میں کوئی ایک پہلو ہوتا ہے تعلیم کا مگر واقعہ کربلا باوجود اپنی مختصر مدت وقوع کے تمام اہم تعلیمات کا مرکز ہے۔ ذیل میں کچھ عناوین کو درج کر کے واقعات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن سے کسی حد تک واقعہ کربلا کی ہمہ گیری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حریت:

حریت کے معنی خواہش کے مطابق مطلق العنانی کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے ضمیر کے فیصلوں پر بغیر کسی رکاوٹ کے عمل پیرا ہو سکے ان رکاوٹوں میں سب سے بڑھ کر خود اپنے لذائذ اور ان چیزوں سے محبت ہے جو اس ضمیر کی آواز پر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عمل کرنے سے خطرہ میں پڑتی ہیں۔

اگر انسان اپنی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں سے آزاد ہو گیا تو دنیا کا کوئی ظالم اسے غلام نہیں بنا سکتا۔

حضرت امام حسینؑ کے سامنے ہر وہ چیز خطرہ میں تھی جو کسی انسان کو عزیز ہوتی ہے لیکن آپ نے اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق عمل کر کے ایسے ہنگام میں حریت نفس کا ثبوت دیا جس کی شدتوں کا تصور بھی عام طور پر انسان کے لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔

یہی حریت کے وہ معنی ہیں جس کے اعتبار سے آپ نے حر بن یزید ریاحی کو جو فوج باطل کا ساتھ چھوڑ کر حق کی طرف آ گئے حریت کی سند دیتے ہوئے فرمایا۔ انت کما سمتک امک ''تم بے شک اسم با مسمیٰ ہو''۔ انت حر فی الدنیا والاخرۃ۔ تم دنیا میں بھی حر ہو اور آخر میں بھی''۔

یہ حریت آزادی اور غلامی کے اس مفہوم سے بالکل الگ ہے جو آج سیاسی دنیا میں رائج ہے۔

کسی آزاد ملک کے افراد بھی حقیقت میں غلام ہیں جب وہ گنگا جمنی توقعات کی بناء پر غلط مفادات کی راہ اختیار کئے ہوئے ہوں اور کسی ''غلام'' ملک کے بھی افراد آزاد ہیں اگر وہ باوجود جبر و تشدد کے شکنجہ کے اپنے فرائض حق پرستی سے غافل نہ ہوں۔

استقلال:

سخت اور دشوار منزلوں کے سامنے آنے پر قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے۔

کون نہیں جانتا کہ گفتار اور کردار دو مختلف چیزیں ہیں۔ کہنا آسان ہے لیکن عمل کرنا مشکل ہے۔

ماضی قریب کی عظیم جنگوں میں بہت سی قوموں کی آزادی سلب ہوئی ان میں سے کون وہ قوم تھی جس نے جنگ شروع کرتے وقت یہ اعلان نہ کیا ہو کہ ہم آخری قطرۂ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خون گرنے تک دشمنوں کی غلامی قبول نہیں کریں گے مگر وہ ملک فتح ہو گئے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ان میں کوئی فرد بھی قابل جنگ باقی نہ رہ گئی تھی ہوتا یہی ہے کہ ان میں بہت بڑی جماعت ایسی باقی رہتی ہے جو جنگ کرنے کے قابل سمجھی جا سکے مگر مشکلات کے سامنے وہ سپر انداختہ ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر کربلا والوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو وہاں کا بچہ بچہ اپنے قول کی کسوٹی پر پورا اترتا ہوا دکھائی دے گا اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس فوج کے سردار اور اس کے ساتھیوں نے جو کہا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

حضرت امام حسینؑ نے جب یہ فرمایا تھا کہ ''بیعت نہیں کروں گا''۔ تو اس وقت اس کا صحیح مفہوم دنیا کو معلوم نہ تھا کیونکہ انسانی تخیل کے حدود ان امکانات کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے جہاں تک واقعات کی رفتار بعد کو پہنچ گئی۔

دنیا نہیں سمجھ سکتی تھی کہ اس ''نہیں'' میں کتنے مشکلات کے مقابلہ کا عزم مضمر ہے لیکن حسینؑ جس وقت ''نہیں'' کی آواز بلند کر رہے تھے تو دل کی گہرائیوں میں اپنی قوت ارادی کا جائزہ لینے اور موقع کی نزاکت پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ شدائد اپنے امکانات کی آخری حد تک پہنچ جائیں گے لیکن میرے عزم کو نہ بدل سکیں گے چنانچہ نتیجہ نے ظاہر کر دیا کہ اس ''نہیں'' میں کتنا وزن تھا۔

راستے میں جب حر کہتا ہوا جا رہا تھا کہ اپنے اوپر رحم کیجئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ قتل ہو جائیں گے تو آپ نے فرمایا تھا کہ کیا اس کے آگے بھی کچھ ہے؟ جب انسان حق پر قائم ہے تو موت کے آنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آپ کے فرزند علی اکبرؑ نے یہی کہا تھا کہ جب ہم حق پر قائم ہیں تو موت کی کوئی پرواہ نہیں۔

آپ کی اس قوت عزم کو اندازہ دشمن کو بھی تھا چنانچہ اس وقت کہ جب شمر، ابن زیاد کا خط لے کر نویں تاریخ محرم کو آیا تھا حسینؑ سے غیر مشروط طور پر اطاعت کا اقرار لو یا جنگ کرو اور عمر سعد نے خط دیکھا تھا تو بجائے اس کے کہ امام حسینؑ کے پاس جاتا اور آپ کو مضمون خط سے اطلاع دیتا اس نے اپنی جگہ پر کہہ دیا تھا کہ ''حسینؑ اس طرح تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اطاعت نہ کریں گے وہ اپنے باپ کا دل اپنے سینہ میں رکھتے ہیں''۔[1]

نتیجہ میں سب نے دیکھ لیا کہ میدان جنگ میں ہزاروں مصائب کے سیلاب تھے جو آتے تھے اور اس کوہ عزم و استقلال سے ٹکرا کر واپس چلے جاتے تھے گویا ان تمام مصائب کے ہجوم میں حسینؑ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا کہ۔

ان کان دین محمد لم یستقم

الا بقتلی یا سیوف خذینی

''اگر میرے نانا کا دین اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ میری رگ حیات قطع نہ ہو جائے تو اے خون آشام تلوارو آؤ یہ جسم حاضر ہے''۔

یہاں تک کہ اس وقت بھی کہ جب آس پاس کوئی موجود نہ رہا تھا اصحاب و انصار سب شہید ہو چکے تھے خود آپ پر حملے ہو رہے تھے اور زخموں سے چور چور تھے، اس وقت بھی آپ کی ابرو پر شکن نہ تھی۔ خود فوج عمر سعد کا ایک آدمی بیان کرتا ہے کہ ''خدا کی قسم میں نے کوئی دل شکستہ و زخم رسیدہ آدمی جس کے اولاد، بھائی، اعزا و انصار سب قتل ہو گئے ہوں ایسا نہیں دیکھا جو حسینؑ سے زیادہ مطمئن، مستقل مزاج، ثابت قدم اور باہمت ہو۔ خدا کی قسم ان سے زیادہ کیا میں نے ان کے قبل اور ان کے بعد ان کے مثل بھی کوئی نہیں دیکھا''۔

جماعتی تنظیم:

تنظیم اجتماعی ایک جمعیت کی وحدت خیال، وحدت قصد اور وحدت عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک شخص اگر تنہا ایک خیال پر قائم بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اسے ساتھی بھی ایسے مل جائیں جو بلا استثناء سب آخر تک اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔ پیروؤں کا ثبات و استقلال ایک علیحدہ چیز ہے جو کسی انسان کی انتہائی عظمت کے بعد بھی ضروری نہیں ہے کہ حاصل ہی ہو جائے۔

---

[1] ارشاد ص ۲۴۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہمارے سامنے انبیاء و مرسلین کے حالات میں ہمیں معلوم ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بنی اسرائیلؑ پر کتنے احسانات تھے ان کو مظالم سے چھڑایا۔ مصر کے ملک سے بچا کر نکال لے گئے۔ بیت المقدس کے فتح کرنے کے لئے تیار کیا مگر جب یہ لوگ عمل کی منزل سے دوچار ہوئے اور فلسطین کے قد آور آدمی دکھائی دیئے تو انہوں نے موسیٰؑ سے صاف کہہ دیا کہ ''وہاں تو بڑے بڑے زبردست لوگ موجود ہیں ہم ہرگز نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ خارج نہ ہو جائیں۔ ہاں جب وہ نکل جائیں گے تو پھر ہم اندر داخل ہوں گے''۔ اس بڑے مجمع میں جو موسیٰؑ کے ساتھ تھا قرآن نے شمار کر کے بتایا ہے کہ کتنے آدمی تھے جو اپنی بات پر قائم رہے۔ صرف دو مخصوص آدمی وہ تھے جنہوں نے کہا کہ دروازہ میں داخل ہو جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں فتح حاصل ہوگی اور خدا پر بھروسا کرو اگر ایمان رکھتے ہو مگر دوسرے لوگوں نے کوئی اثر نہیں لیا اور نہایت دلشکن الفاظ میں کہا ''ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ اس میں موجود ہیں ایسا ہی ہے تو آپ جایئے اور آپ کا پروردگار اور آپ دونوں مل کر جنگ کر لیجئے ہم یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے''۔

حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں کا تذکرہ بھی ہمارے سامنے ہے تھوڑے سے تو وہ لوگ ہی تھے جو ایمان لائے تھے ان میں بھی یہ عالم تھا کہ شاگردوں ہی میں سے ایک تھا جس نے ان کے خلاف خبر رسانی کی اور ان کو گرفتار کرا دیا۔

انجیل بتا رہی ہے کہ یسوع مسیح نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو میرے بارے میں ٹھوکر نہ کھائے۔ ایک بڑے مخصوص شاگرد پطرس نے کہا کہ اے میرے باپ سب ٹھوکر کھائیں میں نہیں کھاؤں گا۔ یسوع نے فرمایا کہ (صبح کو) مرغ کے اذان دینے سے پہلے تو تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔ انجام یہی ہوا کہ جب حضرت مسیح کو گرفتار کر کے لے چلے تو یہ شخص پیچھے پیچھے حالات دیکھنے کے لئے گیا۔ مخالف جماعت کو شک ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کا آدمی ہے پوچھا تم ان کے طرفداروں میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے ہو؟ کہا نہیں میں ان کو نہیں جانتا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا اور تیسری مرتبہ اس کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں نازیبا کلمات بھی استعمال کئے اس وقت مرغ کی آواز آئی اور اس طرح مسیحؑ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اسی طرح باقی ساتھیوں نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی کوئی نصرت وحمایت نہیں کی اور راہ حق پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

ہمارے پیغمبرؐ کی تاریخ زندگی بھی اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے بہت سے اس طرح کے مواقع کا تذکرہ قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ ایک معمولی سا واقعہ یہ ہے کہ ایک افسر کی ماتحتی میں جس کا نام عبداللہ بن جبیر تھا پچاس آدمیوں کو درۂ کوہ احد پر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ چاہے ہمیں شکست ہو چاہے فتح تم اس جگہ سے نہ ہٹنا مگر جب جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی تو باوجودیکہ افسر روکتا رہا مگر سوا چند آدمیوں کے وہاں کوئی نہ رہ گیا اور سب مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ فتح شکست کی صورت میں تبدیل ہوگئی اور مسلمانوں کی اکثریت صبر و استقلال سے عاری ثابت ہوئی۔

ایسے نمونے تاریخ میں بے شمار ہیں لیکن کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کے قول وعمل میں اختلاف کی جھلک بھی نظر آسکے۔

اسی وجہ سے امام حسینؑ فخر کرتے تھے کہ جیسے وفادار اور جاں نثار میرے ساتھی ہیں ایسے کسی کے نہ تھے۔

عزت نفس :

کوئی شک نہیں کہ زندگی عزیز شے ہے اور فطرت انسانی میں حیات دنیا کی محبت ودیعت کی گئی ہے۔ انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمل کرتا ہے اور تمام وہ ممکن ذرائع جن سے اس کی ہستی کی بقاء کا امکان ہو اپنے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لئے حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام نے بھی اس فطری رجحان کو روکنے کی وجہ نہیں بتائی بلکہ لاتلقوا بایدیکم انی التھلکہ (اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس کو ایک لازمی فریضہ قرار دیا لیکن زمانہ کے لیل و نہار میں ایسے نازک مواقع بھی پیش جایا کرتے ہیں جب جذبات میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے۔ زندگی اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب صورت میں نظر آتی ہے کہ انسان بے اختیار اس سے آنکھیں موڑ لینا پسند کرتا ہے اور اسی محبوب زندگی سے جس پر وہ ہر ممکن چیز قربان کر دینا پسند کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے۔

یہ صورت کبھی غیر شعوری، شہوانی، جاہلانہ، ناعاقبت اندیش رجحانات سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے نہ عقل بڑھ کر مرحبا کہتی ہے اور نہ شرع شاباش کی آواز دیتی ہے لیکن جس وقت موت سے بدتر زندگی اور زندگی سے بہتر موت میں معاملہ پڑ گیا ہو جس وقت بقائے حیات اہم ترین مقاصد کے پامال ہو جانے پر موقوف ہو اور جس وقت عزت نفس اور فنائے وقتی کا سوال درپیش ہو جب کہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤں کو تول کر موت کو حیات پر ترجیح بھی دی ہو تو اس وقت موت کے منہ میں جا پڑنے والے حیات دائمی کے مالک ہو جاتے ہیں۔

حسینؑ بن علیؑ نے کربلا میں اپنے فریضہ کا احساس کرتے ہوئے جو راستہ طے کیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ الموت خیر من رکوب العار ''ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا بہتر ہے''۔ اور یہ کہ الموت فی عز خیر من حیوۃ فی ذل (یعنی) ''عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے''۔ صحرائے کربلا میں گونج کر فنا نہیں ہو گئے بلکہ ان کا پائیدار مفہوم آج ابھی غیرت دار اقوام کے صحیفہ حیات کا سرنامہ اور دیباچہ زندگی کا عنوان اول ہے۔

یہ مختصر الفاظ علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کے ترجمان ہیں اور ان ہی کو حسینؑ نے عملی وزن کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صبر:

یہ صفت تو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ایسی مخصوص ہوئی کہ ''سید الصابرین'' (صبر کرنے والوں کے سردار) کا لقب حاصل ہوگیا۔ مصیبت کے ہنگامی طور پر آجانے کے بعد پھر اس کو برداشت کر لینا تو ایک مجبوری کا سوال سمجھا جاسکتا ہے مگر کربلا میں حق کے شیدائی مصیبتوں کا خود استقبال کرتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کا خود تلوار نہ اٹھانا اور تمام ساتھیوں اور عزیزوں کو اپنے سامنے رخصت کرنا قوت برداشت کا انتہائی امتحان دینا تھا۔

یہی روح آپ کے تمام ساتھیوں میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔

وہ عابس کا کہنا اپنے غلام سے کہ ''تمہارا کیا ارادہ ہے'' اور شوذب کا جواب کہ ''ارادہ یہی ہے کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں'' اور پھر عابس کا کہنا کہ ''شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی ..... اچھا تو پھر بڑھو آگے اور امام پر جان نثار کردو تاکہ امام تمہاری مصیبت بھی اسی طرح دیکھ لیں جیسے اپنے دوسرے اصحاب کی دیکھی ہے اور میں بھی تمہارے غم کو برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں۔ یقیناً اگر اس وقت کوئی ایسا شخص میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے تم سے زیادہ اختیار ہوتا تو میری خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جہاد میں کام آئے تاکہ میں اس کی مصیبت کو برداشت کروں کیونکہ آج تو دن ایسا ہے جس میں جتنا انسان سے ہو سکے اتنا اجر و ثواب حاصل کر لے کیونکہ آج کے دن کے بعد پھر عمل کا دفتر ختم ہے اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے۔[1]

یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں اطمینان کے موقع پر شاعری کے طور پر ہر شخص کہہ سکتا ہے لیکن عین مصیبت کے موقعہ پر واقعی طور سے ان کا کہنا بہت مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے مصائب کے اٹھانے کا ایک جذبہ ہے جو خود اختیاری طور پر عملی اقدامات کا محرک ہے۔

اسی طرح جناب ابوالفضل العباسؑ کا قول بھی اپنے بھائیوں سے کہ ''بڑھو آگے بڑھو تاکہ میں تمہیں اپنی آنکھ سے قتل ہوتے دیکھ لوں'' اسی ولولہ اور جذبہ کا آئینہ دار ہے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۴

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شجاعت :

علم اخلاق میں طے پایا ہے کہ انسان کی تمام قوتوں کا معتدل ہونا مجموعی طور پر فضائل کا سنگ بنیاد ہے۔

یہ دنیا والوں کی ناسمجھی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جو محل بے محل جنگ پر آمادہ ہو جائے بہادر اور شجاع کہہ دیتے ہیں لیکن شجاعت حقیقتاً یہ ہے کہ انسان کے لئے جس وقت قدم اٹھانا مناسب ہو اور اقدام ضروری ہو اس وقت پر جگری کے ساتھ وہ آگے بڑھے اور وہ سب کچھ کرے جو اس کا فرض معلوم ہوتا ہو چاہے اس سلسلہ میں اسے جان بھی دینا پڑے اور جس موقع پر اقدام مناسب نہ ہو بلکہ سکوت اور چشم پوشی کی ضرورت ہو اس وقت تحمل سے کام لے چاہے اس میں کتنے ہی مشکات درپیش ہوں اور ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔

اس صورت میں خاموشی اسی طرح شجاعت کا ثبوت ہوگی جس طرح پہلی صورت میں نبرد آزمائی۔

دنیا والے عموماً ظاہر بین ہوتے ہیں۔ وہ حقیقی اسباب وعلل پر غور نہیں کرتے چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے جس طرح اور جس موقع پر میدان کربلا میں اپنی عظیم قربانی پیش کی۔ اس کی حقیقی اہمیت وعظمت کا احساس کرنے والے دنیا میں بہت کم ہیں مگر ہر شخص ہر موقع پر جوش پیدا کرنے کے لئے واقعہ کربلا کی مثال ضرور پیش کرتا ہے گویا ہر شخص اپنے وقت کا حسینؑ اور ہر موقع اس کے لئے کربلا ہے مگر دنیا کو معلوم ہونا چاہئے کہ محل کا تقاضا اور اسباب کی صورت مختلف ہوا کرتی ہے۔

حسینؑ بن علیؑ کی شجاعت کا وہ صرف ایک رخ ہے جسے کربلا پیش کرتی ہے اور اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جسے حضرت نے دس برس تک اپنے بھائی امام حسنؑ کی صلح کا پابند رہ کر پہلے دکھلایا۔ اس دوران میں بہت سے تکلیف دہ واقعات پیش آئے مگر امام حسینؑ نے انہیں برداشت کیا اور کسی طرح مکدر فضا میں اپنی طرف سے اضطراب پیدا نہ کیا۔ بے شک جس وقت آپ کو یہ فرض معلوم ہوا کہ آپ کھڑے ہوں اور باطل سے ٹکرا جائیں تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

پھر پہاڑوں کا استحکام آپ کے استقلال تک نہیں پہنچتا تھا۔

آپ کی شجاعت کا وہ رخ بھی بے نظیر تھا اور یہ رخ بھی ایسا تھا جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی مگر چونکہ سکون سے حرکت زیادہ نمایاں چیز ہے اور نفی سے زیادہ اثبات نظروں کو متوجہ کرتا ہے اسی لئے عام نگاہوں میں شجاعت کا یہ ایجابی ہی پہلو زیادہ کھلتا ہے اور دنیا اسے دیکھتی ہے تو حسینی شجاعت کا کلمہ پڑھنے لگتی ہے۔

صرف آپ ہی نہیں بلکہ آپ کے ساتھی بھی اس صفت میں بے نظیر نظر آتے ہیں۔

کربلا کی جنگ میں جو پرجگری کے مظاہرات سامنے آئے ہیں وہ انسان کے جسم پر رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے آج بھی کافی ہیں۔

یاد کیجئے ظہر کی نماز کو کہ کس طرح ادا کی گئی تھی۔ امام اور آپ کے اصحاب مصلے پر نماز میں مصروف اور سعید بن عبداللہ حنفی سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے تھے جو تیر دائیں یا بائیں طرف سے آتا تھا اسے اپنے جسم پر روکتے تھے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے تھے۔

یا ظہر سے قبل کا وہ وقت جب حملہ اولیٰ کے بعد پچاس آدمی فوج حسینی کے ایک ساتھ شہید ہوگئے تھے اور اس سے لشکر مخالفت کی ہمت بڑھ گئی تھی جس پر اب اس کی کوشش تھی کہ دم کے دم میں یہ مہم سر ہو جائے مگر یہ حضرت امام حسینؑ کی بے نظیر سیات حرب اور حسینی جماعت کی بے مثال شجاعت ہی تھی جو ہر حملہ کو ناکام بنا دیتی تھی آخر جب شمر نے مخصوص خیمہ امام حسینؑ پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمہ پر مار کر کہا تھا کہ آگ لاؤ میں اس خیمہ کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں اور خیمہ سے ایک شور رونے کا بلند ہوا تو صرف دس بہادر جانباز تھے جنہیں لے کر زہیر بن قین آگے بڑھے اور شمر اور اس کے ساتھ کی فوج کو خیموں کے پاس سے دور ہٹا دیا تھا۔

یا یہ منظر کہ عمرو بن قرظہ جنگ کرتے ہیں اور کچھ دیر تلوار چلانے کے بعد پھر امامؑ کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں جو تیر آتا ہے اسے اپنے سینہ پر روکتے ہیں اور جو وار ہوتا ہے خود سپر بن جاتے ہیں۔ آخر زخموں سے چور چور ہو جاتے ہیں اور امام سے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مخاطب ہو کر کہتے ہیں ''کیوں فرزند رسولؐ میں نے فرض کو ادا کیا'' حضرت فرماتے ہیں کہ ''ہاں تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے''۔ بہادر جانباز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرتا ہے اور جاں بحق تسلیم ہوتا ہے۔

یا یہ عالم کہ جب عابس تلوار کھینچے ہوئے فوج دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں اور بزدل دشمن کی فوج پتھروں کی بارش کر دیتی ہے تو عابس زرہ اور خود و بکتر اتار کر پھینک دیتے ہیں اور تلوار نیام سے لے کر فوج مخالف پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

یقیناً ان میں سے ہر منظر شجاعت کا ایک یادگار مرقع ہے اور ان سے زیادہ عظیم حسینی شجاعت کے کام میں لائے جانے کا وقت تھا جب ایک یکہ و تنہا اور بے کس کمر خمیدہ اور دل شکستہ کے سامنے ہزاروں آدمی بھاگتے نظر آتے تھے۔

تمام مجاہدین کربلا اور ان کے سالار حضرت سید الشہداء کی شجاعت نے وہ مرقعے پیش کئے جن کا اثر دشمنوں کے دل پر مدت العمر رہا اور اس کا اظہار ان کی زبان سے ہوا کیا جیسا کہ بریر ہمدانی کے قاتل کعب بن جابر نے اپنے اشعار میں کہا۔

''میری آنکھوں نے اس زمانے میں اور نہ اس کے پہلے ابتائے عمر سے کبھی ان کی ایسی جماعت نہیں دیکھی جو اس شدت سے حرب و ضرب کرنے والی ہو۔ انہوں نے بغیر زرہ و بکتر کے جنگ میں غیر معمولی استقلال دکھلایا یہ اور بات ہے کہ نتیجۃً انہیں اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔[1]

یہ آخری فقرہ اس کی مادی ذہنیت کے لحاظ سے ہے جو کامیابی کو صرف جنگ کی ظاہری فتح میں مضمر سمجھتی تھی حالانکہ مستقبل نے ثابت کر دیا کہ فتح بھی اسی بہادر جماعت کو نصیب ہوئی اور ان کی مخالف اکثریت کو وہ ابدی شکست ہوئی جو تاریخ میں مثال نہیں رکھتی۔

ایثار:

مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اس صفت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا بہترین اور مکمل نمونہ امام حسینؑ اور دوسرے مجاہدین کربلا نے پیش کیا۔

امام نے تو اپنے عمل سے یہ مثال قائم کر دی کہ ضرورت کے وقت دوست کیا دشمن کو بھی اپنی ذات پر مقدم کرو۔ یہ سبق حضرت نے اس وقت دیا جب عراق کی راہ میں فوج حر کو جو سدراہ ہونے کے لئے آئی تھی آپ نے اپنے ساتھ کا سب پانی پلا دیا اور اپنے اور اپنے وابستگان کے مستقبل کے لئے اس کو محفوظ نہ فرمایا اور کربلا میں اصحاب واقارب امام میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے جسم و جان کے مقابلہ میں اس طرح مقدم قرار دے لیا تھا کہ وہ اپنی ہستی کو جیتے جی معدوم سمجھتے تھے۔ سعید کا امام کے مصلے کے سامنے سپر بن کر کھڑا ہونا اور تیروں کا اپنے سینہ پر روکنا نہ بھولنے والے ایثار کا مرقع ہے۔

کربلا میں قربانی پیش کرنے کے لئے ہر ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتا تھا اور ہر ایک کا منشا یہ تھا کہ کم از کم وقت کے لئے سہی وہ خود اپنی جان سے گزر کر دوسروں کے تحفظ کا ذریعہ بن سکے اگر چہ یہ سب کو معلوم تھا کہ بچنے والا کوئی نہیں پھر بھی فکر یہ تھی کہ جب تک ہم ہیں دوسروں پر آنچ نہ آنے پائے۔

انہیں اپنا غم نہ تھا اپنی فکر نہ تھی غم تھا اگر تو حسین کا، فکر تھی تو ان کی تنہائی کی چنانچہ یاد کیجئے سیف بن حارث و مالک بن عبد دونوں بھائیوں کا وہ امام کے پاس آ کر رونے لگنا اور امام کا فرمانا، کیوں روتے ہو؟ اور ان کا کہنا کہ ہم اپنے لئے تھوڑی روتے ہیں ہمیں تو آپ کی بے کسی پر رونا آ رہا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور یہ کہ اب ہم سے آپ کی حفاظت قرار واقعی طور پر نہ ہو سکے گی۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی کہ بشیر بن عمرو حضرمی کو خبر پہنچتی ہے کہ ان کا فرزند عمرو رے کی سرحد میں قید ہو گیا ہے۔ امام بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم میری بیعت سے آزاد ہو جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو اور وہ بادفا مجاہد کہتا ہے کہ مجھے جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں یہ کسی طرح ممکن نہیں۔

انفرادی طور پر جان بچانے کے امکانات ٹھکرائے جا رہے تھے صرف حسینؑ کے ساتھ حق وفاداری ادا کرنے کے لئے جناب ابوالفضل العباسؑ اور ان کے بھائیوں کے دو

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

امان نامے پہنچے۔ ایک عبداللہ بن ابی المحل کے ذریعہ سے جو ان کی والدہ گرامی ام البنین کا بھتیجا تھا اور ایک شمر کے ذریعہ ● جو اسی خاندان سے تھا مگر دونوں رد کر دیئے گئے اپنے سامنے زندگی کی راہ صاف ہونے کے باوجود دوسرے کی خاطر موت کو اختیار کرنا کوئی معمولی ایثار کا مظاہرہ نہیں ہے پھر یہ بھی امام اور اس پوری جماعت کا ایثار ہی تھا کہ دین و مذہب کے تحفظ اور نوع انسانی کو مظالم سے بچانے کی خاطر اپنا سب کچھ نذر کر دیا اور کسی بھی شے کو جو دنیا کے کسی بھی شخص کو عزیز ہوتی انہوں نے قطعاً عزیز نہ کیا۔

مواسات :

دوسرے کو مصیبت میں مبتلا پا کر اس کا شریک اور ہمدرد بن جانے کا نام مواسات ہے کربلا میں حسینؑ اور انصار حسینؑ نے باہمی مواسات کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

امام کی مواسات کا یہ عالم تھا کہ کوئی مصیبت انصار و اصحاب پر نہیں پڑی جس میں امام نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو۔ انصار اور عزیزوں کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام کی شہادت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بے کس کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اس ایک ذات میں جمع ہوگئی تھیں اسی طرح اصحاب حسینؑ کی امام کے ساتھ مواسات دنیائے تاریخ میں بینظیر ہے۔ وہ صرف اپنی جانیں نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو مواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق یاد کرا رہے تھے اور ایک بے نظیر مثالیہ قائم کر رہے تھے۔

حسن معاشرت :

دوستوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے اور اپنوں میں کس طرح مساوات مدنظر رہنا چاہئے۔ اس کا بہترین سبق امام حسینؑ نے دیا ہے۔ پہلے کے واقعات کا تذکرہ جبکہ اطمینان کے لمحے اور سکون کے اوقات تھے اتنا اہم نہیں ہے کیونکہ ان حالات میں دوسرے بھی معاشرتی حقوق کا کچھ نہ کچھ لحاظ کرتے ہیں مگر عاشور کے دن جب مصائب کا ہجوم تھا امام حسینؑ نے کس طرح حقوق کا لحاظ کیا ہے اور یہ خیال رکھا ہے کہ کسی کے ساتھ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جانبداری اور پاسداری ہونے نہ پائے اس کو قرار واقعی طور پر سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ جماعت حسینی میں عزیز بھی تھے اور غیر بھی تھے مگر آپ کا طرز عمل سب کے ساتھ اپنے اپنے حدود میں مساویانہ تھا اور پھر حفظ مراتب کے ساتھ یہی چیز مشکل ہے۔

جنگ کے میدان میں اور خیام حسینی کے قیام کی جگہ میں کافی فاصلہ تھا چنانچہ امام کے نفس کو کتنا تعب اور کتنی مشقت برداشت کرنا ہوتی ہوگی مگر چونکہ آپ کو سب کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ کرنا ضروری تھا لہٰذا جو مجاہد آتا تھا اور اجازت جہاد مانگتا تھا بغور اسے دیکھتے تھے۔ اجازت جہاد دیتے تھے جب تک کہ جنگ کرتا تھا کھڑے ہو کر اس کی جنگ کا مشاہدہ فرماتے تھے اور جب زخمی ہو کر گرتا تھا تو اس کی لاش پر جاتے تھے اس دھوپ، گرمی اور تمازت آفتاب میں ہر شہید کی لاش پر جانا اور پھر واپس آنا کتنی سخت زحمت کا باعث ہوتا ہوگا مگر امام کو تو دکھانا تھا کہ ایک سردار ایک رئیس اور ایک افسر کو اپنے ساتھیوں، ماتحتوں یا سپاہیوں کے ساتھ کس طرح یگانگی اور مساوات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ان سخت اوقات میں جبکہ ایک انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہ سکتے۔ یہ امام حسینؑ ہی کا کام تھا کہ معاشرتی حقوق کی نگہداشت کامل طور پر ملحوظ رکھی۔ پھر یاد کیجئے وہ واقعہ کہ جب بشر بن عمرو کو ان کے فرزند کی خبر ملی تھی تو امام حسینؑ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو اور اس مجاہد نے قطعی طور پر ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا تھا اس وقت قدردان امام نے ان کو پانچ قیمتی کپڑے دیئے تھے جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی کے قریب تھی اور فرمایا تھا کہ اچھا تم نہیں جاتے ہو تو اپنے فرزند محمد کو بھیج دو تاکہ وہ ان کپڑوں کی قیمت سے اپنے بھائی کی رہائی کا سامان کرے۔ عام طور پر انسان فرائض کے پورا کرنے میں معمولی سے معمولی عذر کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتا ہے اور امام حسینؑ سے بڑھ کر ظاہری طور پر اس وقت مجبور کون سمجھا جاسکتا تھا۔ آپ نے اپنے وطن میں نہیں بلکہ سفر میں تھے یہی مجبوری اظہار معذوری کے لئے کافی تھی۔ صورت واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پاس نقد روپیہ بھی موجود نہ تھا پھر اس وقت محصور بھی تھے۔ بے آب و دانہ بھی تھے موت کی منزل کے سامنے بھی تھے اپنی اور تمام ساتھیوں کی جان کا معاملہ درپیش تھا ایسی حالت میں اگر ان پریشانی پر جو آپ کے ایک ساتھی کو درپیش تھی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

آپ اخلاقی طور پر صرف اظہار افسوس پر اکتفا کرتے تو ان حالات کے لحاظ سے کوئی متنفس آپ کے طرز عمل پر حرف گیری نہیں کر سکتا تھا مگر حسینؑ اس دن کمال انسانیت کا مثالیہ قائم کر رہے تھے۔ آپ نے اس وقت بھی جب ہر شخص آپ کو مجبور سمجھ رہا تھا اور ان ہوش ربا پریشانیوں کے عالم میں جو درپیش تھیں آپ نے خود اپنے مکانات کا جائزہ لیا اور جو ممکن صورت امداد کی نظر آئی اس سے دریغ نہیں کیا۔

میدان کربلا میں عین معرکہ جنگ میں اکثر ساتھیوں اور عزیزوں نے مختلف طریقوں پر حسینؑ سے مدد چاہی اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپ نے مدد نہ دی ہو۔

یاد کیجئے وہ موقع جب عمرو بن خالد صیداوی، مجمع بن عبداللہ اور جنادہ بن حارث وغیرہ پانچ بہادروں نے انصار امام حسینؑ میں سے فوج مخالف میں گھس کر شمشیر زنی کرنا شروع کر دی تھی اور فوج اعداء نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر زخمی کر دیا تھا۔ یہ دیکھنا تھا کہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو ان کی امداد کے لئے بھیجا اور آپ نے تن تنہا جا کر فوج پر حملہ کیا اور بہادروں کو دشمنوں کے حلقہ سے نکال لیا تھا۔

یہ عباسؑ وہی تھے جن کی زندگی امام کو اس قدر عزیز تھی کہ جب تک ایک مجاہد بھی موجود رہا عباسؑ کو مرنے کی اجازت نہیں دی مگر ساتھیوں کی قدر دانی ایسی تھی کہ ان کی خاطر اپنے ایسے عزیز بھائی کو فوج کے نرغے میں بھیج دیا اور خطرہ کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

وہ بھی ایک طرح کی امداد ہی تھی کہ جب عبداللہ بن عمیر میدان میں مصروف جہاد تھے اور ان کی وفادار بیوی ام وہب گرز ہاتھ میں لئے میدان میں نکل آئی تھی اور پکار کر کہنے لگی تھی کہ ''ہاں میرے ماں باپ تم پر نثار نصرت اولاد رسولؐ میں کوتاہی نہ ہو''۔ عبداللہ سے کچھ بن نہ پڑتا تھا کہ زوجہ کو کس طرح خیمہ میں واپس کریں۔ امام نے جو یہ دیکھا آواز دی کہ ''اے مومنہ خیمہ میں واپس جا، عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے''۔ حکم امام کا وہ نہیب تھا کہ فرض شناس خاتون فوراً واپس ہوئی اور خیمہ میں چلی گئی۔

اصحاب و اعزا میں زیادہ تر جو گھوڑے سے گرتا تھا یہی آواز دیتا تھا کہ یا ابا عبداللہ ادرکنی (یعنی) ''اے امام میری خبر لیجئے''۔ اور آپ ہر ایک کی امداد کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ امام کی کوشش یہ تھی کہ کسی کا سر اس کے تن سے جدا نہ کیا جا سکے اور یہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایک واقعہ ہے کہ امام کی زندگی میں سوا بعض انصار کے جنہیں امام کو آواز دینے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا اور کسی کا سر تن سے جدا نہیں کیا جا سکا۔

شہداء کی لاشوں کا احترام حضرت کو امکانی حد تک پیش نظر تھا اصحاب کی شہادت کے موقع پر تو ساتھی اکثر موجود ہوتے تھے جو لاش کی حفاظت کا سامان کر لیتے تھے مگر جب عزیزوں کی باری آئی تو پھر زیادہ تر خود حسینؑ کو ان کی لاشوں کے میدان سے اٹھوانے اور خیمہ تک لانے کا اہتمام کرنا پڑا۔ علی اکبرؑ کے لئے کچھ جوانان بنی ہاشم کے ذمہ یہ خدمت کی گئی کہ اپنے بھائی کی لاش خیمہ تک پہنچاؤ اور قاسم کی لاش آپ نے خود اٹھائی اور دوسرے بنی ہاشم کی لاشوں کے پاس پہنچائی۔ پھر بھی یہ تمنا دل میں یقینی ہو گی کہ کاش ان سب کو دفن بھی کر سکتے۔ اس لئے اگر حالات نے اتنی مہلت نہ دی کہ آپ بڑی لاشوں کو دفن کر سکیں پھر بھی آپ نے اس فرض کو کلیتہ تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا چنانچہ شیر خوار علی اصغر کی چھوٹی سی لاش کو آپ نے اپنے ہاتھ سے سپرد زمین کیا اور اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ اس سخت ترین ہنگامہ مصائب میں ایسا نہیں ہونے پایا کہ کوئی ایک فریضہ اخلاقی بھی آپ کی نظر سے اوجھل اور توجہ سے محروم رہ سکے۔

انسانی ہمدردی:

دوستوں کے ساتھ مراعات اور سلوک کرنا ایک معتدل فطرت انسان کا خاصہ مزاج ہوتا ہے اور یہ کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے لیکن دشمنوں کے ساتھ احسان کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا جو اپنے سے جنگ پر تیار ہوں ان کی ضرورت پر کام آنا جو اپنے خون کے پیاسے ہوں یہ ہر انسان کا کام نہیں ہے۔ یہ سبق حسینؑ نے دیا۔

اس سلسلہ میں ناظرین کو کربلا کے راستے سے منزل شراف کا واقعہ یاد ہوگا۔

کربلا میں آخر وقت تک دشمنوں کی خیر خواہانہ نصیحت سے باز نہیں آئے۔

اصحاب بھی امام کے راستے کے سالک اور آپ کے قدم بقدم تھے۔ ہر ایک نے نصیحت و دعوت حق کے فرض کو ادا کیا۔ زہیر بن القین کی تقریر اسی جذبہ حق کوشی کی ترجمان تھی وہ کہہ رہے تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

''دیکھو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے برادر مسلم کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرے اور سچا مشورہ دے اور ہم تم ابھی تک بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین اور ایک ہی ملت پر ہیں۔ جب تک ہمارے درمیان تلوار چلنے نہ لگے اس وقت تک تم اس کے مستحق ہو کہ ہم تم کو نصیحت کریں اور نیک صلاح دیں''۔

حقیقت میں حسینؑ اپنے کسی دشمن کے بھی دشمن نہ تھے بلکہ دوست تھے وہ چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح نجات کے راستے پر آجائے۔

صاف بیانی:

دنیا کے سیاست دان اور قیادت پسند افراد جب کسی تحریک کے داعی ہوتے ہیں تو وہ ان لوگوں کو جنہیں ساتھ لینا چاہتے ہیں طرح طرح کے مواعید سے اپنی حمایت پر آمادہ کرتے اور طرح طرح کے خوش آئند توقعات پیدا کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ فتح وظفر کی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ مال و دولت اور جاہ و ثروت کے خواب دکھائے جاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو اپنے گرد مجتمع کیا جاتا ہے۔

کون ہو گا جو اپنی کمزوریوں، مایوسیوں اور ناامیدیوں کو ان اشخاص پر ظاہر کر دے جن سے اسے کام لینا منظور ہے چہ جائیکہ کہنا کہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ دو ہمارے پاس سے چلے جاؤ اور ہم نہیں چاہتے کہ تم ہماری وجہ سے جان دو۔

مگر یہ حقیقت ہے کہ انسان کی سچائی، ایمانداری اور دیانت پر بڑا حرف آتا ہے اس سے کہ وہ دوسروں کو دھوکے میں مبتلا رکھے اور غلط توقعات قائم کرا کے اپنے ساتھ لے یا کم از کم خاموش رہ کر عرصہ تک غلط فہمی میں مبتلا رہنے دے۔

امام حسینؑ نے شروع سے آخر تک اس بات کی کوشش کی کہ کوئی آپ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو اور غلط توقعات کی بناء پر ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ آپ برابر حقیقت حال اور اپنے آخری انجام سے مطلع کرتے رہے اور اعلان فرماتے رہے کہ ہمارا آخری نتیجہ اصل سفر میں موت ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس وقت جبکہ ابھی مدینہ منورہ سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے اور اغیار آپ کے ساتھ نہ ہوئے تھے صرف اعزہ تھے جو ہمراہی پر آمادہ تھے اس وقت بھی آپ ایسی باتیں کرتے تھے جن سے خود بخود موت کے استقبال کی تیاری کا پتہ چلتا تھا۔

چنانچہ ابو سعید مقبری جو رجب ۶۰ھ میں یعنی اس زمانہ میں جب امام حسینؑ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں وہاں موجود تھے ناقل ہیں کہ میں نے امام حسینؑ کو دیکھا کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لے جا رہے تھے اور آپ کی زبان پر ابن مفرغ شاعر کا یہ قول بطور تمثیل جاری تھا کہ ؎

لاذعرت السوام فی فلق الصبح مغیرا ولا دعیت یزیدا

یوم اعطی من المهابة ضیما والمنایا یرصدننی ان احیدا

(یعنی) ''یہ نہیں ہو سکتا کہ موت کے خوف سے میں ذلت کو برداشت کروں اور اس وقت کہ جب موت میری تاک میں ہو میں ہٹ جاؤں''۔

یہ کوئی تقریر نہیں تھی اور نہ کوئی خاص اعلان تھا مگر سننے والے نے سمجھ لیا اور بعد میں بیان کیا کہ ان اشعار کو سنتے ہی میں نے اپنے دل میں کہہ دیا کہ بخدا ان شعروں کو پڑھنا رمز سے خالی نہیں اور کوئی نہ کوئی خاص مہم آپ کے پیش نظر ہے اس کے بعد دو دن نہ گزرے تھے کہ آپ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔[1]

اب وہ وقت آیا کہ آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہونے والے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ لوگوں کو بہت خوش آئند توقعات آپ کے متعلق قائم ہو چکے ہیں اس لئے کہ کوفہ عراق کا پائے تخت اور بڑا مرکز ہے۔ حضرت علیؑ کا دارالسلطنت رہ چکا ہے۔ لوگوں کی غلط خیالی انہیں اس دھوکے میں مبتلا کئے ہوئے ہے کہ کوفہ علیؑ اور اولاد علیؑ کے دوستوں سے بھرا ہوا ہے وہاں سے بارہ سو خط بھی آ چکے ہیں کہ آپ آئیے اور ہم آپ کی نصرت میں اپنا خون پسینہ کی طرح بہانے کے لئے تیار ہیں۔ ان خطوط کے بعد حضرت مسلم روانہ کئے جا چکے ہیں اور ان کا بھی خط آ چکا ہے کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے۔ اس

[1] طبری ج ۶ ص ۱۹۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

سب کے بعد امام حسینؑ کوفہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں جہاں تاج و تخت کے مالک ہوں گے اور بادشاہ تسلیم کئے جائیں گے اس لئے فطرۃً بہت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ اس خیال سے ہو جانا چاہئے تھا کہ وہاں جا کر آپ کی سلطنت سے فائدہ اٹھائیں گے نیز چونکہ آپ زرخیز خطہ زمین کی طرف جا رہے ہیں اس لئے وہاں جا کر مالی منافع بھی حاصل کریں گے۔ اس طرح یقیناً آپ جو کوفہ کی طرف تشریف لے جاتے تو ایک کثیر جماعت جو ایک لشکر کی حیثیت رکھتی ہوتی آپ کے ساتھ ہوتی لیکن یہ آپ کو منظور نہ تھا۔ آپ نے ضرورت محسوس کی کہ عام لوگوں کے سامنے حقیقت کو واضح فرما دیں اور سب پر آشکارا کر دیں کہ ان کے خوش آئند توقعات سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے آپ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے ایک دن قبل حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا کہ۔

''موت اولاد آدم کے گلے کا ہار ہے میں اپنے اسلاف کی ملاقات کا مشتاق ہوں اتنا کہ جتنا یعقوبؑ، یوسفؑ کی ملاقات کے مشتاق تھے میرے لئے بہتر ہے وہ جگہ جہاں میں قتل کر کے گرایا جاؤں گا میرے پیش نظر ہے وہ منظر جب میرے جوڑ بند وحشی درندے قطع کر رہے ہوں گے میرے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے ہوں گے اور اپنی حسرتیں میرے قتل سے نکال رہے ہوں گے کوئی چارۂ کار نہیں ہے کوئی مفر نہیں ہے اس دن سے جو قلم تقدیر نے لکھ دیا ہے جو خدا کی مرضی ہو اسی میں ہم اہل بیت کی مرضی ہے ہم اس کی آزمائش پر صبر کرتے ہیں اور جو صابرین کا اجر ہے اس کو پورا پورا حاصل کرتے ہیں رسول خداؐ سے ان کے جگر کے ٹکڑے دور نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بارگاہ قدس میں جنت اعلیٰ میں ان کے پاس جمع ہونے والے ہیں جن سے ان کی آنکھیں خنک ہوں گی اور ان کا وعدہ پورا ہوگا۔

جو اپنی جان میرے ساتھ فدا کرنا چاہتا ہو اور موت پر کمر باندھے ہوئے ہو وہ میرے ساتھ چلے میں صبح کو انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا''۔

دیکھئے کن الفاظ میں لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی جا رہی ہے کیا اس سے بڑھ کر دنیا میں حقانیت اور سچائی کا ثبوت ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر صاف گوئی اور پاک بازی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟ اب ساتھ چلنے والے وہی لوگ تھے جو جان دینے پر

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تیار تھے جو حقیقۃً استقلال اور ثابت قدمی رکھتے تھے جن کو دنیا کی توقع اور راحت دنیا کا کوئی خیال اپنی طرف متوجہ نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ مجاز کے پردوں کو چاک کر کے حقیقت کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اس حقیقت پرور تقریر کے بعد وہی لوگ آپ کے ساتھ ہوئے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ و حشم کو ہیچ سمجھتے تھے جو حقیقی زندگی کے طالب تھے اور اسے موت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

یہ تقریر مکہ معظمہ میں کی گئی تھی جس نے ہر قسم کی غلط فہمی کے پردہ کو چاک کر دیا اور حقیقت حال واضح کر دی مگر مکہ معظمہ سے روانگی کے بعد راستے کے اعراب، بادیہ نشین قبائل اور دوسرے بے خبر اشخاص امام کو دیکھتے ہیں کہ ایک جمعیت کے ساتھ ایک قافلہ کی صورت میں جا رہے ہیں دریافت کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے عراق کا ارادہ ہے وہاں سے طلبی ہوئی ہے زیادہ تر جو سنتا ہے اسے خیال ہوتا ہے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہو لیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ معظمہ سے ساتھ چلنے والی جماعت گو مختصر تھی مگر راستے میں طرح طرح کے لوگ شریک ہوتے گئے اور اس طرح وہ جمعیت جو اس کے قبل ایک قافلہ کی حیثیت رکھتی تھی ایک لشکر کی صورت اختیار کر گئی۔

کوئی اور ہوتا تو اس ناخواندہ اژدہام کو غنیمت سمجھتا اور اس کے اپنے ساتھ ہو جانے کو بہترین اتفاق خیال کرتا۔ وہ چاہتا کہ کسی طرح انہیں گرویدہ بنائے رکھے اور اپنی گرفت سے نکلنے نہ دے مگر امام حسینؑ نے عرصہ تک اس صورت حال کو برداشت نہ کیا بلکہ اس وقت جب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل ہونے کی خبر پہنچی اور عبداللہ بن یقطر جو آپ کے قاصد تھے ان کے بھی شہید ہونے کی اطلاع آ گئی تو منزل زبالہ پر آپ نے قیام فرمایا اور ایک تحریر جسے سرکاری بیان کہنا چاہئے آپ نے تمام اہل قافلہ کے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

"ہمیں یہ دردناک خبر پہنچی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر شہید کر ڈالے گئے اور ان لوگوں نے جو ہماری دوستی کا دعویٰ کرتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اس صورت حال کے بعد جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ واپس چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ واری عائد نہ ہوگی"۔

حضرت کی اس تقریر کے بعد لوگ متفرق ہونے لگے یہاں تک کہ بس وہی منتخب جماعت رہ گئی جو آپ کے ساتھ مدینہ منورہ سے آئی تھی یوں سمجھنا چاہئے کہ مجمع چھٹ جانے کے بعد صرف وہی لوگ رہ گئے جو آپ کی مکہ معظمہ والی تقریر کو سن چکے تھے اور حقیقتاً موت پر آمادہ تھے۔

اس کے بعد کربلا پہنچ کر دسویں محرم کی شب کو جب کہ صلح کی گفتگو ختم ہو چکی تھی اور صرف ایک رات کی مہلت بمشکل مانگے سے ملی تھی اور ساتھ گنتی کے منتخب افراد رہ گئے تھے جو موت کے یقینی ہونے کا ذکر کئی بار سن بھی چکے تھے مگر حضرت نے چاہا کہ خطرہ کے بالکل سامنے آنے کے بعد بھی ساتھ والوں کو موقع دے دیا جائے چنانچہ آپ نے ایک مبسوط اور یادگار خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں صاف طور سے کہہ دیا کہ کل کا دن ہمارا ان دشمنوں کے ساتھ تاریخی ہوگا میں نے تمہارے متعلق غور کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم سب اس وقت چلے جاؤ اور میری اجازت سے میرا ساتھ چھوڑ دو۔ تم پر میری طرف سے کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی دیکھو رات کا پردہ پڑ گیا ہے اسے تم اپنے لئے غنیمت سمجھو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ تم خود بھی جاؤ اور اتنا اور بھی کرو کہ ہر ایک تم میں سے میرے ایک ایک عزیز کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے ساتھ لیتا جائے۔ اس کے بعد اپنے اپنے دیہات اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ تاوقتیکہ تمہیں کشائش ہو اور بنی امیہ کی سلطنت سے نجات حاصل ہو یہ لوگ تو صرف میرے طالب ہیں جب میں انہیں مل جاؤں گا وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے تو پھر انہیں کسی دوسرے کی فکر نہ ہوگی۔

یہ آخری اتمام حجت تھا لیکن ایسی جماعت کے سامنے جس میں کوئی فرد حقیقت حال سے بے خبر ہو کر یا کسی لالچ سے ساتھ نہیں آیا تھا لہٰذا ایک طرف اعزہ کھڑے ہو گئے اور دوسری طرف اصحاب اور سب نے امام کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

امام حسینؑ نے اس طرز عمل سے یہ سبق دیا کہ دنیا میں حقانیت ضمیر کی صفائی اور امانت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ کسی غلط فہمی سے فائدہ اٹھا کر اپنا مقصد نہ نکالے کبھی غلط توقعات قائم کر کے اپنی کاربراری نہ کرے۔ غلط فہمی کا سدباب کر کے جو حقیقی جان نثار ہیں بس ان کی ہی ہمدردی قبول کرے اور کسی کی غلط اندیشی اور فریب خوردگی سے فائدہ نہ اٹھائے۔

امن پسندی اور رواداری:

یہ اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے۔

امن و امان یعنی ''جیو اور جینے دو''۔ اس کی طرف خود اسلام کا نام تک اشارہ رکھتا ہے۔ اسلام مشتق ہے ''سلم'' سے اور اس کے معنی ہیں ''صلح پسندی اور ایمان'' جو ایک بلند مرتبہ ہے وہ مشتق ہے ''امن'' سے۔ ایک سے مسلم اور مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے افراد محفوظ رہیں۔ تمہارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ تم بلاوجہ کسی سے برسرپیکار نہ ہو۔ کبھی فتنہ و فساد کے باعث نہ ہو لیکن اس کے ساتھ ایک اہم اصول اور ہے وہ یہ کہ باطل کی حمایت کبھی نہ کرو اور تمہارے عمل سے حق پامال نہ ہونے پائے۔

یہ دو عنصر امن پسندی مگر حمایت باطل سے علیحدگی ہی وہ ہوتے ہیں جن کے لئے اکثر صبر و سکون اور کبھی قیام و اقدام دونوں ہی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح کہ جب تک اپنے اوپر حمایت باطل کا الزام نہ آتا ہو اس وقت تک چاہے جتنے بھی نقصانات برداشت کرنا پڑیں اور ناگوار طبع حالات سے گزرنا پڑے۔ امن پسندی اور خاموشی قائم رہے مگر جس وقت خاموشی سے حق کا دامنا تار تار ہوتا ہو اور باطل کو تقویت دینے کی ذمہ واری اپنے اوپر آتی ہو اسی وقت سے خاموشی کی مہر ٹوٹ جائے اور جس حد تک اقدام ضروری ہو اور آگے بڑھنا باطل پروری سے دامن بچانے کے لئے لازم ہو اس میں دریغ نہ کیا جائے چاہے اپنے اوپر اس میں جو بھی مظالم ہو جائیں۔

یہی چیز ہم کو پیغمبر اسلامؐ کی سیرت میں نظر آتی ہے یہی امیر المومنین حضرت علیؑ کے یہاں یہی حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے یہاں اور یہی حضرت امام حسینؑ کے واقعات

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

زندگی اور قدم کی رفتار میں صاف نمایاں ہے۔

کتاب کے ابتدائی حصوں میں پیغمبر خداؐ کے صلح حدیبیہ، پھر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے دور حیات اور پھر صلح امام حسنؑ کے حالات میں یہ مثالیں کافی وضاحت کے ساتھ درج ہوئی ہیں ان پر ضروری تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

امام حسینؑ نے صلح حسنؑ کے بعد دس برس تک امام حسنؑ کی زندگی میں اور دس برس امام حسنؑ کے بعد رواداری اور خاموشی کی زندگی بسر کی حالانکہ اس مدت میں کیسے صبر آزما مراحل پیش آئے۔ امام حسنؑ کی وفات اور رسولؐ کے روضہ میں دفن سے ممانعت یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا مگر حسینؑ جن کی شجاعت و جرأت کا واقعہ کربلا نے دنیا سے کلمہ پڑھوا دیا ایسے موقع پر خاموش رہے۔ یہ رواداری نہ تھی تو کیا تھا؟

یزید کی بالکل غیر آئینی خلافت کے سلسلہ میں امیر شام نے جو صورتیں اختیار کیں جلسے کئے ممالک اسلامیہ میں پیغام روانہ کئے لوگوں کو بیعت پر مجبور کیا مگر امام حسینؑ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اس طرح کا اقدام نہیں ہوا کہ آپ اسلامی بلاد میں خطوط بھیجتے احتجاجی جلسے کرتے تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مخالفت پر آمادہ کرتے ایسا نہیں ہوا۔

آپ کا ابتدائی اور انتہائی اقدام ان موقعوں پر یہی انکار تھا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ آپ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں سوچنے سمجھنے کی کچھ بھی صلاحیت باقی ہے تو یہ میرا انکار ہی حق پر سے پردہ ہٹانے کے لئے کافی ہے اور اگر ان کی قوت شعور و امتیاز بالکل ختم ہی ہوگئی ہے تو کم از کم ہم تو تائید باطل کے ذمہ وار نہ ہوں گے۔ ہمیں دنیا سے مطلب نہیں ہے وہ جسے چاہے خلیفہ اور بادشاہ بنائے اور جو کرنا ہو کرے مگر ہم سے تعرض نہ کرے۔ ہم سے بیعت کی خواہاں نہ ہو یہ اصول تھا جس پر امام حسینؑ اول سے قائم تھے اور آخر تک قائم رہے اور اسی لئے معاویہ نے اپنی آزمودہ کاری اور جہاں دیدگی سے آپ کے خلاف کوئی سخت عملی قدم نہیں اٹھایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حسینؑ امن و امان کے حامی ہیں جب تک ہم خود انہیں مجبور نہ کریں گے وہ امن پسندی سے علیحدہ نہ ہوں گے۔

لیکن اس کے بعد معاویہ کا انتقال ہوگیا اور یزید تخت خلافت پر بیٹھا باپ بیٹے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں نمایاں فرق تھا۔

یزید، حسینؑ سے بجبر بیعت کا طالب ہوا اور مدینہ کے گورنر نے بیعت کا مطالبہ حسینؑ کے سامنے سختی کے ساتھ پیش کیا۔

یہ معلوم ہے کہ جب ایک بادشاہ دنیا سے جاتا ہے تو لوگوں میں خاص طور سے انتشار ہوتا ہے اور نظام حکومت بھی انتہائی کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر حسینؑ چاہتے تو چونکہ اس وقت مدینہ میں ولید کے پاس کوئی خاص فوج بھی موجود نہ تھی ولید کو قتل کر دیتے اور مروان کا بھی کام تمام کر دیتے اور اس طرح وقتی حیثیت سے مدینہ میں آپ کی سلطنت قائم ہو جاتی اور پھر آپ کو موقع ہوتا کہ اطراف و جوانب میں خطوط لکھ کر اپنے زیر اثر ایک بڑا لشکر فراہم کر لیں مگر اس صورت میں ایک طویل سلسلہ حرب وضرب کے آغاز کی ذمہ واری آپ پر عائد ہوتی جس کا نتیجہ بھی بہرحال مشکوک تھا۔

آپ نے خونریزی سے بچنے کے لئے مدینہ چھوڑنا گوارا کیا اور مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں آپ کا جانا اس بات کا عملی ثبوت پیش کرتا تھا کہ آپ کا حقیقی مقصد صرف حمایت باطل سے الگ رہتے ہوئے اپنی اور اپنے متعلقین کی زندگی کو خطرہ سے محفوظ رکھنا ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ وہ جگہ ہے جس کو (مامن الناس) تمام انسانوں کے لئے محل امن قرار دیا گیا ہے۔

یہاں آنے کے بعد دنیا کی کوئی تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دیتی کہ آپ نے لوگوں کو مکہ معظمہ کے اندر اپنی طرف دعوت دی یا کچھ لوگوں کو باہر سے بلایا ہو اور لشکر کی فراہمی میں کسی قسم کا کوئی قدم اٹھایا ہو۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ سے جو نسبت آپ کو تھی اور مکہ والوں کو جتنی آپ کی ہستی عزیز ہو سکتی تھی اتنی عبداللہ بن زبیر کی نہیں تھی چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ امام حسینؑ کے مکہ میں وارد ہونے سے پہلے لوگ عبداللہ بن زبیر کے گرد آکر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن جب سے آپ تشریف لے آئے تھے تمام لوگوں نے عبداللہ کو چھوڑ دیا تھا اور امامؑ کے گرد پروانہ وار جمع ہو گئے تھے۔ پھر جب عبداللہ کے لئے مکہ میں یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اپنا مضبوط جنگی محاذ قائم کر لیں اور ایک عرصہ تک حکومت شام سے برسرپیکار ہیں تو امام حسینؑ کے لئے یہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بدرجہ اولیٰ ممکن ہوتا مگر آپ نے مکہ معظمہ میں خاموشی کے ساتھ قیام کر کے عملی طور پر اعلان کر دیا کہ ہم دنیا میں امن کے خواہاں ہیں چاہتے ہیں کہ دنیا میں سکون رہے مگر ہم بھی اپنے اس حق کے ساتھ جس پر ہم ہیں قائم رہیں۔ امن و امان میں خلل بھی نہ پڑے اور باطل کی حمایت بھی نہ ہونے پائے۔

جب عراق والوں کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ امام حسینؑ نے اس طرح بیعت سے انکار کیا ہے تو انہوں نے خطوط لکھنا شروع کئے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی ان خطوط میں سے بعض میں یہ بھی درج تھا کہ اگر آپ آ جائیں تو ہم نعمان کو باہر نکال دیں اور آپ کو حاکم بنا دیں مگر امام حسینؑ نے ان خطوط کے جواب میں جو کچھ لکھا اس میں یہ تاریخی فقرات بھی درج کئے کہ امام کے معنی صرف یہ ہیں کہ کتاب خدا پر عامل ہو۔ انصاف کا پابند ہو۔ حق کو اپنا اصول زندگی قرار دے اور اپنی ذات کو خدا کی خوشنودی کے لئے وقف رکھے۔

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں جو آ رہا ہوں وہ اس لئے کہ کسی کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا یا تخت سلطنت پر قبضہ کروں گا بلکہ مجھے ہدایت خلق منظور ہے اور کتاب الٰہی و سنت رسالت پناہی کا اجراء مقصود ہے۔

خط میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ ہمارے سفیر کے پہنچتے ہی کوفہ کے حاکم کو باہر نکال دینا اور ہمارے فرستادہ کو نظم حکومت سپرد کر دینا اس وقت میرے آنے کی امید کرنا۔

اسی لئے حضرت مسلم نے بھی جو آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے معتمد خاص اور قابل اعتبار تھے اور آپ کی ہدایت سے یک سرمو انحراف کرنے والے نہ تھے جہاں تک حالات ساتھ دیتے رہے اپنے عمل سے اسی کا ثبوت دیا۔

وہ علیؑ کا بھتیجا اور حسینؑ کا سفیر تھا جو فقیرانہ لباس میں بغیر کسی سابقہ اطلاع یا تزک و احتشام کے کوفہ میں داخل ہوا۔ نعمان بن بشیر دارالامارۃ کے اندر تخت و تاج کا مالک اور حضرت مسلم کو اس سے نہ کوئی مطلب نہ تعرض۔ آپ جاتے ہیں اور ایک معمولی زمیندار مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان میں فروکش ہو جاتے ہیں وہاں اجتماع ہوتا ہے تو امام کا خط پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور بس۔ لوگ امام کی اطاعت و وفا کا عہد و پیمان کرتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں اور آپ ان سے بیعت لیتے ہیں۔ یہ بیعت اس کی دلیل نہیں ہے کہ آپؑ کوئی بغاوت برپا کرنا چاہتے تھے یا کسی سلطنت کی بنیاد قائم کر رہے تھے بلکہ یہ صرف اس قرارداد کی پہچان تھی کہ ہم حضرت امام حسینؑ کی پیروی اور اتباع پر آمادہ ہیں اور حضرت کی حمایت و حفاظت میں بجان و دل کوشاں رہیں گے۔ اسی لئے جب اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی تھی تب بھی انہوں نے کوئی قدم حکومت کے خلاف نہیں اٹھایا پھر بھی وہ اسی مختار کے گھر میں مقیم رہے اور نعمان بن بشیر کو اسی طرح تخت حکومت پر رہنے دیا۔ خود نعمان کو اس کا احساس تھا کہ جناب مسلم کا طرز عمل معاندانہ نہیں ہے چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ مسلم بیعت لے رہے ہیں اور تم خاموش بیٹھے ہو تو نعمان نے جواب دیا ''میں بس اس شخص سے جنگ کروں گا جو مجھ سے جنگ کرے اور اس پر حملہ کروں گا جو مجھ پر حملہ آور ہو مگر میں بدگمانیوں پر عمل نہیں کرتا''۔[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نعمان بھی اس بات کا احساس رکھتا تھا کہ مسلم کوئی بغاوت کا قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔

اس کے بعد ان اسباب کی بناء پر جن کا تذکرہ اپنے محل پر ہو چکا ہے۔ نعمان بن بشیر کو معزول کیا گیا اور عبیداللہ بن زیاد کوفہ کا گورنر مقرر ہوا اور پرامن و صلح پسند خاموش و گوشہ گیر مسلم بن عقیل کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

ابھی مسلم کے متعلق کوئی اطلاع آنے نہیں پائی تھی کہ امام حسینؑ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ اس فوری اور بظاہر بے موقع روانگی ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مکہ میں حسینؑ کو اپنے لئے خطرہ کتنا نزدیک نظر آ رہا تھا جس ہستی کو عبادت الٰہی کا اتنا شوق ہو کہ مرتے مرتے عبادت کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی ہو وہ حج کے عین موقع پر حج کو ترک کر دے یقیناً آپ کو قوی اندیشہ تھا کہ اگر آپ مکہ معظمہ میں قیام کریں گے تو بہت جلد آپ خفیہ طریقہ پر قتل کر دیئے جائیں گے اس صورت حال سے مطمئن ہونے کے لئے ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہیں حفاظتی تدابیر اختیار کئے جاتے مگر اس حالت میں تصادم

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے امکانات بہت قریب ہوئے جاتے تھے لہٰذا جس طرح مدینہ سے نکل کر آپ نے ثابت کر دیا تھا کہ مجھے جنگ کرنا منظور نہیں ہے اسی طرح قیام مکہ کو تاریخ حج سے صرف ایک دن پہلے جبکہ مسلمان تمام خطوں سے حج کے لئے جمع ہو رہے تھے ترک کیا۔

امام حسینؑ کوفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے کوئی تیاری کی ہے یا سامان جنگ ساتھ لیا ہے؟ نہیں بلکہ اس کے خلاف اہل حرم مع اطفال خورد سال آپ کے ساتھ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امن و سلامتی کی زندگی بسر کرنے کے خواہاں ہیں اور اپنی طرف سے جنگ کے امکانات پیدا ہونے دینا نہیں چاہتے۔

اس کے بعد جب کوفہ کے راستے میں بھی خونریزی کے آثار معلوم ہوئے اور حر کا لشکر آتا نظر آیا تو آپ نے راستہ بدل دیا اور داہنی طرف کا رخ کر کے ذوحم پہاڑ کے دامن میں جا کر قیام کیا مگر یہ آنے والی فوج خود تشدد پر آمادہ اور صلح پسندی سے علیحدہ تھی اس لئے جدھر آپ کو متوجہ دیکھا اسی طرف یہ لشکر بھی متوجہ ہو گیا اس وقت ان واقعات کا تفصیل سے ذکر کرنا مقصود نہیں ہے وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ صرف جہاں تک کہ رواداری اور صلح پسندی کے ثبوت کا تعلق ہے اجمالاً یہاں ذکر کیا جا رہا ہے

حضرت کا سب سے پہلے حر کے لشکر کو سیراب کر دینا بھی بڑا ثبوت اس کا تھا کہ آپ جنگجوئی کے طریقوں پر عمل نہیں فرما رہے تھے۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت امام حسینؑ نے ایک تقریر میں ارشاد فرمایا تھا کہ۔

> ''میں نے اس وقت تک تمہاری جانب آنے کا خیال نہیں کیا جب تک کہ تمہارے خطوط اور قاصد میرے پاس نہیں پہنچے۔ اس مضمون پر مشتمل کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ آیئے، شاید آپ کی وجہ سے ہم حق پر مجتمع ہو جائیں۔ اب اگر تم اس بات پر قائم ہو تو مجھ سے عہد و پیمان کرو اور میں تمہارے ساتھ کوفہ چلنے پر تیار ہوں اور اگر تمہیں یہ منظور نہیں ہے اور میرا آنا ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں''۔[1]

---

[1] ارشاد ص ۲۳۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کیا رواداری کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ ہوسکتا ہے؟

عصر کی نماز کے وقت پھر آپ نے تقریر فرمائی اور یہی کہا کہ اگر تمہیں میرا آنا ناپسند ہو تو میں واپس چلا جاؤں مگر حر نے اسے نہ مانا اور آخر طے یہ ہوا کہ آپ نہ تو کوفہ کی طرف جائیں اور نہ مدینہ کی طرف بلکہ ایسا راستہ اختیار کریں جو کوفہ اور مدینہ کے علاوہ کسی دوسری طرف کو گیا ہو اور اسی قرارداد کے مطابق آپ روانہ ہوئے۔[1]

مگر کربلا کی زمین کے قریب پہنچ کر ابن زیاد کا وہ انتہائی تشدد آمیز خط حر کے پاس آیا کہ ''حسینؑ کے ساتھ سختی سے کام لو اور حسینؑ کو اترنے پر مجبور کرو ایک خشک زمین پر جہاں کوئی پناہ لینے کا ٹھکانہ اور پینے کے لئے پانی نہ موجود ہو''۔

اس خط کے بعد حر نے اتنی سختی برتی کہ قرب و جوار کے قصبے جو بہت نزدیک تھے جیسے نینوا، غاضریہ، شفیہ کسی میں قیام کرنے کی اجازت نہ دی اور کہا مجھے حکم یہی ہے کہ میں آپ کو کسی آباد مقام پر نہیں بلکہ چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کروں جہاں پانی بھی قریب نہ ہو اس وقت اصحاب نے امام حسینؑ سے کہا کہ دشمن کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے آپ جنگ کر لیں لیکن حسینؑ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں کسی صورت میں بھی ابتداء کرنا نہیں چاہتا۔[2]

پھر عمر سعد کے کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے کئی دن تک اس کے ساتھ مفاہمت کی گفت وشنید جاری رکھی۔

جب عمر سعد آپ سے ملاقات کے لئے رات کے وقت اس خیمہ کی طرف چلا جو دونوں لشکروں کے درمیان اسی مقصد کے لئے نصب کیا گیا تھا تو اس نے بیس سوار اپنے ساتھ لے لئے شاید اس لئے کہ مخالف کا سامنا ہے معلوم نہیں صورت حال کیا پیش آئے مگر جب امام حسینؑ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی ہو لئے تاکہ حضرت تنہا نہ رہیں تو آپ نے اصحاب کو علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا میں عمر سعد سے تنہا ملاقات کروں گا اس طرح یہ ثابت کرنا تھا کہ خلوص اور نیک نیتی اور صبر وسکون کے

---

[1] ارشاد ص ۲۳۶۔ [2] ارشاد ص ۲۳۸۔۲۳۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ساتھ گفتگو کرنا ہے جس کے لئے کسی جمعیت کی ضرورت نہیں۔

جب عمر بن سعد نے یہ دیکھا کہ امام تنہا رہ گئے ہیں تو اس نے بھی ساتھیوں کو واپس کر دیا۔ امام حسینؑ کی گفتگو سراسر صلح پسندی پر مبنی تھی آپ نے یہ کہا کہ میں واپس مدینہ چلا جاؤں گا۔ یہ کہا کہ مجھے ملک عرب سے باہر چلا جانے دو اور دور ترین سرحدوں میں زندگی گزارنے دو۔

مختصر یہ کہ امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے آپ اپنی ذات پر ہر تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار تھے مگر یزید کو جائز خلیفہ رسول یا اسلام کا سچا نمائندہ تسلیم کرنے پر آپ کسی طرح تیار نہ تھے۔

آپ کا رویہ تحفظ امن کے بارے میں اتنا واضح تھا کہ فوج یزیدی کے افسر عمر سعد نے اپنے حاکم عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا کہ ''مبارک ہو خدا نے فتنہ کی آگ کو بجھا دیا اور مسلمانوں کے شیرازہ کو مجتمع کیا اور امت اسلامی کے امر کی اصلاح کی۔ حسینؑ صلح پر آمادہ ہیں اور ان کے شرائط ایسے ہیں جنہیں قبول کرنے میں ہم کو عذر نہ ہونا چاہئے''۔

ابن زیاد بھی مصالحت کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ صرف شمر کی مفسدانہ دراندازی وہ تھی جس کی وجہ سے ابن زیاد نے اس آخری رشتہ کو توقعات امن کے قطع کر دیا اور ابن سعد کو خط لکھا کہ ہم نے تم کو گفت وشنید اور مصالحت کے شرائط طے کرنے کے لئے نہیں بھیجا ہے بلکہ تم حسینؑ کے سامنے صرف غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ پیش کرو اور اگر وہ منظور نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔[1]

اس خط کا پہنچنا تھا کہ بس عمر سعد نے پوری فوج کو حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دیا۔ پھر بھی امام حسینؑ نے ایک رات کے لئے خونریزی کو اور روکا۔

صبح ہوئی عاشور کی قیامت خیز صبح، پیمانہ لبریز اور پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور کوئی امید صلح کی باقی نہیں ہے مگر حسینؑ اب بھی امن پسندی کا ثبوت دے رہے ہیں کہ

---

[1] ارشاد ص ۲۴۱

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں اپنی طرف سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔

صبح عاشور اس وقت کہ جب امام خاموشی کے ساتھ اپنے خیمہ کے دروازے پر کھڑے تھے اور خیمہ کی پشت پر خندق میں آگ بھڑک رہی تھی۔ شمر نے آکر نہایت سخت جملہ کہا کہ ''آخرت کی آگ سے پہلے دنیا ہی میں تم نے آگ کا سامان کرلیا'' یہ اتنا اشتعال انگیز فقرہ تھا کہ ضعیف العمر مسلم بن عوسجہ کو بھی تاب نہ رہی اور امام سے اجازت مانگی کہ اسے تیر کا نشانہ بنائیں۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ ''نہیں ایسا نہ کرو میں جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا''۔[1]

اتمام حجت کی تمام منزلیں امام حسینؑ کی طرف سے طے کی جا رہی ہیں جنہیں اپنی جان کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جو موت کو اپنی آخری منزل سمجھ چکے ہیں اس کا بالتکرار اعلان فرماتے رہے ہیں جو موت کا استقبال کشادہ پیشانی کے ساتھ کرنے پر تیار ہیں اس کے بعد یہ امن پسندی، یہ صلح جوئی یہ اشتعال سے علیحدگی، یہ جذبات کی روک تھام یہ ساتھیوں کے ولولوں کی نگہداشت یقیناً امام حسین اس دن جہاد بالسیف سے پہلے جہاد بالنفس کی منزل طے کر رہے تھے اور ''جہاد اصغر'' کے ساتھ ''جہاد اکبر'' کا فرض ادا کر رہے تھے۔

امام حسینؑ نے صبح کی میدان جنگ میں جبکہ تمام اشتعال انگیز صورتیں پیدا ہو چکی تھیں مگر اس کے بعد بھی آپ کی جانب سے جنگ کی تیاری کا مظاہرہ نہیں ہوا آپ گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہوئے جو جنگ کا مرکب ہوتا ہے بلکہ ناقہ پر سوار ہوئے جو امن کی نشانی ہے اور اس کے بعد وہ تاریخی خطبہ پڑھا جس میں اپنے نام و نسب کا تعارف کرایا۔ اپنی بے گناہی کا بدلائل ثبوت پیش کیا اور اس کے آخر میں آپ نے پورے مجمع کے سامنے یہ اعلان کیا کہ اگر تم لوگوں کو میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جانے دو۔ یہی وہ بات تھی جو آپ نے حر کے سامنے پیش کی تھی اور وہی اب پورے لشکر کے سامنے پیش کی جا رہی تھی یہ وہ زبردست امن پسندی کے مظاہرات تھے

---

[1] ارشاد ص ۲۴۷

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جنہوں نے حر کو فوج یزید کا ساتھ چھوڑ دینے پر مجبور کیا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد جنگ چھڑ گئی دنیا میں جنگ کا قاعدہ تھا کہ بڑے سے بڑے بھی جنگ میں زرہ پہنتے تھے مگر کربلا میں حسینؑ صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے تھے خز کا جو ایک نہایت باریک کپڑا ہوتا ہے اور سر پر عمامہ باندھے تھے۔[1] اسے دیکھ کر ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ کیا جنگ کی تیاری یونہی ہوتی ہے اور جس کو لڑنا منظور ہوتا ہے وہ یونہی میدان جنگ آتا ہے؟

قربانی:

حسینؑ کی قربانی ایک منظم حیثیت رکھتی تھی۔ اگر وہ اپنی شہادت کے مرحلہ کو سب سے پہلے طے کر لیتے تو یہ کہنے کو ہوتا کہ مصائب سے گھبرا کر اپنی جان دے دی لیکن آپ نے آہستہ آہستہ قربانی کے منازل کو طے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کا اقدام کسی وقتی جذبہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ معاملہ فہمی اور فرض شناسی پر مبنی تھا۔

آپ کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاع گراں مایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں۔

آپ نے روز عاشور سب سے پہلے اپنے محبوب ترین اعوان و انصار اور ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا۔ یہاں تک کہ عزیزوں کی باری آئی تو آپ نے ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا۔ اپنے دل کی قوت، آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبرؑ ایسے فرزند، قاسم و عبداللہ ایسے بھتیجے، ابوالفضل العباسؑ ایسے وفادار بھائی، سب کو فدیہ راہ حق ہونے دیا اور سب کے بعد باغ امید کی آخری کونپل اور غنچہ ناشگفتہ، علی اصغر کو خود اپنے ہاتھوں پر نشانہ تیر ستم ہوتے دیکھ لیا۔ ابھی تک دل کے ٹکڑوں کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہنچی سطح جسم کا چپہ چپہ اور خون کا ہر ہر قطرہ قربان کیا یہاں تک کہ تن اقدس پر تیروں کی جگہ نہ ملتی تھی اور دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کو جستجو کے بعد بھی کوئی خالی گوشہ دستیاب نہ ہوتا تھا۔ جب جسم کا ہر حصہ اور دل

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۹

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا تو اب حسینؑ کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی۔ صرف ایک رشتہ حیات تھا جو روح و بدن کے اندر پوری کشمکش حیات کے باوجود قائم تھا اور سر و گردن کا ارتباط تھا جس میں اب تک جدائی نہ ہوئی تھی۔ ایسے باہمت مجاہد کے لئے گزشتہ تمام قربانیوں کے مرحلے طے کر چکنے کے بعد یہ منزل بالکل آسان تھی۔ عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی میں بھی کامیاب ہوگئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور جسم و روح کا ظاہری اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے باہمی ارتباط میں جدائی پیدا ہوئی۔

آسمان لاکھوں برس گردش کرے، زمانہ کے ورق ہزاروں بار الٹ جائیں لیکن اتنی شاندار، مکمل، منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہوسکتی۔

بعض متفرق تعلیمات

واقعہ کربلا کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اتنے ہنگامہ خیز ماحول میں حضرت امام حسینؑ نے فرائض کے ایسے جزئیات تک کو پورا کیا ہے جنہیں عام انسان نسبتاً بالکل معمولی اور خفی اضطراب کے موقع پر بھی ترک کر دیتے ہیں یا کم از کم ملتوی کرتے ہیں یا فرض کی پابندی میں کم از کم خفت پیدا کر دیتے ہیں مگر حضرت امام حسینؑ نے سخت سے سخت اوقات میں فرائض کی پابندی اتنی ہی سختی کے ساتھ کی جتنی کہ عام حالات میں ہوسکتی تھی مثلاً چند چیزیں درج ذیل ہیں۔

پردہ:

یہ شریعت اسلامیہ کا ایک قانون ہے کہ مرد اور عورت کے فرائض، طرز زندگی اور نظام معاشرت جدا ہے۔ مرد پر جب موقع آئے تلوار لے کر جہاد واجب ہے مگر عورت پر سے جہاد ساقط ہے۔ مرد میدان میں نظر آنا چاہئے اور عورت گھر کی چہار دیواری کے اندر۔ پردہ عورت کے لئے ایک لازمی فریضہ ہے اور اس کی پابندی تا حد امکان ضروری ہے۔

خاندان رسولؐ کی شان جس طرح تمام عبادات و واجبات کے ادا کرنے میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

امتیازی درجہ رکھتی تھی اسی طرح پردہ کے بارے میں بھی اس گھرانے کا اہتمام خصوصی امتیاز رکھتا تھا۔

دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ اس گھرانے کی مقدس خواتین کیلئے مورث اعلیٰ کی حیثیت رکھتی تھیں جنہیں پردہ کا اتنا خیال تھا کہ مرنے کے بعد جنازہ پر بھی نامحرم کی نگاہ پڑنا گوارا نہ تھی۔

کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ اس گھرانے کی تقریباً تمام مقدس خواتین موجود تھیں۔ پیغمبر خداؐ کی نواسیاں زینب و ام کلثوم، حضرت علیؑ کی بیٹیاں فاطمہ اور رقیہ، بہویں: بیوۂ امام حسنؑ اور خود آپ کی ازواج لیلیٰ اور رباب، صاحبزادیاں فاطمہ وسکینہ اور دیگر عزیز خواتین۔ ان کے علاوہ کنیزیں تھیں۔ بعض اصحاب بھی اپنے متعلقین کے ساتھ آئے تھے جیسے مسلم بن عوسجہ، عبداللہ بن عمیر اور جنادہ بن کعب وغیرہ۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے اہل حرم کی پردہ داری کا اہتمام ہر لحہ پیش نظر رکھا۔ راستے میں جب فوج حر آتے دکھائی دی تھی تو آپ نے ذوحسم پہاڑی اسی لئے منتخب کی تھی کہ اسے پشت پر قرار دے کر خیام اہل بیت برپا کئے جائیں چنانچہ یہ کام اتنی تیزی سے عمل میں لایا گیا کہ خیمے برپا ہو چکے اور اہل حرم خیموں میں فروکش ہو چکے اس وقت حر کا لشکر وہاں پہنچ سکا۔

کربلا میں بھی حضرت نے جائے قیام کے لئے ریگستانی ٹیلوں کا ایک سلسلہ منتخب کیا تھا پھر شب عاشور خیموں کی طنابوں کو ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ کر دیا تھا کہ کسی ایک خیمہ کی طنابیں کاٹ کر گرانا غیر ممکن ہو گیا تھا اور خیموں کے گرد خندق کھدوائی تھی اور اس شدید گرمی میں اس کے اندر آگ روشن کرائی تھی اسی لئے کہ پشت پر سے دشمن خیموں کی جانب نہ آ سکے۔

یہ تمام انتظامات صبح عاشور آغاز جہاد سے پہلے ہی مکمل ہو چکے تھے۔

بیبیاں خیموں کے اندر اور اعزہ میدان جہاں میں باہر تھے۔ کیا اس موقع پر اہل حرم کے دلوں میں اضطراب کی جو کیفیت تھی اس کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے جب کہ تیروں کی مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ زمین گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے سے لرز رہی تھی۔ چاروں

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طرف غبار سے تاریکی چھائی ہوئی تھی فوجوں کا سیلاب بار بار صف حسینی کے کوہ استقلال سے ٹکرا کر شور کرتا ہوا واپس ہوتا تھا اور ہر مرتبہ بہنیں بھائیوں کے لئے، مائیں بچوں کے لئے، بیویاں شوہروں کے لئے فطرتاً مضطرب ہو جاتی ہوں گی مگر کیا ممکن تھا کہ ان میں سے کسی کا قدم خیمہ سے باہر نکلا ہو۔

وہ موقع اس سے زیادہ سخت تھا کہ ایک ماں کو خبر پہنچتی ہے کہ اس کا بیٹا مصروف جہاد ہے یا ایک بہن کو یہ کہ بھائی لڑ رہا ہے یا ایک خاتون کو یہ کہ اس کا شوہر دشمن کی فوج میں گھر گیا ہے اس موقع پر ایک شریف اور باعزت خاتون کے لئے اور وہ بھی عرب کی خاتون جو خود فطری شجاعت کا خون رگوں میں رکھتی ہو اور وہ بھی خاندان بنی ہاشم کی خواتین جن کو شجاعت حیدری ورثہ میں ملی ہو کتنا دشوار ہے کہ وہ صبر و سکون کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھی رہیں جب کہ کوسوں کی مسافت نہیں پہاڑوں کا اوٹ نہیں بلکہ صرف خیمہ کا پردہ اور میدان جنگ کی وسعت درمیان میں ہے۔

اس سے زیادہ سخت وقت وہ تھا جب خبر پہنچتی ہے کہ بیٹا، بھائی یا شوہر زخمی ہو کر گر گیا ہے اور اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے اور پھر اس کی فریاد کی آواز آتی ہے کہ یا ابا عبداللہ ادرکنی۔ اور جب امام اس کی آواز پر جاتے دکھلائی دیتے ہیں یہ موقع دل کی دنیا میں زلزلہ پیدا کر دینے والا اور صبر و تحمل کی کشتی کو طوفانی بنا دینے والا ہے۔

ایسے موقعوں پر بعض اصحاب کی عورتیں نصرت حسینؑ کے شوق میں بے چین ہو کر میدان جہاں میں نکل آئیں جیسے عبداللہ بن عمیر کی زوجہ اور عمرو بن جنادہ کی ماں تو امام حسینؑ نے ان کو فرض اسلامی کی طرف توجہ دلائی فرمایا کہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے اور انہیں خیموں کی طرف واپس کر دیا۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ زوجہ عبداللہ بن عمیر اور مادر عمرو بن جنادہ میں جرأت و شجاعت کا جوہر حضرت زینب و حضرت کلثوم سے زیادہ تھا جن کی رگوں میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا خون گردش کر رہا تھا ہرگز نہیں مگر یہ ان کے احساس فرائض کی پختگی تھی کہ انہوں نے کسی وقت بھی اپنی حد سے قدم آگے نہیں بڑھایا۔

بہت زیادہ سخت موقع وہ تھا جب خود امام حسینؑ نیزہ و شمشیر و تبر کا نشانہ بنے

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہوئے تھے پھر سب سے بڑھ کر وہ وقت جب آپ گھوڑے سے زمین گرم پر تشریف لا چکے تھے مگر کیا اندازہ ہو سکتا ہے ان برگزیدہ خواتین کے احساس فرائض کا جنہوں نے اس موقع پر بھی اصول شریعت کا احترام ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

جس وقت عبداللہ بن الحسینؑ نے خیمہ سے تڑپ کر باہر نکلنا چاہا تھا اور حضرت ام کلثوم نے دامن پکڑ لیا تھا کہ کہاں جاتے ہو مگر بچہ یہ کہتا ہوا کہ اس عالم میں میں اپنے چچا کو تنہا نہ چھوڑوں گا، دامن ہاتھ سے چھڑا کر روانہ ہو گیا بس اب ام کلثوم بے بس ہو گئی تھیں اور ایسا نہیں ہوا کہ آپ بچہ کے ساتھ میدان میں آ جاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک خیمہ کے حدود تھے وہاں تک ام کلثوم چلی آئیں اور جہاں سے بچہ اس سے آگے بڑھ گیا بس شاہزادی کے قدم رک گئے۔

کربلا میں حفظ مراتب کے اصول برتے جا رہے تھے وہاں ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو رہا تھا۔ اصحاب اعزہ پر قربان ہوئے اور اعزہ امام پر قربان ہوئے اور امام، دین خدا پر قربان ہوئے۔ اگر آئین اسلام کے حدود میں کچھ بھی گنجائش ہوتی تو اس وقت حسینؑ زخمی ہو چکے تھے اور قریب تھا کہ آپ کے جسم و روح میں مفارقت ہو جائے تمام خاندان بنی ہاشم کی خواتین تلواریں لے کر میدان جہاد میں آ جاتیں اور حسینؑ کے گرد ایک مرتبہ دشمن پر حملہ کر دیتیں تو یہ کوئی معمولی بات نہ ہوتی بلکہ یقین سمجھنا چاہئے کہ کافی وقت تک حسینؑ کی حفاظت کی جا سکتی تھی اور ضرور واقعہ کربلا میں ایک نئی نوعیت پیدا ہو جاتی مگر نہ امام حسینؑ اس طرح کی قربانی کو اپنے نظام عمل میں جگہ دے سکتے تھے اور نہ وہ مخدرات عصمت خون کے انتہائی جوش اور دل کے انتہائی تلاطم کے باوجود کوئی ایک قدم بھی حسینؑ کے مرتب کردہ نقشہ جنگ کے خلاف اٹھانے کے لئے تیار تھیں اس لئے حسینؑ کی تنہائی بھی دیکھی، دشمن کے حملوں کا خروش بھی سنا، فتح کے باجوں کی آوازیں بھی آئیں اور قتل الحسینؑ کی جگر خراش صدا بھی گوش زد ہوئی مگر وہ جہاں حسینؑ بٹھا گئے تھے وہیں بیٹھی رہیں اس وقت تک جب تک کہ وہ جگہ باقی رہی۔ ہاں جب خیموں میں آگ کے شعلے بلند تھے اس وقت مجبور ہو کر امام وقت حضرت زین العابدینؑ کے شرعی حکم کے ماتحت میدان میں نکلیں اور پھر بھی اختیار کی رفتار کے ساتھ پردہ کا احساس قائم رہا جب تک چادریں رہیں، چادروں کا پردہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

رکھا۔ چادریں نہ رہیں تو بالوں سے منہ چھپائے۔ دربار میں کنیزوں کے حلقہ میں اپنے کو مخفی کیا اور جب یزید کے دربار میں تقریر کی ضرورت محسوس ہوئی تو عزیزوں کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جانے سے زیادہ درد ناک الفاظ میں اس مصیبت کا شکوہ کیا کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو تو پردہ میں بٹھایا ہے اور خاندان رسولؐ کی خواتین کو اس طرح دربدر پھرا رہا ہے کہ ان کے چہروں پر اپنے پرائے ہر ایک کی نگاہ پڑ رہی ہے۔

ایسے صبر آزما مواقع پر اس فریضہ اسلامی کی اتنی مکمل نگہداشت کی گئی ہے جو ہمیشہ کے واسطے مسلمانوں کے سامنے ایک زریں مثال کی حیثیت سے قائم رہے گی۔

وصیت :

شریعت اسلامی میں وصیت کا پورا کرنا ایک اہم فریضہ ہے بعض وصیتیں انسان کے ذاتی جذبات و نفسیات کے خلاف ہوتی ہیں مگر مرنے والے انسان کا احترام اس کی وصیت کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے بعض وصیتیں بعد کے پیدا شدہ حالات میں دشوار یا عام نگاہوں میں خلاف مصلحت بھی ہوتی ہیں مگر فرض شناس انسان کو وصیت کی پابندی موجودہ حالات کے تقاضے پر مقدم محسوس ہوتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے بزرگوں کی وصیت کا جس طرح اور جن جن موقعوں پر لحاظ کیا ہے وہ نہ بھولنے کے قابل ایک سبق ہے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے وقت امام حسینؑ بہت کمسن تھے مگر مذہبی روایات متفقہ طور پر یہ بتلاتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنے اس بچہ کی صلاحیتوں کا کمسنی ہی میں اندازہ کر کے اسے اپنے مذہب اسلام کی مستقبل میں حفاظت کرتے رہنے کی وصیت کی تھی اگر اسے لفظی طور پر کوئی نہ بھی مانے تو اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ کا برتاؤ حسینؑ کے ساتھ اور اسلام کے مفاد پر پیغمبرؐ کا ہر قربانی کے لئے آمادہ رہنا یہ ہر لحہ حسینؑ کے نزدیک اس وصیت کی حیثیت رکھتا تھا کہ جب اسلام پر کوئی وقت پڑے تو اپنی جان عزیز نہ کرنا۔ تمہیں اسی دن کے لئے اس محبت و شفقت کی گود میں پالا جا رہا ہے۔ حسینؑ نے اس وصیت کو مرتے دم تک یاد رکھا اور کربلا کا پورا واقعہ اسی وصیت کی تعمیل تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اپنی وفات کے قبل امام حسنؑ کو جانشین بناتے ہوئے حسینؑ کو ان کی پیروی کی ہدایت کر دی تھی۔ حسینؑ نے بے نظیر طریقہ پر اس فرض کو بھی انجام دیا۔

امام حسنؑ کی وصیت تھی کہ میرے تابوت کو میرے جد بزرگوار رسول اللہؐ کے مزار کی طرف وداع کے لئے لے جانا لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون گرنے نہ پائے بغیر کسی جنگ و مقاومت کے میرے جنازہ کو واپس لانا اور بقیع میں دفن کر دینا۔ حسینؑ حسب وصیت بھائی کا جنازہ روضہ رسولؐ پر لے گئے مگر جیسا کہ امام حسنؑ کو اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی نوبت یہ پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کر دی اور کچھ تیر جنازہ امام حسنؑ تک پہنچے۔ بنی ہاشم کے اشتعال کی انتہا نہ تھی مگر وہ فرض شناس حسینؑ تھے جنہوں نے بھائی کی وصیت کے مقابلہ میں اپنے تمام جوش، ولولہ اور طبیعت کے تقاضوں کا خون کر دیا۔ انہوں نے صبر اور خاموشی کے ساتھ دشمن کی مخالفت کو برداشت کیا اور امام حسنؑ کا تابوت واپس لے جا کر جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

اپنے مرحوم بھائی امام حسنؑ کی وصیت کے احترام ہی کی بناء پر کربلا میں اپنے عزیز بھتیجے قاسم بن الحسنؑ کو اجازت جہاد دی جبکہ آپ خود اس لئے اذن جہاد میں تامل فرما رہے تھے کہ ابھی قاسم حد بلوغ کو نہ پہنچے تھے اور جہاد کی تکلیف عائد نہ تھی۔

اپنی نامزد لڑکی کا یتیم امام حسنؑ کے ساتھ عقد کر دینا بھی اپنے بھائی کی وصیت کی تعمیل ہی میں تھا۔

جب ہی تو حضرت امام حسینؑ کی زیارت میں اس صفت کا خاص تذکرہ ہے کہ والیٰ رضیۃ اخیک مسارعا (یعنی) اپنے بھائی کی وصیت کے پورا کرنے میں آپ نے بڑی تعجیل کی کہ کہیں وقت نکل نہ جائے اور وصیت کی تعمیل رہ نہ جائے۔

تلقین صبر:

بلند مرتبہ ہستیوں کے مصائب کے تذکرہ پر اشکبار ہونا حقیقتاً ان بلند اوصاف کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قدر و قیمت کا اظہار ہے جو ان ہستیوں کے ساتھ اٹھ گئے اور اس لئے یہ آنسو سچائی کی شرط کے ساتھ بڑی قدر و قیمت کے حامل ہیں مگر کسی انسان کا خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ ہو خود اپنی مصیبت پر بے تاب ہونا بالخصوص جبکہ دشمنوں کو مضحکہ کا موقع ملے اس انسان کی عظمت نفس کے خلاف ہے۔

راہ حق میں انسان کو خود اگر مصیبت سے دوچار ہونا پڑے تو اسے صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرنا شان ثبات و استقلال ہے جو مرتبہ کی رفعت کا سبب ہوتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کربلا میں خود صاحب مصیبت تھے۔ حضرت زینب کو محبت بھی اپنے بھائی کے ساتھ غیر معمولی تھی۔ وہ ایک مرتبہ صرف حسینؑ کی زبان سے ان کی شہادت کی خبر کے طور پر کچھ اشعار سن کر بے ہوش ہوگئی تھیں۔ امام حسینؑ کو یہ فکر تھی کہ کہیں میرے غم میں میرے اہل حرم اور بالخصوص میری بہن زیادہ اپنا حال تباہ نہ کریں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا فطری اضطراب دشمنوں کے طعن و تشنیع کا ذریعہ بن جائے اس لئے آپ نے اپنی بہن کو بڑے موثر انداز میں یہ وصیت فرمائی کہ میرے غم میں گریبان نہ پھاڑنا، منہ پر طمانچے نہ مارنا اور واویلا و اثبورا کہہ کے نوحہ نہ کرنا۔[1]

یقیناً حسینؑ کی سی بلند مرتبہ ہستی کے غم میں یہ تمام باتیں روا تھیں مگر اپنی بہن زینبؑ کو حسینؑ خود صاحب مصیبت ہونے کے اعتبار سے اسیری کے ہولناک ماحول اور دشمنوں کے محاصرہ میں ایسے صبر و سکون کا مرقع بنانا چاہتے تھے جو دنیا کے صاحبان مصیبت کے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہو سکے اور حضرت زینب نے اس پر ایسے بہترین طریقہ پر عمل کیا کہ خود بے تاب ہونا کیسا وہ کوفہ کی طرف روانگی کے موقع پر اور مقتل شہداء میں سے ہو کر گزرنے کے وقت اپنے بھتیجے امام زین العابدینؑ کو دلاسا دے رہی تھیں جبکہ وہ اپنے باپ کے لاشے کو زمین گرم پر بے دفن دیکھ کر اتنا موثر ہوئے تھے کہ قریب تھا روح جسم سے مفارقت کر جائے۔

---

[1] ارشاد ص ۲۴۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شعائر الٰہیہ کا احترام:

امام حسینؑ نے کعبہ کے احترام کو مدنظر رکھنے کے لئے حج کو ترک کیا اور مسافرت گوارا کی چنانچہ خود فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے خانہ کعبہ کی حرمت برباد ہو۔

اسلاف کی یاد:

حسینؑ کسی وقت اپنے بزرگوں کو نہیں بھولے۔ جب مدینہ سے روانگی قطعی ہو گئی تھی تو آپ نے آخری شب اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لئے مخصوص کی تھی۔

مکہ سے چلتے وقت جو خطبہ پڑھا تھا اس میں بھی فرمایا تھا کہ میں اپنے بزرگوں کی ملاقات کا اتنا مشتاق ہوں جتنا یعقوبؑ، یوسفؑ سے ملاقات کے مشتاق تھے۔

نہم محرم کی عصر کو جس وقت حملہ ہوا تو آپ پر غنودگی طاری تھی۔ جناب زینبؑ نے بیدار کیا تو فرمایا میں نے اپنے نانا کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے تھے کہ اب تم میرے پاس آنے والے ہو۔[1]

عاشور کے دن آپ نے اپنے جوان فرزند علی اکبر کو اذن جہاد دینے کے بعد خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور کہا خداوندا گواہ رہنا کہ وہ جوان جا رہا ہے جو صورت و سیرت و رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے۔ جب ہم مشتاق تیرے رسولؐ کی زیارت کے ہوتے تھے تو اس کے چہرہ پر نظر ڈال لیتے تھے۔ اس طرح آپ نے علی اکبر کے غم میں اپنے شدید تاثر کا سبب بھی ظاہر کر دیا۔ بقول عالم نقوی ؎

شہؑ کو غم تھا شبیہ احمدؐ کا کب وہ روتے تھے اپنے اکبر کو

خود داری:

عام انسان ذرا سا سخت موقع آئے تو گڑگڑانے لگتا ہے اور بہت سی ایسی

---

[1] ارشاد ص ۲۴۳

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صورتیں اختیار کرتا ہے جو ایک خوددار انسان کے شایان شان نہیں ہوتی۔

حضرت امام حسینؑ نے شروع سے آخر تک کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جو عظمت نفس کے خلاف ہو۔

اس وقت جب آپ مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تو لوگوں نے کہا تھا کہ عبداللہ بن زبیر کی طرح عام راستے کو چھوڑ دیجئے اور غیر معروف راستے سے روانہ ہو جایئے مگر حضرت نے فرمایا تھا کہ میں مجرموں کی طرح چھپ کر جانا نہیں چاہتا۔ میں عام راستے ہی سے جاؤں گا۔

کربلا میں ساتویں تاریخ سے پانی بند ہو گیا تھا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ غذا موجود تھی۔ جیسا کہ جناب شیخ جعفر شوستری نے لکھا ہے یقیناً غذا بھی میسر نہ تھی اور اس لئے امام حسینؑ اور ان کے اہل حرم جس طرح تین دن کے پیاسے تھے وہ تین دن کے بھوکے بھی تھے لیکن اس کے باوجود کربلا میں امام حسینؑ نے سوال آب تو بار بار کیا اور پیاس کا مختلف طرح اظہار بھی کیا مگر کوئی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ آپ نے یا آپ کے اعزہ و انصار میں سے کسی نے کبھی بھوک کی شکایت کی ہو اور غذا کے لئے سوال کیا ہو۔

اس کا کیا سبب ہے؟ صرف یہ کہ پانی مانگنا اصول شرافت کے خلاف نہیں ہے ہر آدمی دوسرے سے پانی مانگ لیتا ہے مگر کھانا مانگنا یا بھوک کی تکلیف ظاہر کرنا رکیک بات ہے اور شرافت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ پانی کا سوال بھی حقیقت میں کوئی سوال نہ تھا۔ سوال تو اس وقت کیا جاسکتا تھا کہ جب ان کا جمع کردہ کوئی ذخیرہ پانی کا ہوتا اور امام حسینؑ اس میں سے طلب کرتے۔ یہاں تو اللہ کی جاری کی ہوئی نہر سامنے تھی جسے بصورت ظلم و تشدد دشمنوں نے روک رکھا تھا تو جسے سوال کہا جاتا ہے وہ درحقیقت ایک حق کا مطالبہ تھا اور ظلم ناروا کے خلاف احتجاج تھا اس کی نوعیت اس سوال کی ہے ہی نہیں جو کسی بھی منزل پر عزت نفس کے خلاف سمجھا جاسکے۔

..... ☆☆ .....

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

خاتمہء کتاب

عالم انسانی کو اصلاح عمل اور اتباع اسوۂ حسینی کی دعوت

۱۳۶۱ھ میں واقعہ کربلا کو پورے تیرہ سو برس کا زمانہ گزرا اور اس کی سیزدہ صد سالہ یادگار شرق وغرب عالم میں منائی گئی جس کے ذیل میں ہر طبقہ اور ہر خیال کے لوگوں نے مل کر حسینؑ بن علیؑ کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا۔

اسی یادگار کے سلسلہ میں تاریخی کتاب ''شہید انسانیت'' پیش ہوئی ہے۔

عام طور پر واقعہ کربلا کو ایک ایسے غمناک حادثہ ہی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ جس پر ہمارا کام آنسو بہانا اور اظہار رنج و ملال کرنا ہو اور بس۔ مگر یہ تو ایک فطری تقاضائے انسانیت ہے۔ اس کو مقصد حسینؑ یا اصل مفاد واقعہ کربلا سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

حسینؑ کا بلند نصب العین ہم سے کچھ اور چاہتا ہے وہ یہ کہ ہم اپنی سیرت زندگی کو حسینی سیرت کے سانچے میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہیں۔

امام حسینؑ کو اس اعتبار سے نجات دہندہ سمجھنا غلط ہے کہ آپ نے اپنے معتقدین کو فرائض کی واجبی پابندی سے کلیۃً آزاد کر دیا اور (معاذ اللہ) خود ان کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر شہید ہو گئے اور یہ سمجھنا بھی کہ امام حسینؑ نے گنہگاران امت کے لئے شہادت اختیار کی، اس معنی میں ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ گویا آپ نے ہم کو گناہوں کے ارتکاب کا جواز عطا کر دیا۔ اگر کوئی اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے تو اپنی غلط ذہنیت کی بناء پر شہادت حسینؑ کے مقصد حقیقی کو فراموش کرنے کا درپے ہوتا ہے۔

حسینؑ یقیناً نجات دہندۂ امت تھے بایں معنی کہ آپ نے نجات کا راستہ نمایاں کر دیا اور ایک ایسی جماعت کی بقاء کا سامان کر دیا جو اپنے عمل سے نجات کی حقدار ہو۔ اگر حسینؑ کا کربلا کا جہاد نہ ہوتا تو دین و شریعت کی اصلی صورت رخصت ہو جاتی۔ بادشاہوں کی سیرت سنت الٰہیہ قرار دی جاتی اور ان کی تقلید ہی معیار نجات سمجھی جاتی اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

طرح امت اسلامیہ ابدی ہلاکت میں مبتلا ہوتی۔ حسینؑ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ہم کو نجات کے قابل بنا دیا۔

حسینؑ نے ہمارے قوائے عمل کو معطل و شل نہیں کیا بلکہ آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین محرک عمل ہوسکتا ہے۔

پیشوایان مذہب نے جو گریہ و بکا کی تاکید کی اور اس کے لئے آخرت کے بہترین ثواب بتائے۔ اس کا فلسفہ یہی تھا کہ اگر یہ ثواب ہمارے پیش نظر ہوگا تو ہم ان کے حالات کو زیادہ سننے اور یاد کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ ہمارے اعمال پر اس کا اثر پڑے گا۔ اگر اتنی اہمیت اس واقعہ کو بحیثیت مصیبت نہ دی گئی ہوتی تو دنیا کے تمام دیگر واقعات کی طرح یہ بھی تاریخ کے اوراق کے سپرد ہو جاتا اور یہ جو بچہ بچہ اس سے واقف ہے یہ کبھی نہ ہوتا۔ جب ہم اس سے پورے طور پر واقف ہی نہ ہوتے تو سبق کیا حاصل کرتے۔

سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی کو امتیازی شان کے ساتھ قائم کرنے کا بھی اصلی ماحصل یہی ہے۔ حسینؑ کی یاد اگر پوری طاقت اور ایک نئی زندگی کے ساتھ ہمارے دل میں تازہ ہوئی ہے تو اس کا اثر ہمارے کردار پر پڑنا چاہئے۔

واقعہ کربلا حقیقت میں ایک مدرسہ تربیت ہے جہاں دنیا کو مذہب، اخلاق اور فرائض شناسی کے اصول بتائے گئے ہیں۔ مبارک ہوں گے وہ افراد جو اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے کو عملی حیثیت سے ویسا ہی پیش کریں جیسا کہ حسینؑ دنیا کو بنانا چاہتے تھے۔

..... ☆☆ .....

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com



Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

نگارشات سید العلماء

از سید العلماء الحاج علامہ سید علی نقی مرحوم و مغفور ۲۴۔ نادر و نایاب مقالات پر مبنی یہ کتاب جدید ذہن کے نوجوانوں کیلئے بے حد مفید ہے ہر مومن کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

صفحات ۳۹۲ ہدیہ -/۱۵۰ روپے

شہید اعظم

(جدید ایڈیشن) یہ نادر و نایاب کتاب ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی مرحوم کی تصنیف ہے جس کو امامیہ مشن نے تیس سال قبل شائع کیا تھا۔ مسلسل مانگ کے پیش نظر جدید ایڈیشن چھاپا جا چکا ہے اور مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

صفحات ۲۰۸ ہدیہ -/۱۰۰ روپے

قرآن کیا کہتا ہے

256 صفحات کی اس کتاب میں مذہب امامیہ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا قرآن مجید سے مدلل جواب دیا گیا ہے۔ احادیث اور تاریخ سے بہت کم مدد لی گئی ہے۔

مصنف: سید راحت حسین نقوی مرحوم سفید کاغذ، عمدہ جلد،

ہدیہ: ۶۰ روپے

متعہ اور اسلام

240 صفحات کی اس کتاب میں علامہ علی نقی مرحوم نے قرآن سے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں متعہ جائز ہے۔ جن لوگوں نے اسے حرام کیا ہے انھوں نے اسوۂ پیغمبر کے خلاف عمل کیا ہے۔ متعہ کے حق میں، مولانا مودودی کا بیان بھی شامل کتاب ہے۔

ہدیہ: ۵۰ روپے

ناشر

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ

۸-بی شمع پلازہ 72- فیروز پور روڈ، لاہور

Presented By: https://jafrilibrary.com